بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد ہشتم

1. اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب
2. تفرُّد کی حقیقت

مصنف

مُفتی محمد رضوان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 8

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب

(2)...تفرّد کی حقیقت

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد8)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: ربیع الآخر1440ہجری- دسمبر2018عیسوی

صفحات: 600

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست رسالہ اول

(اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب)

صفحہ نمبر	مضامین

تفصیلی فہرست رسالہ دوم

(تفرّد کی حقیقت)

(فصل نمبر 2)

امورِ انتظامیہ وسیاسیہ میں اختلاف وتفرّد کا حکم

(فصل نمبر 4)

مجتہد و فقیہ کے اجتہاد پر اجر و ثواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی آٹھویں جلد بحمداللہ تیار ہوکر، تدوین، تحقیق، مراجعت، کتابت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے۔

علمی وتحقیقی رسائل کی اشاعت کا یہ سلسلہ پہلی جلد سے شروع ہوکر الحمدللہ تعالیٰ، بتوفیقِ الٰہی آٹھویں جلد کی اشاعت تک پہنچ چکا ہے۔

آٹھویں جلد میں مندرجہ ذیل دو تحقیقی رسائل شامل ہیں:

(1)...اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب

(2)...تفرّد کی حقیقت

ان رسائل میں سے پہلا رسالہ اس باب میں ہے کہ اہلِ سنت فقہاء ومجتہدین اور اہلِ علم کا نصوص واصولِ شرع سے استنباط واستدلال میں اختلاف اجتہادی اختلاف ہے۔ جس میں مجتہد وصاحبِ علم مخطی ہو یا مصیب، بہر حال قابلِ اجر اور عنداللہ مقبول ہوتا ہے۔ یہ اختلاف حق وباطل کا اختلاف نہیں ہوتا کہ اسے امت کے مختلف طبقات باہم نزاع وافتراق کی بنیاد بنالیں، باہم تضلیل وتفسیق اور تعصّبات وتحزبات میں پڑیں۔ یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔ اس سے امت بند گلی میں جا نہیں پڑتی، بلکہ ایک

اجتہاد کی رو سے راستہ بند ہونے یا مشکلات پیدا ہونے پر دوسرے اجتہاد کی رو سے کسی بھی شعبۂ زندگی اور مقتضیاتِ حیات کے کسی بھی باب میں کھلا راستہ ملتا ہے اور وہ یسر و سہولت امت کو میسر آتی ہے جو شرعاً مطلوب ہے، اور اس حرج سے خلاصی ملتی ہے جو شرعاً مرفوع ومدفوع یا مہجور ہے۔

دوسرا رسالہ اگرچہ مستقل طور پر ترتیب دیا گیا ہے، لیکن موضوع کے اعتبار سے وہ گویا کہ اسی پہلے رسالے کا تکملہ یا اس کے مباحث کی تکمیل اور اسی تصویر کا ہی ایک دوسرا رخ ہے کہ جب کوئی حکم، قضیہ یا مسئلہ فی نفسہ محلِ اجتہاد ہے اور ایک صاحبِ علم وبصیرت جو اجتہاد و استدلال اور کم از کم اس مبحوث عنہ قضیہ کے باب میں اجتہاد و استدلال کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اس کے اجتہاد واستنباط پر تفرد کا حکم بایں معنیٰ لگانا کہ وہ گویا مذموم شذوذ کا مرتکب ہے اور اس کی تحقیق واستدلال مردودِ محض ہے، اصول ونصوصِ شرع اور خود عباراتِ فقہاء واصحابِ علم سے یہ دعویٰ بلا دلیل و تحکم پر مبنی ثابت ہوا، اجتہاد و استدلال میں قوت وضعف دلائل ومستدلات سے آتی ہے نہ کہ کسی اجتہاد کا فردِ واحد یا کثیر افراد کا اجتہاد ہونے سے۔

مزید کئی جلدوں کے رسائل پر بھی بحمداللہ تعالیٰ مختلف جہات سے کام جاری ہے، اور بحمداللہ تعالیٰ کئی رسائل پر بڑی حد تک کام ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو حسبِ مراد انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران کے اراکینِ مجلسِ فقہی نے حسبِ سابق اس جلد کے رسائل ومقالات کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، اس طرح اراکینِ مجلس کی نظرِ ثانی اور جزوی اصلاح وترمیم کے بعد اس جلد کے مقالات

بھی الحمدللہ تعالیٰ حتمی شکل میں منقّح ہوئے۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور امتِ مسلمہ کی دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح اور افراط وتفریط سے حفاظت اور اعتدال کے قائم ہونے کا باعث ہو۔آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مفتی محمد امجد حسین صاحب (رکن)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (رکن)

(9)......مولانا عبدالوہاب صاحب (رکن)

(10)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(11)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

06/صفر المظفر/1440ھ 16/اکتوبر/2018ء بروز منگل

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

اجتہادی اختلاف

اور

باہمی تعصب

مسلمانوں کو باہمی اتفاق وبھائی چارگی اختیار کرنے کا حکم
اور بے جا اختلافات اور تفرقہ بازی کی ممانعت
اجتہادی اختلاف کے رحمت وسہولت کا باعث ہونے کا حکم
اجتہادی مسائل میں باہمی تعصّب وتحزّب کی ممانعت
اجتہادی مسائل میں دوسرے فقہاء اور اکابرین سے اختلاف کا حکم

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
32	تمہید (من جانبِ مؤلف)
34	(مقدمہ) اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب
38	(پہلا باب) اتفاق واختلاف اور تعصّب وتحزّب سے متعلق نصوص
39	اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑنے اور تفرقہ بازی سے بچنے کا حکم
44	باہمی مصالحت اور اخوتِ ایمانی اختیار کرنے کا حکم
69	حسنِ کلام، نرمی اور درگزر کا حکم
82	حق کا ساتھ دینے اور تعصب سے بچنے کا حکم
90	تفقہ فی الدین اور اجتہادی اختلاف کا خیر و نعمت ہونا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

فقہی واجتہادی امور ومسائل کے اندر باہمی اختلاف کی صورت میں تعصب وتشدد اختیار کرنا غلو پرمبنی، شرعاً ناپسندیدہ عمل، امت کی اجتماعیت کے لیے زہرِ قاتل اور اہم فتنہ ہے۔

شومئی قسمت کہ آج کے دور میں اہلِ علم اور خواص کا بڑا طبقہ اس فتنہ میں مبتلا ہے، اور ان کے واسطے سے ان کے متبعین ومحبین عوام کا بہت بڑا طبقہ بھی اس فتنہ میں دو ہاتھ آگے بڑھا ہوا ہے، اور ''العوام کالانعام'' کا ایک طبقہ تو مسلکی تعصب وتشدد کے اختیار کرنے کو اپنے مسلک یا اپنے مخصوص مشرب کی زندگی کا چراغ جلائے رکھنے کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں معتدل ومتوسط فکر کے حاملین کی تعداد کم ہے، بلکہ اب تو معتدل ومتوسط فکر رکھنے والے افراد کو متساہل اور متفرد، نہ جانے کیا کیا کہا جانے لگا ہے۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے فقہی وفروعی اور اجتہادی اختلاف میں تعصب وتشدد نے ہر زمانے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا، فتنۂ تاتار اور مسلمانوں کی کئی سلطنتوں کا تاریخِ اسلامی کے مختلف ادوار میں سقوط اور ''دمِ واپسیں'' دیگر اسباب کے ساتھ دراصل اس طرزِ عمل ہی کا شاخسانہ تھا۔

امتِ مسلمہ آج بھی اس صورتِ حال سے دوچار ہے، طاغوتی قوتوں کی طرف سے ان کے ساتھ اسی راستے سے منظّم انداز میں عبرتناک وشرمناک کھیل کھیلنے کا سلسلہ جاری ہے، جس میں مسلمانوں کو ہی ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا جارہا، اور ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' کی مثالیں دہرائی جارہی ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ آج طاغوتی قوتوں کی اس گہری علمی، فقہی یا مسلکی رنگ کی سازش کو سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہوگیا ہے، جس کی بعض دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک

اہم وجہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے انسان جس ماحول میں زندگی بسر کررہا ہو، بلکہ اس نے دین کے جس ماحول میں آنکھ کھولی ہو، اس کو اس کے برخلاف کسی چیز کو قبول کرنا اور اپنے گزشتہ زعم کو ترک یا تبدیل کرنا آسان نہیں ہوتا۔

موجودہ دور کے فقہی اختلاف کا بیشتر حصہ خیر القرون اور محدثین وفقہائے کرام کے زمانوں میں بھی موجود تھا، لیکن ان کے زمانوں میں تعصب وتشدد پرمبنی یہ صورتِ حال نہ تھی، جو موجودہ دور میں ان کے نام لیوا اور متبعین ومعتقدین میں پائی جارہی ہے، اس لیے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اجتہادی وفقہی اختلاف رکھنے کے باوجود باہم ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ '' اور ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ '' اور دشمنوں کے مقابلہ میں ''كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ '' اور ''أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ '' کا مصداق تھے۔

مسلمانوں کے موجودہ ان باعثِ تشویش حالات کو دیکھتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر قرآن وسنت اور علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں کچھ وضاحت کردی جائے۔

اس مذکورہ مقصد کے لیے بندہ نے ایک مضمون مرتب کیا، جس کو

''اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب''

کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ میں مطلوبہ اعتدال واتفاق کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور افراط وتفریط اور باہمی تعصب وتحزّب اور بے جا تفرق وتشتت سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان خان

03/ جمادی الاخریٰ/ 1439ھ 20/ فروری/ 2018ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب

حمد وصلاۃ کے بعد تمام مسلم ومومن بھائیوں اور بہنوں اور خصوصاً معزز اہلِ علم حضرات سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت میں تمام مومنین ومسلمین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے، اور بھائی ہونے کے اعتبار سے کئی حقوق ایک دوسرے پر عائد کیے گئے ہیں، اور اس کے برعکس باہمی بغض وعداوت اور تحاسد وتباغض وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر فقہی ومجتہد فیہ امور میں فقہاء ومجتہدین کا باہمی اختلاف رحمت ہوتا ہے، کیونکہ اس میں امت کے مختلف طبقات وحالات اور مختلف ازمنہ وامکنہ کے لیے مختلف پہلوؤں کی رعایت وسہولت ہوتی ہے، اور اجتہادی مسئلہ ہونے کی وجہ سے مجتہد یا اس کے مقلد کے لیے اجتہادی خطاء بھی گناہ نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں کوئی جانب بھی فی نفسہٖ منکر اور قابلِ نکیر نہیں ہوتی، اور اکثر وبیشتر ان میں قوی وضعیف اور راجح ومرجوح یا افضل وغیر افضل کا اختلاف ہوتا ہے، اسی لیے تحقیق وتنقیح کے نتیجہ میں اس طرح کے مسائل میں فقہاء ومجتہدین کے مختلف اقوال میں تطبیق دینا، یا ان میں سے کسی ایک رائے کو راجح اور دوسری رائے کو مرجوح سمجھنا اور قرار دینا، یا ایک کو افضل اور دوسری رائے کو غیر افضل مگر مباح قرار دینا جائز ہوتا ہے، اور علمی وفقہی اعتبار سے دلائل کے پیشِ نظر دوسری رائے کے ضعیف اور مرجوح ہونے کا اظہار کرنا بھی جائز ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ دوسری رائے کے حاملین فقہاء ومجتہدین یا ان کے مقلدین ومتبعین کو مطعون کرنا یا ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنا یا ان کی تحقیر وتذلیل کرنا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ فقیہ ومجتہد ''فیما بینہٗ وبین اللہ'' جو بھی رائے اختیار کرتا ہے، وہ اپنی علمی وفقہی بساط اور حدود کی حد

تک نیک نیتی کے ساتھ اس کو افضل، راجح اور صواب سمجھتے ہوئے اختیار کرتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں دوسری رائے کو مفضول، مرجوح یا خطاء سمجھتے ہوئے ترک کرتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فقیہ و مجتہد کی خطاء کو بھی نہ صرف یہ کہ معاف فرمادیا ہے، بلکہ اللہ نے اس کے اجتہاد کو ہی عبادت قرار دے کر اس پر ایک اجر و ثواب کا بھی وعدہ فرمایا ہے، پھر جس عمل پر عنداللہ مؤاخذہ نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ ہے، تو کسی کا اس عمل پر تحقیر و تنکیر اور تذلیل و توہین کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اسی لیے فقہ و اجتہاد کے اعتبار سے معتبر ائمۂ مجتہدین، مثلاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری وغیرہ مذاہب و مسالک سے تعلق رکھنے والے دنیا بھر کے مسلمان، خواہ وہ کسی ایک فقہی مسلک پر تقلیدِ شخصی کر کے عامل ہوں، یا اہلُ السنۃ والجماعۃ کے قائم کردہ اصولوں کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اجتہاداً یا تقلیداً عمل پیرا ہوں، اور وہ خواہ کسی نسبت سے معروف و مشہور ہوں، مگر دین کے اعتقادی و فکری اصولیات میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے ساتھ متحد ہوں، اگرچہ ان کے فقہی اجتہادی و فروعی الوان میں فرق ہو، وہ سب کے سب درحقیقت اہلُ السنۃ والجماعۃ سے وابستہ ہیں، کیونکہ اکثر فروعی و فقہی نوعیت کا اختلاف صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین سے چلتا آرہا ہے، اگر ان چیزوں کی بنیاد پر اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج کرنا پایا جائے، تو ان کی وجہ سے نعوذ باللہ تعالیٰ بہت سے صحابۂ کرام و سلفِ صالحین کا بھی اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونا لازم آئے گا، جبکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کی بنیاد اور نسبت ہی بالخصوص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بالعموم ان کے متبعین سلف کی وجہ سے قائم ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ موجودہ دور میں تقریباً ہر سلسلہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں کہ جو ذاتی طور پر فکری یا عملی اعتبار سے راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں، یا انہوں نے اجتہادی و فروعی نوعیت کے اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف بنالیا ہے، لیکن ان افراد کی وجہ سے اس سلسلہ کی بنیادی و اساسی فکر کو جو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصولوں پر قائم ہو، غلط و باطل قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ

ایسی صورت میں افراط وتفریط کی نشاندہی اور راہِ اعتدال کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

الَّا یہ کہ کسی سلسلہ کی اساسی و بنیادی فکر ہی اصولی طور پر اہلُ السنۃ والجماعۃ سے متصادم ہو، تو ایسی صورت میں اس ظاہری وصوری نسبت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ حقیقت کا اعتبار ہوگا۔

موجودہ دور میں اجتہادی اور فقہی ومجتہَد فیہ امور ومسائل میں ایک عرصہ سے بعض حلقوں میں مختلف قسم کی بے اعتدالیوں اور افراط وتفریط کی صورتوں کا مشاہدہ ہورہا ہے، مزیدں براں اس افراط وتفریط کو اہلِ حق کی طرف منسوب کیا جاتا، بلکہ ان میں اہلِ حق کو منحصر سمجھا جاتا ہے، یا پھر بعض مخصوص فروعی مسائل میں مشہور ومعروف اقوال ومسائل کے برعکس تحقیقاً یا تقلیداً کسی دوسرے فقہی قول کو اختیار کرنے پر اہلُ السنۃ سے اخراج کا حکم صادر کیا جاتا ہے، اور ان چیزوں پر اپنی علمی، ذہنی، بدنی، زبانی اور تحریری صلاحیتوں کو خرچ کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے افراط وتفریط سے ہٹ کر متعدد معتدل ومتوسع اقوال اجنبی محسوس ہونے لگے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں سیاست سے لے کر عام معاشرہ کے افراد تک میں مختلف مشکلات کے ساتھ ساتھ متعدد غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں، اور اختلاف وتفرقہ بازی نیز تشدد وتعصب کو ہوا مل رہی ہے، اور اس کی وجہ سے عوامی دنیا سمیت دینی طبقہ کی بڑی تعداد اپنی راہوں کو الگ اختیار کررہی ہے، یا پھر اپنے آپ کو اہلِ باطل کے ساتھ وابستہ کررہی ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ تشویش عوام سے بڑھ کر اہلِ علم حضرات کے اس حلقہ پر ہے، جو تعصب وغیرہ کی بناء پر اجتہادی وفقہی اختلاف میں اپنے یا اپنے امام یا مشائخ واکابر کے موقف وقول کو سو فیصد یا قطعی طور پر صحیح اور دوسرے کو سو فیصد یا قطعی طور پر غلط یا اس طرح کے اجتہادی اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف سمجھے ہوئے ہے، یا اس کے ساتھ حق وباطل کی طرح کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ دوسری رائے پر سخت نکیر بلکہ دوسری رائے کے حاملین کی تحقیر وتذلیل اور اپنی رائے پر بے جا اصرار اور اس کو درست وراجح قرار دینے کے لیے بے بنیاد اور دور دراز کی تاویلات کرنے سے گریز نہیں کرتا، جو کہ گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کے مابین باہمی جنگ وجدل اور منافرت کا بہت بڑا سبب ہے، جبکہ

ان میں سے اکثر و بیشتر مسائل میں تقریباً صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین اور پھر اتباعِ تابعین اور فقہائے متبوعین میں بھی اختلاف تھا، اور ہر ایک کے پاس اپنے قول کا کوئی نہ کوئی شرعی ماخذ بھی تھا، لیکن وہ آج کل کی طرح ایک دوسرے سے تحاسد وتباغض اور تعصب وتحزّب والا رویہ اختیار نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کو ان فروعی واجتہادی اختلاف اور اس کے مقابلہ میں امتِ مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کی حیثیت وحقیقت اور درجہ معلوم تھا۔

اسی لیے وہ حضرات ایک امیر کی اقتداء وامارت میں جہاد، حکومت وسیاست اور دیگر قیادت وسیادت کے امور اجتماعیت وطمانینت کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے، اور فروعی اختلاف کے باوجود، ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، اور ایک دوسرے سے محبت ومودت اور اتحاد واتفاق رکھتے تھے، لیکن موجودہ دور میں یہ چیزیں رخصت ہوتی جارہی ہیں، اور ان کی جگہ تحاسد وتباغض، غیبت، بہتان، تحقیر وتذلیل وغیرہ جیسی بداخلاقیاں جنم لے رہی ہیں۔

اس لیے موجودہ دور میں اجتہادی اختلاف اور فقہی تعصب وتشدد کی شکل میں پائی جانے والی سنگین غلطی کا علم اور اس طرزِ عمل کی اصلاح بہت ضروری ہے، جس کی آگے قرآن وسنت اور اہلِ علم کی عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں دلائل کے ساتھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ عدل وانصاف کے حاملین کے لیے اس کو سمجھنا اور قبول کرنا دشوار نہ ہوگا، جس طرح متشددین ومتعصبین کا اس کو قبول اور ہضم کرنا مشکل ہوگا، لیکن ہمارے پیشِ نظر چونکہ الحمدللہ مخلوق کے بجائے خالق کی رضا ہے، اس لیے مخالفین کی ملامت کے خوف سے اپنے رجحان کے اظہار کی ذمہ داری کو ترک نہیں کیا جاسکتا، خالق کی رضا کے مقابلہ میں تمام مخلوق کی رضا کی بھی حیثیت نہیں، چہ جائیکہ کسی ایک ایسے حلقہ یا طبقہ کی رضا کو اہمیت دی جائے، جو خود تعصب یا غلط فہمی یا کسی اجتہادی خطاء میں مبتلا ہو۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور ناراضگی والے موقف کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(پہلا باب)

اتفاق واختلاف اور تعصّب وتحزّب سے متعلق نصوص

''اختلاف'' دراصل ''اتفاق'' کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

ہر چیز میں ''اختلاف'' اور ''اتفاق'' کا حکم ایک جیسا نہیں۔ [1]

لیکن اس میں شک نہیں کہ قرآن وسنت میں مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارگی اختیار کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ الفت ومحبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اتفاق پر ابھارا گیا ہے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اجتہادی وفقہی مسائل میں جو اختلاف امت میں واقع ہوا ہے، وہ اپنی حدود میں رہتے ہوئے قابلِ مذمت نہیں بلکہ باعثِ رحمت ہے، لیکن جب حدود سے تجاوز کیا جائے، یا اس کو حق وباطل کا اختلاف بنایا جائے، یا اس اختلاف میں تشدد وتعصب کو اختیار کیا جائے، اور اس کی بناء پر آپس میں بغض وعداوت وغیرہ قائم کی جائے، تو پھر یہ طرزِ عمل قابلِ مذمت کہلاتا ہے، اور اس طرزِ عمل کی اصلاح ضروری اور اس میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] الاختلاف لغة: مصدر اختلف .والاختلاف نقيض الاتفاق .جاء فى اللسان ما مفاده: اختلف الأمران لم يتفقا .وكل ما لم يتساو فقد اختلف .والخلاف: المضادة، وخالفه إلى الشىء عصاه إليه، أو قصده بعد أن نهاه عنه .ويستعمل الاختلاف عند الفقهاء بمعناه اللغوى وكذلك الخلاف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۲۹۱، مادة " اختلاف")

[2] الفروع الاجتهادية التى قد تخفى أدلتها .فهذه الخلاف فيها واقع فى الأمة .ويعذر المخالف فيها؛ لخفاء الأدلة أو تعارضها، أو الاختلاف فى ثبوتها .وهذا النوع هو المراد فى كلام الفقهاء إذا قالوا: فى المسألة خلاف .وهو موضوع هذا البحث على أنه الخلاف المعتد به فى الأمور الفقهية. فأما إن كان فى المسألة دليل صحيح صريح لم يطلع عليه المجتهد فخالفه، فإنه معذور بعد بذل الجهد، ويعذر أتباعه فى ترك رأيه أخذا بالدليل الصحيح الذى تبين أنه لم يطلع عليه .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زیرِ بحث مضمون چونکہ اسی پہلو سے متعلق ہے۔

اس لیے اجتہادی وفقہی مسائل میں اعتدال کو ملحوظ رکھنے کی اہمیت اور تشدد وتعصب کی مذمت کو فقہاء وعلماء کی عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں ملاحظہ کرنے سے پہلے مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق کی اہمیت اور اختلاف وتفرقہ بازی کی مذمت اور مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ وحسنِ وسلوک کے سلسلہ میں قرآن وسنت کی چند اصولی تعلیمات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑنے اور تفرقہ بازی سے بچنے کا حکم

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن وسنت میں مسلمانوں کے باہمی اتفاق پر بہت زور دیا گیا ہے، اور اس کے مقابلہ میں ایسے اختلاف سے منع کیا گیا ہے، جو مسلمانوں میں تفریق وپھوٹ پڑنے اور تفرقہ بازی کا سبب ہو۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کی سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فهذا النوع لا يصح اعتماده خلافا فى المسائل الشرعية، لأنه اجتهاد لم يصادف محلا، وإنما يعد فى مسائل الخلاف الأقوال الصادرة عن أدلة معتبرة فى الشريعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۲۹۴، مادة " اختلاف")

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورة آل عمران، رقم الآيات ۱۰۳ الیٰ ۱۰۵)

ترجمہ: اور مضبوط پکڑ لو تم سب مل کر اللہ کی رسی کو اور نہ تفرقہ بازی کرو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی، جب تھے تم ایک دوسرے کے دشمن، پھر الفت پیدا کردی اللہ نے تمہارے دلوں کے درمیان، پھر ہو گئے تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی، اور تھے تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر، پھر بچالیا اللہ نے تم کو اس سے، اس طرح بیان کرتا ہے اللہ تم پر اپنی نشانیاں، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اور ہونی چاہئے تم میں سے ایک جماعت، جو دعوت دے خیر کی طرف، اور حکم کرے اچھے کام کا، اور منع کرے برے کام سے، اور یہ لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔

اور مت ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح، جنہوں نے تفرقہ بازی کی، اور اختلاف کیا، بعد اس کے کہ آ چکیں ان کے پاس واضح دلیلیں، یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہے عذابِ عظیم (سورہ آلِ عمران)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ (مسلم، رقم الحديث ۱۷۱۵ "۱۰" كتاب الحدود، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهى عن منع وهات، دار احياء التراث العربى، بيروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں، اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں، پس تمہارے لئے اس چیز کو پسند فرماتے ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لو، اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور تمہارے لئے قیل وقال (چہ می گوئیوں) کو ناپسند فرماتے ہیں، اور کثرت سے سوال کرنے کو، اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں (مسلم)

احادیث وروایات کی رُو سے قرآن مجید کی گزشتہ آیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ [1]

اور بعض حضرات نے جو اللہ کی رسی سے اللہ ورسول کی اطاعت وغیرہ کا مراد ہونا بیان فرمایا ہے، یہ بھی اس کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اصولی طور پر اللہ کے رسول کی اطاعت وغیرہ کا حکم بھی موجود ہے، جس سے سنت ہی مراد ہے۔

بہر حال تمام مسلمانوں کو اللہ کی رسی یعنی قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے، جس کی برکت سے تفرقہ بازی ختم ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے مابین اتفاق واتحاد قائم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

---

[1] عن زيد بن أرقم قال: دخلنا عليه فقلنا له: لقد رأيت خيرا صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم وصليت خلفه فقال: نعم وإنه صلى الله عليه وسلم خطبنا فقال: "إني تارك فيكم كتاب الله هو حبل الله من اتبعه كان على الهدى ومن تركه كان على الضلالة (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ١٢٣ ،ذكر إثبات الهدى لمن اتبع القرآن والضلالة لمن تركه)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابنِ حبان)

عن أبي وائل، قال: قال عبد الله " : إن هذا الصراط محتضر، تحضره الشياطين ينادون: يا عباد الله، هذا الطريق فاعتصموا بحبل الله، فإن حبل الله القرآن (سنن الدارمي، رقم الحديث ٣٣٦٠)

عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ (سورة الانعام، رقم الآية ۱۵۳)

ترجمہ: اور بے شک یہ میرا راستہ ہے سیدھا، پس اتباع کرو تم اس کی، اور نہ اتباع کرو تم مختلف راستوں کی، پس وہ ہٹا دے گا تم کو اس (صراطِ مستقیم کے) راستے سے، یہ وصیت کرتا ہے تم کو (اللہ) اس کی، تاکہ تم متقی بن جاؤ (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں اللہ نے تمام لوگوں کو ایک صراطِ مستقیم پر چلنے کا حکم فرمایا، اور مختلف راستوں پر چلنے سے منع فرمایا اور اس کا یہ نقصان بیان فرمایا کہ اس سے صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَطِیۡعُوۡا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیۡنَ (سورة الانفال، رقم الآية ۴۶)

ترجمہ: اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور آپس میں نزاع نہ کرو، پس بزدل ہو جاؤ گے تم، اور چلی جائے گی تمہارا ہوا، اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ انفال)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر جمع ہو جانا چاہیے اور آپس میں نزاع واختلاف نہیں ڈالنا چاہیے۔

اس سے بزدلی اور کم ہمتی پیدا ہوتی ہے۔

سورہ انعام میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ. اِنَّمَآ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ (سورة الانعام، رقم الآية ۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں، اور ہو گئے وہ کئی گروہ، نہیں ہے آپ کا ان سے کسی چیز میں تعلق، بس ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، پھر خبردار کرے گا اُن کو (اللہ، آخرت میں) اُن چیزوں سے، جو یہ کرتے

رہے (سورہ انعام)

مذکورہ آیت سے دین میں تفرقہ بازی پیدا کرنے کی برائی معلوم ہوگئی کہ ایسا فعل کرنے والے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق نہیں اور اس پر اللہ کی ناراضگی آتی ہے۔

سورہ روم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا. كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (سورة الروم، رقم الآيات ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: رجوع کرتے ہوئے اُس (اللہ) کی طرف، اور ڈرو اس سے، اور قائم کرو نماز کو، اور نہ ہو جاؤ تم مشرکین میں سے، اُن میں سے جنہوں نے تفریق پیدا کی اپنے دین میں اور ہوگئے وہ کئی گروہ، ہر جماعت اس چیز کے ساتھ جو اس کے پاس ہے، خوش ہے (سورہ روم)

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں تفرقہ بازی ڈالنا، مشرکوں کا طریقہ ہے، اس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (سورة الشورىٰ، رقم الآية ۱۳)

ترجمہ: جاری کیا اس (اللہ) نے تمہارے لیے، اس دین کو کہ وصیت کی اس کی نوح کو، جس کی وحی کی ہم نے آپ کی طرف، اور وہ کہ وصیت کی ہم نے ابراہیم، اور موسیٰ اور عیسیٰ کو، اس بات کی کہ قائم کرو تم دین کو، اور نہ تفرقہ ڈالو اس میں (سورہ شوریٰ)

معلوم ہوا کہ دین میں تفرقہ بازی اتنی بری چیز ہے کہ اس سے بچنے کی اللہ نے اپنے کئی جلیل القدر نبیوں کو وصیت کی ہے۔

مذکورہ آیات میں دین کے اندر اپنی ذاتی آراء اور خواہش سے اختلاف وتفرقہ بازی ڈالنا اور اسی طرح ایک دوسرے سے تعصب وعناد کی وجہ سے اختلاف وتفرقہ بازی اختیار کرنا، سب داخل ہے۔ [1]

باہمی مصالحت اور اخوتِ ایمانی اختیار کرنے کا حکم

قرآن وسنت میں تمام مسلمانوں کو آپس میں اخوتِ ایمانی اور مصالحت کو اختیار کرنے کا حکم بھی آیا ہے۔

اور قرآن وسنت میں آپس میں بھائی چارگی اختیار کرنے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرنے اور جھگڑا ونزاع ختم کرنے کی بھی بڑی فضیلت وتاکید آئی ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات اور احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن مجید کی سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (سورة الانفال، رقم الآية ١)

ترجمہ: پس ڈرو تم اللہ سے، اور اصلاح کرو تم اپنے آپس کے درمیان (سورہ انفال)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو تقوے کے ساتھ ساتھ آپس میں مصالحت پیدا کرنے کا بھی حکم ہے۔

سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

---

[1] ولا تتفرقوا فيه باتباع الآراء الأهواء او بالتعصب والعناد فان افتراق امة محمد صلى الله عليه وسلم الى ثلاث وسبعين فرقة انما نشأ باتباع الآراء والأهواء(التفسير المظهرى، ج٨،ص ٣١٢،سورة الشورى)

إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ.

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَّكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ، وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورة الحجرات، رقم الآيات ۹ الیٰ ۱۳)

ترجمہ: اور اگر دو گروہ مؤمنوں کے باہم قتل وقتال کریں تو صلح کرا دو ان کے درمیان، پھر اگر زیادتی کرے ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر تو قتال کرو تم اس (گروہ) سے، جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ رجوع کرے وہ اللہ کے حکم (یعنی حق اور امن) کی طرف، پھر اگر وہ رجوع کرلے تو صلح کرادو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اور تم (صلح کرانے میں) انصاف کرو بے شک اللہ محبت رکھتا ہے انصاف کرنے والوں سے، بس تمام مومنین بھائی بھائی ہیں، تو صلح کرادو

اپنے بھائیوں کے درمیان اور ڈرو تم اللہ سے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اے ایمان والو! تمسخر نہ کرے کوئی قوم کسی قوم سے، ممکن ہے کہ وہ (جن سے کہ تمسخر کیا جارہا ہے) بہتر ہوں ان (تمسخر کرنے والوں) سے اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ (عورتیں کہ جن کا تمسخر کیا جارہا ہے) بہتر ہوں، ان سے (جوکہ تمسخر کرنے والی ہیں) اور نہ عیب لگاؤ اپنے (مومن بھائی) کو اور نہ پکارو ایک دوسرے کو بُرے القاب سے، بہت برا ہے گناہ کا نام رکھنا ایمان کے بعد اور جو توبہ نہیں کرے گا، تو یہی لوگ ظالم ہوں گے۔

اے ایمان والو! بچو تم بہت سے گمان قائم کرنے سے، بے شک بعض گمان گناہ ہیں، اور تجسس نہ کرو تم، اور غیبت نہ کریں تم میں سے بعض بعض کی، کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی اس بات کو کہ وہ کھائے گوشت کو اپنے مُردہ بھائی کے، پس ناپسند کرتے ہو تم اس کو، اور ڈرو اللہ سے، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، رحیم ہے۔

اے لوگو! پیدا کیا ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو مختلف خاندان اور قبیلے تاکہ پہچان ہو تمہیں آپس میں، بے شک تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب خبر رکھنے والا ہے (سورہ حجرات)

سورہ حجرات کی مذکورہ آیات میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، اور آپس میں تمام مسلمانوں کو مصالحت اور تقوے کو اختیار کرنے کا حکم دے کر رحم کیے جانے کا ذکر فرمایا، اور تمام مومنوں کے بھائی ہونے اور ان میں مصالحت کرانے کا یہ حکم تمام مسلمانوں اور تمام اسلامی فرقوں کو شامل ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مذکور آیات میں چند بداخلاقیوں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں ایک

بداخلاقی ایک دوسرے کا تمسخر اور مذاق اڑانا ہے، اور دوسری بداخلاقی ایک دوسرے کی عیب جوئی وعیب گوئی ہے، اور تیسری بداخلاقی ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنا ہے۔

اور اس طرح کی بداخلاقیوں کے مرتکب لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توبہ نہ کرنے کی صورت میں ظالم قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ ہیں، جن سے توبہ ضروری ہے۔

اس کے بعد مومنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی سے منع کیا گیا ہے، اور بدگمانی کو گناہ قرار دیا گیا ہے، اور پھر ایک دوسرے کا تجسس کرنے اور ٹوہ لگانے سے منع کیا گیا ہے، اور پھر غیبت سے ایک خاص انداز میں منع کیا گیا ہے۔

یہ حقوق مسلمانوں کے اخوتِ ایمانی ودینی کے اعتبار سے سب میں مشترک ہیں، اور یہ حقوق، تمام مسلمانوں کے لیے ہیں، خواہ وہ اپنے قبیلے، اپنے خاندان، اپنے علاقے، اپنی زبان، سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور سے۔

اور خواہ وہ اپنے مسلک اور اپنے مشرب اور اپنی مخصوص جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، یا کسی اور سے۔

پس کسی مسلمان کے محض دوسری جماعت یا دوسرے مسلک سے منسلک ہونے کی بنا پر اس کی غیبت، تمسخر وتحقیر اور تجسس وغیرہ کی اجازت نہیں۔

مذکورہ آیات میں مسلمانوں کے بنیادی اور اہم حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔

احادیث میں مسلمانوں کے حقوق کی مزید تفصیل آئی ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] قوله تعالى ":إنما المؤمنون إخوة "أى فى الدين والحرمة لا فى النسب، ولهذا قيل :أخوة الدين أثبت من أخوة النسب، فإن أخوة النسب تنقطع بمخالفة الدين،وأخوة الدين لا تنقطع بمخالفة النسب .وفى الصحيحين عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:) لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تناجشوا وكونوا عباد الله إخوانا (.1وفى رواية:) لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبع بعضكم على بيع بعض وكونوا عباد الله إخوانا، المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره، التقوى ها هنا -ويشير إلى صدره ثلاث مرات -بحسب امرء من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلاَمِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٢٤٠، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمان کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حرام دمه وماله وعرضه (لفظ مسلم .وفى غير الصحيحين عن أبى هريرة قال النبى صلى الله عليه وسلم:) المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يعيبه ولا يخذله ولا يتطاول عليه فى البنيان فيستر عليه الريح إلا بإذنه ولا يؤذيه بقتار قدره إلا أن يغرف له غرفة ولا يشترى لبنيه الفاكهة فيخرجون بها إلى صبيان جاره ولا يطعمونهم منها (.ثم قال النبى صلى الله عليه وسلم :) احفظوا ولا يحفظ منكم إلا قليل (.الثانية -قوله تعالى ":فأصلحوا بين أخويكم "أى بين كل مسلمين تخاصما(تفسير القرطبى،ج١٦،ص٣٢٣،سورة الحجرات)

إنما المؤمنون إخوة من حيث إنهم منتسبون إلى أصل واحد وهو الإيمان الموجب للحياة الأبدية، وهو تعليل وتقرير للأمر بالإصلاح ولذلك كرره مرتبا عليه بالفاء فقال :فأصلحوا بين أخويكم ووضع الظاهر موضع الضمير مضافا إلى المأمورين للمبالغة فى التقرير والتخصيص، وخص الإثنين بالذكر لأنهما أقل من يقع بينهم الشقاق(تفسير البيضاوى،ج٥،ص١٣٥،،سورة الحجرات)

وقوله تعالى :إنما المؤمنون إخوة أى الجميع إخوة فى الدين، كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه وفى الصحيح والله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيه وفى الصحيح أيضا إذا دعا المسلم لأخيه بظهر الغيب قال الملك آمين ولك مثله والأحاديث فى هذا كثيرة، وفى الصحيح مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم وتواصلهم كمثل الجسد الواحد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالحمى والسهر وفى الصحيح أيضا المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا وشبك بين أصابعه صلى الله عليه وسلم.

وقال أحمد:حدثنا أحمد بن الحجاج، حدثنا عبد الله، أخبرنا مصعب بن ثابت حدثنى أبو حازم قال: سمعت سهل بن سعد الساعدى رضى الله عنه يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

إن المؤمن من أهل الإيمان بمنزلة الرأس من الجسد، يألم المؤمن لأهل الإيمان كما يألم الجسد لما فى الرأس تفرد به أحمد ولا بأس بإسناده، وقوله تعالى :فأصلحوا بين أخويكم يعنى الفئتين المقتتلتين واتقوا الله أى فى جميع أموركم لعلكم ترحمون وهذا تحقيق منه تعالى للرحمة لمن اتقاه(تفسير ابن كثير،ج٧،ص٣٢١،سورة الحجرات)

مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، اور مریض کی عیادت کرنا، اور جنازوں کے پیچھے چلنا، اور دعوت قبول کرنا، اور چھینکے والے کو (چھینک کا) جواب دینا (بخاری)

چھینک کا جواب "یرحمک اللّٰہ" وغیرہ الفاظ میں دینے کا حکم ہے، جب چھینکنے والا "الحمد للّٰہ" کہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ: مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ :إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۸۴۵،مسلم،رقم الحديث ۲۱۶۲ "۵"، کتاب الآداب)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ اس سے ملیں، تو اسے سلام کریں، اور جب وہ آپ کی دعوت کرے، تو اس کی دعوت قبول کریں (جبکہ قبول کرنے میں کوئی معقول عذر نہ ہو) اور جب وہ آپ سے خیر خواہی طلب کرے، تو آپ اس کی خیر خواہی کریں، اور جب وہ چھینکے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، تو آپ اُس کو دعا دیں (یعنی یَرحَمُکَ اللّٰہ کہیں) اور جب وہ بیمار ہو جائے تو آپ اس کی عیادت کریں، اور جب وہ فوت ہو جائے تو آپ اس کے (جنازہ کے) پیچھے چلیں (مسند احمد، مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ مِنَ

الْـمَعْرُوفِ سِتٌّ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَـهُ، وَيُشَمِّتُـهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَـرِضَ، وَيُـجِيبُـهُ إِذَا دَعَـاهُ، وَيَشْهَـدُهُ إِذَا تُوُفِّيَ، وَيُحِبُّ لَـهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، وَيَنْصَحُ لَـهُ بِالْغَيْبِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٦٧٣) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر اچھے کاموں میں سے چھ حقوق ہیں، جب ملاقات ہوتو سلام کرے، جب چھینکے تو جواب دے، جب بیمار ہوتو عیادت کرے، جب دعوت دے تو قبول کرے، جب فوت ہوجائے تو جنازے میں شرکت کرے، اپنے لیے جو پسند کرتا ہے، اس کے لئے بھی وہی پسند کرے، اوراس کی غیر موجودگی میں اس کا خیر خواہ رہے (مسند احمد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَـرَنَـا رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَـاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيْفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ وَإِفْشَـاءِ السَّلَامِ وَإِبْـرَارِ الْـمُقْسِمِ (صـحيـح البخـاری، رقـم الـحديث ٦٢٣٥، كتاب الاستئذان، باب افشاء السلام)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات کاموں کا حکم فرمایا، مریض کی عیادت کرنے کا، اور جنازوں کے پیچھے چلنے کا، اور چھینکنے والے کو جواب دینے کا، اور کمزور کی مدد کرنے کا، اور مظلوم کی حمایت کرنے کا، اور سلام کو پھیلانے کا، اور قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا (بخاری)

بعض روایات میں پانچ، بعض میں چھ اور بعض میں سات حقوق، اس لیے بیان کیے گئے، کہ حسبِ ضرورت کسی جگہ اختصار سے مقصد حاصل ہو جاتا تھا، کسی جگہ کسی خاص پہلو کو واضح

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف الحارث الأعور (حاشية مسند احمد)

کرنے اور بتانے کی ضرورت تھی، ورنہ یہ تمام حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن سب سے مسلمانوں کے باہمی اخوت والے رشتے کو نباہنے کا طریقہ بتلانا مقصود ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُهُ وَلَا یَخْذُلُهُ.

وَیَقُوْلُ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَا تَوَادَّ اِثْنَانِ فَفُرِّقَ بَیْنَهُمَا، إِلَّا بِذَنْبٍ یُحْدِثُهُ أَحَدُهُمَا.

وَکَانَ یَقُوْلُ: لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ عَلٰی أَخِیْهِ مِنَ الْمَعْرُوْفِ سِتٌّ: یُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَیَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ، وَیَنْصَحُهُ إِذَا غَابَ، وَیَشْهَدُهُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ إِذَا لَقِیَهُ، وَیُجِیْبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَیَتْبَعُهُ إِذَا مَاتَ.

وَنَهٰی عَنْ هِجْرَةِ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۵۳۵۷)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے رسوا کرتا ہے، اور فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جو دو آدمی بھی آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور ان دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے، تو وہ یقیناً ان میں سے کسی ایک گناہ کی وجہ سے ہوگی، اور فرمایا کہ ایک مسلمان آدمی پر اپنے بھائی کے چھ حقوق ہیں، چھینک آنے پر اس کا جواب دے، بیمار ہونے پر اس کی عیادت کرے، اس کی غیر موجودگی میں خیر خواہی کرے، ملاقات ہونے پر اسے سلام کرے، دعوت دینے پر قبول کرے، اور فوت ہو جانے پر اس کے جنازے میں

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناد ضعيف لضعف ابن لهيعة (حاشية مسند احمد)

شرکت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی رکھنے سے منع فرمایا ہے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث و روایات میں مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق بیان کیے گئے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آپس میں اخوت ایمانی برقرار رہتی ہے، اور باہمی بغض و عداوت سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ، وَإِنِ اشْتَكٰى، رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ (مسلم، رقم الحديث ۶۷"۲۵۸۶"کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان شخصِ واحد کی طرح ہیں، اگر اُس (جسمِ واحد) کی آنکھ میں تکلیف ہو، تو اس پورے (جسم) کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر اس (جسمِ واحد) کے سر میں تکلیف ہو، تو اس پورے (جسم) کو تکلیف ہوتی ہے (مسلم)

معلوم ہوا کہ تمام مسلمان آپس میں اسی طرح سے بھائی ہیں کہ گویا کہ وہ ایک جسم کی طرح ہیں، خواہ وہ کسی رنگ و نسل اور قبیلہ و علاقہ اور مسلک و مشرب سے تعلق رکھتے ہوں، اس لئے سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کی تکلیف اور دکھ درد کا احساس کرنا چاہئے، آپس کی نا اتفاقی سے بچنا چاہئے، اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی کرنی چاہیے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ، وَالصِّيَامِ، وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا : بَلٰى قَالَ : إِصْلَاحُ ذَاتِ

الْبَيْنِ قَالَ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِىَ الْحَالِقَةُ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٥٠٨) ؎١

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نماز، اور روزہ اور صدقہ سے افضل درجہ کی چیز کی خبر نہ دے دوں؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ بے شک! رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا (یہ عمل نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے) اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلانا (دین کو) مونڈنے والی (یعنی دین اور نیکیوں کا صفایا کرنے والی) چیز ہے (مسند احمد)

صلح کرا دینے میں اجتہادی و فقہی مسائل میں تشدد و تعصب کو ختم کرا دینا بھی داخل ہے، اور فساد پھیلانے میں اجتہادی و فقہی مسائل میں تشدد و تعصب کو پھیلا دینا اور ہوا دینا اور اس کو حق و باطل کا اختلاف قرار دینا بھی داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٣١، ج١٣ ص٢٠) ؎٢

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ترین صدقہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ہے (طبرانی)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى صَدَقَةٍ يُحِبُّ

؎١ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

؎٢ قال المنذرى: رواه الطبرانى والبزار وفى إسناده عبد الرحمن بن زياد بن أنعم وحديثه هذا حسن لحديث أبى الدرداء المتقدم (الترغيب والترهيب، الترغيب فى الإصلاح بين الناس)

وقال البوصيرى: قلت: مدار الإسناد على الأفريقى وهو ضعيف. لكن له شاهد من حديث أبى الدرداء (اتحاف الخيرة المهرة، باب فى الإصلاح بين الناس)

اللّٰهُ مَوْضَعَهَا؟ قَالَ : قُلْتُ : بَلىٰ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ . قَالَ : تَصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ یُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰی مَوْضَعَهَا (الترغیب و الترهیب للاصبهانی،رقم الحدیث ۱۸۰،باب فی الترغیب فی الإصلاح بین الناس) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں کہ اللہ جس کے مقام کو پسند فرماتا ہے؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک میرے والدین آپ پر قربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کے درمیان صلح کرادو، تو یہ ایسا صدقہ ہے کہ جس کے مقام کو اللہ پسند فرماتا ہے (ترغیب وترہیب)

صلح کرانے میں باہمی بغض وعداوت اور بے جا منافرت اور تعصب وتشدد کو ختم کرادینا بھی داخل ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَیْرٍ لَّكُمْ مِنْ كَثِیْرٍ مِّنَ الصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا : بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ . قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ (الترغیب و الترهیب للاصبهانی،رقم الحدیث ۱۸۳،باب فی الترغیب فی الإصلاح بین الناس) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر نہ دے دوں، جو تمہارے لیے کثرت سے نماز پڑھنے اور صدقہ کرنے سے بہتر ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ضرور خبر دیجیے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] قال الالبانی: الحدیث عندی یرتقی إلی مرتبة الحسن علی الأقل، بمجموع هذه الطرق، لاسیما وفیها ذلک المرسل الصحیح .واللہ أعلم(سلسلة الأحادیث الصحیحة،تحت رقم الحدیث ۲٦۳۹)

[2] قال الالبانی: رجاله کلهم ثقات رجال مسلم غیر إسحاق بن إسماعیل -وهو الطالقانی -وهو ثقة، فهو إسناد صحیح، ولکنه مرسل (سلسلة الأحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲٦۳۹)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان (بغض وعداوت اور تعصُّب ختم کرا کر) صلح کرا دینا (ترغیب وترہیب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَصَلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَخُلُقٍ حَسَنٍ وَقَالَ لِيْ صَدَقَةٌ (التاريخ الكبير للبخاری، ج ۱ ص ۶۳، باب المحمدون، تحت ترجمة محمد بن حجاج الدمشقی، رقم الترجمة ۱۳۹، شعب الايمان، باب فی الإصلاح بين الناس إذا مرجوا وفسدت ذات بينهم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کا کوئی عمل بھی نماز اور لوگوں کے درمیان (بغض وعداوت اور تعصُّب ختم کرا کر) صلح کرانے اور اچھے اخلاق سے افضل نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ یہ (صلح کرانے کا عمل انسان کی طرف سے) صدقہ (کا درجہ رکھتا) ہے (تاریخ کبیر للبخاری، شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِيْ أَيُّوْبَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى تِجَارَةٍ؟ قَالَ: بَلٰى، قَالَ: صِلْ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوْا، وَقَرِّبْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوْا (كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۲۰۶۰) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں

---

[1] قال الالبانی: فالإسناد حسن إن شاء الله تعالى وكأنه لذلک رمز السيوطی لحسنه كما فی " الفيض ."وقد أشار البخاری إلى أن له شاهدا من حديث أبی الدرداء عن النبی صلى الله عليه وسلم، ساق إسناده إلى الأعمش عن عمرو عن سالم عن أم الدرداء عنه .وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات، وسالم هو ابن أبی الجعد، وعمرو هو ابن دينار (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۴۴۸)

[2] قال الالبانی: حسن لغيره (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۲۸۱۸)

تمہیں عظیم تجارت نہ بتادوں؟ انہوں نے عرض کیا کہ بے شک (ضرور بتلائیے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگوں کے درمیان فساد (یعنی اختلاف وانتشار اور کشیدگی) پیدا ہو، تو آپ اُن میں ملاپ کروادیں، اور جب اُن کے درمیان دُوری پیدا ہو، تو آپ اُن میں قُربت (ونزدیکی) پیدا کرادیں (بزار)

مذکورہ احادیث سے مسلمانوں کے درمیان بغض و عداوت اور تنازعہ و جھگڑا ختم کرا کر مصالحت کرادینے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی، جس میں بے جا تعصب وتحزب اور تشدد کی وجہ سے پیدا ہونے والی منافرت اور بغض وعداوت یا غلط فہمیوں کو دور کرادینا بھی داخل ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَى الْمِنبَرِ وَالْحَسَنُ إِلٰى جَنْبِهٖ، يَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ مَرَّةً وَإِلَيْهِ مَرَّةً، وَيَقُوْلُ: اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۷۴۶، کتاب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر تشریف فرما ہونے کی صورت میں سنا، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے برابر میں تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر لوگوں کی طرف ڈالتے تھے، اور دوسری نظر حضرت حسن کی طرف ڈالتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور قریب ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ سے، مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا (بخاری)

اس حدیث کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبي بكرة، قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم يخطب، إذ جاء الحسن بن علي فصعد إليه المنبر، فضمه النبي صلى الله عليه وسلم إليه ومسح على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائی، جس سے مسلمان، بڑی آزمائش وفتنہ اور خونریزی سے بچ گئے۔

اور مسلمانوں کی دونوں جماعتوں کا یہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا، جس میں ایک جماعت مصیب اور دوسری مخطی تھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی نوعیت کے اختلافات میں تعصب اور بے جا تشدد کو ختم کر دینا بھی شریعت کی نظر میں باعثِ فضیلت عمل ہے، جس طرح اس کے مقابلہ میں فقہی واجتہادی مسائل میں تعصب وتشدد پیدا کرنا، گناہ والا عمل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رأسه، وقال: " ابنى هذا سيد، ولعل الله أن يصلح على يديه بين فئتين عظيمتين من المسلمين "(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٠٤٩٩)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

عن الحسن، أخبرني أبو بكرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي، فإذا سجد وثب الحسن على ظهره، وعلى عنقه، فيرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم رفعا رفيقا لئلا يصرع، قال: فعل ذلك غير مرة، فلما قضى صلاته، قالوا: يا رسول الله، رأيناك صنعت بالحسن شيئا ما رأيناك صنعته، قال: " إنه ريحانتي من الدنيا، وإن ابني هذا سيد، وعسى الله أن يصلح به بين فئتين من المسلمين "(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٠٥١٦)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[1] قال البغوى:

قيل :السيد :الذى لا يغلبه غضبه ، وقيل :السيد :الحليم ، وقيل :السيد :الذى يفوق قومه فى الخير.

قلت :قد خرج مصداق هذا القول فى الحسن بن على رضى الله عنهما بتركه الأمر حين صارت الخلافة إليه خوفا من الفتنة ، وكراهة لإراقة دماء أهل الإسلام ، فأصلح الله بين أهل العراق وأهل الشام ،ويسمى ذلك العام سنة الجماعة .

وفيه دليل على أن واحدا من الفريقين لم يخرج بما كان منه فى تلك الفتنة من قول أو فعل عن ملة الإسلام ، لأن النبى (صلى الله عليه وسلم) جعلهم كلهم مسلمين مع كون إحدى الطائفتين مصيبة ، والأخرى مخطئة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا، وَلَا تَجَسَّسُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا

(صحیح البخاری،رقم الحدیث ٦٠٦٦، کتاب الادب، باب:یا أیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهكذا سبيل كل متأول فيما يتعاطاه من رأى ومذهب إذا كان له فيما يتأوله شبهة وإن كان مخطئا فى ذلك(شرح السنة ـ للإمام البغوى،ج١٤،ص١٣٧، كتاب فضائل الصحابة ،باب مناقب أبى محمد الحسن وأبى عبد الله الحسين)

و قال الخطابى:

قال الشيخ :السيد يقال اشتقاقه من السواد أى هو يلى الذى يلى السواد العظيم ويقوم بشأنهم، وقد خرج مصداق هذا القول فيه بما كان من إصلاحه بين أهل العراق وأهل الشام وتخليه عن الأمر خوفا من الفتنة وكراهية لإراقة الدم ويسمى ذلك العام سنة الجماعة.

وفى الخبر دليل على أن واحدا من الفريقين لم يخرج بما كان منه فى تلك الفتنة من قول أو فعل عن ملة الإسلام إذ قد جعلهم النبى صلى الله عليه وسلم مسلمين، وهكذا سبيل كل متأول فيما تعاطاه من رأى ومذهب دعا إليه إذا كان فيما تناوله بشبهة وإن كان مخطئا فى ذلك، ومعلوم أن احدى الفئتين كانت مصيبة والأخرى مخطئة(معالم السنن،للخطابى،ج٤،ص٣١١، كتاب شرح السنة ،ومن باب ما يدل على ترك الكلام فى الفتنة الأولى)

وقال القسطلانى:

وقوله :من المسلمين دليل على أنه لم يخرج أحد من الطائفتين فى تلك الفتنة من قول أو فعل عن الإسلام إذ إحدى الطائفتين مصيبة والأخرى مخطئة مأجورة(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج٦،ص٦٩،كتاب المناقب،باب علامات النبوة فى الإسلام)

و قال ابن بطال:

قوله (صلى الله عليه وسلم) : (إن ابنى هذا سيد) يدل أن السيادة إنما يستحقها من انتفع به الناس لأنه علق السيادة بالإصلاح بين الناس ونفعهم، هذا معنى السيادة(شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج٨،ص٩٥،كتاب الصلح،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم للحسن بن على:ابنى هذا سيد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، اور تم ایک دوسرے کی باتیں (چھپ کر) نہ سنو، اور تم ایک دوسرے (کے عیبوں) کا تجسس نہ کرو، اور (خرید وفروخت وغیرہ کے معاملات میں) ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو (یعنی اعراض نہ کرو) اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو آپس میں بغض رکھنا منع ہے، خواہ یہ بغض نفسانی خواہشات کی بنیاد پر ہو، یا اہلِ حق کے باہمی اجتہادی اختلاف کے فرق کی بنیاد پر ہو، اور اس کے مقابلہ میں تمام مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کے، بھائی بھائی ہونے کا حکم ہے۔ [1]

---

[1] (ولا تحاسدوا) أی :لا يتمنى بعضكم زوال نعمة بعض سواء أرادها لنفسه أو لا. قال تعالى :(ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض) إلى أن قال " :(واسألوا الله من فضله)"أی مثل تلك النعمة أو أمثل منها، وهذا الحسد المحمود المسمى بالغبطة، كما تقدم فی حديث "لا حسد إلا فی اثنتين "الحديث .(ولا تباغضوا) أی :لا تختلفوا فی الأهواء والمذاهب ;لأن البدعة فی الدين والضلال عن الطريق المستقيم يوجب البغض كذا قيل، والأظهر أن النهی عن التباغض تأكيد للأمر بالتحابب مطلقا إلا ما يختل به الدين، فإنه لا يجوز حينئذ التحابب، ويجوز التباغض لأن غرض الشارع اجتماع كلمة الأمة لقوله تعالى :(واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا) ولا شك أن التحابب سبب الاجتماع والتباغض موجب الافتراق، فالمعنى لا يبغض بعضكم بعضا.
وقال بعض المحققين :أی لا تشتغلوا بأسباب العداوة إذ العداوة والمحبة مما لا اختيار فيه، فإن البغض من نفار النفس عما يرغب عنه، وأوله الكراهة، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة، كما أن الحب من انجذاب النفس إلى ما يرغب فيه، ومبدؤه الميل، ثم الإرادة، ثم المودة وهما من غرائز الطبع والله أعلم .وقيل :لا توقعوا العداوة بين المسلمين، فيكون نهيا عن النميمة لما فيه من تأسيس الفساد، وهذا إذا لم يكن لمصلحة، فإذا دعت كما لو أخبر أن إنسانا يريد الفتك به، أو بأهله أو بماله، فلا منع، بل قد يكون واجبا .(ولا تدابروا) :بحذف إحدى التاءين فيه، وفيما قبله من الأفعال الخمسة، ويجوز تشديد التاء وصلا كما قرأ به البزی راوی ابن كثير من نحو :لا تيمموا أی :لا تقاطعوا، ولا تولوا ظهوركم عن إخوانكم، ولا تعرضوا عنهم مأخوذ من الدبر، لأن كلا من المتقاطعين يولی دبره صاحبه وقيل معناه لا تغتابوا(مرقاة المفاتيح، ج۸ص۳۱۴۸، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا یَخُوْنُہٗ وَلَا یَکْذِبُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ، کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، عِرْضُہٗ وَمَالُہٗ وَدَمُہٗ، اَلتَّقْوٰی ھَاھُنَا، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ یَّحْتَقِرَ أَخَاہُ الْمُسْلِمَ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۱۹۲۷، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی شفقة المسلم علی المسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے، نہ تو وہ اس کے ساتھ خیانت کرے، اور نہ اس کے ساتھ جھوٹ بولے، اور نہ اس کی تحقیر (وتذلیل) کرے، ہر مسلمان کی دوسرے مسلمان پر عزت اور مال اور خون (یعنی قتل) حرام ہے، تقویٰ یہاں (یعنی دل میں) ہوتا ہے، آدمی کے شر کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر (وتذلیل) کرے (ترمذی)

مذکورہ حدیث میں بھی ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، جس میں کسی مسلک ومشرب کی قید نہیں لگائی گئی، اور دوسرے مسلمان کی تحقیر وتذلیل سے منع کیا گیا ہے، اور جب عام مسلمان کی تحقیر وتذلیل جائز نہیں، تو کسی مجتہد وفقیہ یا اس کے متبع کی تحقیر وتذلیل کیسے جائز ہوسکتی ہے؟

دوسری کئی احادیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے، بلکہ بعض احادیث میں کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلقات کی بھی ممانعت آئی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ إِخْوَانًا، وَلَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ

---

[1] قال الترمذی: ھذا حدیث حسن غریب وفی الباب عن علی، وأبی أیوب.

أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَـلَاثَةِ أَيَّامٍ (صحيح البخاری،رقم الحديث ٦٠٦٥، كتاب الادب،باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہ رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے سے اعراض کرو، اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ، اور مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی رکھے (بخاری)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ: فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِىْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ (صحيح البخاری،رقم الحديث ٦٠٧٧، كتاب الادب، باب الهجرة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ اس حال میں چھوڑے رکھے، کہ وہ دونوں ملاقات کریں، مگر یہ اُس سے اعراض کرے، اور وہ اِس سے اعراض کرے، اور ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے، جو سلام کی ابتداء کرے (بخاری)

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنْ كَانَ تَصَارَمَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلٰى صُرَامِهِمَا، وَأَوَّلُهُمَا فَيْئًا فَسَبْقُهُ بِالْفَيْءِ، كَفَّارَتُهُ فَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ، وَرَدَّ عَلَيْهِ سَلَامَهُ رَدَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ، وَرَدَّ عَلَى الْآخَرِ الشَّيْطَانُ، فَإِنْ مَاتَا عَلٰى صُرَامِهِمَا

لَمْ يَجْتَمِعَا فِي الْجَنَّةِ أَبَدًا (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٢٥٧)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے ساتھ تین راتوں سے زیادہ تک قطع تعلقی کئے رکھے، پھر اگر وہ دونوں تین راتوں سے زیادہ قطع تعلقی پر قائم رہیں، تو وہ دونوں حق سے ہٹنے والے شمار ہوتے ہیں، جب تک کہ وہ قطع تعلقی کی حالت پر قائم رہیں، اور ان دونوں میں سے قطع تعلقی کو پہلے ختم کرنے والا (دراصل) قطع تعلقی کو ختم کر کے اس کا کفارہ کرنے والا ہے، پھر اگر یہ شخص دوسرے کو سلام کر لیتا ہے، اور دوسرا اس کے سلام کا جواب نہیں دیتا، اور اس کے سلام کو رد کر دیتا ہے، تو اس کے سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں، اور دوسرے کو (اس کے فعل سے خوش ہونے کی وجہ سے) شیطان جواب دیتا ہے، پھر اگر یہ (دونوں) قطع تعلقی کی حالت میں ہی فوت ہو جائیں، تو جنت میں کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيْهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا (مسلم، رقم الحديث ٢٥٦٥ "٣٥"، كتاب البر و الصلة و الآداب، باب النهى عن الشحناء والتهاجر).

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه فلم يخرج له سوى البخارى فى "الأدب المفرد" ومسلم، وأصحاب السنن -يزيد الرِّشْك: هو يزيد بن أبى يزيد الضُّبَعى (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر اس بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا، مگر اس آدمی کی مغفرت نہیں کی جاتی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو، جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو، یہاں تک کہ یہ صلح کرلیں، ان دونوں کو چھوڑے رکھو، یہاں تک کہ یہ صلح کرلیں، ان دونوں کو چھوڑے رکھو، یہاں تک کہ یہ صلح کرلیں (مسلم)

مذکورہ احادیث وروایات سے مسلمانوں کو آپس میں عداوت رکھنے اور اس کی بناء پر تین دن سے زیادہ تعلق ترک کردینے کی برائی معلوم ہوئی۔

البتہ اگر دوسرے سے اپنے دین کی حفاظت یا دوسرے کی اصلاح کے لیے تنبیہ کے طور پر حسبِ ضرورت ترکِ تعلق کرے، اور وہ دین کی خاطر ہو، نفس کی شرارت اور بے جا تعصب و تحزب کی بناء پر نہ ہو، تو الگ بات ہے۔[1]

حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] وهـذا الحديث وإن كان ظاهره العموم فهو عندى مخصوص بحديث كعب بن مالك حيث أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه أن يهجروه ولا يكلموه هو وهلال بن أمية ومرارة بن ربيعة لتخلفهم عن غزوة تبوک حتى أنزل الله عز وجل توبتهم وعذرهم فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم (أصحابه) أن يراجعوهم الكلام وفى حديث كعب هذا دليل على أنه جائز أن يهجر المرء أخاه إذا بدت (له) منه بدعة أو فاحشة يرجو أن يكون هجرانه تأديبا له وزجرا عنها والله أعلم(التمهيد،لا بن عبد البر، ج٦،ص١١٧، ١١٨،باب الميم ،محمد بن شهاب الزهرى،الحديث الأول لمحمد بن شهاب عن أنس)

وأجمع العلماء على أنه لا يجوز للمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث إلا أن يكون يخاف من مكالمته وصلته ما يفسد عليه دينه أو يولد (به) على نفسه مضرة فى دينه أو دنياه فإن كان ذلک فقد رخص له فى مجانبته وبعده ورب صرم جميل خير من مخالطة مؤذية (قال الشاعر ...إذا ما تقضى الود إلا تكاشرا ...فهجر جميل للفريقين صالح(التمهيد،لا بن عبد البر، ج٦،ص١٢٧،باب الميم محمد بن شهاب الزهرى،الحديث الأول لمحمد بن شهاب عن أنس)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ، وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۹۴۰، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی الخيانة والغش) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی کو ضرر (یا تکلیف) پہنچائے گا، اللہ بھی اسے ضرر (اور تکلیف) پہنچائے گا، اور جو کوئی کسی کو مشقت میں ڈالے، اللہ اس کو مشقت میں مبتلا کرتا ہے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کو تکلیف پہنچانا، خواہ جسمانی ہو، یا ذہنی یا مالی، یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اور اس کا وبال دنیا میں بھی انسان پر پڑتا ہے کہ وہ خود اسی قسم کے فتنہ کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو بَرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ، وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۷۷۶، ابو داؤد، رقم الحديث ۴۸۸۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ان لوگوں کے گروہ جو اپنی زبان سے ایمان لا چکا ہے، لیکن ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا، تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور ان کے عیبوں کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیب کو تلاش کرتا ہے، اللہ اس کے عیب کو تلاش فرماتا ہے، اور جس

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب.

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

وقال المنذری:

رواه أبو داود عن سعيد بن عبد الله بن جريج عنه ورواه أبو يعلى بإسناد حسن من حديث البراء (الترغيب و الترهيب، ج۳ص ۱۶۹، كتاب الحدود وغيرها الترغيب فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر)

کے عیب کو اللہ تعالیٰ تلاش فرمائے، تو اس کو اللہ اس کے گھر میں ہی رسوا فرمادیتا ہے (مسند احمد، ابوداؤد)

مذکورہ حدیث سے مسلمانوں کی غیبت کرنے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے اور ان کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے کی برائی معلوم ہوئی، اور مذکورہ حدیث میں بھی یہ حکم سب مسلمانوں کے لیے بیان ہوا ہے، جس میں کسی خاص مسلک ومشرب والے کی قید نہیں آئی۔

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَكَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أُكْلَةً فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ كُسِيَ ثَوْبًا بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَكْسُوهُ مِثْلَهُ مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُومُ بِهِ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن أبي داود، رقم الحديث ۴۸۸۱، كتاب الادب، باب في الغيبة)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا لقمہ کھایا (یعنی غیبت کی) اللہ قیامت کے دن، اسے اس کی طرح جہنم کا لقمہ کھلائے گا، اور جو کسی مسلمان آدمی کی وجہ سے لباس پہنایا گیا (یعنی مسلمان کی توہین کی) اللہ اسے اس کی طرح جہنم کا لباس پہنائے گا، اور جو کسی آدمی کی وجہ سے شہرت کے مقام پر کھڑا ہوا (یعنی اس کی برائی کو پھیلایا) تو اللہ قیامت کے دن اس کو ریاکاری اور شہرت کے مقام پر کھڑا کرے گا (جس سے اس کی ذلت ہوگی) (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث سے مسلمان کی غیبت کرنے، اور مسلمان کی برائی بیان کرنے اور اس کے عیوب کو نشر کرنے کی مذمت معلوم ہوئی، اس میں کسی کی دینی چھپی ہوئی برائی کو بلاوجہ نشر کرنا بھی داخل ہے، جیسا کہ کسی شخص کی کوئی مذہبی بات بلاوجہ اچھالی جائے اور اس کو دوسروں کے

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابى داؤد)

سامنے رسوا کیا جائے۔ ؎۱

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

؎۱ (وعن المستورد) أى: ابن شداد يقال: إنه كان غلاما يوم قبض النبى صلى الله عليه وسلم، ولكنه سمع منه وروى عنه جماعة) .عن النبى – صلى الله عليه وسلم – قال: من أكل برجل مسلم) أى: بسبب غيبته أو قذفه أو وقوعه فى عرضه أو بتعرضه له بالأذية عند من يعاديه (أكلة) بضم أى لقمة وفى نسخة بالفتح أى مرة من الأكل .

(فإن الله تعالى يطعمه مثلها) أى: قليلا أو كثيرا (من جهنم) أى: من نارها أو من عذابها (ومن كسا): بصيغة الفاعل أى ألبس شخصا (ثوبا برجل مسلم) أى: بسبب إهانته، وفى نسخة بصيغة المفعول، وهو المناسب للقرينة السابقة، وقيل: معنى الأول كسا نفسه ثوبا .ومعنى الثانى اكتسى ثوبا فصار مآلهما واحدا .وفى النهاية: معناه الرجل يكون صديقا ثم يذهب إلى عدوه فيتكلم فيه بغير الجميل ليجيزه عليه بجائزة فلا يبارك الله له فيها .قال الطيبى: فعلى هذا فالباء فى برجل للسببية، والجائزة عامة فى المطعوم والملبوس، وعليه كلام أكثر الشارحين) .فإن الله يكسوه مثله من جهنم، ومن قام برجل) : الباء للتعدية والمراد بالرجل نفسه أو غيره (مقام سمعة ورياء، فإن الله يقوم) أى: منتصرا ومنتقما (له) أى: لأجل إفضاح القائم به (مقام سمعة ورياء يوم القيامة) .وهو كناية عن إفضاحه إياه الناشء عن مقت الله، وقد جاء فى رواية الطبرانى، عن عبد الله الخزاعى مرفوعا: " من قام مقام رياء وسمعة، فإنه فى مقت الله حتى يجلس ."

قال التوربشتى أى: من قام ينسبه إلى ذلك ويشهره به فيما بين الناس فضحه الله وشهره بذلك على رئوس الأشهاد يوم القيامة، وعذبه عذاب المرائين .وقال المظهر: الباء فى (برجل) يحتمل أن تكون للتعدية وللسببية، فإن كانت للتعدية يكون معناه من أقام رجلا مقام سمعة ورياء يعنى من أظهر رجلا بالصلاح والتقوى ليعتقد الناس فيه اعتقادا حسنا، ويعزونه ويخدمونه، ويجعله حبالا ومصيدة، كما يرى فى زماننا لينال بسببه المال والجاه، فإن الله يقوم له مقام سمعة ورياء بأن يأمر ملائكته بأن يفعلوا معه مثل فعله، ويظهروا أنه كذاب، وإن كانت للسببية، فمعناه أن من قام وأظهر من نفسه الصلاح والتقوى لأجل أن يعتقد فيه رجل عظيم القدر كثير المال ليحصل له مال وجاه، كما يقول الناس فى العرف: هذا زاهد الأمير.

قال الطيبى: ومعنى الكناية عن التهديد فى قوله: فإن الله يقوم له كما فى قوله تعالى: (سنفرغ لكم أيها الثقلان)الكشاف: سنفرغ مستعار من قول الرجل لمن يهدده سأفرغ لك أى سأتجرد للإيقاع بك من كل ما يشغلنى عنه حتى لا يكون لى شغل سواه، والمراد التوفر على النكاية فيه والانتقام منه .وقال الأشرف: معنى السببية لا يستقيم فى قوله: ومن كسا ثوبا برجل مسلم فالباء فيه صلة.

قلت: وهذا لا يستقيم أيضا إذ يصير التقدير ومن كسا ثوبا رجلا مسلما وهو فاسد المعنى، فالوجه ما قدمناه كما لا يخفى، ثم رأى الطيبى قال: ولعله أراد أن (كسا) متعد إلى مفعولين، وليس هنا إلا مفعول واحد، فيجب أن يكون برجل ثانى مفعوليه، وفيه نظر لما يؤدى إلى فساد المعنى كما لا يخفى، فالواجب أن يقدر من كسا نفسه ثوبا برجل(مرقاة المفاتيح، ج٨ص ٣١٥٩، كتاب الآداب،باب ما ينهى عنه فى التهاجر والتقاطع واتباع العورات)

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٩١٩، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فى رحمة الصبيان) [1]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں، جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے (ترمذی)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٩٢٠، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فى رحمة الصبيان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کے مرتبہ کو نہ پہچانے (ترمذی)

اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا (مسند احمد، رقم الحديث ٦٧٣٣) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑے کا حق نہ جانے (مسند احمد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ مِنْ أُمَّتِىْ مَنْ لَّمْ يُجِلَّ

---

[1] قال الترمذى:
وفى الباب عن عبد الله بن عمرو، وأبى هريرة، وابن عباس، وأبى أمامة: هذا حديث غريب وزربى له أحاديث مناكير عن أنس بن مالك وغيره.

[2] قال الترمذى: حدثنا هناد قال: حدثنا عبدة، عن محمد بن إسحاق، نحوه، إلا أنه قال: ويعرف حق كبيرنا.

[3] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

كَبِيُرَنَا، وَيَرُحَمُ صَغِيُرَنَا، وَيَعُرِفُ لِعَالِمِنَا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٧٥٥) ؎1

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں، جو ہم ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے عالموں کو نہ پہچانے (مسند احمد)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج ذیل الفاظ میں مروی ہے:

لَيُسَ مِنَّا مَنُ لَّمُ يُوَقِّرِ الُكَبِيرَ، وَيَرُحَمِ الصَّغِيُرَ وَيَأْمُرُ بِالُمَعُرُوُفِ، وَيَنُهٰى عَنِ الُمُنكَرِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٢٩) ؎2

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بڑے کی عزت نہ کرے، اور چھوٹے پر رحم نہ کرے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے (مسند احمد)

مذکورہ روایت کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اس کی عزت یا رحم کرنے کے خلاف نہیں۔

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں اس چیز کے لحاظ کا بھی حکم ہے کہ بڑوں کا ادب کرے، اور بڑوں میں عمر کے اعتبار سے بڑے بھی داخل ہیں، اور اصحابِ علم مشائخ واکابر بھی داخل ہیں کہ ان کا احترام کرنا چاہئے۔

اگرچہ بڑوں سے کسی مسئلہ میں اختلاف کیوں نہ ہو، تب بھی احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے، اور اپنے چھوٹوں سے خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہوں یا علم میں، ان کی لغزشوں

؎1 قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، دون قوله: " ويعرف لعالمنا "، وإسناد هذا الحديث رجاله ثقات إلا أن أبا قبيل –وهو حيي بن هانء بن ناضر– لم يسمع من عبادة (حاشية مسند احمد)

؎2 قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف ليث بن أبي سليم (حاشية مسند احمد)

اور کمزوریوں پر تردید وتنقید کرتے ہوئے بھی رحم دلی اور شفقت کے انداز کا مظاہرہ کرنا چاہئے، جب ان سے کسی مسئلہ میں دینی وفقہی اختلاف ہو۔

اہلِ علم واہلِ تحقیق اوران کے متبعین کے مابین اجتہادی اختلاف رونما ہونے والی صورتیں بھی مذکورہ احادیث میں داخل ہیں۔ [1]

حسنِ کلام، نرمی اور درگزر کا حکم

قرآن وسنت میں اس بات پر بھی بہت زور دیا گیا ہے کہ حسنِ کلام اور نرم کلام کیا جائے، اگرچہ تمہارا مخاطب غیر مسلم اور دشمنِ اسلام ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کسی مسلمان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوجائے، تو اس کو درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اوراس کے برخلاف بدکلامی و بدزبانی کی اسلام میں برائی بیان کی گئی ہے، اوراس کے دنیاوی اور اُخروی نقصانات سے آگاہ کیا گیا ہے، جس کے متعلق کچھ آیات واحادیث ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید کی سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (سورة آل عمران، رقم الآية ١٥٩)

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ، لوگوں کے لئے نرم ہوگئے ہیں، اوراگر آپ

---

[1] (ليس منا) أى ليس مثلنا (من لم يرحم صغيرنا) لعجزه وبرائته عن قبائح الأعمال وقد يكون صغيرا فى المعنى مع تقدم سنه لجهله وغباوته وخرقه وغفلته فيرحم بالتعليم والإرشاد والشفقة (ويوقر كبيرنا) لما خص به من السبق فى الوجود وتجربة الأمور (ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكر) بحسب وسعه بيده أو بلسانه أو بقلبه بشروطه المعروفة قال تعالى (أنجينا الذين ينهون عن السوء) فجعل النجاة للناهين والهلكة للتاركين(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٦٩٣)

ليس منا من لم يرحم صغيرنا، ويوقر كبيرنا، ويأمر بالمعروف وينه عن المنكر .(حم ت) عن ابن عباس (ح) ."(ليس منا من لم يرحم صغيرنا، ويوقر كبيرنا ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكر) قرن هذين بذينك مشعر بوجوبهما كإيجاب الأخيرين وإن كانت دلالة الاقتران فيها مقال إلا أنه لا كلام فى تأكده(التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانى، تحت رقم الحديث ٧٦٧٤)

بدگو وسخت دل ہوتے، تو لوگ آپ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے، تو آپ لوگوں کو معاف کر دیا کریں، اور ان کے لئے استغفار کیا کریں (سورہ آل عمران)

مذکورہ آیت میں اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نرم ہونے کی صفت اور خوبی کو بیان فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگو، سخت دل ہونے کی نفی کی گئی ہے، پس ہر مسلمان کو اور خاص کر مقتدا، عالمِ دین ومحققِ دین اور مبلغِ دین کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے مذکورہ طریقہ کو اختیار کرنا چاہئے۔

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (سورة الأعراف، رقم الآية ۱۹۹)

ترجمہ: معاف کرنے کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو (سورہ اعراف)

سورہ حجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (سورة الحجر، رقم الآية ۸۵)

ترجمہ: تو آپ اچھے طریقہ سے درگزر کر دیجئے (سورہ حجر)

مذکورہ آیات میں معاف کرنے، اچھے طریقہ سے درگزر کرنے اور خاص کر کم علم اور جاہل سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ حکم تمام مسلمانوں اور کسی بھی مسلک کے رہنماؤں کو بطورِ خاص ہے۔

سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ. وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (سورة النحل ،رقم الآية ١٢٥، ١٢٦)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے (یعنی دین اور اس کے احکام) کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے بلائیے اور لوگوں سے احسن (وعمدہ) طریقہ سے بحث کیجئے، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور اگر بدلہ لوتم، تو بدلہ لوتم بھی اس کے مثل جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی، اور اگر صبر کروتم، تو یقیناً وہ بہتر ہے، صبر کرنے والوں کے لیے (سورہ نحل)

مذکورہ آیات میں دین کی دعوت دینے والے کو خاص طور پر حکمت اور احسن طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ دوسرے کی تحقیر وتذلیل کرنا اس کے خلاف ہے۔

سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (سورة الاسراء، رقم الآية ٥٣)

ترجمہ: اور آپ کہہ دیجئے میرے بندوں سے کہ وہ ایسی بات کیا کریں، جو کہ احسن (یعنی اچھی) ہو، بے شک شیطان اُن کے درمیان فساد ڈلواتا ہے، بے شک شیطان انسان کا واضح دشمن ہے (سورہ اسراء)

مذکورہ آیت میں بھی بات کو احسن طریقہ سے کہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کی خلاف ورزی پر شیطان کے باہم فساد پیدا کرنے کی نشاندہی کی گئی ہے۔

آج کل اس کا مشاہدہ ہمیں مختلف مسالک والے مسلمانوں کے ایک دوسرے کے خلاف بدکلامی و بدزبانی اختیار کرنے کے نتیجہ میں رُونما ہونے والے فسادات سے اچھی طرح ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کو جب فرعون کی طرف تبلیغ

کے لئے بھیجا، تو یہ نصیحت فرمائی کہ:

اِذْهَبَا إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى. فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى (سورة طٰهٰ، رقم الآية ۴۳، و ۴۴)

ترجمہ: تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکشی اختیار کیے ہوئے ہے، پس تم دونوں اس کو نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے (سورہ طٰہٰ)

فرعون انتہائی سرکش اور ظالم و جابر شخص تھا، لیکن حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جب اس کی طرف تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا، تو نرم بات کہنے کا حکم فرمایا، اور اس کے بعد فرمایا کہ شاید وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے، جس سے معلوم ہوا کہ مخاطب خواہ کتنا ہی سرکش کیوں نہ ہو، اس کو نصیحت اور تبلیغ کرنے کے وقت بھی نرم بات کرنے کا حکم ہے، اور نرم بات سے مخاطب کے لئے نصیحت حاصل کرنے اور اثر قبول کرنے کی زیادہ تاثیر پائی جاتی ہے۔

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ .نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (سورة المؤمنون، رقم الآية ۹۶)

ترجمہ: بُرائی کا دفاع اس طریقہ سے کیجئے جو احسن (واچھا) ہو، ہم زیادہ جانتے ہیں، ان چیزوں کو جو یہ بیان کرتے ہیں (سورہ مؤمنون)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی دوسرے کی طرف سے برائی والا سلوک کیا گیا ہو، تو اس کا دفاع اچھے طریقہ سے کرنا چاہئے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی نے اپنے مسلک کے خلاف کوئی بری بات کہی، تو اس کا جواب اس برے طریقے سے دینے کے بجائے، احسن طریقہ سے دیا جائے۔

اور جب دوسرا حق پر ہو، اور اس نے بات بھی بری نہ کی ہو، بلکہ اپنے اجتہادی موقف کی دلیل

پیش کی ہو، تو اس کے جواب میں غیر احسن طریقہ کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورة النور، رقم الآية ٢٢)

ترجمہ: اور لوگوں کو چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے، اور اللہ غفور ہے، رحیم ہے (سورہ نور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو معاف اور درگزر کرنا باعثِ فضیلت ہے۔

سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوا آمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَّاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ (سورة العنكبوت، رقم الآية ٤٦)

ترجمہ: اور نہ جھگڑا کرو اہلِ کتاب سے، مگر اس طریقے سے جو احسن ہو، سوائے اُن لوگوں کے، جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے، اور کہو تم کہ ایمان لائے ہم اس چیز پر، جو نازل کی گئی ہماری طرف، اور نازل کی گئی تمہاری طرف، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے لیے اسلام لانے والے ہیں (سورہ عنکبوت)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے ساتھ اختلاف کے موقع پر بھی احسن طریقہ سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، تو جو غیر مسلم بھی نہیں، ان سے اس کا کیونکر حکم نہ ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (سورة لقمان، رقم الآيات ١٨، و ١٩)

ترجمہ: اور لوگوں سے اپنے گال (یعنی کلّے) نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ (واِترا) کر نہ چلنا، بے شک اللہ کسی اِترانے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی چال میں اعتدال (یعنی میانہ روی) اختیار کیجئے، اور اپنی آواز کو پست رکھیے، بے شک آوازوں میں سب سے مُنکَر (اور بُری) آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے (سورہ لقمان)

اس حکم میں دین کے مقتدا بھی داخل ہیں کہ ان کو صرف مسلکی اختلاف کی وجہ سے جبکہ وہ حق و باطل کا اختلاف بھی نہ ہو، منہ پھلانا اور دوسرے کے خلاف اپنے مسلک پر فخر کرنا اور دوسروں کے خلاف بھڑکنا بھی پسندیدہ فعل نہیں۔

سورہ حٰم سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَيْنَکَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ .وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ. وَإِمَّا يَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورة حٰمٓ السجدة، رقم الآية ٣٤ الیٰ ٣٦)

ترجمہ: اور نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی (برائی کا) دفاع اس طریقہ سے کیجئے جو احسن (واچھا) ہو، پھر یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان عداوت تھی، گویا کہ وہ مخلص دوست ہوجائے گا، اور یہ طریقہ اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ طریقہ بڑے نصیب والے ہی کو حاصل ہوتا ہے، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے، تو آپ اللہ کے ذریعہ اس سے پناہ طلب کیجئے، بے شک وہ خوب سُننے، جاننے والا ہے (سورہ حم سجدہ)

مذکورہ آیت میں بھی برائی کا دفاع اچھے طریقہ سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس طریقہ کو باہمی بغض وعداوت اور نفرت کے محبت سے تبدیل کرنے کا سبب بتلایا گیا ہے۔

سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (سورة الشورىٰ رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی سے (لینا جائز) ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ پر ہے، بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا (سورہ شوریٰ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر چہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے، مثلاً کسی نے ایک چپت مارا تو اس کو اسی طرح کا ایک چپت مارنا جائز ہے، لیکن معاف کردینا افضل ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جیسا بدلہ لینے کی اجازت دے کر معاف کردینے پر اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سورة الزخرف، رقم الآية ۸۹)

ترجمہ: تو آپ ان سے درگزر کیجئے، اور کہہ دیجئے سلام، پس ان کو عنقریب علم ہوجائے گا (سورہ زخرف)

مذکورہ آیت میں بھی درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا پہلے بھی ذکر گزرا۔

اور احادیث میں بھی ان چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ (مسلم، رقم الحديث ۲۵۹۴ "۷۸" كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً نرمی جس چیز میں بھی آتی ہے، تو

اُسے زینت والی (اورخوبصورت) بنادیتی ہے، اور نرمی جس چیز سے بھی نکال لی جاتی ہے تو اُسے عیب دار (وبدصورت) بنادیتی ہے (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ الرِّفْقُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَهُ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۵۱، كتاب البر والاحسان، باب الرفق ذكر الأمر بلزوم الرفق فى الأشياء إذ دوامه عليه زينته فى الدنيا والآخرة)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی جس چیز میں بھی آتی ہے، اُسے زینت والی (اورخوبصورت) بنادیتی ہے، اور فُحش وبدگوئی جس چیز میں بھی آجاتی ہے اُسے عیب دار (وبدصورت) بنادیتی ہے (ابنِ حبان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ (مسلم، رقم الحديث ۲۵۹۳ ”۷۷“ كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی اختیار کرنے والے ہیں، نرمی کو پسند فرماتے، اور نرمی پر وہ (نعمتیں) عطا فرماتے ہیں، جو نہ تو سختی (وتُرشی) پر عطا فرماتے اور نہ ہی نرمی کے علاوہ کسی اور چیز پر عطا فرماتے (مسلم)

نرمی میں نرم بات کرنا بھی داخل ہے، جس کی مذکورہ احادیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے، اور

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح (حاشية ابنِ حبان)

اس کے مقابلہ میں سخت گوئی اور فحش کلامی کی برائی بیان کی گئی ہے، جس کے مقرر، مصنف، مناظر سب مخاطب ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ (بخاری، رقم الحديث ٢٤٥٧، كتاب المظالم والغصب، باب قول الله تعالى :وهو ألد الخصام)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند وہ آدمی ہے جو بہت جھگڑالو ہو (بخاری)

جھگڑالو شخص کیونکہ سخت طبیعت کا انسان ہوتا ہے، اور رِفق ونرمی کی نعمت سے محروم ہوتا ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

اس میں وہ مقتدا بھی داخل ہیں، جن کی دین کی خدمت کا دائرہ ہی مناظرہ بلکہ مجادلہ کرنے تک محدود ہے، اور وہ رات دن اپنی تحریر وتقریر میں مرغانِ جنگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ ہانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ أَبُوْشُرَيْحٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ يُوْجِبُ لِيَ الْجَنَّةَ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَبَذْلُ السَّلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٠٤، كتاب البر والاحسان، باب إفشاء السلام وإطعام الطعام) [1]

ترجمہ: حضرت ابوشریح (یعنی حضرت ہانی رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جو میرے لئے جنت واجب کردے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکیزہ کلام کرنا، اور سلام کو عام کرنا، اور (لوگوں) کھانا کھلانا (یہ جنت واجب کرنے والے اعمال ہیں) (ابنِ حبان)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده جيد (حاشية ابن حبان)

پاکیزہ کلام جس طرح زبان سے ہوتا ہے، اسی طرح قلم سے بھی ہوتا ہے، اور جس طرح عام حالات میں ہوتا ہے، اسی طرح تقریر، تحریر، تصنیف اور تبلیغ کے دوران بھی ہوتا ہے، سب جگہ حکم برابر ہے۔

حضرت ابوعبداللہ جدلی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِعَائِشَةَ: كَيْفَ كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَهْلِهِ؟ فَقَالَتْ: كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا، لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا، وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَلَا سَخَّابًا بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يُجْزِءُ بِالسَّيِّئَةِ مِثْلَهَا، وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٥٩٩٠؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٤٤٣) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر والوں میں کیسے اخلاق تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے، فحش کلام کرنے والے اور فحش کلام کو پسند کرنے والے یا بازاروں میں شور مچانے والے نہیں تھے، اور وہ برائی کا بدلہ اُس جیسی بُرائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف اور درگذر فرماتے تھے (مسند احمد، ابنِ حبان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت پر تمام مسلمانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے رہبروں اور رہنماؤں کو چلنے کی ضرورت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ، إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (مسلم، رقم الحديث ٢٥٨٨ "٦٩" كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد وابنِ حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا، اور جو بندہ بھی درگزر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو زیادہ فرماتے ہیں، اور جو کوئی بھی اللہ کے لئے تواضع (وعاجزی) کو اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں (مسلم)

مذکورہ حدیث سے درگزر کرنے اور تواضع اختیار کرنے کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی، جس کی مقتدا حضرات کو زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا کہ:

يَا عُقْبَةُ، أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ أَخْلَاقِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ . تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ أَلَا وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُمَدَّ فِيْ عُمْرِهٖ وَيُبْسَطَ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَصِلْ ذَا رَحِمِهٖ (مستدرک حاکم ،رقم الحديث ۷۲۸۵، کتاب البر والصلة)

ترجمہ: اے عقبہ! کیا میں تمہارے دنیا وآخرت کے افضل ترین اخلاق نہ بتلادوں؟ جو (رشتہ دار) آپ سے قطع رحمی (یعنی بدسلوکی) کرے، آپ اس سے صلہ رحمی (اور بہتر سلوک) کریں، جو آپ کو محروم کرے (اور کچھ نہ دے) اس کو آپ عطا کریں، اور جو آپ پر ظلم کرے، اس کو آپ معاف کریں، خبردار! جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر لمبی کی جائے، اور اس کا رزق کشادہ کیا جائے، تو وہ اپنے رشتہ دار سے صلہ رحمی (اور اچھا برتاؤ) کرے (حاکم)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ قطع تعلقی کرنے والے سے تعلق جوڑنا اور ہتکِ عزت کرنے والے کو درگزر کر دینا، اور ظلم کرنے والے کو معاف کر دینا اور صلہ رحمی کرنا بہترین اعمال ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اِسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : اِئْذَنُوْا

لَهُ، بِئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ، أَوِ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قُلْتَ الَّذِيْ قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْكَلَامَ؟ قَالَ : أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ، أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ، اِتِّقَاءَ فُحْشِهِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۶۰۵۴، کتاب الادب، باب ما يجوز من اغتياب أهل الفساد والريب)

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت چاہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو، وہ قبیلہ کا برا بھائی ہے یا یہ فرمایا کہ قبیلہ کا برا بیٹا ہے، جب وہ اندر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرمی سے گفتگو کی، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کے متعلق پہلے یہ (یعنی بُرا) فرمایا اور پھر (اس کے آنے کے بعد) اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ سب سے برا آدمی وہ ہے کہ لوگ اس کی بدگوئی سے بچنے کے لئے اس کو چھوڑ دیں (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ أَخُوْ الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ انْبَسَطَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمَهُ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَمَّا اسْتَأْذَنَ قُلْتَ: بِئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ انْبَسَطْتَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ (أبو داؤد، رقم الحديث ۴۷۹۲، كتاب الادب، باب فى حسن العشرة)

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ برے خاندان کا بھائی ہے پھر جب وہ اندر آ گیا تو آپ

نے بشاشت سے اس کا استقبال کیا اور اس سے گفتگو فرمائی جب وہ نکل گیا تو میں
نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب اس نے آپ سے اجازت مانگی تو آپ
نے فرمایا کہ برے خاندان کا بھائی ہے اور جب وہ آپ کے پاس آ گیا تو آپ
اس سے بشاشت سے ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ!
اللہ تعالیٰ فحش گوئی (بدکلامی وبدزبانی کرنے والے) کو پسند نہیں فرماتا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ فحش گو اور بدزبان کے ساتھ بھی بدزبانی وبدکلامی سے پیش نہیں آنا چاہئے، جیسا کہ آج کل بعض مناظرہ نگاروں اور بعض مبلغین ومصنفین کا یہی وطیرہ ہوگیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوْا، وَيَسِّرُوْا، وَلاَ تُعَسِّرُوْا، وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٣٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو تعلیم دو، اور (تعلیم میں) آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اسے چاہئے کہ وہ خاموشی اختیار کرے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ تعلیم اور دین سکھانے میں بھی نرمی وسہولت والا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے، اور سختی وتشدد کے انداز سے بچنا چاہئے، جیسا کہ بعض اہلِ علم سختی اور تشدُّد کے راستہ کو اختیار کرتے ہیں، اور امت کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے سہل اور آسان اقوال کو اہمیت نہیں دیتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : يَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا، وَلاَ تُنَفِّرُوْا (بخاری،رقم الحدیث ٦٩، کتاب العلم،باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو، اور (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور متنفر نہ کرو (بخاری)

سختی اور مشکل پیدا کرنے سے دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا، اور اسی لئے بعض اہلِ علم کے سختی اور تنگی والے اقوال اختیار کرنے سے بہت سے لوگ دین سے دُور ہوجاتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِهٖ فِيْ بَعْضِ أَمْرِهٖ، قَالَ: بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (مسلم،رقم الحدیث ١٧٣٢ "٦" کتاب الجهاد والسیر،باب فی الأمر بالتیسیر، وترک التنفیر)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنے کسی کام کے لئے بھیجتے تھے، تو یہ فرماتے تھے کہ تم (اپنے آپ کو اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور متنفر نہ کرو، اور آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو (مسلم)

آسانی، نرمی اور سہولت پیدا کرنے اور مشکل وتنگی سے بچنے کا یہ حکم علماء ومبلغین اور دین کے احکام کو بھی شامل ہے، جیسا کہ گزرا۔

حق کا ساتھ دینے اور تعصب سے بچنے کا حکم

قرآن وسنت میں اس بات پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دیا جائے، اور کسی جماعت یا مسلک وغیرہ کی بے جا حمایت نہ کی جائے، جس میں مسلکی عصبیت بھی داخل ہے،

اور اس میں آج بہت ابتلا ہے، جس سے طرح طرح کے فتنے رونما ہو رہے ہیں، اکثر و بیشتر اہلِ علم و مقتدا حضرات کا دین و تحقیق کے میدان میں طرزِ عمل اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط، بالفاظِ دیگر اپنی دہی کو میٹھی اور دوسرے کی دہی کو کھٹی قرار دینے والا ہے، خواہ دلیل سے دوسرے کی بات حق یا راجح نظر آ رہی ہو۔

اس طرزِ عمل کو اسلام میں پسند نہیں کیا گیا، جس کے متعلق کچھ آیات و احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوُوْا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (سورة النساء، رقم الآية ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ تم قائم کرنے والے انصاف کو، گواہ بنو اللہ کے لئے، اگرچہ تمہارے خلاف ہو، یا والدین کے، اور اقرباء کے، اگر ہے، وہ غنی یا فقیر، تو اللہ ان دونوں کے مقابلہ میں اولیٰ (ومقدم) ہے، پس خواہش کی اتباع نہ کرو تم، عدل وانصاف کرنے میں، اور اگر تم زبان لپیٹو گے (یعنی غلط بیانی کر کے ناانصافی کرو گے) یا (عدل وانصاف سے) اعراض کرو گے، تو اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے (جس کا تم کو حساب دینا پڑے گا) (سورہ نساء)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے اپنا قریبی و تعلق دار یا ہم مسلک وغیرہ ہونے کی بنیاد پر اس کی بے جا طرفداری اور حمایت جائز نہیں، بلکہ یہ عدل وانصاف کے بجائے، خواہش کی پیروی اور بے جا تعصب و تحزب میں داخل ہے، جو عنداللہ قابلِ مؤاخذہ ہے۔

اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہوجاؤ تم قائم کرنے والے اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی کو، اور ہرگز آمادہ نہ کرے تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، تم عدل کرو، یہی زیادہ قریب ہے تقویٰ کے، اور ڈرو اللہ سے، بے شک اللہ خوب خبردار ہے، تمہارے اعمال سے (سورہ مائدہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر عدل وانصاف کا تقاضا دوسری قوم یا اس کے موقف کو برحق تسلیم کرنے کا ہو، تو اس کو تسلیم کرنا چاہئے، اور اس سلسلہ میں تعصب وتحزب اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

اور سورہ مائدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٤٢)

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کریں آپ، تو فیصلہ کریں، ان کے درمیان عدل (وانصاف) کے ساتھ، بے شک اللہ محبت رکھتا ہے، عدل (وانصاف) کرنے والوں سے (سورہ مائدہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے بہرحال عدل وانصاف والا فیصلہ کرنے کا حکم ہے، اور یہی طرزِ عمل اللہ کو پسند ہے۔

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (سورة الانعام، رقم الآية ١٥٢)

ترجمہ: اور جب کہو تم، تو انصاف کرو، اگرچہ ہو وہ رشتہ دار (سورہ انعام)

مفسرینِ عظام نے ''بالقسط'' کی تفسیر ''بالعدل'' کے ساتھ کی ہے۔ [1]

معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے عدل وانصاف کو قائم کرنے کا حکم ہر شخص کے لیے ہے، خواہ وہ اپنی جماعت ومسلک سے تعلق رکھتا ہو، یا غیر سے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ (مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٩٨٩) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آدمی کا اپنی قوم (یعنی اپنی برادری یا خاندان وقبیلہ وغیرہ) سے محبت رکھنا بھی تعصّب میں داخل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تعصب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کے ظلم (یعنی ناحق چیز) پر مدد کرے (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

قَالَ: مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ، فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِىْ رُدِّىَ، فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ (سنن أبى داود، رقم الحديث ٥١١٧، كتاب الادب، باب فى العصبيه) [3]

ترجمہ: جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق مدد کی تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے، جو کنویں میں گر پڑا، اب وہ اپنی دم سے کھینچ کر نکالا جائے گا (ابوداؤد)

---

[1] (يأيها الذين آمنوا كونوا قوامين) قائمين (بالقسط) بالعدل (شهداء) بالحق (تفسير الجلالين، سورة النساء، تحت رقم الآية ١٣٥)

يأمر تعالى عباده المؤمنين أن يكونوا قوامين بالقسط أى بالعدل، فلا يعدلوا عنه يمينا ولا شمالا، ولا تأخذهم فى الله لومة لائم ولا يصرفهم عنه صارف (تفسير ابنِ كثير، ج٢ ص٣٨٣، سورة النسآء)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية سنن ابى داؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم کی ناحق مدد و بے جا طرف داری، انسان کو دنیا وآخرت کے اندر مشکل میں پھنسانے کا سبب ہے، اور اس کا رات دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے، اور اس کے نقصانات کا رات دن مسلمان سامنا کرتے ہیں۔

علمی وفقہی دنیا میں بھی ایک دوسرے سے تعصب وتشدد کرنے والے حضرات مختلف قسم کی مشکلات میں پھنستے ہیں، اور آخرت کی مشکلات کا وبال الگ ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ [1]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۵۱۳۰، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی الھوی)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے، خواہ وہ کوئی انسان ہو، یا غیر انسان، تو عادتاً وہ اس چیز کے عیوب سے اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے، اور حق وباطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

تعصب میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی چیز سے محبت بھی

---

[1] (مثل الذی یعین قومه علی غیر الحق مثل بعیر تردی وهو یجر بذنبه) لفظ روایة أبی داود کمثل بعیر تردی فی بئر فهو ینزع منها بذنبه اه قال بعضهم :معنی الحدیث أنه قد وقع فی الإثم وهلک کالبعیر إذا تردی فی بئر فصار ینزع بذنبه ولا یقدر علی الخلاص(فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۸۱۴۲)

[2] قال شعیب الارنؤوط:
صحیح موقوفاً، وهذا إسناد ضعیف لضعف أبی بکر بن عبد الله بن أبی مریم، وبقیة –وهو ابن الولید– وإن کان ضعیفاً قد توبع(حاشیة سنن ابی داؤد، تحت رقم الحدیث ۵۱۳۰)

تعصب کا باعث بن جاتی ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اُنْصُرْ أَخَاکَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، أَنْصُرُہٗ إِذَا کَانَ مَظْلُوْمًا، أَفَرَأَیْتَ إِذَا کَانَ ظَالِمًا کَیْفَ أَنْصُرُہٗ؟ قَالَ: تَحْجُزُہٗ، أَوْ تَمْنَعُہٗ، مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِکَ نَصْرُہٗ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۹۵۲، کتاب الکراھۃ، باب بلاترجمۃ بعد باب إذا استکرھت المرأۃ علی الزنا فلا حد علیھا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنے بھائی کی مدد کریں، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب وہ مظلوم ہوگا تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن جب وہ ظالم ہوگا، تو آپ کے خیال میں اس کی مدد کیسے کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو ظلم سے روک دو، یا اس کو ظلم سے منع کردو، تو یہ اس کی مدد کرنا ہے (بخاری)

اس سے پہلے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرنے کا

---

[1] "حبک الشیء یعمی ویصم."(حم تخ د) عن أبی الدرداء، والخرائطی فی اعتلال القلوب عن أبی برزۃ، وابن عساکر عن عبد اللہ بن أنیس.

(حبک الشیء) عام فی کل حیوان وجماد وعرض وجوھر .(یعمی) أی عن معائب ما یحبہ أو عن کل شیء سواہ إذا تمکن فی القلب(ویصم) عن سماع کل ما لیس فی معناہ أی یصیرہ کالأعمی والأصم لا ینتفع بحاستیہ والحدیث تحذیر عن الإیغال فی المحبۃ لأی محبوب سوی ما یحبہ اللہ ورسولہ فإن تخصیصہ معلوم من قاعدۃ الشرع .(حم تخ د) عن أبی الدرداء) قال الحافظ العراقی: إسنادہ ضعیف وقال الزرکشی: روی من طرق فی کل منھا مقال وقال المصنف فی الدرر: الوقف بہ أشبہ، (والخرائطی فی اعتلال القلوب عن أبی برزۃ)، (وابن عساکر عن عبد اللہ بن أنیس) قد أشار المصنف بتعدد طرقہ ومخرجیہ إلی دفع زعم الصغانی وضعہ وقولہ فیہ ابن أبی مریم کذوب أبطلہ الحافظ العراقی بأنہ لم یتھمہ أحد بکذب(التنویر شرح الجامع الصغیر، ج۵ص ۳۲۴، ۳۲۵، تحت رقم الحدیث ۳۶۵۸،باب الحاء الموحدۃ)

تعصب ہونا معلوم ہوگیا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے کو ظلم سے روکنا بھی اپنے مسلمان بھائی کی نصرت و مدد کرنے میں داخل ہے، لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں دوسرے مسلمان بھائی کا خطاء پر ہونا ظاہر ہوگیا، تو اس سے اس کو آگاہ کرنا اس کی مدد کرنے میں داخل ہوگا، اور اس کو آگاہ نہ کرنا بلکہ تعصب وغیرہ کی بنیاد پر اس خطاء پر قائم رکھنا یا دوسرے کو اس پر قائم رہنے کی دعوت دینا، یہ اس کی نصرت و مدد میں داخل نہیں ہوگا۔

جیسا کہ آج کل بعض حضرات تعصب کی بنیاد پر مذکورہ تفصیل کے مطابق دوسرے مسلمان کی مدد و نصرت کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۶۸۱، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اور اللہ کے لیے بغض رکھا، اور اللہ کے لیے دیا، اور اللہ کے لیے منع کیا، تو اس نے ایمان کو کامل کرلیا (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّجِدَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ، فَلْيُحِبَّ الْعَبْدَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۰۷۳۸)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ ایمان کے ذائقے کو چکھے، تو وہ بندے سے محبت کرے، اس سے محبت صرف اللہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناده حسن (حاشية سنن ابی داؤد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

عزوجل ہی کے لیے کرے (مسنداحمد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللّٰهِ، وَتُبْغِضَ فِي اللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٥٢٤) ؎1

ترجمہ: ایمان کا سب سے مضبوط حلقہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے سلسلہ میں محبت رکھیں، اور اللہ کے سلسلہ میں بغض رکھیں (مسنداحمد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٤٥٩٩، كتاب السنة، باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم) ؎2

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال میں سب سے زیادہ افضل عمل، اللہ کے سلسلہ میں محبت رکھنا اور اللہ کے سلسلہ میں بغض رکھنا ہے (ابوداؤد)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٣٠٣) ؎3

ترجمہ: اللہ کے نزدیک اعمال میں سب سے زیادہ محبوب عمل، اللہ کے سلسلہ میں محبت رکھنا اور اللہ کے سلسلہ میں بغض رکھنا ہے (مسنداحمد)

؎1 قال شعيب الارنؤوط:
حديث حسن بشواهده، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

؎2 قال شعيب الارنؤوط:
حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابی داؤد)

؎3 قال شعيب الارنؤوط:
حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

کسی سے اللہ کے لیے محبت رکھنا، مثلاً اس انسان کے مومن یا نیک صالح ہونے کی وجہ سے، اور اللہ کے لیے بغض رکھنا، مثلاً اس انسان کے کفر یا گناہ کی وجہ سے، تو یہ ایمان کے کامل ہونے کی نشانی ہے۔ [1]

اور مجتہدین کا اجتہاد عبادت اور فقہی اختلاف رحمت ہے، گناہ اور عصیان نہیں، اور اس عمل کو انجام دینے والا بھی ثواب کا مستحق ہونے کی وجہ سے صالح و نیک انسان ہے، خواہ وہ اجتہاد میں مخطی ہو، لہٰذا مجتہد سے محبت رکھنا ایمان کے کامل ہونے کی اور اس سے بغض رکھنا ایمان کے نقصان کی دلیل ہوگی، خواہ اس کے اجتہاد سے کسی کو اتفاق ہو یا اختلاف۔

اسی طرح مجتہدین کے متبعین کے ساتھ بھی حکم ہے۔

تفقہ فی الدین اور اجتہادی اختلاف کا خیر و نعمت ہونا

اس کے بعد یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دین میں تفقہ اور دین کی درست سمجھ کا حاصل ہونا، بہت بڑی نعمت ہے، اور تفقہ فی الدین کی بنا پر جو دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی رو سے، نیک نیتی کے ساتھ دوسرے سے اجتہادی اختلاف ہو، وہ بھی خیر و نعمت ہے، اس کو نہ تو شر سمجھنا چاہئے، اور نہ ہی اس کو آپس میں بے جا اختلاف وانتشار کا ذریعہ بنانا چاہئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم

---

[1] (من أحب لله) أحب إنسانا لأجل أن الله أمر بحبه لكونه من صالحى عباده لم يحبه إلا لذلك، لا لطمع، ولا رغبة، ولا رهبة (وأبغض لله) لكفر من يبغضه أو عصيانه (وأعطى لله) احتسابا لما وعده من الإثابة (ومنع لله) فلم يعط زكاته غنيا ولا هاشميا ولا نحو ذلك (فقد استكمل الإيمان) أحاط بأطرافه وكمل لديه أوصافه(التنوير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۸۲۸۹، حرف الميم)

الحدیث ۹۲۹، ج۱۹ ص۳۹۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علم تو بس علم حاصل کرنے سے آتا ہے، اور فقہ، فقہ حاصل کرنے سے آتا ہے، اور جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو دین میں فقہ وسمجھ عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے بس علماء ہی خشیت رکھتے ہیں (طبرانی)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہ، عظیم نعمتِ الٰہی ہے، اور جس طرح علم کا حصول، علم حاصل کرنے سے آتا ہے، اسی طرح فقہ بھی فقہ حاصل کرنے سے آتا ہے، یعنی جب تک کوئی فقہ حاصل نہیں کرے گا، اور اس کے حصول کی جدوجہد اور مشق نہیں کرے گا، اس وقت تک اسے تفقہ حاصل نہیں ہوگا۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص فقیہ نہ ہو، تو اسے فقہ کے علم کو حاصل اور اس میں ترقی کرنی چاہیے، جس کی برکت سے اسے فقہ واجتہاد سے مناسبت وممارست اور پھر اس میں رسوخ اور ملکہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلَ مُوْسٰى رَبَّهُ عَنْ سِتِّ خِصَالٍ، كَانَ يَظُنُّ أَنَّهَا لَهُ خَالِصَةً، وَالسَّابِعَةُ لَمْ يَكُنْ مُوْسٰى يُحِبُّهَا، قَالَ: يَا رَبِّ أَيُّ عِبَادِكَ أَتْقٰى؟ قَالَ: اَلَّذِىْ يَذْكُرُ وَلَا يَنْسٰى، قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَهْدٰى؟ قَالَ: اَلَّذِىْ يَتْبَعُ الْهُدٰى، قَالَ: فَأَيُّ

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه رجل لم يسم، وعتبة بن أبي حكيم وثقه أبو حاتم، وأبو زرعة، وابن حبان، وضعفه جماعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٣٧، باب العلم بالتعلم)

وقال الالباني: قلت: وفي "التقريب " :"وهو صدوق يخطىء كثيرا ."وقال المناوي: " رواه ابن أبي عاصم أيضا قال ابن حجر في "المختصر :"إسناده حسن لأن فيه مبهما اعتضد بمجيئه من وجه آخر ."(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٤٢)

عِبَادِکَ أَحُکُمُ؟ قَالَ: اَلَّذِیُ یَحُکُمُ لِلنَّاسِ کَمَا یَحُکُمُ لِنَفُسِہٖ، قَالَ: فَأَیُّ عِبَادِکَ أَعُلَمُ؟ قَالَ: عَالِمٌ لَا یَشُبَعُ مِنَ الُعِلُمِ، یَجُمَعُ عِلُمَ النَّاسِ إِلٰی عِلُمِہٖ، قَالَ: فَأَیُّ عِبَادِکَ أَعَزُّ؟ قَالَ: اَلَّذِیُ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ، قَالَ: فَأَیُّ عِبَادِکَ أَغُنٰی؟ قَالَ: اَلَّذِیُ یَرُضٰی بِمَا یُؤُتٰی، قَالَ: فَأَیُّ عِبَادِکَ أَفُقَرُ؟ قَالَ: صَاحِبٌ مَنُقُوُصٌ ، قَالَ رَسُوُلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّمَ: لَیُسَ الُغِنٰی عَنُ ظَھُرٍ، إِنَّمَا الُغِنٰی غِنَی النَّفُسِ، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰہُ بِعَبُدٍ خَیُرًا جَعَلَ غِنَاہُ فِیُ نَفُسِہٖ وَتُقَاہُ فِیُ قَلُبِہٖ، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰہُ بِعَبُدٍ شَرًّا جَعَلَ فَقُرَہٗ بَیُنَ عَیُنَیُہِ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۶۲۱۷، کتاب التاریخ، باب بدء الخلق) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے چھ خصلتوں کے بارے میں سوال کیا، آپ کا گمان یہ تھا کہ وہ خصلتیں خالص اُن کے اندر پائی جاتی ہیں، اور ساتویں خصلت موسیٰ پسند نہیں کرتے تھے، آپ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! آپ کا کون سا بندہ سب سے زیادہ تقوے والا ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ وہ جو (اللہ کا) ذکر کرے، اور (اللہ کو) بھولے نہیں، حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ جو ہدایت کی اتباع کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ جو لوگوں کے لئے اسی طرح فیصلہ کرے جس طرح اپنی ذات کے لئے کرتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ زیادہ علم والا ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ جو عالم، علم سے سیر نہ ہو، وہ لوگوں کے علم کو اپنے علم کے

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ حسن (حاشیة ابن حبان)

ساتھ جمع کرتا رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ زیادہ عزت والا ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ جب وہ (بدلہ لینے یا سزا دینے پر) قادر ہوتو معاف کردے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ سب سے زیادہ غنی ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ جو اُس پر راضی ہو جو اُسے عطا کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا کون سا بندہ سب سے زیادہ فقیر ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ (اللہ کی عطا کو) کم سمجھنے والا۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال داری ظاہر سے نہیں ہوتی، بس مال داری تو نفس کی مال داری ہوتی ہے، اور جب اللہ کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اس کی مال داری کو اس کی ذات میں اور اس کے تقوے کو اس کے دل میں رکھ دیتا ہے، اور جب اللہ کسی بندہ کے ساتھ شَر کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کے فقر وفاقہ کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے (ابن حبان)

لوگوں کے علم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کرنے میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مختلف فقہائے کرام کے اقوال ومذاہب کا علم حاصل کرنا بھی داخل ہے، لہٰذا عالِم دین کو صرف ایک فقیہ کے مذہب پر انحصار کرنے کے بجائے دیگر فقہائے کرام کے مذاہب کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے، جس سے علم وفقہ میں ترقی وتنوع پیدا ہوتا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا، فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ (سنن ابی داوٗد، رقم الحديث ٣٦٦٠، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داوٗد)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے، جو مجھ سے کسی حدیث کو سنے، پھر اس کو محفوظ کرلے، یہاں تک کہ اس کو کسی دوسرے تک پہنچا دے، پس بہت سے فقہ کے حاملین ایسے ہوتے ہیں کہ جن تک وہ فقہ کی بات پہنچاتے ہیں، وہ ان پہنچانے والوں سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں، اور بہت سے فقہ کے حاملین فقیہ نہیں ہوتے (سنن ابی داؤد)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ، تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٠٥٦، باب الخطبة، يوم النحر) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری بات سنے پھر آگے پہنچا دے، کیونکہ بہت سے فقہ کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچا دیتے ہیں، جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے، تین چیزیں ایسی ہیں، جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية سنن ابنِ ماجه)

آ ور نہیں ہو سکتا) (ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا، ثُمَّ بَلَّغَھَا عَنِّیْ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرِ فَقِیْہٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ إِلٰی مَنْ ھُوَ أَفْقَہُ مِنْہُ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٢٣٦، ابواب السنة، باب من بلغ علما) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس بندہ کی مدد فرمائے، جو میری کسی بات کو سنے، پھر اس کو محفوظ کرلے، پھر اس کو میری طرف سے (کسی دوسرے تک) پہنچادے، پس بہت سے فقہ کے حاملین فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے وہ لوگ جن تک دوسرے کی طرف فقہ کی بات پہنچتی ہے، وہ پہنچانے والوں کے مقابلہ میں زیادہ فقیہ ہوتے ہیں (ابن ماجہ)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کو اجتہاد پر بہر حال اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اجتہاد عبادت ہے، اور اپنی قوم یا جماعت کے کسی مسئلہ میں خطاء پر ہونے کے باوجود اس کی حمایت ونصرت کرنا عصبیت میں داخل ہو کر گناہ ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے فقیہ بھی بہت ہوں گے کہ ان کو بعض جہات سے اپنے سے پہلے یا بڑے حضرات کے مقابلہ میں زیادہ تفقہ کی نعمت حاصل

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] عن عبد الله بن مسعود، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها؛ فإنه رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ثلاث لا يغل عليهن قلب رجل مسلم :إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر، ولزوم جماعة المسلمين؛ فإن دعوتهم تحيط من ورائهم "قال أبو عمر :وروى هذا الحديث أيضا عن النبي صلى الله عليه وسلم أبو بكرة (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، رقم الحديث ١٩١)

ہوگی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی فقہی مسئلہ کے اندر بعد کے زمانہ کے فقیہ کو خواہ وہ دوسرے کے مقابلہ میں کم عمر ہو، اپنے سے پہلے زمانہ یا بڑی عمر کے فقیہ کی رائے کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّــهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَـاجْتَهَـدَ ثُـمَّ أَصَـابَ فَـلَـهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۷۳۵۲، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد سے کام لے، پھر وہ درست (اجتہاد) کرے، تو اس کے لئے دو اجر ہیں، اور اگر کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد کرے، پھر اس سے (اجتہاد میں) غلطی ہوجائے، تو اس کو ایک ثواب ملے گا (بخاری)

اس طرح کی احادیث اور بھی کئی سندوں سے مروی ہیں، جن کا ہم نے اپنی دوسری تالیف ''تفرد کی حقیقت'' میں ذکر کردیا ہے۔

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کو اجتہاد پر بہر حال اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ پھر اگر اجتہاد عنداللہ صواب ہو، تو دو اجر اور خطاء ہو، تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، پس کسی مجتہد کو اس کے اجتہاد کی وجہ سے ملامت کرنا یا اس عمل کو باعثِ اجر وثواب ہونے کے بجائے باعثِ گناہ قرار دینا درست نہیں، البتہ جس شخص میں کلی یا جزوی اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، اور وہ اصولِ شریعت وفقہ کے برعکس اجتہاد کرے، وہ اس بحث سے خارج ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ مجھے یہ چیز خوش نہیں کرتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابۂ کرام کا آپس میں اختلاف نہ ہو، کیونکہ اگر ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوگا، تو اس میں رخصت نہیں ہوگی۔ [1]

---

[1] حدثنا أبو حفص عمر بن محمد بن رجاء قال: حدثنا أبو نصر عصمة بن أبي عصمة قال: حدثنا الفضل بن زياد , قال: حدثنا أحمد بن حنبل , قال: حدثنا معاذ بن هشام , قال: حدثنا أبي , عن قتادة , أن عمر بن عبد العزيز , كان يقول: ما يسرني لو أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا , لأنه لو لم يختلفوا لم تكن رخصة(الابانة الكبرىٰ لابنِ بطة، رقم الحديث ۷۰۳)

وقال عمر بن عبد العزيز فيما : أنا عبد الملک بن محمد الواعظ ، أنا دعلج بن أحمد ، نا يوسف القاضي ، نا عمرو بن مرزوق ، نا عمران القطان ، عن مطر الوراق ، عن عمر بن عبد العزيز ، قال : ما يسرني أن أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا (الفقيه والمتفقه للخطيب بغدادی، رقم الحديث ۷۳۷)

أنا علي بن أحمد بن عمر المقرء ، أنا محمد بن عبد الله الشافعي ، نا معاذ بن المثنى ، نا مسدد ، قال : نا عيسى بن يونس ، نا إسماعيل بن عبد الملک ، عن عون بن عبد الله بن عتبة ، قال : قال لي عمر بن عبد العزيز : ما يسرني باختلاف أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم حمر النعم (الفقيه والمتفقه للخطيب بغدادی،رقم الحديث ۷۳۹)

قال الدكتور: سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثري:

صحيح مقطوع.

رواه الخطيب في الفقيه (59 /2) من طريق مسدد.

الحكم عليه:

هذا الأثر عن عمر بن عبد العزيز :ضعيف بهذا السند من أجل إسماعيل بن عبد الملک، وبهذا يعلم قول الحافظ بن حجر :صحيح مقطوع أنه ليس بصواب ولعله كان يقصد بطرقه.

وله طرق أخرى بمعناه أخرجه الخطيب في الفقيه والمتفقه (59 /2) عن محمد بن أحمد بن رزق أخبرنا عثمان بن أحمد الدقاق، ثنا حنبل بن إسحاق، حدثني أبو عبد الله، ثنا معاذ بن هشام قال :حدثني أبي عن قتادة أن عمر بن عبد العزيز كان يقول :ما سرني لو أن أصحاب محمد لم يختلفوا لأنهم لو لم يختلفوا لم يكن رخصة.

وهذا إسناد حسن، فيه معاذ بن هشام وعثمان الدقاق وهما صدوقان وبقية رجاله ثقات.

وأخرجه الخطيب أيضا في الفقيه (59 /2) من طريق عمران القطان، عن مطر الوراق، عن عمر بن عبد العزيز مختصرا.

وهذه الطريق يؤيد بعضها بعضا وتدل على أن المعنى ثابت عن عمر بن عبد العزيز.

ومما يؤيد ذلک أن عمر بن عبد العزيز كان يفتي به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ تفقہ فی الدین اور اجتہاد، اللہ کی نعمت اور باعثِ خیر ہے، جس پر ایک دوسرے سے منافرت رکھنا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش یا اس پر اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنا، اور تعصب وتحزب اختیار کرنا درست نہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رواہ الدارمی فی سننہ (634 :122 /1) باب اختلاف الفقھاء قال :أخبرنا یزید بن ھارون عن حماد بن سلمة، عن حمید، قال :قلت :لعمر بن عبد العزیز :لو جمعت الناس علی شیء فقال :ما یسرنی أنھم لم یختلفوا، قال :ثم کتب إلی الآفاق أو إلی الأمصار لیقضی کل قوم بما اجتمع علیه فقھاؤھم(حاشیة المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة، ج۱۲، ص۱۰۶، تحت رقم الحدیث ۳۰۲۶، باب الأخذ باختلاف الصحابة)

(دوسرا باب)

اہلِ علم کی نظر میں اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب

آگے فقہی و اجتہادی مسائل میں تشدد و تعصب سے بچنے اور اس سلسلہ میں اعتدال کو اختیار کرنے کے متعلق چند فقہاء و علماء کی عبارات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف

سب سے پہلے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ایک رسالہ کو نقل کیا جاتا ہے، جس میں اختلاف کی تقریباً جملہ اقسام وانواع پر محققانہ کلام کیا گیا ہے۔

اس رسالہ میں اختلاف کی ہر قسم کے ذیل میں اس کی دلیل کے طور پر آیات یا احادیث وروایات بھی درج کی گئی ہیں، جن میں سے بعض کو طوالت کے خوف وغیرہ کی وجہ سے ترک کر دیا گیا، جبکہ بعض مقامات پر ضروری یا مفید سمجھتے ہوئے بندہ محمد رضوان نے حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

مقدمہ:........جاننا چاہیے کہ اختلاف بتقسیمِ اولیٰ دو قسم پر ہے:

ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی

(اور اختلاف کے اقسام سے اتفاق کے اقسام بھی معلوم ہو جائیں گے۔ چوں کہ محل کلام اختلاف ہی کو سمجھا جاتا ہے، اس لیے موضوع تقسیم کا اسی کو قرار دیا گیا، تو اختلاف کی دو قسمیں ہیں حقیقی، وغیر حقیقی)

حقیقی سے مراد یہ ہے کہ دو حکموں میں ایسا تعارض ہو کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہو سکیں۔ اگر ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط۔ جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل حلال یا

حسن ہے، دوسرا اسی فعل کو کہے کہ یہ حرام یا قبیح ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔

پھر یہ تعارض خواہ درجۂ تناقض میں ہو، یعنی جیسے ان دونوں حکموں کا اجتماع نہیں ہو سکتا، اسی طرح دونوں کا ارتفاع (یعنی خاتمہ) بھی نہیں ہوسکتا۔

جیسا مثالِ مذکور میں کہ جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، اسی طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ نہ واقع میں حلال ہو اور نہ واقع میں حرام ہو۔

اور خواہ درجۂ تضاد میں ہو، یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہوسکتا، لیکن دونوں کا ارتفاع (یعنی خاتمہ) ہوسکتا ہے۔ جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے ، دوسرا کہے کہ مستحب ہے۔ سو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ مباح بھی ہو اور مستحب بھی ، مگر یہ ہوسکتا ہے کہ نہ مباح ہو، نہ مستحب، بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔ [1]

اور غیر حقیقی سے مراد یہ ہے کہ ان دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو، بلکہ دونوں حکم صحیح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سفید ہے اور ایک سیاہ ہے تو دونوں مختلف تو ہیں، لیکن دونوں حکم صحت میں مجتمع ہیں، کیوں کہ دونوں رنگ کا محل مختلف ہے، ایک کو سفید کہنے سے دوسرے کے سیاہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی یا ایک زمانہ میں شراب حلال تھی، دوسرے زمانہ میں حرام ہوگئی تو یہ دونوں حکم صحیح ہیں اور یہ اختلافِ غیر حقیقی، واقع میں اختلاف نہیں ہے، محض صورتِ اختلاف ہے اور حقیقت اس کی تعدد (یعنی مختلف) ہے۔

پھر اختلافِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

ایک اختلاف فی الامر الدنیوی، ایک اختلاف فی الامر الدینی ۔

پھر اختلاف فی الامر الدنیوی کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] البتہ مستحب کو مباح اس معنیٰ کر کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ترک و فعل میں گناہ نہیں۔ محمد رضوان۔

ایک اختلاف عن منشاء صحیح، اور ایک اختلاف لا عن منشاء صحیح

اور اختلاف فی الامر الدینی کی دو قسمیں ہیں:

ایک اختلاف فی الفروع، ایک اختلاف فی الاصول۔

پھر اختلاف فی الاصول کی دو قسمیں ہیں:

اختلاف فی الکفر و الایمان اور اختلاف فی البدعة والسنة ۔

یہ سب اقسام، اختلافِ حقیقی کے تھے۔

اور اختلافِ غیر حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

ایک بفعل العبد، اور دوسرا بجعل الحق۔

پھر اختلاف بجعل الحق کی دو قسمیں ہیں:

ایک اختلافِ طبائع، دوسرا اختلافِ شرائع۔

پھر اختلافِ شرائع کی دو قسمیں ہیں:

ایک اختلاف فی الشریعة الواحدة، ایک اختلاف فی الشرائع المتعددة۔

مجموعہ ان سب اقسام کا دس قسمیں ہیں، چھ اختلافِ حقیقی کی اور چار اختلافِ غیر حقیقی کی۔

(جن سب کا خلاصہ درجِ ذیل ہے)

قسمِ اوّل: اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی عن منشاء صحیح۔

قسمِ دوم: اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی لا عن منشاء صحیح۔

قسمِ سوم: اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی من الفروع عن دلیل۔

قسمِ چہارم: اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی من الفروع لا عن دلیل۔

قسمِ پنجم: اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی من الاصول کفراً واسلاماً۔

قسمِ ششم: **اختلافِ حقیقی فی الامر الدنیوی من الاصول بدعة و سنةً۔**

قسمِ ہفتم: **اختلافِ غیر حقیقی بفعل العبد۔**

قسمِ ہشتم: **اختلافِ غیر حقیقی بجعل الحق باختلاف الطبائع۔**

قسمِ نہم: **اختلافِ غیر حقیقی بجعل الحق فی الشریعة الواحدة۔**

قسمِ دہم: **اختلافِ غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعددة۔**

اور یہ سب اقسامِ واقعیہ ہیں، ورنہ احتمالاتِ عقلیہ تو اور بہت ہیں، مگر چوں کہ وہ غیر واقع تھے، اس لیے ان کا ذکر کرنا، پھر ان کے وقوع کی نفی کرنا فضول سمجھا۔

اب ہم ان سب اقسام کے مصادیق اور ان کے احکام بیان کرتے ہیں، اور اس عجالہ میں ایک مقدمہ ہے، جس کو آپ پڑھ رہے ہیں، اور دس فصلیں ہیں، ایک ایک قسم کے بیان میں، اور ایک خاتمہ ہے، جس میں کچھ تنبیہات ہیں، جو کہ تحقیقاتِ فصول پر تفریعات ہیں۔

والاٰن أشرع فی المقصود مستعینا بواهب الکرم والجود

فصلِ اوّل: اختلاف کی قسمِ اوّل کے بیان میں:

یعنی جو اختلاف کسی امرِ دنیوی میں ہو، اور کسی منشاءِ صحیح سے ہو، جیسے طبیبوں میں طریقِ علاج میں اختلاف کہ کسی نے طبِ یونانی کو اختیار کیا، کسی نے ڈاکٹری (یعنی ایلوپیتھک) کو، کسی نے ویدک کو۔

یا باوجود طریق میں متفق ہونے کے اختلافِ تشخیص کے سبب کسی تدبیر کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک طبیب کسی خاص تدبیر کو نافع بتلاتا ہے، اور دوسرا طبیب اس کو مضر بتلاتا ہے، اور ہر ایک رائے کا منشاء صحیح بھی ہے، جس سے وہ استدلال کرتا ہے، اور دوسرے کی دلیل کو رَد کرتا ہے۔

یا دو وکیلوں میں کسی مقدمہ کے متعلق اختلاف ہے کہ ایک وکیل اس کو ایک دفعہ میں داخل کرتا ہے، اور دوسرا وکیل دوسری دفعہ میں۔

وعلیٰ ہٰذا واقعاتِ یومیہ حسیہ میں اہلُ الرائے و اہلِ تجربہ معمول کے طور پر ایسا اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ منشاء کبھی دلیل ہوتی ہے، کبھی کسی صاحبِ تحقیق کی تقلید ہوتی ہے، جیسے کہ مقلد کی یہی دلیل ہے۔

اور حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ جب تک حدود میں رہے، فی نفسہٖ مذموم نہیں، بلکہ اگر اپنی رائے میں شرح صدر ہو، تو دلیلِ صحیح کے پیشِ نظر ہوتے ہوئے، اور دوسری شق میں ضرر دیکھتے ہوئے، اس دلیل کے خلاف محض تقلیداً متفق ہوجانا مذموم ہوگا۔ [1]

اور اس باب میں جو نفع وضرر محتمل ہے، چوں کہ وہ اکثر دوسرے تک متعدی ہوتا ہے، اس لیے یہ اختلاف اسی مشورہ کی ایک فرد ہے، جس کی ترغیب وتاکید قرآن وحدیث میں آئی ہے، اور خلافِ شرح صدر مشورہ دینے کی مذمت خود حدیث میں وارد ہے:

ومن أشار علیٰ اخیه بأمر ویعلم أن الرشد فی غیره فقد خانه (رواہ ابوداؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً) [2]

---

[1] لیکن آج کل بعض لوگ خود بھی اس مذموم پہلو میں مبتلا ہیں، اور دوسروں کو بھی اس مذموم پہلو میں مبتلا کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں، اور اگر کوئی ان کی اس خواہش پر پورا نہ اترے، تو اس کو بھی قابلِ مذموم سمجھتے ہیں، جبکہ اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگیا کہ یہ تمام طرزِ عمل خود ہی مذموم ہے۔ محمد رضوان۔

[2] عن أبی عثمان الطنبذی رضیع عبد الملک بن مروان قال: سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: " من أفتی بغير علم كان إثمه على من أفتاه – زاد سليمان المهری فی حديثه: – ومن أشار على أخيه بأمر يعلم أن الرشد فی غيره فقد خانه " وهذا لفظ سليمان (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٣٦٥٧)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(جو آدمی اپنے بھائی کو کوئی مشورہ دے، جب کہ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کی بہتری دوسری رائے میں ہے، جو میں نے ظاہر نہیں کی، تو وہ اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے)

اور حدود سے خارج ہوجانے پر یہ اختلاف مذموم ہوجاتا ہے، مثلاً کسی کا منشاءِ اختلاف صرف تحقیق و خیر خواہی نہ ہو، بلکہ محض اپنی بات کی پچ اور دوسرے کی تذلیل و تحقیر ہو یا اپنے مخالف کی غیبت وضرر رسانی میں مبتلا ہوجائے، اس عارض سے وہ اختلاف مذموم ہوجائے گا۔

اگر یہ عارض دونوں جانب ہے، تو دونوں کے اختلاف کو مذموم کہیں گے، اور اگر ایک جانب ہے، تو صرف اس کے اختلاف کو مذموم کہیں گے۔ [1]

اور اکثر اِن نصوص کا مورِد جن میں مطلق اختلاف کا ذم وارد ہے، ایک یہ اختلاف بھی ہے، جو عارضِ مذکور کے سبب مذموم ہوجائے۔

اور دوسرا مورد وہ اختلاف ہے، جو فصلِ آئندہ میں مذکور ہے، چوں کہ محمول سے پہلے محمل کی حقیقت کا متعین ہوجانا أعون فی الفھم (یعنی سمجھنے میں زیادہ معین)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعیب الارنؤوط: حدیث حسن، وھذا إسناد رجالہ ثقات، لکنہ اختلف فیہ کما تری فمرۃ ذکر فیہ عمرو بن أبی نعیمۃ، ومرۃ لم یذکر، وعمرو بن أبی نعیمۃ –وقیل: نعمۃ– مجھول، لکنہ متابع (حاشیۃ سنن ابی داؤد)

عن مسلم بن یسار، قال: سمعت أبا ھریرۃ، یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قال علی ما لم أقل، فلیتبوأ بنیانہ فی جھنم، ومن أفتی بغیر علم کان إثمہ علی من أفتاہ، ومن أشار علی أخیہ بأمر یعلم أن الرشد فی غیرہ فقد خانہ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۵۰)

قال الحاکم: ھذا حدیث قد احتج الشیخان برواتہ غیر ھذا، وقد وثقہ بکر بن عمرو المعافری وھو أحد أئمۃ أھل مصر.

[1] ہم نے آج کل اس مذموم طرزِ عمل کا کہیں ایک طرف اور کہیں دونوں اطراف میں کثرت سے ملاحظہ کیا، چنانچہ اپنی بات کی پچ اور اپنے مخالف کی تذلیل و تحقیر اور اپنے مخالف کی غیبت وضرر رسانی، آج کل اس طرح کی تحریرات و تقریرات اور مناظروں میں بکثرت نظر آتی ہے، اور ان عوارض سے محفوظ افراد کی تعداد بہت کم ہے۔ محمد رضوان۔

ہے، اس لیے وہ نصوص فصلِ آئندہ میں مذکور ہوں گی۔

اور اسی قبیل سے ہے، اہلِ معاملہ کا اختلاف ونزاع، جو کسی اپنے حق کے متعلق ہو، اور ہر شخص کسی محتمل العلة کی بناء پر دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک کسی فریق کو اس منشاء کا غلط ہونا محقق نہ ہو، تب تک وہ معذور ہے، اور بعد وضوحِ حق کے پھر اصرار معصیت ہے۔ [1]

اگر باوجود اپنے حق ہونے کے دوسرے سے نزاع قطع کر دے، اور اپنے حق سے دست بردار ہو جاوے، تو فضیلتِ عظیمہ ہے۔

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترک الکذب وهو باطل بنى له فى ربض الجنة، ومن ترک المراء وهو محق بنى له فى وسطها، ومن حسن خلقه بنى له فى أعلاها(رواه الترمذى، رقم الحديث ۱۹۹۳)

وقال: هذا الحديث حديث حسن. [2]

---

[1] آج کل دنیا کے معاملات اور بطورِ خاص سیاسیات میں، اس طرزِ عمل کی کثرت ہے۔ محمد رضوان۔

[2] عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: " من ترک الکذب وهو باطل، بنى له قصر فى ربض الجنة، ومن ترک المراء وهو محق بنى له فى وسطها [ومن حسن خلقه بنى له فى أعلاها](سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۵۱)

قال شعيب الارنؤوط:

حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف سلمة بن وردان .وأخرجه الترمذى (2111) عن عقبة بن مکرم العمى، عن ابن أبى فديک، بهذا الإسناد .وقال: هذا حديث حسن. ويشهد له حديث أبى أمامة عند أبى داود (4800)، وإسناده حسن.

وحديث معاذ بن جبل عند الطبرانى (217) /20، وفى إسناده ضعف لکن فى هذين الحديثين: البيت فى ربض الجنة لمن ترک المراء وهو محق، والبيت فى وسطها لمن ترک الکذب .ويشهد له أيضا حديث ابن عباس عند الطبرانى " :(11290)أنا الزعيم ببيت فى رياض الجنة وببيت فى أعلاها ويبيت فى أسفلها لمن ترک الجدل وهو محق، وترک الکذب وهو لاعب، وحسن خلقه للناس "فکأنه جعل الثلاثة واحدا .وإسناده ضعيف(حاشية مسند احمد)

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا، اور وہ باطل تھا، تو اللہ اس کے لیے جنت کے اطراف میں گھر بنائے گا، اور جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے کو چھوڑ دیا، تو اس کے لیے اللہ، جنت کے درمیان میں گھر بنائے گا، اور جس نے اپنے اخلاق کو اچھا کیا، تو اللہ اس کے لیے جنت کے اعلیٰ درجہ میں گھر بنائے گا، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے)

البتہ اگر اپنے دعوے سے دست بردار ہونے سے کوئی محذورِ شرعی (یعنی شرعی گناہ) لازم آئے، تو اس صورت میں یہ دست برداری اور اتفاق ناجائز ہے، مثلاً عورت کے رُوبرو شوہر نے طلاق دی، پھر منکر ہوگیا، تو عورت کو جائز نہیں کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہوکر، اس کے انکار کو تسلیم کرلے (جبکہ کسی معقول تاویل سے اس کے خلاف پر اطمینان نہ ہو)

عن عمرو بن عوف المزنی، عن أبیه، عن جده، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما (رواه الترمذی، رقم الحدیث ۱۳۵۲، وابنِ ماجه وابوداؤد) [1]

---

[1] قال الترمذی:

هذا حدیث حسن صحیح(حواله بالا)

حدثنا کثیر ابن عبد الله بن عمرو بن عوف، عن أبیه،عن جده، قال: سمعت رسول الله – صلی الله علیه وسلم – یقول: " الصلح جائز بین المسلمین، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما "(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث۲۳۵۳، باب الصلح)

قال شعیب الارنؤوط:

حسن لغیره، وهذا إسناد ضعیف لضعف کثیر بن عبد الله المزنی، فالأکثرون علی تضعیفه(حاشیة سنن ابنِ ماجه)

عن أبی هریرة، قال: قال رسول الله – صلی الله علیه وسلم –:" الصلح جائز بین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(عمرو بن عوف مزنی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے، جو حلال کو حرام کردے، یا حرام کو حلال کردے)

یہ تو اہلِ معاملہ کا حکم ہے، باقی دوسرے لوگوں کو جب تک دلیلِ شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت نہ ہوجائے، دونوں میں احتمال صواب کا سمجھ کر کسی کی نصرت دوسرے کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

اور جب دلیلِ شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت ہوجائے، تو اس کی نصرت اس تفصیل سے واجب ہے کہ اگر یہ ناصر حاکم یا مامور من الحاکم ہے، تو نصرت بالید (یعنی ہاتھ سے مدد کرنا) اور اگر حاکم نہیں، اور کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں، تو وعظ باللسان کے ساتھ اور اگر فتنۂ دینیہ یا دنیویہ کا اندیشہ ہے، تو صرف دل سے صاحبِ باطل کے اس فعل کو برا سمجھے، اور صاحبِ حق کے لیے دعا کرتا رہے، اس کے متعلق بھی نصوص فصلِ آئندہ میں مذکور ہوں گے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسلمين –زاد أحمد– إلا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا ."(سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۵۹۴، باب فی الصلح)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده حسن من أجل كثير بن زيد –وهو الأسلمي– والوليد بن رباح فهما صدوقان حسنا الحديث(حاشية سنن ابی داؤد)

[1] مندرجہ بالا تفصیل بڑی اہم ہے، جس میں آج کل افراط وتفریط بہت سامنے آتی ہے، مثلاً مختلف سیاسی جماعتوں کے مابین اختلاف کے موقع پر کسی ایک جماعت کا ساتھ دینے اور اس کے حق میں آواز اٹھانے میں حق کے ثابت ہونے کو بنیاد نہیں بنایا جاتا، بلکہ حق دوسری جماعت کے موقف میں ثابت ہونے کے باوجود، اس کی مخالفت کی جاتی ہے، اور اگر حق ثابت ہونے والی جماعت کی نصرت بھی کی جاتی ہے، تو اس کے لیے زبان سے طعن وتشنیع، عیب جوئی، عیب گوئی، اور بہتان، جھوٹ وغیرہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور اس کو زبان یا قلم کا جہاد سمجھا جاتا ہے، یا پھر احتجاج وغیرہ کے عنوان سے توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ اور راستوں اور لوگوں کی کاروباری اور پیشہ ورانہ ضروریات وحاجات میں خلل ڈالا جاتا ہے، اور اس کو ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے قبیل سے سمجھا جاتا ہے، یہ تمام مناظر افراط یا تفریط پر مشتمل اور قابلِ اصلاح ہیں۔ محمد رضوان۔

فصلِ دوم: اختلاف کی قسمِ دوم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف کسی امرِ دنیوی میں ہو، اور اس کا کوئی منشاء صحیح نہ ہو، محض نفسانیت اس کا باعث ہو، اس کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مذموم محض ہے، خواہ ایک جانب سے ہو یا دونوں جانب سے۔...... [1]

فصلِ سوم: اختلاف کی قسمِ سوم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف ایسے امرِ دینی میں ہو، جو فروع میں سے ہے، اور دلیل سے ہو، خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو، یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعية (یعنی ایسے مجتہد و محقق یا مفتی) کا اجتہاد یا فتویٰ ہو (جو اتباع و تقلید کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہو)

اور یہی ہے وہ اختلاف جو امتِ مرحومہ کی جماعتِ حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے اس وقت چلا آ رہا ہے۔ [2]

اور مبنیٰ اس اختلاف کا اسبابِ متعددہ ہیں، جو کتبِ اصول و تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ و رسالہ رفع الكلام لابن تيمية وغیرہا میں مدون ہیں۔ مثلاً:

(1)...... ایک مسئلہ میں نصوص مختلفة الدلالة ہیں، اور سب جمع نہیں ہو سکتے، اور نسخ بھی متفق علیہ نہیں، ایک مجتہد نے ایک پر عمل کیا، اور دوسرے کو قواعدِ کلیہ کے اقتضاء سے متروک العمل کر دیا، دوسرے مجتہد نے اس کا عکس کیا۔

اور یہ قواعدِ کلیہ گو ماخوذ عن النصوص (یعنی نصوص سے اخذ کردہ) ہیں، مگر ہیں

---

[1] منشا صحیح نہ ہونے میں دوسرے کی تحقیر و تذلیل اور اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر اور کسی منصب کا مستحق قرار دینا یا دوسرے الفاظ میں مال یا جاہ کی بے جا محبت بھی داخل ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اور ہمارا اس وقت کا زیرِ بحث اصل موضوع بھی یہی قسم ہے، جس کا صدور خیر القرون کے دور میں جماعتِ حقہ میں ہو گیا تھا، جب تک یہ اختلاف اپنی حدود پر رہے، تو مذموم نہیں، بلکہ محمود اور باعثِ رحمت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

اجتہادی، اس لیے جانبین میں عمل کی گنجائش ہے، مجتہد کو اصالۃً اور مقلد کو تبعاً۔

مثلاً: مبیح ومحرم میں محرم کو ترجیح ہونا ایک قاعدہ ہے۔

اور مثلاً مثبت کا نافی پر مقدم ہونا ایک قاعدہ ہے۔

اور مثلاً کسی واقعہ کا بہ نسبت عورتوں کے مَردوں پر زیادہ منکشف ہونا، جیسے کسوف کا واقعہ، اس میں روایتِ رجال کی تقدیم ایک قاعدہ ہے۔

اور مثلاً حکایتِ فعل میں عموم نہ ہونا، یہ ایک قاعدہ ہے و امثالھا۔

اور یہ حنفیہ کے قواعد ہیں۔ [1]

اسی طرح دوسرے مجتہدین کی تحقیق میں دوسرے قواعد ہیں۔

مثلاً: **تقیید بالوصف** (یعنی حکم کو کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا) یا تعلیق (یعنی کسی حکم کو معلق کرنے) کی دلالت جانبِ مخالف سے حکم کی نفی پر یا **حمل المطلق علی المقید** (جو چیز بغیر قید کے مذکور ہو، اس کو قید والی چیز پر محمول کرنا) یا ''قرآن فی النظم'' کی دلالت ''قرآن فی الحکم'' پر (یعنی قرآن کی عبارت کی کسی حکم پر دلالت کرنا) و امثالھا۔

ایسے قواعد سے **احد النصین** کو دوسرے پر ترجیح دینے سے حکم میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ [2]

(2)......نصوص **مختلفۃ الدلالۃ** میں سے ایک مجتہد کو ایک نص پہنچی، دوسرے

---

[1] اور جب یہ قواعد، حنفیہ کے ہیں اور اجتہادی ہیں، جن کی جانبین میں مجتہد کو (اگرچہ جزوی مجتہد ہو، جس کے وقوع وجواز کے جمہور قائل ہیں) اصالتاً اور اس کے مقلد کو تقلیداً واتباعاً عمل کی گنجائش ہے، تو پھر کسی مجتہد ومحقق کو ان قواعد کا پابند سمجھنا اور تحقیق واجتہاد کے نتیجہ میں ان قواعد پر عمل ترک کرنے کو امرِ منکر خیال کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے، جیسا کہ آج کل اس میں بعض اہلِ علم کا ابتلاء ہے کہ وہ تمام تر اجتہاد وتحقیق، یہاں تک کہ نصوص کو بھی مخصوص فقہی قواعد کا پابند بناتے ہیں، اور وہ فقہی قواعد کو اجتہادی نہیں سمجھتے، جو کہ غلط فہمی پر مبنی سوچ ہے۔ محمد رضوان۔

[2] پھر یہ اختلافِ ترجیح جس طرح مجتہدِ مطلق اور اس کے مقلد کی طرف سے ہوسکتا ہے، اسی طرح جمہور کے نزدیک مجتہدِ مقید (جس میں جزوی مجتہد بھی داخل ہے) اور اس کے مقلد کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔ فافہم۔ محمد رضوان۔

مجتہد کو دوسری پہنچی، یا ایک کو کوئی نص نہیں پہنچی، اس نے قیاس پر عمل کرلیا، اس لیے باہم اختلاف ہو گیا۔

اور نہ پہنچنے کی دو صورتیں ہیں، یا تو بالکل ہی نہیں پہنچی، یا سند محتج بہ (قابلِ حجت سند) سے نہیں پہنچی، اور اس اخیر کی صورت کا اگر کسی کو خود یا بواسطہ ثقہ عالم کے تحقق ہو جائے، تو اس پر قیاس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ [1]

(3)......کبھی نصوصِ مختلفہ مذکورہ بالا میں اوصافِ رواۃ سے ترجیح دینے سے اختلاف ہو جاتا ہے، جیسے زیادہ ثقہ ہونا، زیادہ حافظ ہونا، زیادہ فقیہ ہونا، طولِ ملازمت وصحبت و امثالھا۔ [2]

(4)......نصوص ظاہراً دلالت میں مختلف ہیں، اور سب ثابت بھی ہیں، مگر باہم جمع ہو سکتی ہیں، پس ایک مجتہد نے خواہ کسی قاعدۂ کلیہ سے یا کسی قرینۂ مقالیہ سے یا مقامیہ سے، خواہ ذوقِ اجتہادی سے ایک نص کے مدلول کو اصل حکم قرار دیا، اور دوسرے نے نص کو مؤول یا کسی عارض پر محمول کرلیا، اور دوسرے نے اس کا عکس

---

[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی مجتہدِ اول کو کوئی نص قابلِ حجت طریقہ پر نہ پہنچی ہو، اس لیے اس نے اس کے بجائے، قیاس وغیرہ پر عمل کرلیا، تو وہ معذور ہے، لیکن بعد کے شخص کو قابلِ حجت طریقہ پر نص پہنچ جائے، تو اس پر قیاس کو چھوڑ کر نص پر عمل کرنا واجب ہے، جبکہ اس نص کے ثبوت ودلالت کا علم ہو، لیکن ہم آج کے دور میں جامد مقلدین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس واجب پر آسانی سے عمل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، بلکہ اگر کوئی دوسرا اس پر عمل کرے، تو وہ اس کو بھی طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] اس میں بھی مجتہد پر اس شق کو اختیار کرنا واجب ہے، جس پر اسے اپنے اجتہاد پر شرح صدر ہو، اور کسی راوی کے زیادہ ثقہ، زیادہ حافظ وغیرہ ہونے میں بھی بعض اوقات محدثین کا اختلاف ہو جاتا ہے، اور پھر اس اختلاف کے نتیجہ میں ان میں کسی کے قول کو ترجیح دینے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، اس طرح کا اختلاف بھی امرِ اجتہادی میں داخل ہوتا ہے، جس کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ اس طرح کے اختلاف کے موقع پر بھی ہر فریق اپنی پسند کے اقوال کو بہت زیادہ اہمیت دے کر دوسرے اقوال کی اس طرح سے تردید کرنے پر اصرار کرتا ہے، جیسا کہ کسی قطعی منکر کے خلاف پر اصرار کیا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

کیا، اس لیے باہم اختلاف ہوگیا۔

مثلاً رفع یدین کے بارے میں احادیثِ مختلفہ ثابت ہیں، حنفیہ نے اس بناء پر کہ اصل نماز میں سکون ہے: **لقوله عليه الصلاة لما رأهم رافعي أيديهم عند السلام: "اسكنوا في الصلاة"** (نماز میں سکون اختیار کرو) عدمِ رفع کو اصل قرار دیا اور رفع میں تاویل کی کہ مثلاً **اعلامِ اصم یا بعید** (بہرے شخص یا دور والے کو بتانے) کے لیے تھا۔

اور شافعیہ نے اس بناء پر کہ نماز عبادتِ وجودیہ ہے، اور رفع امرِ وجودی ہے، اور عدمِ رفع امرِ عدمی ہے، رفع کو اصل قرار دیا، اور عدمِ رفع کو بیانِ جواز پر محمول کیا کہ اس سے ظاہر ہو جائے کہ رفع موقوف علیہ صحتِ صلاۃ کا نہیں (یعنی رفع پر نماز کی صحت موقوف نہیں) [1]

(5)......کبھی نصوص میں مدلول کا اختلاف نہیں ہوتا، مگر ایک ہی نص کا محمل مختلف ہوسکتا ہے، ایک مجتہد نے اپنے ذوق سے یا قواعدِ کلیہ سے ایک محمل پر محمول کر لیا، دوسرے نے اسی نص کو دوسرے محمل پر، اس سے اختلاف ہو گیا۔

مثلاً انتباذ (یعنی کھجور وغیرہ کا نبیذ بنانے) کے لیے **جمع بین البسر والتمر** (یعنی خشک اور تر کھجور کو جمع کرنے) سے حدیث میں نہی وارد ہے، اصحابِ ظواہر نے اس جمع کو علی الاطلاق مثل **جمع بین الاختین** کے امرِ تعبدی قرار دیا، اور دوسرے فقہاء نے اس کو معلل قرار دے کر ارتفاعِ علت (یعنی علت نہ ہونے) کے وقت اس جمع کی اجازت دی، اور وہ علت خواہ احتمالِ سرعتِ تغیر (یعنی جلدی

---

[1] پھر یہ اختلاف بھی اس درجہ کا شدید نہیں کہ اس پر نماز کی صحت یا فساد کا مدار ہو، بلکہ افضل وغیر افضل، اولیٰ وغیر اولیٰ ہونے کا ہے، اسی افضل و اولیٰ کی تعبیر کسی نے مسنون ہونے سے کی، اور کسی نے غیر افضل وغیر اولیٰ ہونے کی تعبیر غیر مسنون ہونے سے کی، جس کو بعد کے غیر فقیہ لوگوں نے سخت اختلافی اور گویا کہ نماز کی صحت وفساد کا مسئلہ بنالیا، اور ایک دوسرے کے خلاف نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ محمد رضوان۔

بدل جانا) ہو، خواہ مراعاۃِ مساکین بزمانہ جدب وقحط (یعنی قحط وخشک سالی کے زمانہ میں مساکین کی رعایت کرنا) ہو۔

(6)......اجماع کے بعض اقسام کا بعض کے نزدیک حجت ہونا، اور بعض کے نزدیک حجت نہ ہونا، یہ بھی اسبابِ اختلاف سے ہوجاتا ہے۔

مثلاً ایسا اجماع جس کے قبل اختلاف ہو چکا ہو، اور ایسا اجماع جس کا داعی کوئی دلیلِ ظنی نہ ہو۔ [1]

(7)......کسی مسئلہ میں نہ نص ہے نہ اجماع، بلکہ محض قیاس ہے، اور وجہ قیاس دونوں مجتہدوں کے نزدیک مختلف ہے، اس لیے حکم میں اختلاف ہوگیا، اور ابوابِ فقہیہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں۔

اور اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ باتفاق واجماعِ علمائے امت محمود ومقبول ہے......

اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے، تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا، جیسا آج کل غلاۃ میں تحریراً وتقریراً معمول ہے، سخت بدعت ومعصیت وتعصب ومخالفتِ سلف ہے۔ [2]

---

[1] چنانچہ فقہ کی کتابوں میں کسی مسئلہ کے اندر اجماع کا حکم لگا دیا جاتا ہے، جبکہ دوسرا فریق اس اجماع کا انکار کرتا ہے، جبکہ اس مسئلہ پر اجماع کا ثبوت یا دلالت قطعی نہیں ہوتی، اور طرفین سے اختلاف شدت اختیار کر جاتا ہے، اس مسئلہ میں اجماع کا مدعی، اختلاف کرنے والے پر فسق وغیرہ کا حکم لگا دیتا ہے، اس قسم کی چیزوں کا منشا اجماع کی حقیقت، اس کی اقسام اور اس میں اختلاف سے ناواقفیت ہے، جبکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں کسی مسئلہ پر اجماع ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے، لیکن اس اجماع سے مراد کسی خاص فقہ کے اصحاب کا اجماع ہوا کرتا ہے، لیکن بعد میں کم علم حضرات اس سے خاص جماعت کے بجائے، امت کا اجماع ہونا سمجھ لیتے ہیں، اور اس سے پھر طرح طرح کی غلط فہمیاں لازم آنا شروع ہوجاتی ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ حکم اس اختلاف کا بیان فرمایا ہے، جو امرِ دینی میں ہو، اور وہ فروعی اختلاف ہو، اور دلیل سے ہو، خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو، یا اتباع کیے جانے کی صلاحیت رکھنے والے مجتہد ومحققِ کلی یا جزوی کا اجتہاد یا فتویٰ ہو، اور اختلاف کی یہ قسم اپنے جملہ اسبابِ سبعہ مندرجہ بالا کے ساتھ محمود ومقبول ہے، لہٰذا اس میں آج کل غالی حضرات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فصل چہارم: اختلاف کی قسمِ چہارم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف ایسے امر و نہی میں ہو، جو فروع میں سے ہے، اور بلا دلیل محض رائے سے ہو، جیسے آج کل مدعیانِ عقل میں عام مرض ہوگیا ہے کہ بلا تحصیلِ علمِ دین، مسائلِ دینیہ میں دخل دیتے ہیں، اور بجائے دلیل کے اس کہنے کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے، اور علماء کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں، حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ سخت معصیت اور مذموم ہے۔[1]

فصل پنجم: اختلاف کی قسمِ پنجم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف ایسے امرِ دینی میں ہو، جو اصول میں سے ہے، اور کفر واسلام کے درجہ میں ہے، اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہلِ اسلام کا اہلِ کفر کے ساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورتِ شدیدہ یا بلا مصلحتِ شرعیہ اختلاط و ارتباط نہ کرنا، محمودِ مطلق اور واجب ہے، اور معاملات ومعاشرات اس سے خارج ہیں، جس کی حدود کی تفصیل اپنے محمل میں مذکور ہے۔

اور اہلِ کفر کا اہلِ اسلام کے ساتھ اختلاف کرنا مذمومِ مطلق اور قبیح ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا اہلِ حق کو اہلِ باطل کے ساتھ دینی اختلاف کرنے کا حکم مؤکد وارد ہے......

پھران (غیر مسلموں) میں بھی مسالم (یعنی صلح جو) اور غیر مسالم (یعنی غیر صلح جو)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وافراد کا ایک دوسرے کو گمراہ و گناہ گار قرار دینا سخت گناہ اور بدعت وتعصب اور سلف کی مخالفت ہے۔

اور ہمارے رسالہ یا مضمون کا بنیادی ہدف، اس اختلاف کی قسم میں اعتدال کی نشان دہی، اور غلو سے اجتناب کی ہی دعوت دینا ہے۔ محمد رضوان۔

[1] جو فروعی مسائل میں بلا دلیل اختلاف کرے، وہ اگرچہ سخت قابلِ نکیر ہے، لیکن یہ اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، کیونکہ ہمارا بنیادی موضوع، اس وقت فروعی مسائل میں دلیل کے ساتھ اختلاف ہے، جس کا وقوع فقہاء ومجتہدین کے مابین ہوا، یا اب بھی بہت سے جدید مسائل میں ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

کے احکام میں اختلاف ہے، وھما مذکوران فی سورۃ الممتحنۃ، باقی تبلیغ ومناظرہ میں رعایتِ اخلاق کی اور قول خشن (سخت ودرشت گفتگو) سے تحرز (بچنا) دونوں میں مشترک ہے......اور اسی طرح اہلِ باطل کو اہل حق کے ساتھ اختلاف کرنے کی مذمت اور اس پر وعید وارد ہے۔

فصل ششم: اختلاف کی قسمِ ششم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف ایسے امرِ دینی میں ہو، جو اصول میں سے ہے، اور سنت و بدعت کے درجہ میں ہے، اور اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکامِ مخصوصہ بالکفار وہی ہے، جو اوپر فصلِ پنجم میں ذکر کیا گیا ہے۔...... [1]

فائدہ نمبر 1:...... بدعت سے مراد وہ بدعت ہے، جو باتفاقِ اہلِ حق بدعت ہو، اور جس میں اہلِ حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو، وہ مثلِ مسائل مختلف فیہا کے ہے،

---

[1] عن جابر بن عبد الله، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فى خطبته : يحمد الله ويثنى عليه بما هو أهله، ثم يقول :من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادى له، إن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار (سنن النسائى، رقم الحديث ١٥٧٨)

ملحوظ رہے کہ جو بدعت، کفر کا سبب نہ ہو، یا جو بدعتی حدِ تکفیر تک نہ پہنچا ہو، اس کے متعلق فقہائے کرام نے کفر یا کافر سے الگ اور اہلِ اسلام کے احکام بیان کیے ہیں، چنانچہ ایسے بدعتی کو مسلمان قرار دیا جاتا ہے، اس کے ساتھ اہلِ اسلام کے احکام وابستہ ہوتے ہیں، اس کی اقتداء میں نماز ادا ہو جاتی ہے، نکاح اس سے منعقد ہو جاتا ہے، اس کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے، اس کو نکاح وغیرہ میں گواہ بنانا درست ہوتا ہے، اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا روا ہوتا ہے، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، جب اس قسم کے اہلِ بدعت مسلمان ہوئے، تو ان کے احکام مسلمانوں والے ہوں گے، البتہ فساق ہونے کی وجہ سے ان کے احکام صلحاء واتقیاء سے کچھ مختلف ہوں گے۔

اس لیے بندہ محمد رضوان کے نزدیک اہلِ بدعت کے ساتھ اہلِ سنت کا اختلاف، اصولی، مذموم اور قابلِ نکیر ہے، لیکن اس قسم پر کفر واسلام والے اختلاف کے احکام جاری کرنے سے بندہ کو اختلاف ہے، کیونکہ اسلام اور کفر کا اصولی اختلاف اہلُ السنۃ والجماعۃ، اور غیر اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصولی اختلاف سے زیادہ شدید ہے، اسی لیے امتِ محمدیہ میں ستر سے زیادہ فرقوں کے متعلق بیشتر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ ستر سے زیادہ فرقے اہلِ اسلام کے ہیں، یعنی ایمانی اخوۃ (جس کا ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ'' میں ذکر ہے) وہ سب شریک ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان فرقوں میں اہلِ بدعت بھی داخل ہیں۔ محمد رضوان۔

جن کا حکم فصلِ سوم میں مذکور ہوا ہے۔...... [1]

فائدہ نمبر 2:......اور معاملات و معاشرات کا استثناء یہاں بھی ہے، بلکہ بدرجۂ اولیٰ۔ [2]

فصل ہفتم: اختلاف کی قسمِ ہفتم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو، اور متعلق بفعلِ عبد ہو (اختلافِ غیر حقیقی کی تفسیر اور یہ کہ اختلافِ غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے، محض صورتِ اختلاف ہے، اور حقیقت اس کی تعدد ہے، خطبہ میں گزر چکا ہے)

مثالیں اس اختلاف کی: مثلاً اسبابِ معاش میں عقلاء و اہلِ تجارت کا اختلاف، کسی نے زراعت کو اختیار کرلیا، کسی نے تجارت کو، کسی نے ملازمت کو، جس میں ملازم اجیرِ خاص ہوتا ہے، کسی نے اور کسی پیشہ کو، جیسے وکالت وطبابت یا کوئی اور ٹھیکہ کا کام، جس میں یہ پیشہ ور اجیرِ مشترک ہے۔

سو اس کا اختلافِ حقیقی نہ ہونا ظاہر ہے، کیوں کہ کوئی پیشہ ور دوسرے پیشہ کے ذریعۂ معاش ہونے کی نفی نہیں کرتا، اور نہ علی الاطلاق ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔

غرض ان کے مقاصد میں تعارض نہیں، ہر ایک نے خاص مصالح سے کسی ایک ذریعہ کو اختیار کرلیا، یہی معنیٰ ہیں اختلافِ حقیقی نہ ہونے کے، اور ان ذرائع کا بفعلِ عبد ہونا بھی ظاہر ہے۔

---

[1] اس اجتہادی بدعت کا حکم چونکہ اجتہادی ہے، اس لیے اس کو حق و باطل کے اختلاف کے درجہ میں رکھنا صحیح نہیں، اور بعض مسائل میں جو فقہائے کرام کے مابین سنت و بدعت یا مستحب و بدعت یا مباح و بدعت وغیرہ کا اختلاف ہوتا ہے، وہ اسی قبیل سے ہے، لیکن آج کل علم وفقہ کی کمی کی وجہ سے بدعتِ قطعی واجماعی اور بدعتِ اجتہادی اختلافی، سب کو ایک درجہ میں رکھا جانے لگا ہے، یہ طرزِ عمل قابلِ اصلاح ہے۔ محمد رضوان۔

[2] بعض لوگ معاملات و معاشرت کی جدید صورتوں پر بھی بدعت کا حکم لگاتے ہیں، جدید معاملات و معاشرت کی صورتوں کو عقائد و عبادات والی بدعات کے ساتھ جوڑتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ اگر فلاں چیز بدعت ہے، تو بجلی، گیس، گاڑی، جہاز، چائے، مختلف جدید مشروبات و مطعومات وغیرہ کا استعمال بھی بدعت ہے، مندرجہ بالا فائدہ سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ محمد رضوان۔

اسی طرح اختلاف، مشائخ کی تدابیر میں ہے، جو اصلاحِ نفس کے لیے انہوں نے تجویز کی ہیں کہ ہر شیخ طالب کی استعداد اور مناسبت کی بناء پر خاص تدابیر کو اختیار کرتا ہے، ان میں بھی باہم تعارض نہیں۔ [1]

اور حکم اس اختلاف کا ظاہر ہے کہ اس میں کوئی محذور نہیں، بلکہ درحقیقت یہ تو اختلاف ہی نہیں محض تعدد ہے، اور اسی قبیل سے ہے، اختلاف حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا حکم فی الحرث (کھیتی کے بابت فیصلے میں) جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ [2]

اور قضا بالابن للکبریٰ و الصغریٰ میں جو حدیثِ شیخین میں مذکور ہے۔ [3]

فصل ہشتم: اختلاف کی قسمِ ہشتم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو، اور بفعلِ حق ہو، اور تکوین کے متعلق ہو، جس کو مقدمہ

---

[1] بشرطیکہ ان چیزوں کو تدابیر واسباب اور وسائل کے درجہ میں رکھا جائے، مقاصد میں داخل نہ کیا جائے، جیسا کہ آج کل کے بعض ناواقف صوفیاء کرتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک مدارسِ دینیہ کی انتظامی تدابیر مثلاً تعلیمی سال کا مخصوص ماہ سے آغاز واختتام، اور مخصوص زمانہ میں امتحان کا نظم اور مخصوص عرصہ پر مشتمل درسِ نظامی یا تخصصات وغیرہ کے انتظامات، اور اسی طرح تبلیغی جماعت کے ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ نقل وحرکت اور اجتماع وگشت اور تعلیم وخروج وغیرہ کی تدابیر بھی اسی قبیل سے ہیں۔

لیکن یہاں بھی بعض ناواقف ان تدابیر اور انتظامی امور کو شرعی امور واحکام یا مقاصدِ دینیہ کا درجہ دے کر بے اعتدالی پیدا کرتے ہیں، جس سے مختلف فتنے لازم آتے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ . فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ (سورة الأنبياء، رقم الآيات ٧٨، ٧٩)

[3] عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :كانت امرأتان معهما ابناهما، جاء الذئب فذهب بابن إحداهما، فقالت لصاحبتها :إنما ذهب بابنک، وقالت الأخرى :إنما ذهب بابنک، فتحاكمتا إلى داود عليه السلام فقضى به للكبرى، فخرجتا على سليمان بن داود عليهما السلام فأخبرتاه، فقال :ائتوني بالسكين أشقه بينهما، فقالت الصغرى :لا تفعل يرحمک الله هو ابنها فقضى به للصغرى "قال أبو هريرة :والله إن سمعت بالسكين قط إلا يومئذ، وما كنا نقول إلا المدية(صحيح البخاري، رقم الحديث ٦٧٦٩)

میں اختلافِ طبائع سے تعبیر کیا ہے، اس کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی صورتیں اور مزاج اور الوان وغیرہا مختلف پیدا فرمائے ہیں...... [1]

اور اس اختلاف کا حکم اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے عین حکمت ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں ہوسکتا۔

اور باوجودیکہ اختلاف کی اس قسم کا کوئی تعلق عبد کے کسی فعل اختیاری سے نہیں، جیسا مابعد کے اقسام کا ہے، جو تشریع کے متعلق ہیں، پھر بھی اس کا ذکر کرنا ایک غلطی کو رفع کرنے کے لیے ہے، جس کا ذکر خاتمہ کی تنبیہِ ہشتم میں ہے۔

فصل نہم: اختلاف کی قسمِ نہم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو، اور بجعلِ حق (حق تعالیٰ کی طرف سے اور کرنے سے) ہو اور تشریع کے متعلق ہو، اور شریعتِ واحدہ میں ہو، اس کی مثال اختلافِ قرائت ہے۔

اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعلِ حق ہے، وہی ہے، جو اوپر کی قسم میں گزرا کہ عین حکمت ہے، اور اس اعتبار سے کہ اس پر عمل کرنا فعلِ عبد ہے، یہ حکم ہے کہ سب قرائت، قرائتِ رسول ہونے میں متساوی ہیں، جس کو چاہے اختیار کرے، کسی کو کسی پر ترجیح دینا تحکم ہے، اگر ان میں ایسا اختلاف کیا جائے گا، تو قسمِ چہارم میں داخل ہوکر مذموم ہووے گا۔ [2]

اور ابتدائے اسلام میں جو سبعہ حروف یعنی سات لغاتِ مختلفہ عرب کی اجازت تھی،

---

[1] أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ . وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ (سورة فاطر، رقم الآيات ۲۷، ۲۸)

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ (سورة الروم، رقم الآية ۲۲)

[2] یعنی جو اختلاف امرِ دینی میں فروعات کے قبیل سے ہو، لیکن بلا دلیل ہو۔ محمد رضوان۔

وہ اختلاف بھی اس قسم میں داخل ہے، گو اِن میں یہ تفاوت ہے کہ قرائت کا نزول حقیقی ہے، اور یہ سب قرائت لغتِ قریش میں ہیں، اور حروف کا نزول حکمی ہے، باعتبار نزولِ اذن (واجازت) کے۔

فصل دہم: اختلاف کی قسمِ دہم کے بیان میں

یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو، اور بجعلِ حق (حق تعالیٰ کی طرف سے) ہو اور تشریع کے متعلق ہو، اور شرائعِ متعددہ میں ہو، اس کی مثال اختلافِ شرائع ہے، جو مختلف انبیاء کو عطا کیے گئے اور شریعتِ متقدمہ (پہلی شریعت) کے لیے شریعتِ متاخرہ (بعد کی شریعت) ناسخ ہوتی رہی۔

اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعلِ حق ہے، وہی ہے کہ عین حکمت ہے، اور عبد کے اعتبار سے یہ ہے کہ اعتقاد سب کے حق ہونے کا فرض اور جزو ایمان ہے، اور عمل کرنا صرف اس شریعت پر فرض ہے، جس کا یہ مکلّف بنایا گیا ہے۔

جیسے ہم پر شریعتِ محمدیہ پر کہ ناسخ ہے تمام شرائعِ سابقہ کی، عمل فرض ہے۔[1]

اور اگر ایک ہی شریعت میں مثلاً شریعتِ محمدیہ ہی میں ایک حکم دوسرے کا ناسخ ہو، وہ بھی اس خاص اعتبار سے شرائعِ متعددہ کے حکم میں ہو جائے گی، اور اس اختلاف کو باوجودیکہ بوجہ اختلافِ علت وحرمت کے ظاہراً اختلافِ حقیقی معلوم ہوتا ہے، اختلافِ غیر حقیقی اس لیے کہا گیا کہ ازمنۂ مختلفہ (مختلف زمانوں) کے اعتبار سے دونوں حکم صحت وصدق میں مجتمع (متفق) ہیں، یعنی وحدتِ زمانیہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تمام شریعتیں منسوخ ہیں، اور آج شریعتِ محمدیہ کی شکل میں ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' ہونے کے بعد بھی بعض مدعیانِ اسلام، جو تمام شرائع کے اس حیثیت سے حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ سب کو حق سمجھتے ہوئے کسی ایک شریعت پر عمل کر لے، خواہ وہ اسلام کے علاوہ دوسری شریعت ہو، اور شرک سے بچ جائے، تو وہ بہرحال مومن شمار ہوگا، اور اس کو اتحادِ ادیان وغیرہ کا عنوان دیا جاتا ہے، یہ سراسر باطل ہے، جس کی محققین نے تردید فرمائی ہے۔ محمد رضوان۔

(زمانہ ایک) نہ ہونے کے سبب ان میں تعارض نہیں، اور اختلافِ حقیقی سے ایسا ہی تعارض مراد ہے، جیسا مقدمہ میں ذکر کیا گیا۔

فصولِ عشرۃ بحمداللہ ختم ہوئے۔

خاتمہ

اس میں بعض ضروری تنبیہات ہیں، جو احکامِ مذکورہ **فصولِ عشرۃ** پر بمنزلہ تعریفات ہیں۔

تنبیہِ اول: عام عادت ہوگئی ہے کہ اگر ایسا اختلاف اطباء میں ہوتا ہے، تو ان کے معتقدین و منتسبین میں گروہ بندی ہوجاتی ہے، اور ایک فریق حدودِ شریعت یا حدودِ تہذیب سے متجاوز ہوکر دوسرے فریق پر مجالسِ عامہ خاصہ میں لعن وطعن و تنقیص کرتا ہے، بلکہ بعض اوقات اشتہار بازی تک نوبت آجاتی ہے، جس کا سبب بجز طمع مال وزر یاحبِّ جاہ وشہرت یا حسد وتکبر وتعصب ونفسانیت کے کچھ نہیں ہوتا، جس کا قبح فصلِ اوّل میں ظاہر ہوچکا۔

اور اگر یہ اختلاف علماء میں ہوجاتا ہے، تو اس وقت اس کے متعلق کئی فرقے پیدا ہوجاتے ہیں، بعض تو ایک ایک جماعت کے طرف دار ہوجاتے ہیں، بعضے دونوں سے بیزار ہوجاتے ہیں۔

پھر طرف داروں میں دو قسمیں ہوجاتی ہیں۔

بعض تو وہ ہیں، جن کو حق و باطل کی کچھ خبر نہیں نہ تحقیقاً، نہ تقلیداً مشروعاً (ایسی تقلید کی رو سے جو مشروع وجائز ہو) اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ بھی خبر ہے کہ ہمارا متبوع باطل پر ہے، یا حدود سے تجاوز کر رہا ہے، پھر بھی اس کی **نصرتِ عمیاء** (اندھی حمایت) کر رہے ہیں، پھر اس نصرت میں نہ غیبت سے پرہیز ہے، نہ بہتان سے، نہ جھوٹ سے نہ دوسری جماعت کو تقریراً و تحریراً و اخباراً و اشتہاراً بدنام ورسوا

کرنے سے باک ہے، اور نہ اس کی پرواہ ہے کہ اس کا اثر کسی اسلامی قوتِ مقصودہ پر کیا پڑے گا، اور دین کو ضعف پہنچے گا یا ان حرکات سے مخالفانِ دین کی آرزوئیں پوری ہورہی ہیں، یا ان کو قوت پہنچ رہی ہے، اس جماعت کا عاصی اور موردِ وعید شدید ہونا ظاہر ہے۔ [1]

اور بعض وہ ہیں جو اپنے متبوع کو حق پر سمجھ کر ان کی نصرت کرتے ہیں، مگر وہ نصرت حدِ شریعت کے اندر رہے، یعنی متبوع سے مدافعت کرتے ہیں، اور اس کے مقابل کو کوئی ضررِ نفسانی یا مالی یا جاہی نہیں پہنچاتے، اور اگر مدافعت سے بڑھ کر انتقام لیتے ہیں، تو اس میں جزاء سیئة سیئة مثلها سے تجاوز نہیں کرتے، گو اس کی رعایت بنا بر تجربہ پل صراط پر گزرنے سے کم دشوار نہیں۔

یہ لوگ نصرتِ حق میں ماجور اور مجازاۃ بالمثل میں معذور ہیں۔

اور جو دونوں سے بے زار ہیں، وہ ہیں جن کو دین کے ساتھ پہلے ہی سے محبت نہیں، اور نہ وہ اطاعتِ احکام کو ضروری سمجھتے ہیں، نہ ان کو فکر عمل ہے، نہ ان کے قلب میں علماء کی عظمت ووقعت ومحبت وعقیدت ہے، ان کو اعمال سے بچنے کا اور علماء پر اعتراض کرنے کا ایک بہانہ مل گیا، سو اِن کی حالت کا فیصلہ ظاہر ہے، حاجتِ بیان نہیں، اور نہ اس سے خطاب کچھ مفید ہے......

اور ایک فرقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ کسی کا طرف دار نہ کسی سے بے زار۔

ان کی حالت بالکل بے خطر و بے ضرر ہے، گو ناصرِ حق سے اس کا اجر کم ہو، مگر اس

---

[1] موجودہ زمانے میں ایسے افراد کی تعداد کم نہیں، بلکہ بہت زیادہ ہے، جو اپنے امام ومجتہد، اپنے بزرگ وشیخ یا اپنے مسلک ومذہب کی حمایت ونصرت اسی انداز میں کرتے ہیں کہ ایک تو اس کی اندھی حمایت کرتے ہیں، دوسرے اس کی حمایت ونصرت کی خاطر دوسرے کے خلاف، غیبت، بہتان، جھوٹ، الزام تراشی وغیرہ جیسے محرمات ومنکرات کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں چونکتے۔

اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کی اجتماعیت وقوت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، اور دین کے مخالفین ومعاندین کے مقاصد پورے ہورہے ہیں، جس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ محمد رضوان۔

میں ترجیح یہ ہے کہ اس میں احتمالِ معصیت نہیں، اور جس شخص کی نصرت پر حق کا غلبہ موقوف نہ ہو، اس کے لیے یہی طرز اسلم اور بے غبار ہے۔

تنبیہِ دوم: بعضے لوگ محض حمیتِ قومی یا نصرتِ خاندانی کی بناء پر ہر حال میں اپنی برادری یا کنبہ یا اولاد کی طرف داری کو ضروری سمجھتے ہیں، جا بے جا کو نہیں دیکھتے، اور اس کا نام قومی اتفاق رکھتے ہیں، فصلِ دوم میں اس کا حکم مذکور ہو چکا۔ [1]

تنبیہِ سوم: بعض جہلاء، علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر بات میں اختلاف ہے، اب ہم کس کی اتباع کریں، کس کو سچا سمجھیں، کس کو جھوٹا سمجھیں، سو فصلِ سوم میں جب اس اختلاف کا قرآن و حدیث و اقوال اکابرِ امت سے محمود ہونا ثابت ہو چکا ہے، تو اس اختلاف پر اعتراض کرنا حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابرِ امت پر اعتراض کرنا ہے۔

رہا یہ کہ پھر ہم کس کا اتباع کریں، سو اِس کا فیصلہ نہایت سہل ہے، وہ یہ کہ جب کسی مریض کے باب میں ماہرینِ اطباء کا اختلاف ہوتا ہے، یا کسی مقدمہ سے متعلق وکلاء کا اختلاف ہوتا ہے، کیا تم سب کو چھوڑ کر مریض کے معالجہ سے اور مقدمہ کی پیروی سے بیٹھ رہتے ہو، یا کسی اصول کی بناء پر ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر اپنے مقصود میں مشغول ہو جاتے ہو۔

اسی طرح یہاں بھی ترجیح کے کچھ اصول ہیں، جو عقلِ صحیح سے معلوم ہو سکتے ہیں، ان ہی اصول سے یہاں بھی ایک کو ترجیح دے کر کام میں لگنا چاہئے، مگر اختلافِ اطباء کے وقت ان اصول کا اعمال (یعنی عمل میں لانا) اور اختلافِ علماء کے وقت ان اصول کا اھمال (یعنی چھوڑ دینا) صرف اس وجہ سے ہے کہ وہاں مقصودِ

---

[1] کہ دلیل سے جس کا حق وراجح ہونا واضح ہو، اس کی اتباع وحمایت محمود ہے، لیکن دوسرے کی تفسیق وتضلیل جائز نہیں، بلکہ ایسا کرنا سخت بدعت ومعصیت اور تعصب ومخالفتِ سلف ہے۔ محمد رضوان۔

دنیوی کو ضروری سمجھتے ہیں، اور وہ موقوف ہے، اتباع پر، اور یہاں مقصودِ دینی کو ضروری نہیں سمجھتے، اس لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

بعض لوگ اس سے بڑھ کر جہالت پر کارفرما ہوتے ہیں، اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء سب جمع ہوکر ایسے مسائل کا فیصلہ کر کے سب ایک شق پر متفق ہو جائیں۔

اس کا حقیقی جواب سمجھنے کے لیے تو علومِ شریعت میں مہارت کی ضرورت ہے، جو ان صاحبوں میں اس وجہ سے مفقود ہے کہ علمِ دین میں مشغول ہونا، ان کے نزدیک من جملہ جرائم و تنزل کے ہے، اس لیے ایک سطحی جواب عرض کرتا ہوں، وہ بھی کافی ہے۔

وہ یہ کہ کیا اس کے قبل کسی زمانہ میں ایسے علماء وسلاطین نہیں گزرے، جنہوں نے اس ضرورت کا احساس کیا ہو، اور اس کا انتظام بھی کر سکتے ہوں؟ اگر جواب نفی میں ہے، تو آفتاب نصف النہار کا انکار ہے، اور اگر اثبات میں ہے، تو اس سے اجمالاً سمجھ لیجیے کہ اس میں کوئی مانعِ شرعی ضرور تھا، جس کے سبب اس کا قصد نہیں کیا گیا، تو کیا ایک ممنوعِ شرعی کی ہم سے درخواست کی جاتی ہے۔ ع

ایں خیال است ومحال ست وجنوں......

تنبیہِ چہارم: ایک عام طریقہ ہوگیا ہے، مسائلِ دینیہ میں جہلاء کا دخل دینا، اور دلیل کے مقابلہ میں یہ کہہ دینے کو کافی سمجھنا کہ ہمارا خیال یہ ہے، اس کا مذموم ہونا فصلِ چہارم میں گزر چکا ہے، اتنا اور مزید کرتا ہوں کہ یہ حضرات کبھی کسی حکیم وڈاکٹر کی تجویز سننے کے بعد اس کے خلاف رائے ظاہر کر کے یہ کہنے کی جرائت کر سکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے یا کسی حاکم وافسر کے سامنے اس کے حکم کے خلاف رائے ظاہر کر کے یہ کہنے کی جرائت کر سکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے۔

تو افسوس خدا اور رسول کے احکام کے سامنے یہ کہنے کی کیسے جسارت ہوتی ہے، اگر

کہا جائے کہ وہ اللہ ورسول کے احکام ہی نہیں ہوتے، یا تو وہ علماء کا اجتہاد ہوتا ہے یا اگر نصوص ہوتے ہیں، تو ان کی تفسیر علماء کی ہوتی ہے، ہم علماء کے مقابلہ میں کہتے ہیں۔

اس کا جواب ظاہر ہے کہ نصوص کو بھی علماء جیسا سمجھتے ہیں، تم قیامت تک نہیں سمجھ سکتے، اور اگر ان کا اجتہاد ہے، تو وہ اجتہاد بھی ماخوذ نصوص ہی سے ہے، اس کے اخذ کا سلیقہ بھی علماء ہی کو ہے، تم کو نہیں، لہٰذا دونوں حالتوں میں علماء کے مقابلہ میں یہ کہنا درحقیقت خدا ورسول ہی کے مقابلہ میں کہنا ہے۔......

تنبیہِ پنجم: بعض لوگوں کو اتفاق میں یہاں تک غلو ہو جاتا ہے کہ کفار سے بھی کامل اتفاق رکھنا چاہتے ہیں، حتّٰی کہ ان کے بعض شعائرِ مذہبی تک کو اختیار کر لیتے ہیں، اور حتیٰ کہ بعض مدعیانِ علم جوشِ اتفاق میں مشرکین کو اہلِ کتاب ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، اور حتیٰ کہ ان کفار کی خاطر احکامِ اسلامیہ میں تحریف کرنے کو گوارا کر لیتے ہیں، اور یہ ہوا چند روز سے زیادہ چل گئی ہے، فصلِ پنجم میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ [1]

تنبیہِ ششم: بعض منسوبین الی التصوف میں یہ مرض ہو گیا ہے کہ ان کے یہاں بدعت وسنت کا فرق ہی لاشـــیٔ ہے، ان کا مذاق یہ ہے کہ ایسے امور میں نزاع واختلاف ناحقیقت شناسی سے ہے، سب کو توسع سے کام لینا چاہئے۔ [2]

اور یہ تو ان کا ذکر ہے، جو اللہ کا نام لینے والے اور کسی قدر مجاہدہ سے اپنے اخلاق کو درست کر چکے ہیں، ورنہ ان میں جو ذکر ومجاہدہ سے محروم ہیں، وہ تو اہلِ حق کے

---

[1] اور اس میں نیچری طبقہ پیش پیش ہے، جس کی ہندوستان میں بنیاد، سرسید احمد خان صاحب نے ڈالی، اور انہوں نے دینِ اسلام کے اہم مسائل میں اس طرح کی بے جا تاویلات کا سہارا پکڑا، جو تحریفات کی حدود کو پہنچ گئیں۔ محمد رضوان۔

[2] آج کل کے بہت سے صوفیاء کے یہاں متعدد بدعات رائج ہیں، جن کو وہ بدعت تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں، جن میں بعض غالیوں کا ذکر خود آگے حضرت تھانوی نے بھی کیا ہے۔ محمد رضوان۔

دشمن اور سنت سے نفور ہیں، اور متبعینِ سنت کو برے القاب سے یاد کرتے ہیں، اور اپنے تابعین کو ان سے نفرت دلاتے ہیں، اور بدعات کو سنن، بلکہ فرائض سے بڑھ کر مثل جزو ایمان کے اور اللہ ورسول کی محبت کی علامات میں سے ٹھہرا رکھا ہے، ان کی بے ہودگی کا تو ذکر ہی نہیں۔

میں ان کا ذکر کرتا ہوں، جن میں کچھ اثر ذکر وفکر کا ہے، سو اِن کا مذاق، جس کو وہ مذاقِ تصوف سمجھتے ہیں، یہ کہ ایسے امور میں باہم اختلاف نہ کرنا چاہئے، بلکہ بعض تو جو زیادہ غالی ہیں، اسلام وکفر کے اختلاف میں بھی تنگی کو اچھا نہیں سمجھتے، اور ان کا مقولہ یہ ہے کہ "موسیٰ بدینِ خود، عیسیٰ بدینِ خود" اور اس کے دلائل اس قسم کے اقوال ہیں۔

حافظا گر وصل خواہ صلح کن با خاص وعام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

سو اول تو خدا جانے یہ کس کا قول ہے، دوسرے اگر کسی بزرگ کا بھی ہو، تب بھی دو حال سے خالی نہیں، اگر قرآن وحدیث کے خلاف ہے، تو اس کو بزرگ کا قول ہی کہنا جائز نہیں، اور اگر موافق ہے، تو موافقت کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان اقوال میں کوئی ایسی تاویل کی جائے، جس سے وہ قرآن وحدیث کے معارض نہ رہے، فصلِ ششم میں بدعت میں توسع نہ ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔......[1]

تنبیہِ ہفتم: بعض لوگ اختلافِ غیر حقیقی کے ساتھ اختلافِ حقیقی کا سا معاملہ کرتے ہیں، اور اختلافِ حقیقی کی بھی وہ قسم جو اصولِ دینیہ میں ہو کہ اس میں ایک

---

[1] کیونکہ سنت وبدعت کا اختلاف اصولِ دین کا اختلاف ہے، اگرچہ اسلام اور کفر کے درجہ کا نہیں، لہٰذا سنت وبدعت کے اختلاف کو اجتہادی وفروعی اختلاف کا درجہ دینا سخت غلطی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بدعت ایسی نہ ہو، جس میں فقہاء ومجتہدین نے بدعت ہونے سے اختلاف کیا ہو، یعنی کہ اجتہادی نوعیت کی، جیسا کہ پہلے فصلِ ششم میں فائدہ کے ذیل میں گزرا۔ محمد رضوان۔

شخص دوسرے کو گمراہ کہتا ہے، چناں چہ بعض مدعیانِ تصوف سلاسل میں ایک دوسرے پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں، جس سے دوسرے کی تنقیص ہوتی ہے، کوئی چشتی کو بڑھاتا ہے، اور نقشبندی کی اہانت کرتا ہے، کوئی بالعکس، اس کا حکم فصلِ ہفتم میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس اختلاف میں کوئی محذور نہیں، بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں، محض تعددِ طرق ہے، جیسے ایک کراچی سے حج کو چلا گیا، دوسرا بمبئی سے، اس میں کسی کی تنقیص کرنا جہلِ محض اور تعصبِ قبیح ہے۔

تنبیہ ہشتم: مسئلہ اتفاق کے متعلق اکثر محرکینِ اتفاق اپنی تقریروں میں ایک غلطی کرتے ہیں، وہ یہ کہ ان مقررین کا بالعموم یہ شیوہ ہو گیا ہے کہ دلائلِ تکوینیہ سے بھی اپنے مدعا کی اس طرح تائید کیا کرتے ہیں کہ دیکھو زمین کے اجزاء میں اگر اجتماع و اتفاق نہ ہوتا، تو اس پر ہمارا استقرار نہ ہوسکتا، اگر آسمان کے اجزاء میں اتفاق نہ ہوتا، تو ہم اس کے منافع سے محروم رہتے، ان سب کی ذات اور منافع کا وجود اتفاق ہی پر موقوف ہے۔

اس استدلال کا غلط ہونا ظاہر ہے، کیوں کہ یہ اتفاقِ تکوینی اگر استحسانِ اتفاق کی دلیل ہوسکتی ہے، تو اسی طرح اختلافِ تکوینی، جس کا ذکر فصلِ ہشتم میں ہے، استحسانِ اختلاف کی بھی دلیل ہوسکے گی، **ولم یقل به احد**۔......

تنبیہ نہم: بعض لوگوں کو قرآن مجید کا حقیقی نزول سات قرائت میں اور حکمی نزول سات لغات میں جن کو حدیث میں **سبعة احرف** فرمایا گیا ہے، سن کر قرآن مجید کے محفوظِ قطعی ہونے پر نعوذ باللہ شبہ ہو جاتا ہے کہ محفوظِ قطعی میں اختلاف کیسا؟

اس غلطی کا منشاء یہی ہے کہ اختلاف کے معنیٰ تعارض کے سمجھ گئے، جس میں ایک کا اثبات دوسرے کی نفی ہے۔

ایسا تعارض فی الواقع منافی محفوظیت (یعنی محفوظ رہنے کے منافی) ہے، مگر یہاں تو اختلاف ہی نہیں، صرف تعدد ہے اور حفاظت جیسے امرِ واحد کی ہوسکتی ہے، امورِ متعددہ کی بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ سبعِ قرائت کا اس وقت تک محفوظ ہونا اور سبعة احرف کا جب تک وہ باقی تھے، محفوظ رہنا مشاہد ہے، فصلِ نہم میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

تنبیهِ دهم: بعض اہلِ باطل کو نسخِ احکام پر یہ شبہ ہوگیا ہے کہ نسخ فرع ہے تعارض کی اور متکلم واحد کے دو کلاموں میں تعارض ہونا مستلزم ہے، متکلم کے یاذھول عن الکلام السابق کو یاجهل عن مصلحة الکلام اللاحق کو اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے، پس نسخ ہی منفی ہے۔

جواب اس کا ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں محض صورتاً تعارض ہے، حقیقتاً تعارض نہیں، بوجہ اختلافِ ازمنہ حکم کے، جیسا کہ طبیبِ ماہر کے نسخوں میں خاص یہ اختلاف ہوتا ہے کہ وہ اول منضج (یعنی فاسد مادہ کو پکانے) کا نسخہ تجویز کرتا ہے، پھر مسہل (یعنی فاسد مادہ کو نکالنے) کا، پھر تبرید کا، پھر تقویت کا، اور یہ سب وہ پہلے ہی سے تجویز کر لیتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب نسخے علی الترتیب استعمال کراؤں گا، وہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا، پس اشکال کی بنا ہی منہدم ہے، لہٰذا اشکال بھی منعدم ہے، اس کا تعارضِ حقیقی نہ ہونا فصلِ دہم میں مذکور ہو چکا ہے۔

التفریع علی المجموع

مجموعہ اجزاءِ رسالہ سے امورِ ذیل ثابت ہوئے:

(1)......اختلاف کے اقسامِ عشرہ میں سے اختلافِ مذموم صرف چار اختلاف ہیں، یعنی قسمِ دوم و چہارم و پنجم و ششم، اور وہ جانبین سے نہیں، بلکہ صرف صاحبِ باطل کی طرف سے، باقی صاحبِ حق کی طرف سے تو یہ اقسام بھی محمود اور مطلوب

ہیں، بقیہ چھ اقسام تو علی الاطلاق محمود ہیں، اور اگر قسمِ ہشتم کو اس وجہ کی بناء پر جو کہ فصلِ ہشتم میں مذکور ہے، ان اقسام میں سے مستثنٰی کر دیا جائے، تب بھی اختلافِ محمود کی پانچ قسمیں رہ جاتی ہیں۔

تو ہر حال میں زیادہ اقسام اختلاف کے محمود ہی رہے، ایک صورت میں چھ قسمیں اور ایک صورت میں پانچ قسمیں، اور دوسری جانب چار ہی قسمیں ہیں، پس علی الاطلاق اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم کہنے کا حکم غلط ہو گیا۔

(2)......اختلافِ محمود کے بعض اقسام وہ بھی ہیں کہ وہ صرف محمود ہی نہیں، بلکہ شرعاً واجب اور ان کے مقابل اتفاق، شرعاً حرام ہے۔

ان سب کی تفصیل فصول سابقہ میں جدا جدا مذکور ہو چکی ہے۔......

(3)......جب بعض افراد اتفاق کے حرام اور بعض افراد اختلاف کے واجب ہوئے اور واجب غیر ہے حرام سے، تو ثابت ہوا کہ بعض اختلاف خیر ہے، اتفاق سے اور بعض اتفاق شر ہے، اختلاف سے۔

(4)......جب بعض اختلاف محمود بلکہ واجب بھی ہے، اور جو اختلاف مذموم ہے وہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ صرف صاحبِ باطل کی طرف سے۔

جیسا ابھی نمبر (1) میں بھی گزرا ہے، تو ہر نا اتفاقی کے وقوع پر بعض لوگوں کا جانبین کو ملامت کرنا یا بلا تحقیق ایک پر ملامت کرنا ظلم ہے، بلکہ سب سے اول اس کی تحقیق ضروری ہے کہ کس کا اختلاف محمود ہے کس کا مذموم، پھر صاحبِ محمود کی نصرت اور صاحبِ مذموم پر ملامت کا حق ہے اور اشتباہ کی صورت میں سکوت واجب ہے، جیسا تنبیہِ اول میں مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔

(5)......جو دلائل مطلوبیتِ اتفاق کے ہیں وہ مطلق نہیں، بلکہ ان کے خاص محامل ہیں، جیسے دلائلِ مطلوبیۃ اختلاف کے بھی خاص محامل ہیں، ان سب کی

تفصیل فصولِ رسالہ میں مذکور ہوئی ہے۔

ان دلائلِ مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ **کثیر الدور علی الالسنۃ** (زبانوں پر بہت آنے والی) ہے، ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے، اس کا مختصر دفع بطورِ تتمہ کے ضروری سمجھتا ہوں، وہ دلیل یہ آیت ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

(سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑے رہو، اللہ کے سلسلے کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو، اور باہم نااتفاقی مت کرو، اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کو یاد کرو، جب کہ دشمن تھے، بس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے (سورہ آل عمران)

اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ لیتے ہیں، ایک **جمیعا** کہ اجتماع پر دال ہے، دوسرا **لاتفرقوا** کہ افتراق سے ناہی (یعنی مانع) ہے، اور اس کی قید پر نظر نہیں کرتے، اس لیے بے محل اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں، یہ ہے وہ غلطی عام۔

اور دفع اس غلطی کا اس قید میں نظر کرنا ہے وہ قید **اعتصام بحبل اللہ** کی ہے، جس کی تفسیر احکامِ دینیہ کا التزامِ اعتقادی وعملی ہے۔

تقریر مدلولِ آیت کی بلحاظِ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو، اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے، کوئی نہ کرے، پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع، اور منہی عنہ ترکِ اعتصام ہے نہ کہ تفریق، پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو، اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا، بعض نے نہ کیا اور

اس تفرق سے بچنے کے لیے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے، بلکہ اعتصام کے لیے تفرق کو گوارا کرلیں گے، اور اگر ترکِ اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو، اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کردیا، اور بے دینی پر مجتمع ہوگئے، تو اس اجتماع کے لیے اعتصام کو ترک نہ کریں گے، بلکہ اعتصام کے لیے اجتماع کو ترک کردیں گے، خوب سمجھ لو، یہ تو دفع ہے غلطی کا۔

اور اس آیت میں ایک فائدہ عظیمہ علمیہ وعملیہ متعلقہ اتفاق پر بھی دلالت ہے یعنی اس میں اتفاق واجتماع مطلوب کے حاصل ہونے کا ایک سہل اور کامیاب طریقہ بھی بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر احکامِ الٰہیہ کا اتباع کرنے لگیں، اس سے خود بخود بلاکسی تدبیر مستقل کے لزوماً اتفاق پیدا ہو جاوے گا، ورنہ بدون اس کے بڑی سے بڑی تدبیر بھی ناکام ہے۔

اول تو حدوث ہی میں ورنہ بقا میں تو ضرور، اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسا اتفاق اغراض پر مبنی ہوگا، اور اغراض میں تبدل ہوتا رہتا ہے۔

اسی کے ساتھ اتفاق بھی رخصت ہوجائے گا۔

اور جو اتفاق احکامِ الٰہیہ پر مبنی ہوگا، چوں کہ احکام بدلتے نہیں، اس لیے وہ اتفاق بھی باقی رہتا ہے، اور ایسی تدبیر کے غیر نافع ہونے کی طرف دوسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِی أَيَّدَکَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ، وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ(سورة الانفال، رقم الآية: ٦٢ و ٦٣)

وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کردیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے، تب بھی ان کے

قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کرایا(سورہ انفال)

یہ مجمل تقریر ہے آیت اعتصام کے دو مدلولوں کی ایک دفع غلطی متعلق اتفاق اور دوسری تعلیم وتدبیر اتفاق۔......

کتبہ اشرف علی عفی عنہ   لیوم النحر من ذی الحجہ 1346ھ

(بوادر النوادر، ص ۶۶۵ تا ۶۸۸، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان۔ سنِ اشاعت: ۱۹۸۵ء)

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا رسالے میں اختلاف کی جو اقسام اوران کے احکام بیان کیے گئے ہیں، وہ اہلِ علم حضرات کو اپنے اندر اعتدال پیدا کرنے اور افراط وتفریط سے بچنے کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مکتوبِ تھانوی وندوی کا حوالہ

سب سے پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہما اللہ کی ایک نہایت عمدہ مکاتبت ملاحظہ فرمایئے، جس نے صحابہ کرام وتابعینِ عظام اور ائمہ متبوعین اور سلف کے مبارک زمانہ کے استاذ وشاگرد اور پیر ومرید اور اکابر واصاغر کی یاد کو تازہ، بلکہ زندہ کردیا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شیخ اور پیر ومرشد حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنے متعلق ایک مکتوب میں یہ تحریر کیا کہ:

’’عقائد میں امام مالک کے اس اصول کا پیرو ہوں ”الاستوىٰ معلوم و الكيفية مجهول والايمان به واجب والسؤال عنه بدعة“

فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اہلِ حدیث بالمعنیٰ المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃً ان سے عدول حق

نہیں سمجھتا۔

فرائض کا پابند ہوں، بدعات سے نفور ہوں۔

امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامّہ رکھتا ہوں۔

خرافات وطاماتِ صوفیہ کا دل سے منکر ہوں“

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ مکتوب کے جواب میں ان کے پیرومرشد اور شیخِ وقت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

”جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرمادیا، اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگیا، دو وجہ سے، ایک صدق وخلوص پر دال ہونے کی وجہ سے۔

دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے، تمام اہلِ حق کا یہی مسلک ہے، کسی جزوی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی، صرف رنگ بدلتا ہے۔

چنانچہ اس احقر پر دو جگہ دوسرا رنگ ہے۔

ایک یہ کہ میں بوجہ اپنی قلتِ روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں، دوسرے یہ کہ صوفیہ کے احوال واقوال کو محتملُ التاویل سمجھتا ہوں“ (تذکرۂ سلیمان، مصنفہ: غلام محمد، بی، اے، عثمانیہ، مطبوعہ: ادارہ مجلسِ علمی کراچی، تاریخِ طبع 1960ء، بابِ سوم، صفحہ 88 تا صفحہ 93، مکتوب سلیمان نمبر 2 اور جوابِ اشرف)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک اور تفصیلی مکتوب میں درجِ ذیل مضمون تحریر فرمایا کہ:

”مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلفِ صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک سے علیٰحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید

بتمامہٖ نہیں ہوسکی، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے۔

لیکن کبھی کوئی رائے ایسی اختیار نہیں کی، جس کی تائید ائمۂ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی۔

خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے (تذکرۂ سلیمان، صفحہ 146، 147، بعنوان، سیدُ العلماء کا اعلانِ رجوع، اور حکیم الامت کی تبریک و تحسین، مصنفہ غلام محمد، بی، اے، عثمانیہ، مطبوعہ ادارہ مجلس علمی کراچی، تاریخِ طبع 1960ء)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے پیرومرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ للہ نے اپنے مرید علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے مذکورہ مکتوب کی بھی تحسین فرمائی۔

چنانچہ غلام محمد بی اے ''شیخ کی تبریک و تحسین'' کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ کے قلبِ مبارک پر اس تحریر کا بڑا اثر ہوا، اپنی عادت ومزاج کے خلاف پہلی وآخری مرتبہ اپنے خلیفۂ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے''

(تذکرۂ سلیمان، صفحہ 149، بعنوان، سیدُ العلماء کا اعلانِ رجوع، اور حکیم الامت کی تبریک و تحسین، مطبوعہ ادارہ مجلس علمی کراچی، تاریخِ طبع 1960ء)

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک تو اپنے مرید کے فقہ میں متاخرین کا متبع نہ ہونے کی صورت میں بھی، پاکیزہ مسلک قرار دیا، دوسرے اپنے متاخرین کے متبع ہونے کی وجہ خود اپنے قلم سے ''اپنی قلتِ روایت ودرایت'' ہونا بیان فرمادی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی ایک یا زیادہ مسائل میں تحقیق اور قوت وکثرتِ روایت ودرایت کے پیشِ نظر اکابرین اور متاخرین بلکہ براہِ راست اپنے شیخ، مرشد اور پیرو مصلح کی اتباع نہ کرے، جیسا کہ مولانا سید

سلیمان ندوی صاحب نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا، اور وہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد کیا، تو وہ بھی پاکیزہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کے مسلک کو غیر پاکیزہ یا غلط قرار دینا درست نہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے ساتھ فقہی واجتہادی تفاوت اور رنگ کے مختلف ہونے کو پیری مریدی میں حائل نہیں سمجھا، کیونکہ فقہِ باطن یا تزکیۂ نفس واصلاحِ نفس کی ضرورت حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اور اجتہادی طور پر باہمی اختلاف رکھنے والے سب حضرات کو ہی ہے، اسی لیے صوفیائے کرام کے معروف ومشہور سلسلوں میں فقہی الوان ومذاہب کے مختلف ہونے کو مانع وحائل نہیں سمجھا گیا، خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حنبلی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کے سلسلہ سے آج بھی بے شمار حنفی اور دیگر غیر حنبلی وابستہ ہیں، اسی طرح دوسرے سلسلوں کا معاملہ ہے۔

حضرت تھانوی ومفتی شفیع صاحبان کے فقہی اختلاف کا حوالہ

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے ان کے بعض دیگر مریدین وخلفاء کا بھی بعض فقہی مسائل میں اختلاف ہوا، اس میں بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مذکورہ طرزِ عمل ہی کو اختیار فرمایا۔

چنانچہ ایک فقہی مسئلہ میں حضرت تھانوی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ کا اختلاف ہوا، جس کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک مستقل رسالہ ''پیرو مرید کا فقہی اختلاف'' میں ذکر فرمادی ہے۔

اس رسالہ میں ایک مقام پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نہ حضرت کی رائے بدلی، نہ میری، حضرت نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب کو اصول وقواعد کی رُو سے غلط نہیں کہتا، مگر اس پر میرا شرح صدر نہیں، اس لیے اختیار

نہیں کرتا۔

احقر نے بھی عرض کیا کہ حضرت کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی رائے غلط ہوگی، مگر کیا عرض کروں کہ اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں۔

اس پر حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس! آپ اپنی رائے اور فتویٰ پر رہو، میں اپنی رائے اور فتویٰ پر ہوں۔ مستفتی کو ہم اس کی اطلاع کر دیں گے کہ اس مسئلہ میں ہم اور اِن میں اختلاف ہے، اور ہم کسی جانب کو بیقین غلط بھی نہیں کہہ سکتے، اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو عمل کرلو۔

عجب اتفاق ہے کہ (اس مسئلہ کے) مستفتی جو حضرت کے مرید اور خلیفۂ خاص تھے، ان کو جب اختیار ملا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے، تو بندہ، محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے، حضرت نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول کیا۔

یہ واقعہ حضرت حکیم الامت کی وفات سے چھ سال پہلے یعنی 1356 ہجری کا ہے''

(جواہر الفقہ، ج۲ص۱۶۳، رسالہ''پیرو مرشد کا فقہی اختلاف'' طبع جدید: 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

ملاحظہ فرمائیے کہ مذکورہ مسئلہ میں بھی پیرو مرید بلکہ شیخ و مصلح اور اس کے خلیفہ کا فقہی اختلاف ہوا، جس میں شیخ نے اپنے مرید و خلیفہ کو اپنی رائے پر قائم رہنے کا اختیار دیا، اور اسی کے ساتھ اپنے دوسرے مرید اور خلیفۂ خاص کو اپنے بجائے اپنے مرید اور خلیفہ کے فتویٰ پر عمل کرنے کا خوشی کے ساتھ اختیار دیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

بعض اوقات کسی مسئلہ کی تحقیق میں مرشد و مرید کا اختلاف بھی ہو جاتا، صفحے کے صفحے اپنے اپنے دلائل اور اشکالات کے جواب میں بذریعہ خطوط لکھے جاتے، کبھی مرید اپنے مرشد کی تحقیق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا، کبھی مرشد، مرید کی تحقیق کو

ترجیح دے کر اپنی رائے سے رجوع کر لیتا اور اگر کبھی ایک دوسرے کے دلائل میں پورے غور وفکر اور باہمی مشوروں کے باوجود اختلاف رائے باقی رہتا، تو مسئلہ دریافت کرنے والے پر اختلاف کا اظہار کر دیا جاتا، تاکہ اسے جس کے فتوے پر زیادہ اطمینان ہو، اس کے مطابق عمل کرے (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت خصوصی، جمادی الاخریٰ، تا شعبان 1399 ہجری، ص ۱۷۰، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم مزید فرماتے ہیں:

اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی عظمت وعقیدت آپ کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی، لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ آپ نے کبھی اس عقیدت کو مسائل کی تحقیق وتنقید میں حائل نہیں ہونے دیا، اور نہ کبھی اپنی تنقید سے کسی کی عظمت وعقیدت پر حرف آنے دیا، ایسا کرنا مشکل ضرور ہے، لیکن اس مشکل کو آپ نے جس خوش اسلوبی سے انجام دیا، وہ اہل علم کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت خصوصی، جمادی الاخریٰ تا شعبان 1399 ہجری، ص ۱۷۱، ۱۷۲، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

علم وتحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں، جہاں ایک طالب علم کو کسی دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض مقامات پر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب واحترام اس سے اختلاف رائے کے اظہار میں مانع ہوا، اور نہ کبھی اختلاف رائے نے ادب واحترام میں ادنیٰ رخنہ اندازی کی، آپ نے بعض مسائل میں بڑے بڑے علماء سے اختلاف کیا، بلکہ اپنے شیخ ومربی حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے بھی چند فقہی مسائل میں اختلاف رائے رہا، اور خود حضرت نے آپ سے

یہ فرمایا کہ تمہارے دلائل پر مجھے شرح صدر نہیں ہوتا، اور میرے دلائل پر تمہیں شرح صدر نہیں، اس لئے دونوں اپنے موقف پر رہیں تو کچھ حرج نہیں، لیکن ایسے مواقع پر حضرت والد صاحب کا عام معمول یہ تھا کہ جن صاحب سے اختلاف رائے ہوا ہے، نہ صرف یہ کہ ان کے ادب و احترام میں کوئی ادنیٰ فرق نہ آنے دیتے، بلکہ ان کے کلام کا کوئی صحیح محمل بھی تلاش کر کے لکھ دیتے (میرے والد میرے شیخ،ص ۱۳۸، ۱۳۹، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1430ہجری، جنوری 2009 عیسوی)

مولانا مفتی صبار دانش صاحب لکھتے ہیں:

آپ (یعنی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ) کی تصانیف وتحریرات کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ نے مسائل کے اختلاف میں کبھی سخت متعصّبانہ الفاظ نہیں استعمال کئے، ذاتیات سے ہمیشہ دامن بچایا اور کبھی ایسا اندازِ بیان اختیار نہیں فرمایا جس سے دوسرے عالم کی توہین وتذلیل ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اختلافات میں آپ بہت محتاط الفاظ استعمال فرماتے تھے اور وہ اختلافات صرف مسئلے کی حد تک ہوتے تھے۔تلخی کلام کی نوبت نہیں آتی تھی اور اختلافِ رائے پر کبھی غصہ یا ناگواری کا اظہار نہ فرماتے تھے، اگرچہ اختلاف کرنے والا آپ کا شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب جو کئی سال تک حضرت کے زیرِ سایہ فتاوی کے جوابات دیتے رہے، فرماتے ہیں۔

احقر کو بہت سی جگہ اختلافِ رائے بھی ہوتا، بندہ عرض کر دیتا کہ یہ جواب آپ کی رائے کے مطابق لکھ دیا ہے، آپ دستخط فرمادیں، میں دستخط نہیں کروں گا، میری گزارش بشاشت سے قبول فرماتے اور دستخط فرمادیتے (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت

خصوصی، جمادی الاخریٰ، تا شعبان 1399 ہجری، ص ۷۲۹، ۷۳۰، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

مزید لکھتے ہیں:

آپ (یعنی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ) نے بعض مسائل میں اپنے شیخ و مربی حکیم الامت، مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بھی اختلاف فرمایا ہے، جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ شیخ سے فقہی اختلاف اپنے نفس کی اصلاح میں مانع نہیں اور شیخ کو بھی مرید کے فقہی اختلاف سے اظہارِ ناراضگی یا انقباض نہ ہونا چاہیے، بلکہ شیخ کی اپنی غلطی ہو، تو اس سے رجوع ہوجانا چاہیے، جیسا کہ حضرت تھانوی اور حضرت مفتی صاحب کا طرزِ عمل تھا (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت خصوصی، جمادی الاخریٰ، تا شعبان 1399 ہجری، ص ۷۳۳، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

لیکن آج کل کے بعض تنگ نظر اور تنگ ظرف اہلِ علم حضرات اپنے مرید سے تو درکنار اجنبی عالمِ دین کی طرف سے بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، اور جہاں ان کو اور کوئی دلیل نہ ملے، وہاں جھٹ سے دوسرے پر تفرد کا الزام لگادیتے ہیں، جو درستِ طرزِ عمل نہیں، اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ''تفرد کی حقیقت'' میں ذکر کردی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی اور حکیم الامت رحمہما اللہ کی مذکورہ تحریرات سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فقہی واجتہادی مسائل میں دوسرے مجتہد وفقیہ بلکہ اپنے مرید وپیر سے اختلاف ہونے کی صورت میں بھی اس کا احترام ختم نہیں ہوجاتا، اور نہ ہی یہ طرزِ عمل عقیدت وعظمت کے منافی ہے۔

اسی وجہ سے عربی زبان کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

''الاختلاف حق و الاحترام واجب''

''اختلاف برحق ہے اور احترام واجب ہے''

اور اسی طرح عربی زبان میں یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ:

’’الاختلاف رحمة والاحترام واجب‘‘

’’اختلاف رحمت ہے، اور احترام واجب ہے‘‘

مگر آج کل ہمارے یہاں دوسرے کی رائے سے اتفاق کو اس کا احترام اور اس سے اختلاف کو اس کی بے احترامی کے مترادف سمجھا جاتا ہے، اور اکابر یا کسی بڑے سے کسی مسئلہ یا چند مسائل میں فقہی اختلاف کو بڑوں کی بے احترامی کے مرتکب ہونے جیسے لوگوں کا سلوک برتا جاتا ہے، جو کہ درست طرزِ عمل نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی بہت سے مسائلِ فقہیہ واجتہادیہ میں اختلاف تھا، بلکہ بعد کے فقہائے کرام میں اس طرح کے اختلافات کا بیشتر حصہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف سے ہی منتقل ہوا، جیسا کہ آگے آتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کے دل آپس کے احترام اور محبت پر متفق تھے۔[1]

یہی حال صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور اتباعِ تابعین کا بھی تھا، بلکہ خود ائمۂ متبوعین ومجتہدین کا بھی تھا، برخلاف بعد میں آنے والے متعصبین ومتشدّدین کے، کہ انہوں نے سلفِ صالحین کے طریقہ کو ترک کر دیا، اور ہر طرف تعصب وتشدد کے جھنڈے نصب کر دیے، جس کے نتائجِ بد آج دنیا بھر کے مسلمان بھگت رہے ہیں، اور آخرت کا وبال الگ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حوالہ

حضرت سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

---

[1] قال القرطبی من تأمل ما دار بین أبی بکر وعلی من المعاتبة ومن الاعتذار وما تضمن ذلک من الإنصاف عرف أن بعضهم کان یعترف بفضل الآخر وأن قلوبهم کانت متفقة علی الاحترام والمحبة وإن کان الطبع البشری قد یغلب أحیانا لکن الدیانة ترد ذلک والله الموفق(فتح الباری شرح صحیح البخاری لابنِ حجر، ج۷، ص۴۹۵، قوله باب غزوة خیبر، الحدیث الثامن والعشرون)

محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامہ رکھنے اور ان کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کرنے کا ذکر فرمایا ہے، جس کی ان کے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے تحسین وتوثیق فرمائی، اور اس کو پاکیزہ مسلک قرار دیا، اور یہ پاکیزہ مسلک کیسے نہ ہوگا، کیونکہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی فکر پر رکھی گئی، اور دیوبند کی علمی سند کا سلسلہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے واسطہ سے ہی آگے پہنچتا ہے۔

چنانچہ ترجمانِ دیوبند حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> دارُالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند حضرۃُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہٗ العزیز سے گزرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے، شاہ (ولی اللہ) صاحب اس جماعتِ دیوبند کے مورثِ اعلیٰ ہیں، جن کے مکتبۂ فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی، حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا، پھر علومِ شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل ونقل طرز میں پیش فرمایا، جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کر کے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ انداز پنہاں تھا۔
>
> حجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند نے ولی اللّٰہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا، جو انہیں ولی اللّٰہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا، بلکہ مزید تنوُّر کے ساتھ اس کے نقش ونگار میں اور رنگ بھرا، اور وہی منقولات جو حکمتِ ولی اللّٰہی میں معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے، حکمتِ قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہوگئے (تاریخِ دارالعلوم دیوبند، صفحہ ۲۰، ۲۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

اس لحاظ سے یوں سمجھنا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ جماعتِ دارالعلوم کے جدِ امجد ہیں (ایضاً، صفحہ ۲۱)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ، جماعتِ دیوبند کے مورثِ اعلیٰ وجدِ امجد ہیں، جن کے طبقۂ فکر سے جماعتِ دیوبند کی تشکیل ہوئی، دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند حضرت موصوف تک پہنچتا اور آپ سے سے گزر کر اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے۔

سید محبوب رضوی صاحب اپنی مفصل ومدلل تالیف ''تاریخِ دارالعلوم دیوبند'' میں فرماتے ہیں:

اکابر دارالعلوم کے سلسلہ میں سرِ فہرست جو شخصیت آتی ہے، وہ یہی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ ہیں، برصغیر میں اس وقت علومِ دینیہ اور بالخصوص علمِ حدیث کے جس قدر سلسلے مروج اور موجود ہیں، تقریباً ان سب کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے ہوتا ہے (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۹۲، بعنوان ''دارالعلوم کے اکابرِ علم کا سلسلۂ اسناد''، بایماءِ مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حسبِ ہدایت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مذکورہ بالا مفصل کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

دارُالعلوم کا سلسلۂ اسناد محدثِ ہندوستان حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چلتا ہے (ایضاً، ص ۱۲، مقدمہ)

معلوم ہوا کہ اکابر دارالعلوم میں حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا شمار سرِ فہرست شخصیات میں ہوتا ہے، اور دارالعلوم کا سلسلۂ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے ہی چلتا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں تحریر

فرماتے ہیں:

دارُالعلوم دیو بند کے اسلاف میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے لے کر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ تک کے سارے بزرگ شمار ہوتے ہیں، کیونکہ مسلکاً اور روایتاً دارالعلوم دیو بند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی جانب منسوب ہے (تاریخِ دارالعلوم دیوبند، صفحہ۹۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

سید محبوب رضوی صاحب کی مرتب کردہ مفصل تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' کے مقدمہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ دیوبند کے علمی مسلک کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک (دیوبند کے) علمی مسلک کا تعلق ہے، اس کا مرجعُ الامر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ہے، جن پر منجانب اللہ یہ علمی مسلک الہامی طور پر وارد شدہ ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اور وہ سارے علمی طبقات کے لیے اپنے کمالِ اعتدال اور جامعیت کی وجہ سے جیسے طبعًا مرکزِ کل ہے، ایسے ہی سارے اہلِ مسالک اگر انصاف سے کام لیں، تو اس پر جمع ہوسکتے ہیں، یا کم سے کم اسے اپنا مرکز تسلیم کر کے، اس سے قریب ہوسکتے ہیں (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۸، مقدمہ)

معلوم ہوا کہ دارلعلوم دیوبند مسلکاً اور روایتاً حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، نیز دیوبند کے علمی مسلک کا مرجع الامر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ہے۔

مذکورہ مضمون ہی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مدرسہ دیوبند کے اس جامع اور معتدل فکر یا مسلک کا مقصد اور مطمحِ نظر ہندوستان کے تمام مسالکِ حقہ اور اہلِ مسالک کو باہم جوڑنا تھا، جبکہ اس وقت ملک میں

جماعتی تشتّت جزوِ مسلک بنا ہوا تھا، اور سارے مسالک اور مسالک والے مسلکی تفاوت کی وجہ سے باہم دست وگریبان تھے، الا ماشاء اللہ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۷، مقدمہ، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبند اور اس کے جامع ومعتدل فکر یا مسلک کا مقصد اور بنیادی ہدف غیر منقسم ہندوستان کے تمام مسالکِ حقہ اور اہلِ مسالک کو باہم جوڑنا اور ان کے جماعتی تشتت کو ختم کرنا تھا، اور اس دور میں اس مقصد کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شخصیت اور طرزِ فکر سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نہیں تھی، کیونکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مطمحِ نظر بھی مسالکِ حقہ، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ وحنابلہ وغیرہ کو باہم جوڑنا تھا، جیسا کہ آگے آتا ہے، پھر فقہی الوان میں اختلاف کے باعث کسی اہلِ حق کو مسلکِ دیوبند سے خارج کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' نامی مفصل ومدلل کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

تمام ائمہ کے فقہی مراتب بحیثیتِ مجموعی اس (دیوبندی) مسلک میں آجاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ راجح ومرجوح یا افضل ومفضول یا اصل وفرع یا عزیمت ورخصت کا فرق نکل سکتا ہے، البتہ کہیں کہیں جائز وناجائز کا بھی فرق پیدا ہوتا ہے، مگر قلیل، سو اس سے فقہ حنفی کی جامعیت اور دوسرے فقہوں کے برحق ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ دو نصوص باہم متعارض ہوں، یا ایک ہی نص کے دو پہلو فقہی طور پر متعارض ہوں، اس لیے اجتہادی فروعات میں اختلاف تو ہو جاتا ہے، مگر خلاف و نزاع کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوسکتی کہ کسی فقہی مسلک سے اعراض یا گریز کی تہمت آئے، اس لیے ائمہ اجتہاد کی حقانیت وعظمت بھی ان کی شان کے مناسب قائم رہتی ہے، اور ان کے فقہی مسلک کی صداقت وعظمت اور تعظیم وتوقیر میں بھی فرق

نہیں آتا، پھر یہ اختلاف بھی حق و باطل کا نہیں ہوتا کہ باعثِ کش مکش ہو، بلکہ محض (اجتہادی وظنی) خطأ وصواب کا ہوتا ہے، جن میں سے کوئی بھی پہلو اجر سے خالی نہیں، اور ظاہر ہے کہ جب سارے فقہوں اور فقیہوں کے اجتہادات اس طرح ایک مرکز پر جمع ہوکر درجہ بدرجہ اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مناسب قائم رہتے ہیں، تو نہ صرف یہ کہ نزاع و جدال کے رخنے مسدود ہوجاتے ہیں، بلکہ قدرِ مشترک کے طور پر ایک مابہ الاتحاد بھی پیدا ہوجاتا ہے، جس کے تحت یہ سارے فقہ اور فقہی مراتب نہ صرف معتبر ہی ٹھہرتے ہیں، بلکہ ایک مرکز پر سمٹ آتے ہیں، جو اس (دیوبندی) مسلک کی جامعیت کی کھلی دلیل ہے۔

رہے فِرَقِ حقہٗ اسلامیہ جو اصول ومبانی میں متحد رہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقضائے قواعدِ شرعیہ کچھ مختلف ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کا منشا بھی اجتہادی نظر وفکر ہی ہے، جس سے بتفاوتِ اجتہاد، متفاوت نظریات قائم ہوکر عقیدے کی صورت اختیار کرلیں، اور وہ فرقہ سمجھے جانے لگیں، دراں حالیکہ وہ فرقہ نہیں ہوتے، جبکہ تمام اصول اور مبانیِ اسلام میں متحد ہیں، لیکن حضرت شاہ (ولی اللہ) صاحب رحمہ اللہ کا مسلک جبکہ جامع نص واجتہاد ہے، تو ان فروعی عقائد کا بھی کوئی اجتہادی پہلو جب تک کہ شریعت کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد وضوابط سے متصادم نہ ہو، نا قابلِ قبول نہیں رہتا، بجز اس کے کہ اس پہلو کو مسئلہ کا بنیادی مقام دینے کے بجائے اُسے ضمنی، فرعی مقام پر رکھ دیا جائے، ترک نہیں کیا جاتا، اس طرح سے کوئی بھی حقانی فرقہ اور اس کا کوئی بھی اعتقادی مسئلہ جبکہ تھوڑی سی توجیہ کے بعد اس مسلک سے باہر نکلنے نہیں پاتا، صرف مقصدی اور غیر مقصدی درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے، تو اسے بھی کلیۃً متروک کردینے کی صورت پیدا نہیں ہوتی، جبکہ وہ کسی نص کے محتملات یا کسی شرعی اصول کی فرعیات کے دائرہ میں ہے، اس لیے اس

جامع مسلک میں یہ اسلامی فرقے بھی اصل فرقۂ حقہ سے کلیۃً جدا نہیں ہوتے، بلکہ اس سے قریب تر ہو جاتے ہیں، صرف فرقِ باطلہ ہی باہر رہ جاتے ہیں، جو حق کے دائرہ میں داخل ہی ہونا نہیں چاہتے (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۹و۳۰، مقدمہ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

بہر حال اس مسلکِ اعتدال کا دائرہ اصولاً اس حد تک جامع، وسیع اور حاوی ہے کہ نہ اس سے اجتہادی طبقات جدا رہ سکتے ہیں، نہ کلامی گروہ اور نہ عقلی اور فلسفی حلقے کٹ سکتے ہیں، جبکہ ان کے مسلّمات سب اس میں لپٹے ہوئے ہیں، جس کے معنیٰ اس کے سوا دوسرے نہیں ہیں کہ ولی اللّٰہی مسلک نے تمام فرقوں، تمام حلقوں اور تمام طبقات کو اصولاً اپنے اندر سمیٹ کر کے جمع کر لیا ہے، جس میں مرکزیت کی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں، جو کسی بھی معقول پسند طبقہ کو اپنے سے باہر نہیں رہنے دیتیں، اور جب بھی انہیں انصاف اور حق پسندی سے کام میں لایا جائے گا، وہ ان سب کے لیے ایک تشفی بخش نسخہ اور جامع مرکزِ توجہ ثابت ہوں گی، اور باہمی نزاعات یا قومی تفرقے کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکیں گی (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۳۱، مقدمہ)

جناب غلام نبی قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) اور جناب محمد شکیب قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

پوری امت کی فکری تاریخ میں جو حیثیت ائمہ اربعہ کو حاصل ہے، وہی حیثیت برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اپنے وقت کے مجدد اور عظیم مصلح، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو حاصل ہے، ہم نے ائمہ فقہ کے تذکرے کے بعد شاہ صاحب کا ذکر مناسب سمجھا۔

حضرت شاہ صاحب نے جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو فکر و نظر کے اعتدال کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جا سکتا۔

آپ نے شریعت وطریقت، فقہ واجتہاد اور احسان وتصوف کے میدانوں میں اپنی بیش بہا تصانیف کے ذریعہ جو نقطہ اعتدال پیش کیا، وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آنے والی نسلوں کے سامنے نقش راہ بن گیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض حالات ایسے پیش آئے، خصوصاً اسلام کے اصل سرچشموں یعنی قرآن وحدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس بہت حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے، بتدریج یہ اختلافات بہت غلط صورت اختیار کرتے چلے گئے خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان وخراسان) کے حنفی فقہا کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستے سے آیا، چوں کہ وہ انہی ممالک کا راستہ تھا، اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت، انہی ممالک کے علما کی ذہنیت سے متاثر تھی، پھر نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلو کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا تو تشدد وتصلب کی یہ شرارت دوآتشہ ہوگئی۔ شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعے کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا، ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح فرمایا۔

آپ ہی نے اُس جمود وتعطّل کے ماحول میں اپنے آپ کو الحنفی عملاً، والحنفی والشافعی درساً کہہ کر حنفیت اور شافعیت کے درمیان اس خلیج کو پاٹ دیا، جو گہری ہوتی جارہی تھی۔ شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریے کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے، اس خیال کو ترجیح دی ہے

کہ سب ہی حق پر ہیں، اس طرح انہوں نے فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصے کو ہی ختم فرمادیا۔

اسی طرح آپ نے تقلید اور مذاہب اربعہ کے بارے میں ایک نہایت معتدل نظریہ پیش کر کے ماوراءالنہر کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہونے والے منفی اثرات کا ازالہ کردیا۔

اسی فکری اعتدال کی وجہ سے مولانا عبیداللہ سندھی ،حضرت شاہ صاحب کے بارے میں ایک نہایت اہم جملہ تحریر فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ: ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو فقہ میں مجتہد منتسب مانتے ہیں۔

آپ نے ''**المسویٰ، المصفیٰ، الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف** '' اور'' **عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید** '' جیسی کتابیں تصنیف فرما کر مسلکی تعصب اور فقہی جمود کو دور کر کے ذہنوں میں وسعت پیدا کی اور علمائے دین کو اجتہاد و بصیرت سے کام لینے پر ابھارا۔

اس طرح شاہ صاحب نے مسلکی تعصب اور افراط کے شکار ذہنوں اور عدم تقلید کا رجحان رکھنے والے تفریط زدہ خیالات کے بیچ کی راہ نکال کر، مسلمانان ہند کی فکری تاریخ کو ہمیشہ کے لیے ایک جہت عطا کردی۔

اگر یہ کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا کہ فکری اعتدال کے باب میں آئندہ کی جانے والی تمام کوششیں، شاہ صاحب کے پیش کردہ نظریہ اعتدال کو بنیاد بنائے بغیر کام یاب نہیں ہوسکتیں (حیات طیب، ج ۲، ص ۴۷۶، ۴۷۷، ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم، دیوبند، اشاعت: 2017 عیسوی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا مقام و نسبت کو ملاحظہ کرنے کے بعد اب اجتہادی وفقہی امور کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی چند

تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں فرماتے ہیں کہ:

أن أكثر صور الخلاف بين الفقهاء لا سيما فى المسائل التى ظهر فيها أقوال الصحابة فى الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والإخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايثار فى الإقامة ونحو ذلک انما هو فى ترجيح أحد القولين:

وكان السلف لا يختلفون فى أصل المشروعية وانما كان خلافهم فى أولى الأمرين ونظيره اختلاف القراء فى وجوه القرائات وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جميعا على الهدى ولذلک لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين فى المسائل الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة ويعملون فى بعض الأحيان بخلاف مذهبهم ولا ترى أئمة المذاهب فى هذه المواضع إلا وهم يصححون القول ويبينون الخلاف يقول أحدهم هذا أحوط وهذا هو المختار وهذا أحب إلى ويقول ما بلغنا الا ذلک وهذا كثير فى المبسوط وآثار محمد رحمه الله وكلام الشافعى رحمه الله.

ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا كلام القوم فتأولوا الخلاف وثبتوا على مختار أئمتهم والذى يروى عن السلف من تأكيد الأخذ بمذهب أصحابهم وألا يخرج عنها بحال فان ذلک إما

لأمر جبلی فان کل إنسان یحب ما هو مختار أصحابه وقومه حتى فی الزی والمطاعم أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدلیل أو لنحو ذلک من الأسباب فظنه البعض تعصبا دینیا حاشاهم من ذلک.

وقد کان فی الصحابة والتابعین ومن بعدهم من یقرأ البسملة ومنهم من لا یقرؤها ومنهم من یجهر بها ومنهم من لا یجهر بها وکان منهم من یقنت فی الفجر ومنهم من لا یقنت فی الفجر ومنهم من یتوضأ من الحجامة والرعاف والقیء ومنهم من لا یتوضأ من ذلک ومنهم من یتوضأ من مس الذکر ومس النساء بشهوة ومنهم من لا یتوضأ من ذلک ومنهم من یتوضأ مما مسته النار ومنهم من لا یتوضأ من ذلک ومنهم من یتوضأ من أکل لحم الابل ومنهم من لا یتوضأ من ذلک.

مع هذا فکان فعضهم یصلی خلف بعض مثل ما کان أبو حنیفة وأصحابه والشافعی وغیرهم رضی الله عنهم یصلون خلف أئمة المدینة من المالکیة وغیرهم وان کانوا لا یقرؤون البسملة لا سرا ولا جهرا وصلی الرشید إماما وقد احتجم فصلی الإمام أبو یوسف خلفه ولم یعد وکان أفتاه الامام مالک بأنه لا وضوء علیه.

وکان الإمام أحمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامة فقیل له فان کان الامام قد خرج منه الدم ولم یتوضأ هل تصلی خلفه فقال کیف لا أصلی خلف الامام مالک وسعید بن المسیب.

وروی أن أبا یوسف ومحمد کانا یکبران فی العیدین تکبیر ابن

عباس لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده.

وصلى الشافعي رحمه الله الصبح قريبا من مقبرة أبى حنيفة رحمه الله فلم يقنت تأدبا معه وقال أيضا ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق.

وقال مالك رحمه الله للمنصور وهارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقا.

وفى البزازية عن الامام الثانى وهو أبو يوسف رحمه الله أنه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا ثم أخبر بوجود فأرة ميتة فى بئر الحمام فقال إذا تأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا انتهى.

وسئل الامام الخجندى رحمه الله عن رجل شافعي المذهب ترك صلاة سنة أو سنتين ثم انتقل إلى مذهب أبى حنيفة رحمه الله كيف يجب عليه القضاء أيقضيها على مذهب الشافعي أو على مذهب أبى حنيفة فقال على أى المذهبين قضى بعد أن يعتقد جوازها جاز وفى جامع الفتاوى أنه إن قال حنفى إن تزوجت فلانة فهى طالق ثلاثا ثم استفتى شافعيا فأجاب إنها لا تطلق ويمينه باطل فلا بأس باقتدائه بالشافعي فى هذه المسألة لأن كثيرا من الصحابة فى جانبه (الانصاف فى بيان اسباب الاختلاف، ص۱۰۸ الیٰ ۱۱۱، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فى الانتساب الخ)

ترجمہ: فقہائے کرام کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں خاص طور پر ان مسائل میں جن میں صحابۂ کرام کے درمیان بھی جانبین میں اختلاف تھا، جیسا کہ

تکبیراتِ تشریق اور تکبیراتِ عیدین کی تعداد، اوراحرام کی حالت میں نکاح ہونے کا مسئلہ، اورابنِ عباس اورابنِ مسعودرضی اللہ عنہما کا تشہد، اور بسم اللہ اور آمین کا آہستہ پڑھنا، اوراقامت کا جفت اور طاق کہنا، اوراس طرح کے دیگر دوسرے مسائل تو ان میں دوقولوں میں سے ایک کے راجح (یا افضل) ہونے میں اختلاف تھا۔

اور (واقعہ یہ ہے کہ) سلف کا ان مسائل کے مشروع اور جائز ہونے میں اختلاف نہیں تھا، بلکہ ان کا اختلاف دونوں کاموں میں سے ایک کے بہتر ہونے میں تھا، جس کی نظیر قرائت کے طریقوں میں قراء کا اختلاف ہے، اور فقہائے کرام نے اس باب میں اکثر یہ علت بیان کی ہے کہ صحابۂ کرام کا ان مسائل میں اختلاف تھا، اور تمام کے تمام صحابۂ کرام ہدایت پر تھے، اوراسی وجہ سے علماء ہمیشہ اجتہادی مسائل میں مختلف مفتیوں کے فتاویٰ کو جائز قرار دیتے رہے، اور مختلف قاضیوں کے فیصلے تسلیم کرتے رہے، اور بعض اوقات اپنے مذہب کے خلاف پر بھی عمل کرتے رہے، اوراس طرح کے مسائل میں ائمۂ مذاہب ایک قول کی تصحیح کرتے ہیں، اوراختلاف کو بیان کرتے ہیں، کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ احوط قول ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ مختار قول ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ قول مجھے زیادہ پسند ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہمیں یہی بات پہنچی ہے، مبسوط اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام میں کثرت سے یہ چیز پائی جاتی ہے۔

پھر ان کے بعد وہ لوگ آ گئے، جنہوں نے اپنی قوم (یعنی اپنے مسلک کے فقہاء و اکابر اور جماعت) کے کلام پر اختصار (وانحصار) کیا، اورانہوں نے اختلاف کی تاویل کی، اور جس بات کو ان کے ائمہ نے مختار قرار دیا، وہ اس پر جم گئے (یعنی انہوں نے جمود اختیار کیا) اور جو بات ان کے سلف سے مروی ہے کہ اپنے

اصحاب (واکابر) کے مذہب کو مضبوطی سے پکڑیں، اور اس سے کسی حال میں نہ نکلیں، پس یہ یا تو فطری امر کی وجہ سے تھا، کیونکہ ہر انسان اس چیز کو پسند کرتا ہے، جو اس کے اصحاب اور قوم کا پسندیدہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ رہن سہن اور کھانے پینے میں یا کسی دلیل کے ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی نتیجہ ظاہر ہونے کی وجہ سے، یا اسی طرح کے دوسرے کسی سبب کی وجہ سے تھا، پس بعض نے اس کو دینی تعصب خیال کرلیا، جس سے سلف وفقہاء پاک ہیں۔ [1]

اور صحابہ اور تابعین میں اور ان کے بعد ایسے حضرات تھے کہ بعض نماز میں بسم اللہ کی قرائت کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے، اور بعض بلند آواز سے قرائت کرتے تھے، اور بعض بلند آواز سے نہیں کرتے تھے، اور بعض فجر میں قنوت پڑھتے تھے، اور بعض فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، اور بعض حجامہ اور نکسیر اور قے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض ان چیزوں سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض عضوِ تناسل کو چھونے اور عورتوں کو شہوت سے چھونے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض ان چیزوں سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض اس سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض اونٹ کے گوشت کو کھانے سے وضوٹوٹنے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ سلفِ صالحین کا فقہی واجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف شدید نہیں تھا، اور وہ ایک دوسرے کے قول کو غلط وناجائز قرار نہیں دیتے تھے، البتہ بعد میں جو حضرات آئے، انہوں نے اپنے مسلک واکابر کے اقوال پر جمود اختیار کرنا شروع کیا، لیکن وہ صرف پسند ہونے کی حد تک ایک فطری چیز وتقاضہ کے درجہ میں تھا، تعصب کے طور پر نہیں تھا، پھر اس کے بعد آنے والے بہت سے حضرات تعصب میں بھی مبتلا ہوگئے، جس کی وجہ سے آپس کے اجتہادی و اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف شدت پیدا ہوگئی، مگر سلف اس طرزِ عمل سے پاک ہیں، جن میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ متبوعین بھی داخل ہیں، پھر اس تعصب وتشدد کی نسبت ان مقدس وپاکیزہ نفوس کی طرف کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، اس کے بجائے اس طرح کے تعصب وتشدد کی نسبت خود ان متعصبین ومتشددین کی طرف ہی منسوب کرنا چاہئے، جس کے وہ خود ہی عند اللہ جواب دہ ہیں، اس کا الزام، سلف پر عائد نہیں ہوتا۔ محمد رضوان۔

کے قائل تھے، اور بعض اس سے وضوٹو ٹنے کے قائل نہیں تھے۔

اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ، مالکیہ وغیرہ ائمۂ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، جبکہ وہ حضرات بسم اللہ نہ تو سراً پڑھتے تھے، اور نہ جہراً، اور ہارون الرشید نے حجامہ کرانے کے بعد (وضو کیے بغیر) نماز میں امامت کرائی، اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، اور اس کا اعادہ نہیں کیا، اور امام مالک نے ہارون الرشید کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ حجامہ کرنے کے بعد وضو نہیں ٹوٹتا۔

اور امام احمد بن حنبل نکسیر اور حجامہ سے وضوٹو ٹنے کے قائل تھے، ان سے کہا گیا کہ اگر امام کا خون نکل جائے، اور وہ وضو نہ کرے، تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے، تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں امام مالک اور سعید بن مسیّب کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں گا (جو کہ نکسیر اور حجامہ کرانے پر خون نکلنے سے وضوٹو ٹنے کے قائل نہیں)

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عیدین کی نماز میں ابنِ عباس کی تکبیرات کہتے تھے (جن کی مقدار حنفیہ کی معروف چھ تکبیرات سے زیادہ تھی) کیونکہ ہارون الرشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتا تھا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کے قریب فجر کی نماز پڑھی، تو انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ادب میں قنوت نہیں پڑھا، اور فرمایا کہ بعض اوقات ہم اہلِ عراق کے مذہب کی طرف عدول کر لیتے ہیں۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے منصور اور ہارون الرشید سے جو کچھ فرمایا، وہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور بزازیہ میں ہے کہ حنفیہ کے دوسرے امام یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے

بارے میں یہ مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن حمام سے غسل کر کے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور لوگ چلے گئے، پھر یہ خبر دی گئی کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا پایا گیا ہے، تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تو ہم اس صورت میں اپنے مدینہ کے بھائیوں کے قول پر عمل کریں گے کہ جب پانی ''قلتین'' کی مقدار کو پہنچ جائے، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، بزازیہ کی بات ختم ہوئی۔

اور امام خجندی رحمہ اللہ سے شافعی المذہب شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے ایک یا دو سال تک نماز چھوڑے رکھی، پھر وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف منتقل ہو گیا کہ اس پر نماز کی قضاء کس طرح واجب ہوگی، کیا وہ امام شافعی کے مذہب کے طریقہ پر قضاء نماز پڑھے گا، یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے طریقہ پر قضاء نماز پڑھے گا؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جس مذہب کے مطابق بھی نماز ادا کرلے گا، جبکہ اس کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو، تو نماز درست ہو جائے گی، اور جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کوئی حنفی یہ کہے کہ اگر میں نے فلانی عورت سے نکاح کیا تو اسے تین طلاق ہیں، پھر اس نے شافعی سے فتویٰ لیا، جس نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، اور اس کی یہ شرط باطل ہوگی، تو اس مسئلہ میں اس کو شافعی عالم کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بہت سے صحابہ اسی جانب ہیں (الانصاف)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فقہائے کرام کے مختلف اقوال کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں انتہائی اعتدال وتوسط والے راستہ کو اختیار کیا ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ''فقہِ ولی اللّٰہی پر ایک نظر'' میں ذکر کر دی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا دوسرا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ”حجة الله البالغة“ میں ابنِ صلاح سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر أن كملت له آلة الاجتهاد مطلقا، أو في ذلك الباب، أو المسألة، كان له الاستقلال بالعمل به، وإن لم يكمل وشق مخالفة الحديث بعد أن يبحث، فلم يجد للمخالفة جوابا شافيا عنه -فله العمل به إن كان عمل به إمام مستقل غير الشافعي، ويكون هذا عذرا له في ترك مذهب أمامه ههنا، وحسنه النووي وقرره (حجة الله البالغة، ج ا ص ۲۶۹، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها)

ترجمہ: جس شافعی نے کوئی ایسی حدیث پائی، جو اس کے مذہب کے مخالف ہے، تو وہ غور کرے، اگر اس کو اجتہادِ مطلق کے ذرائع مکمل طور پر حاصل ہیں، یا خاص اس باب میں (اجتہاد کے ذرائع) حاصل ہیں، یا خاص اس مسئلہ میں حاصل ہیں، تو اس کو اس پر عمل کرنے میں استقلال حاصل ہوگا (یعنی وہ اس سلسلہ میں کسی مجتہد کی تقلید کا پابند نہیں ہوگا، خواہ دوسرا مجتہدِ مطلق ہی کیوں نہ ہو) اور اگر اس کو مذکورہ ذرائع مکمل حاصل نہیں اور بحث کے بعد اسے حدیث کی مخالفت ظاہر ہوئی، اور اسے مخالفت کا کوئی شافی جواب نہیں ملتا، تو بھی اس کو اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ اس حدیث پر امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام (یعنی مجتہد) نے عمل کیا ہو (جس سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ حدیث بالکلیہ منسوخ نہیں ہے، قابلِ عمل ہے) اور یہ اس کے لیے یہاں اپنے امام کا مذہب ترک کرنے میں

عذر بن جائے گا، ابنِ صلاح کے اس قول کی نووی نے تحسین فرمائی ہے، اور اس کو برقرار رکھا ہے (حجۃ اللہ البالغۃ)

ایک طرف تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کو ملاحظہ فرمایئے، اور دوسری طرف موجودہ دور کے ان متعصبین اور متشددین کے طرزِ عمل کو ملاحظہ فرمایئے، جو اجتہاد کے نتیجہ میں خواہ وہ جزئی اجتہاد ہو، مخصوص مذہب و مسلک ترک کر کے کسی حدیث پر عمل کرنے والے پر لعن طعن کرتے اور اس کو باعثِ ملامت قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان متشددین و متعصبین سے امتِ مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تیسرا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ''حجة الله البالغة'' میں ہی ایک مقام پر علامہ ابنِ حزم کی طرف سے تقلید کے مطلقاً ممنوع ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة ، وفيمن ظهر عليه ظهورا بيننا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا ، ونهى عن كذا ، وأنه ليس بمنسوخ إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة ، فلا يجد لها نسخا ، أو بأن يرى جمعا غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه ، ويرى المخالف له لا يحتج إلا بقياس أو استنباط أو نحو ذلک ، فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى ، أو حمق جلى.

وهذا هو الذى أشار إليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث

قال: ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا، وهو مع ذلك يقلده فيه، ويترك من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه، بل يتخيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة، ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده.

وقال :لم يزال الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبيا أرسل، وهذا نأى عن الحق، وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب.

وقال الإمام أبو شامة :ينبغى لمن اشتغل بالفقه ألا يقتصر على مذهب إمام، ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى دلالة الكتاب والسنة المحكمة، وذلك سهل عليه إذا كان أتقن معظم العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف المتأخرة فإنها مضيعة للزمان ولصفوة مكدرة، فقد صح عن الشافعى أنه نهى عن تقليده وتقليد غيره.

قال صاحبه المزنى فى أول مختصره :اختصرت هذا من علم الشافعى ومن معنى قوله :لأقرب به على من أراد مع إعلامية نهيه عن تقليده وتقليد غيره، لينظر فيه لدينه، ويحتاط لنفسه :أى مع إعلامى من أراد علم الشافعى نهى الشافعى عن تقليده وتقليد غيره انتهى.

وفيمن يكون عاميا، ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أنه يمتنع من مثله الخطأ، وأن ما قاله هو الصواب ألبتة، وأضمر في قلبه ألا يترك تقليده وإن ظهر الدليل على خلافه، وذلك ما رواه الترمذي عن عدي بن حاتم أنه قال: سمعته -يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم _ يقرأ.(اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله)قال " :إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه، وإذا حرموه عليهم شيئا محرما ... "، وفيمن لا يجوز أن يستفتي الحنفي مثلا فقيها شافعيا وبالعكس، ولا يجوز أن يقتدي الحنفي بإمام شافعي مثلا، فإن هذا قد خالف إجماع القرون الأولى، وناقض الصحابة والتابعين.

وليس محله فيمن لا يدين إلا بقول النبي صلى الله عليه وسلم، ولا يعتقد حلالا إلا ما أحله الله ورسوله، ولا حراما إلا ما حرمه الله ورسوله، لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبي صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه، ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على أنه مصيب فيما يقول، ويفتي ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن خالف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار.

فهذا كيف ينكره أحد مع أن الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم؛ ولا فرق بين أن يستفتي هذا دائما، أو يستفتي هذا حينا وذلك حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه، كيف لا ولم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى

الـلـه إليـه الـفـقـه، وفـرض علينا طاعته، وأنه معصومة، فإن اقتدينا بـواحد منهم فذلك لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله، فلا يـخـلـوا قـوله إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة، أو مستنبطا عـنهما بنحو من الاستنباط، أو عرف بالقرائن أن الحكم فى صورة مـا مـنـوطة بـعـلة كـذا، واطـمـأن قلبه بتلك المعرفة، فقاس غير الـمـنـصوص على المنصوص، فكأنه يقول: ظـننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: – كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هـكـذا – والـمقيس مندرج فى هذا العموم، فهذا أيضا معزى إلى النبى صلى الله عليه وسلم، ولكن فى طريقه ظنون.

ولولا ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد، فإن بلغنا حديث عن الرسول الـمـعـصـوم الـذى فـرض الـله علينا طاعته بسند صالح يدل على خـلاف مـذهبـه، وتركنا حديثه، واتبعنا ذلك التخمين فمن أظلم مـنـا، ومـا عـذرنـا يـوم يـقـوم الناس لرب العالمين (حجة الـلـه البالغة، ج ا ص ۲۶۴ الیٰ ۲۶۶، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها)

ترجمہ: ابنِ حزم کی یہ بات (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، بلکہ حرام ہے) اس شخص کے حق میں پوری ہوسکتی ہے، جس کو اجتہاد کا کچھ حصہ حاصل ہو، اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، اور اس شخص کے حق میں بھی پوری ہوسکتی ہے، جس کو صاف واضح ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز کا حکم فرمایا ہے، اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم اس مسئلہ میں احادیث کے تتبع اور مخالف اور موافق (مجتہدین وفقہاء) کے اقوال کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوا ہو، پس وہ اس

کو منسوخ نہیں پاتا، یا اس وجہ سے کہ اس نے تبحر فی العلم کے حاملین کی ایک بڑی جماعت کو اس قول کو اختیار کرتے ہوئے پایا ہے، اور اس کے مخالف کو صرف قیاس یا استنباط وغیرہ سے حجت پکڑتے ہوئے پایا ہے، تو اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کا سبب، یا تو صرف چھپا ہوا نفاق ہوسکتا ہے، یا واضح حماقت ہوسکتی ہے۔ [1]

اور اسی کی طرف شیخ عز الدین بن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف معلوم ہوجاتا ہے، اس طور پر کہ اس کے ضعف کو دور کرنے والی کوئی مؤثر چیز موجود نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود وہ اس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کرتا ہے، اور جن کے مذہب پر کتاب اور سنت اور صحیح قیاسات کی شہادت ہوتی ہے، ان کے مذہب کو اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتا ہے، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر کو دفع کرنے کے لیے وہ مختلف تخیلات سے کام لیتا ہے، اور تاویلاتِ باطلہ اور بعیدہ کو اختیار کرتا ہے، اپنے مقتدا کی حمایت کرنے کی غرض سے۔

آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ علماء میں سے جو میسر آئے، کسی مذہب کی قید کے بغیر سوال کرتے رہے، اور سوال کرنے والوں میں سے کسی پر انکار نہیں کیا گیا، یہاں

---

[1] ایک طرف تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا کلام کو ملاحظہ فرمائیے، اور دوسری طرف موجودہ دور کے بعض نام نہاد اہلِ علم کے طرزِ عمل کو ملاحظہ فرمائیے، جو اس خفیہ نفاق یا واضح حماقت کا شکار ہیں، اور وہ کسی قول کے خلاف شریعت کی مضبوط دلیل بلکہ صحیح حدیث اور اس سے بڑھ کر صحیح وکثیر احادیث موجود ہونے کے باوجود بھی اس کے مقابلہ میں غیر نبی کی بات یا کمزور دلیل کو ترجیح دیتے ہیں، اور ذرہ برابر ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کا خوف بھی مانع نہیں ہوتا، جبکہ اللہ کا خوف وخشیت، علماء کا خاص وصف ہے۔

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"

اللہ اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

تک کہ یہ مذاہب مشہور ہوگئے، اور ان کے متعصب مقلد نمودار ہوگئے، پس ان میں سے کوئی اپنے امام کی اتباع اس وقت بھی کرتا ہے، جبکہ دلائل کے لحاظ سے اس کا مذہب کمزور ہوتا ہے، اس کے قول کی تقلید کرتے ہوئے، گویا کہ وہ کوئی نبی ہے جو بھیجا گیا ہے، اور یہ حق سے ہٹا ہوا ہے، اور ثواب سے دور ہے، عقل والوں میں سے کوئی بھی اس سے راضی نہیں ہوسکتا۔ [1]

اور امام ابوشامہ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر اکتفاء نہ کرے، اور ہر مسئلہ میں اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے، جو کتاب اور سنتِ محکمہ کی دلالت کے زیادہ قریب ہو، اور یہ عمل اس شخص پر سہل ہوگا، جب وہ شروع کے بڑے علوم میں پختگی حاصل کرلے گا، اور تعصب اور متاخرین کے اختلاف کے طور طریقوں سے اجتناب کرے گا، کیونکہ یہ امور (یعنی تعصب وغیرہ) وقت کو ضائع کرنے والے ہیں، جن سے صاف طبیعتوں میں تکدّر پیدا ہوجاتا ہے (اور حق وانصاف کی نعمت سے محرومی ہوجاتی ہے) اور امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید سے اور دوسرے کی تقلید سے منع فرمایا۔

امام شافعی کے صاحب مزنی نے اپنی مختصر کے شروع میں فرمایا کہ میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے قول کے معنیٰ اختصار کے ساتھ بیان کیے، تاکہ جو شخص ان

[1] شیخ عزالدین عبدالسلام کے حوالہ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جس تعجب کا ذکر فرمایا ہے، آج ہم بھی اس تعجب کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے، کیونکہ آج بھی علماء کے حلقہ میں ایسے افراد موجود ہیں، جن کو علماء کے بجائے، عوام کا درجہ حاصل ہونا چاہئے، اور اپنے امام یا بزرگ کے قول کو درست قرار دینے کے لیے صحیح احادیث کو تاویلاتِ بعیدہ کے ذریعہ سے رَد کرنے والے افراد کی موجودہ دور میں کمی نہیں، بلکہ حیرت اس بات پر ہے کہ جو کوئی ان حضرات کے غلو والے طریقہ کو چھوڑ کر صحیح طریقہ کو اختیار کرے، اس پر بھی طعن وتشنیع اور لعن وطعن کرنے سے یہ لوگ نہیں چوکتے، معلوم نہیں کہ ان لوگوں کے ہاں دین کا کیا تصور ہے، اور کتاب وسنت کا کیا درجہ ہے؟ اور اصولِ شریعت ونصوصِ کتاب وسنت کو انہوں نے کس طرح نظر انداز کردیا۔ محمد رضوان۔

کا علم حاصل کرنے کا قصد کرے، اس کا ذہن ان کے قریب ہوجائے، باوجودیکہ امام شافعی نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کردیا ہے، تاکہ آدمی اپنے دین اور نفس کی احتیاط کے لیے ان کے قول میں غور کرے، یعنی میں اس شخص کو جو شافعی کے علم کو حاصل کرنے کا قصد کرے، یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع کردیا ہے، مزنی کی بات ختم ہوئی۔ [1]

نیز (ابنِ حزم کی بات اس شخص کے بارے میں بھی درست و پوری ہوسکتی ہے) جو عامی شخص ہو، اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کر تقلید کرے کہ ایسے شخص سے خطا نہیں ہوسکتی، اور جو یہ بات کہے، وہ لازماً درست ہوگی، اور وہ اپنے دل میں یہ بات بٹھا لے کہ وہ اس کی تقلید کو ترک نہیں کرے گا، اگرچہ اس کے خلاف دلیل ظاہر ہوجائے، اس طرح کی تقلید کے خلاف وہ حدیث ہے، جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ:

”اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله“

یعنی انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے مقابلہ میں ”ارباب“ بنالیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ احبار اور رہبان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حلال قرار دے دیتے تھے، تو وہ اس کو حلال سمجھ لیا کرتے تھے، اور جب کسی چیز کو ان پر حرام قرار دے دیتے تھے، تو

---

[1] جب ابوشامہ اور صاحبِ مزنی کے کلام کو سامنے رکھ کر متعصبین و متاخرین کے طرزِ عمل کو ملاحظہ کیا جائے گا، تو معلوم ہوجائے گا کہ جس قسم کی جامد تقلید سے ائمہ متبوعین نے منع فرمایا اور روکا تھا، آج جامد متعصبین اسی ممنوع تقلید کا شکار ہیں، اور اوپر سے اس زعمِ باطل میں بھی مبتلا ہیں کہ ان کے مذکورہ طرزِ عمل سے ان کے ائمہ خوش ہوں گے، جو ان کی مزید خوش فہمی ہے، کیونکہ ائمۂ متبوعین اور اکابرین، بحمد اللہ اس قسم کے تعصب و جمود سے محفوظ تھے۔ محمد رضوان۔

وہ اس کو حرام سمجھ لیا کرتے تھے۔ [1]

اور (ابنِ حزم کی بات اس شخص کے بارے میں بھی درست و پوری ہوسکتی ہے) جو شخص مثلاً حنفی کو کسی شافعی فقیہ سے یا شافعی کو کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز ٹھہرائے، اور مثلاً حنفی کے لیے شافعی امام کی اقتدا کو ناجائز ٹھہرائے، اس لیے کہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ اور صحابہ و تابعین کے اجماع و اتفاق کے خلاف ہے۔ [2]

ابنِ حزم کے قول کا مصداق وہ شخص بھی نہیں ہے، جو شخص صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتا ہو، اور صرف اسے حلال و حرام سمجھتا ہو، جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال و حرام کردیا ہے، لیکن نہ اسے یہ معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا، اور نہ اس کا علم کہ کلامِ نبوی سے استنباط کا کیا طریقہ ہے، اور اس بناء پر وہ کسی عالم راشد کی یہ سمجھ کر پیروی کرلیتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یا جو فتویٰ وہ دیتا ہے وہ بظاہر درست ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع بھی ہے، لیکن جب بھی وہ اپنی قائم کردہ رائے کے خلاف دیکھتا ہے تو کسی جدال یا اصرار کے بغیر فوراً اس قول سے علیٰحدگی اختیار کرلیتا ہے، تو ایسے شخص کو کیسے مطعون کیا جائے گا؟ اور اس کو سنت و شریعت کا مخالف کیسے قرار دیا جائے گا، سب کو معلوم ہے کہ

---

[1] مذکورہ آیت اور حدیث کو بعض لوگ جائز تقلید کے رد میں پیش کرتے ہیں، جو کہ درست نہیں، اور بعض لوگ ناجائز تقلید کرنے کے باوجود دلائل میں دور دراز کی تاویلات کرکے اپنے آپ کو ان کا مصداق ہونے سے بچانے کی بے جا کوشش کرتے ہیں، اور اس طرح دونوں طبقات افراط و تفریط میں مبتلا ہوتے ہیں، اور اعتدال سے محروم رہتے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] یہ بات آگے آتی ہے کہ کسی کی شخصی تقلید فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن اس کے وجوب و عدمِ وجوب میں اختلاف ہے، بہت سے حضرات کے نزدیک عدمِ وجوب کا قول راجح ہے، بہر حال جب یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور عدمِ وجوب کا قول بھی پایا جاتا ہے، بلکہ اس کو خود متعدد حنفیہ وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے، اور قرونِ اولیٰ میں اسی پر عمل تھا، تو پھر اس قول پر عمل کرنے والے پر نکیر کرنا اور اس کو گناہ کا مرتکب قرار دینا کیسے درست ہوگا، اسی طرح اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر بھی قرونِ اولیٰ میں نکیر نہیں کی جاتی تھی، لہٰذا یہ دونوں چیزیں قرونِ اولیٰ کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہوئیں، پھر ان پر نکیر کے کیا معنیٰ؟ محمد رضوان۔

استفتاء اور افتاء کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے، اور کبھی دوسرے سے، جب کہ وہ اس پر متفق ہوں، جو ہم نے ذکر کیا، جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے فقہ اس پر وحی کی ہے، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض قرار دی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔

اگر ہم ان میں سے کسی کی اقتداء کرتے ہیں، تو صرف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا عالم ہے، اس کا قول (وفتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ صریح کتاب وسنت کے مطابق ہوگی، یا کسی طرح ان دونوں سے مستنبط ہوگی، یا اس نے قرائن سے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ جان لیا ہوگا کہ اس صورت کا حکم اس علت سے وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرلیا ہوگا، تو اس صورت میں گویا وہ بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے وہاں یہ حکم ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے، تو یہ صورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے، لیکن ظنی طریقہ پر، اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی، تو کوئی مومن کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، چنانچہ اگر ہمارے پاس اس رسولِ معصوم کی کوئی حدیث صالح سند کے ساتھ پہنچے، جس کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے، اور وہ حدیث اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور پھر بھی ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں، اور اسی تخمین (وظن) کی پیروی کیے جائیں، تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، اور جس روز لوگ رب العالمین کے

سامنے کھڑے ہوں گے، ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''عقد الجید'' میں بھی یہی تفصیل بیان کی ہے۔ [1]

---

[1] إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة وفيمن ظهر عليه ظهورا بينا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا أو نهى عن كذا وأنه ليس بمنسوخ إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة فلا يجد لها نسخا أو بأن يرى جما غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه ويرى المخالف له لا يحتج إلا بقياس أو استنباط أو نحو ذلك فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى أو حمق جلى وهذا هو الذى أشار إليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده وقال لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد بمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبى أرسل وهذا نأى عن الحق وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب وقال الإمام أبو شامة ينبغى لمن اشتغل بالفقه أن لا يقتصر على مذهب إمام ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى دلالة الكتاب والسنة المحكمة وذلك سهل عليه إذا كان أتقن معظم العلوم المتقدمة وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف فإنها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرة فقد صح عن الشافعى أنه نهى عن تقليده وغيره قال صاحبه المزنى فى أول مختصره اختصرت هذا من علم الشافعى رحمه الله ومن معنى قوله لأقربه على من أراد مع إعلاميه نهيه عن تقليده وتقليد غيره لينظر فيه لدينه ويحتاط لنفسه أى مع إعلامى من أراد علم الشافعى نهى الشافعى عن تقليده وتقليد غيره انتهى وفيمن يكون عاميا ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أنه يمتنع من مثله الخطأ وأن ما قاله هو الصواب البتة وأضمر فى قلبه أن لا يترك تقليده وإن ظهر الدليل على خلافه وذلك ما رواه الترمذى عن عدى بن حاتم أنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ (اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله) قال إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه وفيمن لا يجوز أن يستفتى الحنفى مثلا فقيها شافعيا وبالعكس ولا يجوز أن يقتدى الحنفى بإمام شافعى مثلا فإن هذا قد خالف إجماع القرون الأولى وناقض الصحابة والتابعين.

وليس محله فيمن لا يدين إلا بقول النبى صلى الله عليه وسلم ولا يعتقد حلالا إلا ما أحله الله ورسوله ولا حراما إلا ما حرمه الله ورسوله لكن لما لم يكن له علم بما قال النبى صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ولا بطريق الإستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اپنی ایک اور تالیف ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ''میں بھی اسی تفصیل کو تحریر فرمایا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على أنه مصيب فيما يقول ويفتى ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن ظهر خلاف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار فهذا كيف ينكره أحد مع أن الإستفتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبى صلى الله عليه وسلم ولا فرق بين أن يستفتى هذا دائما أو يستفتى هذا حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه كيف لا ولم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى الله إليه الفقه وفرض علينا طاعته وأنه معصوم فإن اقتدينا بواحد منهم فذلک لعلمنا أنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله فلا يخلو قوله إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة أو مستنبطا منهما بنحو من الإستنباط أو عرف بالقرائن أن الحكم فى صورة ما منوط بعلة كذا واطمأن قلبه بتلک المعرفة فقاس غير المنصوص على المنصوص فكأنه يقول ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا والمقيس مندرج فى هذا العموم فهذا أيضا معزو إلى النبى صلى الله عليه وسلم ولكن فى طريقه ظنون ولولا ذلک لما قلد مؤمن لمجتهد فإن بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذى فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذلک التخمين فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين(عقيد الجيد فى احكام الاجتهاد والتقليد، ص١٥،١٦، المقدمة)

ل إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة وفيمن ظهر عليه ظهورا بينا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا ونهى عن كذا وأنه ليس بمنسوخ إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة فلا يجد له نسخا أو بأن يرى جمعا غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه ويرى المخالف له لا يحتج الا بقياس أو استنباط أو نحو ذلک فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى أو حمق جلى.

وهذا الذى أشار اليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال ومن العجب العجاب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلک يقلده فيه ويترک من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولهما بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده وقال لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقليد لمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فان أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبى أرسل وهذا نأى عن الحق وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب

وقال الامام أبو شامة ينبغى لمن اشتغل بالفقه أن لا يقتصر على مذهب امام ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى الكتاب والسنة المحكمة وذلک سهل عليه اذا كان اتقن العلوم المتقدمة وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف المتأخرة فانها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرا فقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جس جامد تقلید کی اپنی مذکورہ عبارت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صح عن الشافعي أنه نهى عن تقليده وتقليد غيره.
قال صاحبه المزني في أول مختصره اختصرت هذا من علم الشافعي ومن معنى قوله لأقربه على من أراد مع إعلامي نهيه عن تقليده وتقليد غيره لينظر فيه لدينه ويحتاط لنفسه أى مع إعلامي من أراد علم الشافعي نهى الشافعي عن تقليده وتقليد غيره
وفيمن يكون عاميا ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أن يمتنع من مثله الخطأ وأن ما قاله هو الصواب البتة وأضمر في قلبه ألا يترك تقليده وان ظهر الدليل على خلافه وذلك ما رواه الترمذى عن عدى بن حاتم أنه قال سمعته يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ (اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله) قال انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا أحلوا شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه .
وفيمن لا يجوز أن يستفتي الحنفي مثلا فقيها شافعيا وبالعكس ولا يجوز أن يقتدى الحنفي بامام شافعي مثلا فان هذا قد خالف إجماع القرون الأولى وناقض الصحابة والتابعين.
وليس محله فيمن لا يدين الا بقول النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعتقد حلالا الا ما أحله الله ورسوله ولا حراما الا ما حرمه الله ورسوله.
لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبي صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على أنه مصيب فيما يقول ويفتي ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان خالف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار فهذا كيف ينكره أحد مع أن الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم.
ولا فرق بين أن يستفتي هذا دائما أو أن يستفتي هذا حينا وذلك حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه كيف لا ولم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى الله إليه الفقه وفرض علينا طاعته وأنه معصوم فان اقتدينا بواحد منهم فذلك لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله فلا يخلو قوله إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة أو مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط أو عرف بالقرائن أن الحكم في صورة ما منوط بعلة كذا واطمأن قلبه بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص على المنصوص فكأنه يقول ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا والمقيس مندرج في هذا العموم فهذا أيضا معزى إلى النبي صلى الله عليه وسلم ولكن في طريقه ظنون ولولا ذلك ما قلد مؤمن بمجتهد فان بلغنا حديث من رسول الله المعصوم صلى الله عليه وسلم الذى فرض علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين(الانصاف فى بيان اسباب الاختلاف، ص ٩٩، الىٰ ١٠٢ ، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر ، الخ)

کے آخر میں شکایت کی ہے، اور اس پر اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو کر عذر پیش کرنے پر خوف کا اظہار کیا ہے، اس پر موجودہ دور کے جامد و متشدد اور متعصب مقلدین کو غور کرنے کی ضرورت ہے، جو خود تو صحیح طریقہ اختیار کرتے نہیں، اور جو کوئی صحیح طریقہ اختیار کرے، اس کو ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا مصداق بن کر مطعون اور شریعت وسنت کے خلاف کا مرتکب قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چوتھا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں فرماتے ہیں:

أنهم اطمأنوا بالتقليد ودب التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون وكان سبب ذلک تزاحم الفقهاء وتجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوى كان كل من أفتى بشىء نوقض فى فتواه ورد عليه فلم ينقطع الكلام إلا بالمصير إلى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة.

وأيضا جور القضاة فان القضاة لما جار أكثرهم ولم يكونوا أمناء لم يقبل منهم إلا ما لا يريب العامة فيه ويكون شيئا قد قيل من قبل.

وأيضا جهل رؤوس الناس واستفتاء الناس من لا علم له بالحديث ولا بطريق التخريج كما ترى ذلک ظاهرا فى أكثر المتأخرين وقد نبه عنه ابن الهمام وغيره.

وفى ذلک الوقت يسمى غير المجتهد فقيها،وفى ذلک الوقت ثبتوا على التعصب.

والحق أن أكثر صور الخلاف بين الفقهاء لا سيما فى المسائل التى ظهر فيها أقوال الصحابة فى الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايتار فى الاقامة ونحو ذلك انما هو فى ترجيح أحد القولين (الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف، ص۹۳، ۹۴، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ)

ترجمہ: وہ مطمئن ہوگئے تقلید پر، اور تقلید ان کے سینوں میں چیونٹیوں کی رفتار کی طرح داخل ہوگئی، حالانکہ وہ شعور نہیں رکھتے، اور اس کا سبب فقہاء کا آپس میں مقابلہ اور مجادلہ تھا، کیونکہ جب ان کو فتویٰ میں مزاحمت کا سامنا ہوتا تھا، تو ان میں سے ہر ایک ایسی چیز کا فتویٰ دیتا تھا، جس سے دوسرے کا فتویٰ ٹوٹ جاتا تھا، اور اس پر رَد ہوجاتا تھا، پس یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہوتا تھا، جب تک متقدمین سے اس مسئلہ میں کسی آدمی کی تصریح نہیں مل جاتی تھی۔

نیز قاضیوں کا ظلم وستم بھی اس کا سبب تھا، کیونکہ قاضیوں میں جب اکثر نے ظلم کیا، اور ان میں امانت ودیانت نہیں پائی جاتی تھی، تو ان کی اس وقت تک بات قبول نہیں کی جاتی تھی، جب تک عام لوگوں کا شبہ دور نہ ہوجائے، اور کوئی ایسی چیز نہ ہو، جو اس سے پہلے کہی جاچکی ہو۔

نیز اس وجہ سے کہ جاہل افراد لوگوں کے سردار بن بیٹھے، اور لوگوں نے ایسے افراد سے استفتاء حاصل کرنا شروع کردیا، جن کو نہ تو حدیث کا علم تھا، اور نہ مسئلہ کی تخریج کا طریقہ معلوم تھا، جیسا کہ آپ اکثر متاخرین میں یہ بات ظاہری طور پر دیکھتے ہیں، اور ابنِ ہمام وغیرہ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔

اور اسی زمانہ میں غیر مجتہد کا نام فقیہ بھی رکھا جانے لگا، اور اسی زمانہ میں لوگ تعصب پر جم گئے۔

حالانکہ حق بات یہ ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں خاص طور پر ان مسائل میں، جن میں دونوں طرف صحابہ کے اقوال پائے جاتے ہیں، جیسا کہ تکبیراتِ تشریق اور تکبیراتِ عیدین اور احرام کی حالت میں نکاح، اور ابنِ عباس اور ابنِ مسعود کا تشہد اور بسم اللہ اور آمین کا آہستہ پڑھنا اور اقامت میں طاق یا جفت الفاظ کہنا اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل، سو اِن دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں اختلاف تھا (الانصاف)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہوا ہے، وہ حق وباطل کا اختلاف نہیں ہے، اور جو ایک کے مقابلہ میں دوسرے قول کو ترجیح دی گئی، اس کے مختلف اسباب تھے، اس لیے ان ترجیحات کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے، اور ان کو نصِ قطعی یا حرفِ آخر کا درجہ دینا درست نہیں، بلکہ ان میں بھی غور وفکر کر کے کسی دوسرے قول کو ترجیح دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے، اور اس میں تعصب اور جمود کو اختیار کرنا گناہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پانچواں حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی مذکورہ کتاب میں ہی فرماتے ہیں:

فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل من الاستنباط فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذى حفظ أقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز وسردها بشقشقة شدقيه والمحدث من عد الأحاديث صحيحها وسقيمها وهذها بقوة لحييه .

ولا أقول ذلک کلیا مطردا فان لله طائفة من عباده لا یضرهم من خذلهم وهم حجة الله فی أرضه وان قلوا.

ولم یأت قرن بعد ذلک إلا وهو أکثر فتنة وأوفر تقلیدا وأشد انتزاعا للأمانة من صدور الرجال حتی اطمأنوا بترک الخوض فی أمر الدین وبأن یقولوا (إنا وجدنا آباء نا علی أمة وإنا علی آثارهم مقتدون) وإلی الله المشتکی وهو المستعان وبه الثقة وعلیه التکلان (الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف، ص ۹۵، و ۹۶، باب حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبیان سبب الاختلاف بین الأوائل والأواخر الخ)

ترجمہ: پس ان کے بعد زمانے میں ایسے لوگ آئے کہ جن میں تقلیدِ محض پنہا تھی، اور ان کو حق کی باطل سے تمیز نہیں تھی، اور نہ جدل کی، استنباط سے تمیز تھی، پس آج کے دور میں فقیہ وہ ہے، جو چرب زبان اور خوب بولنے والا منہ پھٹ ہو، جس نے فقہاء کے اقوال کو ازبر محفوظ کرلیا ہو، قوی اقوال کو بھی اور ضعیف اقوال کو بھی، مگر اس کو ضعیف وقوی اور صحیح وغلط اور راجح اور مرجوح میں تمیز نہیں ہوتی۔

اور آج کے دور میں محدث وہ ہے، جو احادیث کو جمع کرلے، صحیح کو بھی اور کمزور کو بھی اور ان کو اپنے جبڑوں سے مضبوط پکڑ لے۔

اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب کے سب مردود ہیں، کیونکہ بے شک اللہ کے بندوں میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے، جن کو کسی کا رسوا کرنا ضرر نہیں پہنچاتا، اور وہ اللہ کی زمین میں حجۃ اللہ ہیں، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔

اور اس کے بعد جو زمانہ بھی آیا اس میں فتنے زیادہ ہی بڑھے، اور تقلید میں اضافہ ہوا، اور لوگوں کے سینوں سے امانت کے نکلنے میں شدت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں غور وفکر کے ترک کرنے پر اطمینان حاصل کرلیا، اور

اس طور پر کہ وہ یہ کہیں کہ ''إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمُ مُهْتَدُونَ '' کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اور ہم انہی کی اقتداء کر کے ہدایت پائیں گے، اور اللہ ہی کی طرف اپنے مسائل کا رجوع ہے اور وہی مددگار ہے، اور اسی پر بھروسہ ہے (الانصاف)

مذکورہ عبارت میں نہ صرف یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تقلید کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے، اور معتدل تقلید پر اصولی روشنی ڈال دی ہے، اسی کے ساتھ تقلید میں غلو و بے اعتدالی اختیار کرنے کی مذمت کو بھی پر زور انداز میں بیان کر دیا ہے، جس سے مقلدین وغیر مقلدین کے لیے صحیح نہج اور افراط و تفریط واضح ہو جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چھٹا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ''القول الجمیل ''میں فرماتے ہیں:

وأنا أوصى طالب الحق بأمور :منها أن لا يصحب جهال الصوفية ولا جهال المتعبدين ولا المتقشفة من الفقهاء ولا الظاهرية من المحدثين (القول الجميل مترجم ''شفاء العليل''، ص ۱۹۲ ،نویں فصل: آداب وشرائط عالمِ ربانی کا بیان، مطبوعہ: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

ترجمہ: اور میں حق کے طالب کو چند امور کی وصیت کرتا ہوں، ایک یہ کہ وہ جاہل صوفیاء کی صحبت اختیار نہ کرے، اور نہ ہی جاہل عابدوں کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی ''متقشف'' یعنی سخت اور جامد فقہاء کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی ظاہری محدثین کی صحبت اختیار کرے (القول الجمیل)

متقشف فقہاء سے وہ سخت اور جامد قسم کے فقہاء مراد ہیں، جو اپنے امام یا فقہ کی تقلید کسی صورت میں ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں کہ:

وسخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے رادستاویز ساختہ، تتبعِ سنت را ترک کردہ اند، نشنیدن وبدیشاں التفات نکردن (وصیت نامہ، المقالۃ الاضیئۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، وصیتِ اول، صفحہ ۳۰۲، مطبوعہ: مطبع احمدی، دہلی)

ترجمہ: اور سخت جامد فقہاء کہ جنہوں نے کسی عالم کی تقلید کر کے سنت کے تتبع کو ترک کر دیا ہے، ان کی باتیں نہ سنیں، اور ان کی طرف توجہ نہ کریں (وصیت نامہ)

اور محدثینِ ظاہریہ سے وہ لوگ مراد ہیں، جو کسی مجتہد کے قول کی طرف التفات نہ کریں۔ [1]

مگر متشددین و متعصبین کا ایک طبقہ جس طرح شاہ صاحب کے دور میں اور ان سے پہلے جاہل صوفیاء اور متقشف و جامد فقہاء سے وابستگی اور ان کی اندھی تقلید پر زور دیتا رہا، اور ان ہی پر تکیہ کر کے اور سہارا کر کے جم گیا تھا، وہی صورتِ حال آج ایک بڑے طبقے میں بھی پائی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ساتواں حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''التفھیمات الالٰھیۃ'' میں فرماتے ہیں:

انی اقول لھؤلاء المسمین انفسھم بالفقھاء الجامدین علی التقلید یبلغھم الحدیث من احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم باسناد صحیح، وقد ذھب الیہ جمع عظیم من الفقھاء المتقدمین ولا

---

[1] فھذہ طریقۃ المحققین من فقھاء المحدثین وقلیل ما ھم وھم غیر الظاھریۃ من أھل الحدیث الذین لا یقولون بالقیاس ولا الإجماع وغیر المتقدمین من أصحاب الحدیث ممن لم یلتفتوا إلی أقوال المجتھدین أصلا ولکنھم أشبہ الناس بأصحاب الحدیث لأنھم صنعوا فی أقوال المجتھدین ما صنع أولئک فی مسائل الصحابۃ والتابعین(عقد الجید، ص۱۸، فصل فی المجتھد المطلق المنتسب)

یمنعهم الا التقلید لمن لم یذهب الیه ولهؤلاء الظاهریة المنکرین للفقهاء الذین هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدین انهم جمیعا علی سفاهة وسخافة رأی وضلالة ، وان الحق امر بین بین

(التفهیمات الالٰهیة، ج ا ص ۲۰۹، مطبوعة:مدینة برقی پریس، بجنور، یوپی، تاریخ طبع:1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: میں ان سے مخاطب ہوں، جو لوگ اپنے آپ کو فقیہ کہتے ہیں، اور تقلیدِ خالص پر جمے بیٹھے ہیں، ان کے پاس صحیح سند سے مروی کوئی حدیث جب آتی ہے، جس پر فقہائے متقدمین کی ایک بڑی جماعت کا عمل ہوتا ہے، تو یہ تقلید ان کے لیے اس پر عمل سے مانع بنتی ہے۔

اور یہ ''ظاہری'' جو کہ فقہاء پر نکیر کرتے ہیں، جو کہ علم کا خلاصہ اور اہلِ دین کے مقتداء ہیں، ہر دو کی بابت میرا یہ کہنا ہے کہ یہ سخافتِ رائے اور گمراہی میں پڑے ہیں، اور حق ہر دو کے درمیان ہے (التفہیمات)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مجتہدین کی تقلید و عدمِ تقلید کے سلسلہ میں افراط وتفریط کرنے والے حضرات کی نشاندہی فرما کر اعتدال والے راستہ کو بھی واضح فرمادیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجتہدین کی تقلید میں تو حرج نہیں، لیکن جب کوئی حدیث یا قوی دلیل کسی مجتہد کے خلاف آجائے، تو اس پر عمل کرنا چاہیے، لیکن افسوس کہ اس طرزِ عمل کو اختیار کرنے والے پر آج جامد مقلدین طرح طرح کے اعتراضات کرکے اپنی عاقبت و آخرت خراب کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا آٹھواں حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''التفهیمات الالٰهیة'' میں

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

الاختلاف علی اربعة منازل ، اختلاف مردود: ولیس لقائله ولا لمقلده من بعده عذر، وهذا قلیل الوجود فی المذاهب الاربعة المدونة. واختلاف مردود: ولقائله عذر ما لم یبلغه حدیث صحیح دال علی خلافه، فاذا بلغه فلا عذر له. واختلاف مقبول: قد خیر الشارع المکلفین فی طرفیه تخیرا ظاهرا مطلقا کالاحرف السبعة من القرآن. واختلاف ادرکنا کون طرفیه مقبولین اجتهادا واستنباطا من بعض کلام الشارع صلوات الله علیه ، والانسان مکلف به لا مطلقا ، بل بشرط الاجتهاد وتأکد الظن والتقلید من حصل له ذلک (التفهیمات الالٰهیة، ج ۱ ص ۱۵۳، مطبوعة: مدینة برقی پریس، بجنور، یوپی، تاریخ طبع: 1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: اختلاف کے چار درجات ہیں، ایک اختلاف مردود: جس کے قائل اور اس کے بعد اس کے مقلد کے لیے کوئی عذر قبول نہیں، اور یہ اختلاف مدون شدہ مذاہب میں بہت کم ہے۔ دوسرا اختلاف بھی (فی نفسہٖ) مردود ہے، لیکن اس کے قائل کے لیے اس وقت تک عذر قبول ہے، جب تک اسے کوئی صحیح حدیث نہ پہنچے، جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہو، پس جب اس کو ایسی کوئی حدیث پہنچ جائے، تو اس کا عذر قبول نہیں۔ اور تیسرا اختلاف مقبول ہے کہ شارع نے مکلفین کو طرفین میں ظاہراً ومطلقاً اختیار دے دیا ہے، جیسے کہ قرآن کے سات طریقوں میں پڑھنے کا اختیار دے دیا ہے۔ اور چوتھا اختلاف وہ ہے، جس کے طرفین کے مقبول ہونے کا ادراک ہمیں شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام سے اجتہاد واستنباط کر کے حاصل ہوا ہے، اور انسان اس کا مکلّف ہے، لیکن مطلقاً مکلّف نہیں،

بلکہ اجتہاد اور ظن کے مؤکد ہونے کی شرط کے ساتھ مکلّف ہے، اور جس میں مذکورہ شرط موجود ہو، اس کی تقلید کر کے بھی مکلّف ہے (التفہیمات)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جس دوسرے اختلاف کا ذکر کیا ہے، آج بعض حضرات اس کے باوجود کہ اس کے خلاف صحیح حدیث پہنچ جاتی ہے، پھر بھی اس پر قائم رہتے ہیں، جو کہ مذموم اختلاف ہے، جبکہ سابق مجتہد وامام اس سلسلہ میں صحیح حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے معذور تھا، اسی طرح تیسرے اور چوتھے اختلاف کے بارے میں بھی بعض حضرات کا طرزِ عمل درست نہیں، چنانچہ یہ حضرات تیسرے قسم کے اختلاف میں اختیار کے قائل نہیں، بلکہ ان میں ایک قول پر جمود وانحصار کر کے دوسرے قول کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور چوتھے قسم کے اختلاف میں اجتہاد وظن کے ذریعہ اس کے خلاف رجحان ہونے کی صورت میں اس رجحان کی اتباع کے بجائے، دوسرے کی تقلید پر مصر ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تجدیدی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کیے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے، باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے، کسی نے اس طرزِ فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے:

''مذہبنا صواب یحتمل الخطاء، ومذہب غیرنا خطاء، یحتمل الصواب''

(ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے، خطاء کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب (فقہی) اصلاً ناصواب ہے، صحت کا احتمال ہے)

اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہبِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان

(جن کو امت نے عام طور پر سندِ قبول عطا کی، اور جن کے متعلق اہلِ حق و اہلِ علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃُ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے، اور یہ مذاہبِ حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جارہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف، منافرت تک اور بحث و مناظرہ بعض اوقات مجادلہ اور مقاتلہ تک پہنچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہلِ علم کے ساتھ ہوتا تھا، جو کلی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کردیتے تھے، اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم ومحدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی (1120ھ تا 1164ھ) ہیں، جو (بعض مصنفین کی روایت کے مطابق) اپنے اتباعِ حدیث وسلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمتِ حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلۂ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہبِ اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ ’’تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے خاص نوع کا کام لے گا‘‘ (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، ص۱۹۷، ۱۹۸، باب ششم: حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی، بعنوان ’’تطبیق بین الفقہ والحدیث، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مجددانہ کارناموں میں فقہی اختلاف میں تشدد وجمود کو ختم کرنا اور اعتدال پیدا کرنا بھی ہے، جس میں فقہ اور حدیث کے درمیان تطبیق اور مذاہبِ اربعہ کے درمیان جمع وتالیف اور اس کے نتیجہ میں امت کی شیرازہ بندی کے خاص نوع کا کام بھی ہے، لیکن افسوس کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنے والے حضرات آج بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مذکورہ مجددانہ کارنامہ کو نظر انداز کر کے اسی غلطی کا شکار ہیں، اور آج حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اس تجدیدی کارنامہ کو بہت اہتمام کے ساتھ آگے بڑھانے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات کا ذکر کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

ائمہ اربعہ کے علوِّ شان، وسعتِ علم، دقتِ نظر اور امت پر احسان سے (ان کی کتابوں اور تاریخ وتراجم کے ذریعہ) براہِ راست واقفیت اور ان سے دِلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ وحدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن واعتدال پیدا ہوگیا، جس کی قدرتاً ان علماء ومصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی، جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہبِ فقہی اور اس کے بانی ومؤسس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی (بہت سے طبعی وشخصی اسباب کی بناء پر) نوبت نہیں آتی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن ومعتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے، جو انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو اِن کی طبع سلیم، ذوقِ صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہِ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی، تو ان کے طرزِ عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، اس گروہ میں

متقدمین میں علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے، اور اس کا ہر مسلمان کو مکلّف قرار دینا ''**تکلیف مالا یطاق**'' ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا، جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا، اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام ''فاسق'' اور ''ضال'' سے یاد کرتا تھا، جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین اور کسی خاص مذہبِ فقہی کے متبعین کو (اسی طرح کے سخت فقہی احکام فاسق اور ضالّ سے یاد کرتا تھا)، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت ونظم پیدا کرنے، اور احکامِ شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انہوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا، جس نے اس کو ایک مذہبِ فقہی اور مسئلۂ اجتہادی کے بجائے منصوص اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اور اس کی جو تعبیر کی، وہ روحِ شریعت سے قریب تر، قرنِ اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرتِ انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں، عبادات اور معاملات میں جو نئے نئے مسائل ومشکلات پیش آتے تھے، ان کو وہ کس طرح سے حل کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵، باب ششم، اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معتدل ومتوسط طرزِ عمل کی ایک جھلک ان کی عبارات کے تناظر میں پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

باقی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ''فقہِ ولی اللّٰہی پر ایک نظر'' میں ذکر کردی ہے، جس کی روشنی میں موجودہ دور کے متشددین اور متعصبین اپنے طرزِ عمل کو ملاحظہ کر سکتے ہیں، اور اپنے افراط وتفریط والے عمل کی اصلاح کر کے اعتدال کی نعمت سے مستفید ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد دوسری شخصیت علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے، جن کے مسائل کی تشریح میں علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ نے اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا، اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی تحسین فرمائی، اب ان کی چند عبارات و حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

أما أنواع الاختلاف فهي في الأصل قسمان اختلاف تنوع واختلاف تضاد.

واختلاف التنوع على وجوه منه ما يكون كل واحد من القولين أو الفعلين حقا مشروعا كما في القراء ات التي اختلف فيها الصحابة حتى زجرهم رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الاختلاف وقال كلا كما محسن.

ومثله اختلاف الأنواع في صفة الأذان والإقامة والاستفتاح والتشهدات وصلاة الخوف وتكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة

إلى غير ذلك مما شرع جميعه وإن كان قد يقال إن بعض أنواعه أفضل.

ثم نجد لكثير من الأمة فى ذلك من الاختلاف ما أوجب اقتتال طوائف منهم كاختلافهم على شفع الإقامة وإيتارها ونحو ذلك وهذا عين المحرم.

ومن لم يبلغ هذا المبلغ فتجد كثيرا منهم فى قلبه من الهوى لأحد هذه الأنواع والإعراض عن الآخر أو النهى عنه ما دخل به فيما نهى عنه النبى صلى الله عليه و سلم .

ومنه ما يكون كل من القولين هو فى الواقع فى معنى قول الآخر لكن العبارتان مختلفتان كما قد يختلف كثير من الناس فى ألفاظ الحدود والتعريفات وصيغ الأدلة والتعبير عن المسميات وتقسيم الأحكام وغير ذلك، ثم الجهل أو الظلم هو الذى يحمل على حمد إحدى المقالتين وذم الأخرى.

ومنه ما يكون المعنيان غيرين لكن لا يتنافيان فهذا قول صحيح وذلك قول صحيح وإن لم يكن معنى أحدهما هو معنى الآخر وهذا كثير فى المنازعات جدا.

ومنه ما يكون طريقتان مشروعتان ولكن قد سلك رجل أو قوم هذه الطريقة وآخرون قد سلكوا الأخرى وكلاهما حسن فى الدين. ثم الجهل أو الظلم يحمل على ذم أحدهما أو تفضيله بلا قصد صالح أو بلا علم أو بلا نية .

وأما اختلاف التضاد فهو القولان المتنافيان إما فى الأصول وإما

فی الفروع عند الجمهور الذين يقولون المصيب واحد وإلا فمن قال كل مجتهد مصيب فعنده هو من باب اختلاف التنوع لا اختلاف التضاد.

فهذا الخطب فيه أشد لأن القولين يتنافيان لكن نجد كثيرا من هؤلاء قد يكون القول الباطل الذى مع منازعه فيه حق ما أو معه دليل يقتضى حقا ما فيرد الحق فى هذا الأصل كله حتى يبقى هذا مبطلا فى البعض كما كان الأول مبطلا فى الأصل كما رأيته لكثير من أهل السنة فى مسائل القدر والصفات والصحابة وغيرهم.

وأما أهل البدعة :فالأمر فيهم ظاهر وكما رأيته لكثير من الفقهاء ، أو لأكثر المتأخرين فى مسائل الفقه، وكذلک رأيت الاختلاف كثيرا بين بعض المتفقهة، وبعض المتصوفة، وبين فرق المتصوفة، ونظائره كثيرة.

ومن جعل الله له هداية ونورا رأى من هذا ما يتبين له به منفعة ما جاء فى الكتاب والسنة :من النهى عن هذا وأشباهه، وإن كانت القلوب الصحيحة تنكر هذا ابتداء ، لكن نور على نور.

وهذا القسم -الذى سميناه :اختلاف التنوع -كل واحد من المختلفين مصيب فيه بلا تردد، لكن الذم واقع على من بغى على الآخر فيه، وقد دل القرآن على حمد كل واحد من الطائفتين فى مثل ذلک إذا لم يحصل بغى. كما فى قوله :(ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله)وقد كانوا اختلفوا فى قطع الأشجار فقطع قوم وترک آخرون.

وكـمـا فـى قوله: (وداود وسليمان إذ يحكمان فى الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين – ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما)فخص سليمان بالفهم وأثنى عليهما بالعلم والحكم.

وكـمـا فى إقرار النبى صلى الله عليه وسلم -يوم بنى قريظة لمن صلى العصر فى وقتها، ولمن أخرها إلى أن وصل إلى بنى قريظة.

وكـمـا فى قوله صلى الله عليه وسلم :إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر. ونظائره كثيرة.

وإذا جعلت هذا قسما آخر صار الاختلاف ثلاثة أقسام .

وأما القسم الثانى من الاختلاف المذكور فى كتاب الله :فهو ما حمد فيه إحدى الطائفتين، وهم المؤمنون، وذم فيه الأخرى ......وأكثر الاختلاف الذى يؤول إلى الأهواء بين الأمة من القسم الأول وكذلك آل إلى سفك الدماء ، واستباحة الأموال، والعداوة والبغضاء ؛ لأن إحدى الطائفتين لا تعترف للأخرى بما معها من الحق ولا تنصفها بل تزيد على ما مع نفسها من الحق زيادات من الباطل والأخرى كذلك.

وكذلك جعل الله مصدره البغى فى قوله :(وما اختلف فيه إلا الذين أوتوه من بعد ما جائتهم البينات بغيا بينهم)لأن البغى : مجاوزة الحد (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لابن تيمية، ج ا ص١٤٨ الىٰ ١٥٦ ، ملخصاً،فصل فى ذكر الأدلة على الأمر بمخالفة الكفار عموما وفى أعيادهم خصوصا، انواع الاختلاف)

ترجمہ: جہاں تک کہ اختلاف کی اقسام کا تعلق ہے، تو وہ بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، ایک کا نام ''اختلافِ تنوع'' ہے، اور دوسری کا نام ''اختلافِ تضاد'' ہے۔

اور ''اختلافِ تنوع'' کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں سے ایک صورت وہ ہے کہ دو اقوال یا دو افعال میں سے ہر ایک حق اور مشروع ہو، جیسا کہ قرآن کی وہ تمام قرائتیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سلسلہ میں اختلاف کرنے سے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ تم دونوں اچھا عمل کرنے والے ہو۔

اور اسی طرح اذان اور اقامت اور نماز شروع کرنے کی دعاؤں اور تشہد کے صیغوں اور نمازِ خوف اور عید کی تکبیرات اور جنازہ کی تکبیرات اوران کے علاوہ ان تمام اعمال کے طریقوں کی مختلف انواع ہیں، جو سب کی سب مشروع ہیں، اگرچہ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ بعض انواع افضل ہیں (لیکن اس کے باوجود یہ اختلافِ تنوع میں ہی داخل ہیں)

پھر امت کے بہت سے افراد کو ہم اس سلسلہ میں ایسے اختلاف میں مبتلا پاتے ہیں، جو اِن میں سے بعض جماعتوں کے ساتھ قتال کو ثابت کرتا ہے، جیسا کہ اقامت دو دو مرتبہ یا ایک ایک مرتبہ کہنا اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل میں اختلاف، اور یہ (یعنی اس قسم کے مسائل میں مذکورہ تشدد اختیار کرنا) بذاتِ خود حرام کام ہے۔

اور جو اس حد تک نہیں پہنچے (کہ ان مسائل میں ایک دوسرے سے قتال کے مرتکب ہوں) تو اُن میں سے اکثر کو آپ اس حالت میں مبتلا پائیں گے کہ ان کے دل میں ان مسائل کی بعض جہات کے لیے خواہش ہوگی، اور دوسری جہات سے اعراض ہوگا، یا ان کے دل میں ممانعت ہوگی، اور یہ طریقے (خواہ قتال کی

شکل میں ہوں یا ایک صورت سے اعراض وممانعت کی شکل میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ چیزوں میں داخل ہیں۔ [1]

اور ’’اختلافِ تنوع‘‘ کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں قولوں میں سے ہر ایک دوسرے قول کے معنیٰ میں ہو، لیکن دونوں کی عبارات مختلف ہوں، جیسا کہ بعض اوقات بہت سے حضرات کا حدود اور تعریفات کے الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے، اور دلائل کے صیغوں میں اور چیزوں کے ناموں کی تعبیر میں اور احکام کی تقسیم وغیرہ میں اختلاف ہوتا ہے، پھر جہل یا ظلم ان دو اقوال میں سے ایک کی تعریف پر اور دوسرے کی برائی کرنے پر ابھار دیتا ہے۔ [2]

اور ’’اختلافِ تنوع‘‘ کی ایک صورت یہ ہے کہ جن کے معنیٰ ایک دوسرے سے مختلف ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے متنافی نہ ہوں، اور یہ قول بھی صحیح ہو اور ان میں سے دوسرا قول بھی صحیح ہو، اگرچہ ان میں سے ایک، دوسرے کے معنیٰ میں نہ ہو، اور آپس کے تنازعات میں اس طرح کے مسائل بہت زیادہ ہیں۔ [3]

اور ’’اختلافِ تنوع‘‘ کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں طریقے مشروع ہوں، لیکن ایک آدمی یا ایک قوم اس طریقہ پر چلے، اور دوسرے لوگ دوسرے طریقہ پر چلیں، اور دونوں طریقے دین میں اچھے ہوں، پھر جہل یا ظلم ان میں سے ایک کی برائی یا فضیلت پر ابھار دے، جس میں نیک ارادہ شامل نہ ہو، یا علم کے بغیر ایسا

---

[1] یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے امور سے منع کیا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی اگرچہ مندرجہ بالا نوعیت کا اختلاف ایک دوسرے کے متعارض نہیں ہوتا، لیکن جہالت یا تعصب وظلم وغیرہ کی وجہ سے ان میں سے ایک عمل کی تعریف اور دوسرے کی برائی پر ابھار دیتا ہے۔ محمد رضوان۔

[3] اس قسم کے مسائل میں بھی جہالت یا تعصب کی بنیاد پر بہت سے لوگوں نے تشدد کی فضا قائم کر لی ہے، جس کی وجہ سے یہ اختلاف تنوع کے بجائے متضاد معلوم ہونے لگا ہے۔ محمد رضوان۔

کرے یا نیت کے بغیر ایسا کرے۔ [1]

جہاں تک کہ ''اختلافِ تضاد'' کا تعلق ہے، تو وہ ایسے دو قول کہلاتے ہیں، جو ایک دوسرے کے متنافی اور مقابل ہوں، یا تو اصول میں یا فروع میں، جمہور کے نزدیک جو اس بات کے قائل ہیں کہ مجتہد مصیب ایک ہوتا ہے، ورنہ جو حضرات ہر مجتہد کے مصیب ہونے کے قائل ہیں، تو ان کے نزدیک یہ بھی اختلافِ تنوع کے باب سے ہی تعلق رکھتا ہے، اختلافِ تضاد کے باب سے تعلق نہیں رکھتا۔

پس اس ''اختلافِ تضاد'' کا معاملہ زیادہ شدید ہے، کیونکہ یہاں دونوں قول ایک دوسرے کے منافی ہوتے ہیں، لیکن ہم ان میں سے بیشتر کو اس حال میں پاتے ہیں کہ وہ قول جس کے ساتھ باطل کی منازعت ہوتی ہے، اس میں بھی فی الجملہ حق موجود ہوتا ہے، یا اس کے ساتھ ایسی دلیل ہوتی ہے، جو فی الجملہ حق کا تقاضا کرتا ہے، پس وہ اس اصل کے کلی حق ہونے کی تردید کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا جزوی حیثیت سے باطل ہونا باقی رہ جاتا ہے، جیسا کہ اول بھی اصل میں باطل کرنے والا تھا (یعنی ہر ایک کے ساتھ فی الجملہ حق کا تقاضا یا حق کی دلیل ہونے کی وجہ سے کسی ایک کا بھی بالکلیہ بطلان ثابت نہیں ہوتا، اور دونوں میں سے ہر ایک کے حق وصواب پر ہونے کا احتمال موجود ہوتا ہے) جیسا کہ آپ قدر اور صفات کے بیشتر مسائل میں اہلُ السنۃ والجماعۃ اور صحابہ وغیرہ کے اختلاف کو دیکھتے ہیں۔

اور رہے اہلِ بدعت، تو ان میں اُن کا حکم ظاہر ہے (کہ ان کے ساتھ فی الجملہ حق ہونے کی معتبر دلیل نہیں ہوتی) اور جیسا کہ آپ اکثر فقہاء کو دیکھتے ہیں، یا اکثر

---

[1] چنانچہ فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ مثلاً امام شافعی وغیرہ نے ایک طریقہ کو اختیار کیا، اور امام ابوحنیفہ نے دوسرے طریقہ کو اختیار کیا، مگر ان میں سے کسی طریقہ کو دوسرے نے بُرا نہ کہا، اور شرعی دلائل سے دونوں کا ثبوت پایا جاتا ہے، جیسا کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا، لیکن بعد میں مختلف اسباب نے ان میں تشدد پیدا کر دیا، اور ایک نے دوسرے کی قباحت بیان کرنا شروع کر دی، جیسا کہ آج کل اس پر بے شمار تحریرات وتقریرات شاہد ہیں۔ محمد رضوان۔

متاخرین کو فقہ کے مسائل میں دیکھتے ہیں، اور اسی طریقہ سے اکثر اختلاف کو بعض پر تکلف فقہاء اور بعض پر تکلف صوفیاء میں دیکھتے ہیں، یا بعض پر تکلف صوفیاء کے فرقوں کے درمیان دیکھتے ہیں، اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں (کہ یہ سب ''اختلافِ تضاد'' کی صورتیں ہوتی ہیں)

اور جس کو اللہ ہدایت اور نور عطاء فرمادیں، تو اس طرح کے مسائل میں اس کے سامنے کتاب وسنت سے نفع والی چیز ظاہر ہوجاتی ہے، جس میں اس سے یا ان جیسی چیزوں سے ممانعت آئی ہے (کہ اس طرح کے اختلافات میں شدت نہ اختیار کی جائے، اور ان کو اختلافِ تضاد کا درجہ دینے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے) اگرچہ صحیح قلوب اس کا ابتداءً انکار کرتے ہیں، لیکن نور پر نور ہونے سے کتاب وسنت سے رجحان ظاہر ہوجاتا ہے، اور یہ قسم جس کا نام ہم نے ''اختلافِ تنوع'' رکھا ہے، ان میں اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک بلاتردد مصیب ہوتا ہے، لیکن مذمت ایک کے دوسرے پر زیادتی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید نے اس جیسی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کی تعریف پر دلالت کی ہے، جب تک کہ زیادتی واقع نہ ہو، جیسا کہ (سورہ حشر میں) اللہ تعالیٰ کے قول ''مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ'' میں کہ صحابۂ کرام کا درختوں کے کاٹنے میں اختلاف ہوا تھا، بعضوں نے درختوں کو کاٹ دیا تھا، اور دوسروں نے چھوڑ دیا تھا (مگر ان دونوں کاموں کو اللہ کی اجازت سے قرار دیا گیا)

اور جیسا کہ (سورہ انبیاء میں) اللہ تعالیٰ کے قول ''وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ - فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا'' میں کہ اللہ

نے حضرت سلیمان کو فہم کے ساتھ مختص فرمایا، لیکن ان دونوں کی علم اور حکمت پر تعریف فرمائی۔

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی قریظہ کے دن اس شخص کے لیے جس نے عصر کو اپنے وقت پر پڑھا، اور اس کے لیے جس نے بنی قریظہ میں پہنچ کر مؤخر کر کے پڑھا، دونوں کو ثابت رکھا۔

اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''جب حاکم اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے، تو اسے دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور جب اجتہاد میں خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے'' (نصوص میں)اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اور جب آپ اس کو دوسری قسم قرار دے دیں، تو اختلاف کی تین اقسام بن جائیں گی (یعنی تیسری قسم ایسے ''اختلافِ تضادؔ'' کی ہوگی، جن میں سے ہر ایک برحق اور مشروع ہے)

اور اختلاف کی دوسری قسم جس کا کتابُ اللہ میں ذکر ہے، وہ ایسی ہے کہ جس میں دو جماعتوں میں سے ایک کی تعریف کی ہے، جو کہ مومنین کی جماعت ہے، اور دوسرے کی مذمت بیان کی ہے، جو کہ کافروں کی جماعت ہے......اور امت کے درمیان اکثر اختلافات جو خواہش پرستی تک پہنچ گئے، ان کا تعلق پہلی قسم سے تھا، اور اسی طریقہ سے خون ریزی تک پہنچ گئے، اور ایک دوسرے کے مال ودولت کو مباح سمجھنے تک پہنچ گئے، اور عداوت اور بغض تک پہنچ گئے، کیونکہ دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت دوسری جماعت کے ساتھ جو حق ہے، اس کا اعتراف نہیں کرتی، اور نہ اس کو آدھا حق فراہم کرنے کے لیے تیار ہوتی، بلکہ اپنے ساتھ جو حق ہوتا ہے، اس کے ساتھ باطل کو زیادہ کر دیتی ہے، اور دوسری

بھی اسی طرح کرتی ہے۔

اور اسی طریقہ سے اللہ نے اس کی بنیاد ''زیادتی'' کو قرار دیا ہے، جیسا کہ (سورہ بقرہ میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ '' کیونکہ ''بغی'' دراصل حد سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے (اقتضاء الصراط المستقیم)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہائے مجتہدین کے مابین بیشتر مسائل کا اختلاف، تنوّع کے قبیل سے ہے، جس میں دونوں طرف کے حضرات مصیب ہیں، البتہ کچھ اختلاف تضاد کے قبیل سے ہے، لیکن وہ بھی باطل نہیں، بلکہ ایک درجہ کے صواب وخطاء کا اختلاف ہے، لیکن احادیث سے مخطی کو بھی اجر کا حاصل ہونا ثابت ہے، لیکن اس میں تعصب وتشدد اختیار کرنا، اجروثواب کے بجائے گناہ کا باعث ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے تفصیلی جواب میں فرماتے ہیں کہ:

وإذا كان الرجل متبعا لأبى حنيفة أو مالك أو الشافعى أو أحمد: ورأى فى بعض المسائل أن مذهب غيره أقوى فاتبعه كان قد أحسن فى ذلك، ولم يقدح ذلك فى دينه .ولا عدالته بلا نزاع؛ بل هذا أولى بالحق، وأحب إلى الله ورسوله – صلى الله عليه وسلم – ممن يتعصب لواحد معين، غير النبى – صلى الله عليه وسلم – كمن يتعصب لمالك أو الشافعى أو أحمد أو أبى حنيفة، ويرى أن قول هذا المعين هو الصواب الذى ينبغى اتباعه، دون قول الإمام الذى خالفه.

فمن فعل هذا كان جاهلا ضالا: بل قد يكون كافرا؛ فإنه متى اعتقد أنه يجب على الناس اتباع واحد بعينه من هؤلاء الأئمة دون الإمام الآخر فإنه يجب أن يستتاب، فإن تاب وإلا قتل .بل غاية ما يقال: إنه يسوغ أو ينبغي أو يجب على العامي أن يقلد واحدا لا بعينه، من غير تعيين زيد ولا عمرو.

وأما أن يقول قائل: إنه يجب على العامة تقلد فلان أو فلان، فهذا لا يقوله مسلم.

ومن كان مواليا للأئمة محبا لهم يقلد كل واحد منهم فيما يظهر له أنه موافق للسنة فهو محسن في ذلك .بل هذا أحسن حالا من غيره، ولا يقال لمثل هذا مذبذب على وجه الذم .وإنما المذبذب المذموم الذي لا يكون مع المؤمنين، ولا مع الكفار، بل يأتي المؤمنين بوجه، ويأتي الكافرين بوجه (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۲،ص ۱۰۴، ۱۰۵ ،مسألة صلى حنفي في جماعة فأسر نيته ورفع يديه في كل تكبيرة)

ترجمہ: اور جب ایک شخص امام ابوحنیفہ یا امام مالک، یا امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کی اتباع وتقلید کرنے والا ہو، اور وہ بعض مسائل میں دوسرے مذہب میں زیادہ قوت دیکھے، پھر اس کی اتباع کرے، تو اس کی وجہ سے وہ مستحسن عمل کرنے والا شمار ہوگا، اور اس کی وجہ سے نہ تو اس کے دین میں کوئی نقص واقع ہوگا، اور نہ ہی اس کی عدالت وثقاہت میں کوئی خلل واقع ہوگا، اور اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں (اور غیر فقہاء کا اختلاف مضر نہیں، جیسا کہ آج کل بہت سے غیر فقیہ جامد علماء کا اختلاف ہے) بلکہ حق کی اتباع کے زیادہ لائق یہی طرزِ عمل ہے، اور اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کی دلیل بھی یہی ہے، اس شخص کے مقابلہ میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی ایک متعین شخصیت کے لئے تعصُّب اختیار کرتا ہے، جیسا کہ وہ شخص جو امام مالک کے لئے یا امام شافعی کے لئے یا امام احمد کے لئے یا امام ابوحنیفہ کے لئے تعصُّب اختیار کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس معین شخصیت کا قول ہی صواب ہے، جس کی اتباع ضروری ہے، نہ کہ اس امام کے قول کی، جس نے اس کی مخالفت کی۔

جس نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا، تو وہ جاہل اور گمراہ ہوگا، بلکہ بعض صورتوں میں کافر بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ جب اس نے یہ اعتقاد کرلیا کہ لوگوں پر ان اماموں میں سے کسی ایک امام کی متعین طریقہ پر اتباع واجب ہے، نہ کہ دوسرے امام کی، تو اس سے توبہ طلب کرنا واجب ہے، اگر توبہ کرلے، تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے (ارتداد کے عقیدہ کی وجہ سے) قتل کیا جائے گا (کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ مومن پر کسی اور کی متعین طریقہ پر اتباع واجب ہونے کا قول شریعت میں مخترع قول ہے، اور ختمِ نبوت کے عقیدہ کے برخلاف ہے) بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات جائز ہے یا یہ بات مناسب ہے یا یہ بات واجب ہے، کہ عامی شخص کسی ایک امام کی تقلید کرے، زید اور عمرو کی تعیین کے بغیر۔

اور اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ عام لوگوں پر فلاں یا فلاں کی تقلید واجب ہے، تو مسلمان ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

اور جو شخص ائمہ ومجتہدین سے محبت رکھے، اُن میں سے ہر ایک کی اُن مسائل میں تقلید کرے، جن میں اس کے لئے یہ ظاہر ہوجائے کہ اس کا قول سنت کے موافق ہے، تو وہ اس سلسلہ میں اچھا عمل کرنے والا ہے، بلکہ اس کی حالت دوسروں کی

حالت سے اچھی ہے، اور ایسے شخص کو مذموم (یعنی جس تردد وتذبذب پر قرآن میں مذمت آئی ہے ’’مذبذبین بین ذٰلک ‘‘ آیت میں) مذبذب نہیں کہا جائے گا، مذموم وقابلِ نکیر مذبذب تو وہ ہے کہ جو نہ تو مؤمنین کے ساتھ ہو، اور نہ کافروں کے ساتھ ہو، بلکہ ایک طریقہ پر مؤمنین کے ساتھ ہو، اور ایک طریقہ پر کافروں کے ساتھ ہو (فتاویٰ ابنِ تیمیہ)

اب علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کی روشنی میں وہ حضرات اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے سکتے ہیں، جو مستحسن عمل کرنے والے کو قبیح عمل کرنے والا شمار کرتے ہیں، اور اس کے دین میں نقص واقع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے اس کی عدالت وثقاہت میں خلل واقع ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور اس کو حق کی اتباع کے خلاف قرار دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے منافی قرار دیتے ہیں، فیا للعجب۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ مذکورہ مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

وهذا أبو يوسف ومحمد أتبع الناس لأبى حنيفة وأعلمهم بقوله، وهما قد خالفاه فى مسائل لا تكاد تحصى، لما تبين لهما من السنة والحجة ما وجب عليهما اتباعه، وهما مع ذلك معظمان لإمامهما .لا يقال فيهما مذبذبان؛ بل أبو حنيفة وغيره من الأئمة يقول القول ثم تتبين له الحجة فى خلافه فيقول بها، ولا يقال له مذبذب؛ فإن الإنسان لا يزال يطلب العلم والإيمان .فإذا تبين له من العلم ما كان خافيا عليه اتبعه، وليس هذا مذبذبا؛ بل هذا مهتد زاده الله هدى .وقد قال تعالى: وقل رب زدنى علما.فالواجب على كل مؤمن موالاة المؤمنين، وعلماء المؤمنين، وأن يقصد

الحق ويتبعه حيث وجده، ويعلم أن من اجتهد منهم فأصاب فله أجران، ومن اجتهد منهم فأخطأ فله أجر لاجتهاده، وخطؤه مغفور له.

وعلى المؤمنين أن يتبعوا إمامهم إذا فعل ما يسوغ؛ فإن النبى – صلى الله عليه وسلم – قال إنما جعل الإمام ليؤتم به وسواء رفع يديه أو لم يرفع يديه لا يقدح ذلک فى صلاتهم، ولا يبطلها، لا عند أبى حنيفة ولا الشافعى ولا مالک ولا أحمد،ولو رفع الإمام دون المأموم، أو المأموم دون الإمام لم يقدح ذلک فى صلاة واحد منهما، ولو رفع الرجل فى بعض الأوقات دون بعض لم يقدح ذلک فى صلاته.

وليس لأحد أن يتخذ قول بعض العلماء شعارا يوجب اتباعه، وينهى عن غيره مما جائت به السنة؛ بل كل ما جائت به السنة فهو واسع: مثل الأذان والإقامة .فقد ثبت فى الصحيحين عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه أمر بلالا أن يشفع الأذان، ويوتر الإقامة،وثبت عنه فى الصحيحين أنه علم أبا محذورة الإقامة شفعا شفعا، كالأذان فمن شفع الإقامة فقد أحسن ومن أفردها فقد أحسن، ومن أوجب هذا دون هذا فهو مخطء ضال، ومن والى من يفعل هذا دون هذا بمجرد ذلک فهو مخطء ضال.

وبلاد الشرق من أسباب تسليط الله التتر عليها كثرة التفرق والفتن بينهم فى المذاهب وغيرها، حتى تجد المنتسب إلى الشافعى يتعصب لمذهبه على مذهب أبى حنيفة حتى يخرج عن

الدين، والمنتسب إلى أبى حنيفة يتعصب لمذهبه على مذهب الشافعى وغيره حتى يخرج عن الدين، والمنتسب إلى أحمد يتعصب لمذهبه على مذهب هذا أو هذا .وفى المغرب تجد المنتسب إلى مالک يتعصب لمذهبه على هذا أو هذا .وكل هذا من التفرق والاختلاف الذى نهى الله ورسوله عنه.

وكل هؤلاء المتعصبين بالباطل، المتبعين الظن، وما تهوى الأنفس المتبعين لأهوائهم بغير هدى من الله، مستحقون للذم والعقاب .وهذا باب واسع لا تحتمل هذه الفتيا لبسطه؛ فإن الاعتصام بالجماعة والائتلاف من أصول الدين، والفرع المتنازع فيه من الفروع الخفية، فكيف يقدح فى الأصل بحفظ الفرع، وجمهور المتعصبين لا يعرفون من الكتاب والسنة إلا ما شاء الله، بل يتمسكون بأحاديث ضعيفة، أو آراء فاسدة أو حكايات عن بعض العلماء والشيوخ قد تكون صدقا، وقد تكون كذبا، وإن كانت صدقا فليس صاحبها معصوما يتمسكون بنقل غير مصدق، عن قائل غير معصوم، ويدعون النقل المصدق عن القائل المعصوم وهو ما نقله الثقات الأثبات من أهل العلم ودونوه فى الكتب الصحاح، عن النبى – صلى الله عليه وسلم ،فإن الناقلين لذلک مصدقون باتفاق أئمة الدين، والمنقول عنه معصوم لا ينطق عن الهوى، إن هو إلا وحى يوحى، قد أوجب الله تعالى على جميع الخلق طاعته واتباعه .قال تعالى:فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا

مما قضيت ويسلموا تسليما. وقال تعالى: فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم. والله تعالى يوفقنا وسائر إخواننا المؤمنين لما يحبه ويرضاه من القول والعمل، والهدى والنية، والله أعلم (الفتاوىٰ الكبرىٰ لابنِ تيمية، ج۲، ص۱۰۸ الىٰ ۱۱۰، مسألة صلى حنفى فى جماعة فأسر نيته ورفع يديه فى كل تكبيرة)

ترجمہ: اور یہ امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں کہ سب لوگوں سے زیادہ امام ابوحنیفہ کے متبع (اور امام ابوحنیفہ کے مسلک واقوال کو سمجھنے سمجھانے والے) ہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کو زیادہ جانتے ہیں (بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو امام ابوحنیفہ کے اقوال کا علم ہوا، کیونکہ یہ حضرات امام صاحب کے براہِ راست شاگرد تھے، اور ان حضرات نے ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کی تبلیغ کی) لیکن اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتنے زیادہ مسائل میں اختلاف کیا کہ جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان حضرات کے سامنے سنت اور دوسرے دلائل سے وہ چیز واضح ہوچکی تھی، جس کی (وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مخالفت کرتے ہوئے، ان دلائل کی) اتباع ان پر واجب تھی، اس کے باوجود یہ حضرات اپنے امام ابوحنیفہ کی تعظیم کرتے ہیں، یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حضرات (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عقیدت وعظمت وغیرہ میں) مذبذب ہیں۔ [1]

بلکہ امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ ایک قول کو اختیار کرتے ہیں، پھر دلائل سے اس کے خلاف کی ترجیح ان کے سامنے ظاہر ہوجاتی ہے، تو وہ اسی کے مطابق قول اختیار کرلیتے ہیں، اور یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ مذبذب ہیں، کیونکہ انسان ہمیشہ علم کو

---

[1] آج بعض حضرات کے یہاں اپنے استاذ یا شیخ یا اپنے اکابر کے قول کے خلاف دلیل سے کسی قول کے راجح ظاہر ہونے پر اس کی اتباع کرنے کو اپنے استاذ یا شیخ یا اکابر کی تعظیم کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

اور ایمان کو طلب کرتا رہتا ہے، پس جب اس کو علم کی وہ بات ظاہر ہو جاتی ہے، جو اس پر مخفی تھی، تو وہ اس کی اتباع کرتا ہے، اور اس کو مذبذب نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کو ہدایت پانے والا کہا جاتا ہے، جس کی ہدایت کو اللہ نے زیادہ فرمادیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا (سورۂ طٰہٰ میں) ارشاد ہے کہ: ''آپ کہئے کہ اے میرے رب! زیادہ کردیجئے میرے علم کو'' (ہر مومن کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اور دلیل سے اپنے امام یا اپنے بزرگوں کے خلاف دوسرے قول کی تقویت سامنے آنے کے باوجود اس کو قبول نہ کرنا یا اس کا اعتراف نہ کرنا ہدایت وعلم میں اضافہ کا طریقہ نہیں) [1]

پس ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ دوسرے مؤمنین سے محبت رکھے، اور مؤمنوں کے علماء سے بھی محبت رکھے، اور حق کو طلب کرے، اور جہاں سے بھی حق ملے، اس کی اتباع کرے (خواہ وہ اپنے امام یا بزرگ کا قول ہو، یا دوسرے امام وبزرگوں کا قول ہو، تعصب نہ کرے) اور یہ بات جان لے کہ جس نے بھی علمائے مؤمنین میں سے اجتہاد کیا، پھر درست اجتہاد کیا، تو اسے دو اجر حاصل ہوں گے، اور جس نے اُن میں سے اجتہاد کیا، اور اس سے اجتہاد میں خطاء ہوئی، تو اس کو اس کے اجتہاد پر ایک اجر حاصل ہوگا، اور اس کی خطا معاف کردی جائے گی (مگر اجتہاد کرنے کے باوجود اپنی رائے کے اظہار واختیار کرنے میں خیانت پر اجروثواب کے بجائے مؤاخذہ ہوگا) [2]

---

[1] مگر آج بعض حضرات مذکورہ بالا ہدایات اور علم کی زیادتی کو ضلالت اور جہالت کی زیادتی سے تعبیر کرتے ہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ محمد رضوان۔

[2] مگر متعصبین ومتشددین کا طبقہ نہ تو اس بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہے کہ حق جہاں سے بھی ملے، اس کی اتباع کرے، بلکہ اس کے بجائے صرف اور صرف اپنے امام یا بزرگوں کی اتباع ہی پر اصرار کیے ہوئے ہے، اور مخصوص علماء کے علاوہ دوسرے قول کے حامل علماء وفقہاء سے محبت رکھنے کے بجائے بغض وعداوت یا تعصب اختیار کرتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مؤمنین پر اپنے امام کی (نماز میں) اتباع واجب ہے، جبکہ ان کا امام وہ فعل اختیار کرے، جس کی گنجائش ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کو صرف اس لئے مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، چاہے وہ رفع یدین کرے، یا رفع یدین نہ کرے، اس کی وجہ سے ان کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، اور نہ ہی نماز باطل ہوتی، نہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور نہ امام شافعی کے نزدیک اور نہ امام مالک کے نزدیک، اور نہ امام احمد کے نزدیک، اور اگر امام رفع یدین کرے، اور مقتدی رفع یدین نہ کرے، یا مقتدی رفع یدین کرے، امام رفع یدین نہ کرے، تو اس کی وجہ سے بھی امام یا مقتدی کسی کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا، اور اگر ایک آدمی بعض اوقات رفع یدین کرے، اور بعض اوقات رفع یدین نہ کرے، تو اس کی وجہ سے بھی اس کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ [1]

اور کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ بعض علماء (یا اکابر) کے قول کو ایسا شعار بنالے، جس کی اتباع واجب ہو، اور (ان علماء وفقہاء کے علاوہ) دوسرے کے اس قول کو لینے سے منع کرے، جس کا سنت سے ثبوت پایا جاتا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے قول کا بھی سنت سے ثبوت پایا جاتا ہے (خواہ وہ مجتہد و بزرگ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے دوسرے مسلک سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو) اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً اذان اور اقامت کے متعلق صحیح بخاری و مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اسی طرح علمائے مومنین میں سے کسی کے اجتہاد کرنے پر اس کو اجر حاصل ہونے کے بجائے، اس کے گناہ گار ہونے کا قائل ہے، خاص طور پر جبکہ اس کو خطاء پر سمجھے، حالانکہ مجتہد کے خطا وار ہونے کی صورت میں بھی اجر وثواب ہے، پھر صواب پر ہونے کی صورت میں کیونکر اجر وثواب نہیں ہوگا؟ اور خطاء وصواب کی ہی دو صورتیں محتمل تھیں۔

پس ان متعصبین ومتشددین کی حالت بھی ایک عجوبہ ہے، جو تعصب وغلو کا ملغوبہ ہے۔ محمد رضوان۔

[1] اور امام کے رفعِ یدین کرنے پر مقتدی کی نماز عند الحنفیہ فاسد ہونے کا قول فاسد اور مرجوح ہے، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''غیر حنفی کی اقتداء میں نماز کا حکم''، محمد رضوان۔

وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو یہ حکم فرمایا کہ اذان میں دوہرے کلمات ادا کریں، اور اقامت میں تنہاء کلمات ادا کریں۔

اور صحیح بخاری و مسلم میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت ابومحذورہ کو اقامت کو اذان کی طرح دو دو دفعہ کہنے کی تعلیم دی، پس جو شخص اقامت میں دوہرے کلمات ادا کرے، تو وہ بھی اچھا عمل کرنے والا ہے، اور جو شخص اقامت میں اکہرے کلمات ادا کرے، تو وہ بھی اچھا عمل کرنے والا ہے، اور جو شخص ان میں سے ایک طریقہ کو دوسرے طریقہ کے مقابلہ میں واجب (ولازم) قرار دے (اور دوسرے طریقہ کو ناجائز وحرام ٹھہرائے) تو وہ خطا کرنے والا گمراہ ہے، اور جو شخص ان میں سے ایک طریقہ اختیار کرنے والے سے محبت رکھے، اور دوسرا طریقہ اختیار کرنے والے سے محبت نہ رکھے، صرف اس کے اس عمل کو اختیار کرنے کی وجہ سے تو وہ بھی خطا کرنے والا گمراہ ہے (کیونکہ اس نے سنت سے ثابت شدہ عمل کرنے والے سے اس عمل کی بناء پر بغض وعداوت رکھی) [1]

اور مشرق کے علاقوں میں اللہ کی طرف سے تاتاریوں کے مسلط کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب اُن کا مذاہب وغیرہ کے سلسلہ میں تفرقہ بازی کی

---

[1] مگر بعض حضرات نے تعصب وتحزب کی بنیاد پر اپنی اپنی جماعت کے علماء اور رہبروں کے اقوال کو ایسا شعار بنالیا ہے کہ ان ہی کی اتباع کی جاتی ہے، اور ان کے خطاء پر مشتمل اقوال کی بھی تاویلاتِ بعیدہ وفاسدہ کر کے ان کو صواب قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اور ان کے مقابلہ میں دوسرے حضرات کے ایسے اقوال کو لینے سے بھی روکا جاتا ہے، اور منع کیا جاتا ہے، جن کا نصوص سے ثبوت پایا جاتا ہے، اور جن مختلف پہلوؤں کی شریعت نے گنجائش دی ہے، ان میں ایک پہلو کو لے کر باقی کا انکار وتردید کی جاتی ہے، اور اپنے یا اپنے بزرگوں کے پسندیدہ اقوال کے خلاف قول رکھنے والے سے تعصب اور بغض وعناد رکھا جاتا ہے، جو اللہ کے لیے نہیں ہوتا، جس کا حدیث میں حکم آیا ہے۔

عن أبی أمامة، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال" :من أحب لله، وأبغض لله، وأعطى لله، ومنع لله، فقد استكمل الإيمان (سنن ابی داود، رقم الحديث ۴۶۸۱)

اس لیے بغض وعناد کا شرعاً کیا جواز ہوسکتا ہے؟ محمد رضوان۔

کثرت اور باہمی فتنوں کا رونما ہونا ہے، یہاں تک کہ امام شافعی کی طرف منسوب شخص اُن کے مذہب کے لئے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر ایسا تعصب اختیار کرتا ہے، گویا کہ وہ دین سے خارج ہے، اور امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب شخص اُن کے مذہب کے لئے امام شافعی وغیرہ کے مذہب پر ایسا تعصب اختیار کرتا ہے، گویا کہ وہ دین سے خارج ہے، اور امام احمد کی طرف منسوب شخص اُن کے مذہب کے لئے امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے مذہب پر اسی طرح کا تعصب اختیار کرتا ہے، اور مغرب کے علاقہ میں امام مالک کی طرف منسوب شخص اُن کے مذہب کے لئے دوسرے کے مذاہب پر اسی طرح کا تعصب اختیار کرتا ہے، اور یہ سب اس تفرقہ بازی اور اختلاف کے قبیل سے ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے (لیکن افسوس کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے منع کردہ کاموں کے بجائے (اللہ اور اس کے رسول کا حکم) دیئے ہوئے کاموں کی طرح سمجھا جانے لگا ہے) [1]

اور یہ تمام باطل کے ساتھ تعصب اختیار کرنے والے اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور جو اُن کے نفس چاہتے ہیں، وہ اپنی شہواتِ نفسانیہ کی پیروی کرتے ہیں، اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر، جو کہ بُرائی اور عذاب کے مستحق ہیں، اور یہ بہت وسیع باب ہے، یہ فتویٰ اس کی تفصیل کا متحمل نہیں، پس بے شک جماعت کو مضبوط پکڑنا، اور باہمی اُلفت و محبت اُصولِ دین میں سے ہے، اور مخفی متنازع

---

[1] تا تاریوں کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف فتنے مسلمانوں پر مسلط ہوتے رہے، اور آج بھی مسلمانوں کے بہت سے ملکوں اور علاقوں پر مسلط ہیں، جہاں مسلمانوں کے مختلف فرقے مسلکی و فروعی بنیادوں پر ایک دوسرے کے مقابل جنگ کر رہے ہیں، اور کفار و مشرکین، کسی ایک فرقہ کے ساتھ بہانہ کر کے مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں، اس وقت عرب کے متعدد علاقوں خاص طور پر شام میں یہی صورتِ حال ہے۔

بہت سے دینی مدارس میں بھی اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف تعلیم دینے کو ہی نصب العین بنالیا گیا ہے، اس پر کتابوں کی شروحات کی بنیاد رکھی جانے لگی ہے، اور تعصب و تشدد کو ''تصلب'' کا عنوان دیا جانے لگا ہے۔ محمد رضوان۔

فروعات دین کا فروعی مسئلہ ہے، پس فروعی چیزوں کی وجہ سے اُصولِ دین میں کیسے خرابی واقع ہوسکتی ہے؟

اور اکثر متعصبین کتاب اور سنت کی معرفت نہیں رکھتے، **اِلَّا ماشاء اللہ**، بلکہ وہ ضعیف احادیث سے دلیل پکڑتے ہیں، یا فاسد قیاسات سے دلیل پکڑتے ہیں، یا بعض علماء یا شیوخ کے واقعات سے دلیل پکڑتے ہیں، جو واقعات کبھی سچے ہوتے ہیں، اور کبھی جھوٹے ہوتے ہیں، اور اگر وہ سچے بھی ہوں، تو اُن واقعات کے حامل معصوم نہیں ہیں (اسی طرح یہ لوگ) تمسک واستدلال کرتے ہیں غیر معصومین کی غیر مصدقہ منقولہ روایات سے، اور چھوڑ بیٹھتے ہیں معصوم (شارع علیہ السلام) کی مصدقہ منقولہ روایات کو اور معصوم کی مصدقہ منقولہ روایات وہ ہیں کہ جن کو مستند وثقہ اہلِ علم حضرات نے نقل کیا، اور کتبِ صحاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدوَّن کیا، کیونکہ اس کے ناقلین (شارع علیہ السلام سے منقولہ روایات کو) تصدیق تک پہنچانے والے ہیں (جرح وتعدیل پر مبنی فنِ رجال کا علم تصدیق کی چھلنیاں ہیں) تصدیق کے اس نظام میں ائمہ فقہاء بھی ان کے ساتھ متفق ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات منقول ہے، وہ خواہش کے ذریعہ سے بولی ہوئی نہیں ہے، وہ صرف اور صرف وحی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر اطاعت اور اتباع کو واجب فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا (سورۂ نساء میں) ارشاد ہے کہ ”قسم ہے آپ کے رب کی، کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان لانے والے شمار نہیں ہوں گے، جب تک آپس کے اختلاف میں آپ کے فیصلہ کو قبول نہ کرلیں، اور آپ کے فیصلہ کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں، اور پوری طرح تسلیم نہ کرلیں“ اور اللہ تعالیٰ کا (سورۂ نور میں) ارشاد ہے کہ: ”جو نبی کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اُنہیں چاہئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اُن کو کوئی فتنہ نہ

پہنچ جائے، یا اُن کو دردناک عذاب نہ پہنچ جائے‘‘ [1]

اور اللہ ہمیں اور ہمارے تمام مؤمنین بھائیوں کو اُس قول اور فعل اور ہدایت اور نیت کی توفیق دے، جس کو وہ پسند کرتا ہے، واللہ اعلم (الفتاویٰ الکبریٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عامی شخص کو کسی ایک امام کی تقلید یعنی تقلید شخصی کے جواز یا مستحسن یا واجب ہونے کا قول کرنے میں تو حرج نہیں، کیونکہ عامی کے تقلیدِ شخصی جائز یا مستحسن یا واجب ہونے کے تمام ہی اقوال پائے جاتے ہیں، کوئی اس کو جائز، کوئی مستحسن، اور کوئی واجب کہتا ہے، لیکن اس کے بجائے یہ کہنا کہ لوگوں کو یا مثلاً زید، عمر، بکر وغیرہ کو خاص امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنا واجب ہے، یہ بات درست نہیں، اور دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

اس موقع پر یہ بات ملحوظ رہے کہ تقلیدِ شخصی یا التزام مذہب معین کا مسئلہ مجتہَد فیہا ہے، بعض اس کو واجب اور بعض غیر واجب قرار دیتے ہیں، متعدد حنفیہ نے اس کے غیر واجب ہونے کو راجح اور اصح قرار دیا ہے، اگرچہ موجودہ دور میں بعض اصحابِ علم کے یہاں وجوب کا ہونا مشہور و معروف ہو گیا ہے، بلکہ بعض نے اس پر اجماع کا حکم بھی لگا دیا ہے، لیکن اس پر اجماع کا ثبوت ہمیں نہیں مل سکا، اور جب جواز کا قول سلف سے کتب منقول چلا آ رہا ہے، تو اجماع کہاں سے ہو گیا؟ کسی کے صرف دعویٰ کرنے سے تو اجماع نہیں بن جاتا۔ [2]

---

[1] علامہ ابنِ تیمیہ نے اکثر متعصبین کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ حقیقت کے مطابق ہے، ہم نے بھی اکثر متعصبین کو اسی طرزِ عمل میں مبتلا پایا، اللہ ہم سب کی فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ محمد رضوان۔

[2] ثم جمهور العلماء على أنه لا يلزم على المقلد التمذهب بمذهب والأخذ برخصه وعزائمه * وقيل في التزام ذلک طاعة لغير النبی صلی الله عليه وسلم *فی کل أمره ونهيه ، وهو خلاف الإجماع (تيسير التحرير ،لأمير بادشاه، ج۴، ص۲۴۷، المقالة الثالثة فی الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والإفتاء)

واعلم أن مذهب الجمهور، والذی اختاره ابن الهمام، أن أصل الالتزام ليس بواجب ابتداءً بل يجوز لکل أحدٍ أن يستفتی فی کل واقعة عند أیّ مفت اختاره، ويعمل بحكمه كما كان فی القرون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی ایک دوسرے مقام پر مذہبِ معین کے غیر واجب ہونے کو ترجیح دی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الفاضلة من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم أجمعين.
ونقل صاحب العقد الفريد عن الإمام النووى ما يعضد هذا المذهب حيث قال :والذى يقتضيه الدليل أنه لا يلزم التمذهب بمذهب معين، بل يستفتى من شاء ومن اتفق، لكن من غير تلقط الرخص، فلعل من منعه شاء لم يثق بعدم تلقطه .انتهى كلام النووى .وقال ابن الهمام فى كتابه "التحرير :"فلو التزم المقلد مذهباً معيناً كأبى حنيفة والشافعى، فقيل :تلزمه .انتهى .يعنى الاستمرار عليه فلا يعدل عنه فى مسألة من المسائل من مذهب آخر، لأنه بالتزامه يصير ملزوماً به كما التزم مذهبه فى حادثة معينة ولأنه اعتقد أن المذهب الذى انتسب إليه هو الصواب فعليه الوفاء بموجب اعتقاده، كذا فى شرح التحرير لابن أمير حاج.
وقيل :لا يلزمه وهو الأصح لما وجهه الرافعى وغيره، بأن التزامه غير ملزم إذ لا واجب إلا (ما) أوجبه الله ورسوله، ولم يوجب الله تعالى ورسوله على أحد من الناس أن يتمذهب لرجل من الأمة فيقلد دينه فى كل ما يأتى ويذر غيره، ولا قائل به أحد من المجتهدين، أن من تبعنى فلا يتبع أحداً غيرى(خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق،ص ٢،لعبد الغنى النابلسى)
(ولو التزم مذهبا معينا) أى عهد من عند نفسه أنه على هذا المذهب (كمذهب أبى حنيفة أو غيره) من غير أن يكون هذا الالتزام بمعرفة دليل كل مسئلة مسئلة وظنه راجحا على دلائل المذاهب الأخر المعلومة مفضلا بل انما يكون العهد من نفسه بظن الفضل فيه اجمالا أو بسبب آخر (فهل يلزمه الاستمرار عليه) أم لا (فقيل نعم) يجب الاستمرار ويحرم الانتقال من مذهب الاى آخر حتى شدد بعض المتأخرين المتكلفين وقالوا الحنفى اا صار شافعيا يعذر وهذا تشريع من عند أنفسهم (لان الالتزام لا يخلو عن اتقاد غلبة الحقيقة فيه) فلا يترك قلنا لا نسلم ذلك فان الشخص قد يلتزم من المتساويين أمر النفعه له فى الحال ودفع الحرج عن نفسه ولو سلم فهذا الاعتقاد لم ينشأ عن دليل شرعى بل هو هوس من هوسات المعتقد ولا يجب الاستمرار على هوسة فافهم وتثبت (وقيل لا) يجب الاستمرار ويصح الانتقال وهذا هو الحق الذى ينبغى أن يؤمن ويعتقد به لكن ينبغى أن لا يكون الانتقال للتلهى فان التلهى حرام قطعا فى التمذهب كان أو فى غيره (إذ لا واجب إلا ما أوجبه الله تعالى) والحكم له (ولم يوجب على أحد أن يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة) فايجابه تشريع شرع جديد ولك أن تستدل عليه بان اختلاف العلماء رحمة بالنص وترفيه فى حق الخلق فلو الزم العمل بمذهب كان هذا نقمة وشدة (وقيل) من التزم (كمن لم يلتزم فلا يرجع عما قلده فيه وفى غيره يقلد من شاء وعليه السبكى) من الشافعية(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج٢،ص٤٣٧، ٤٣٨،خاتمة : الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ:1423هـ .2002ء)

إنـمـا يـجـب عـلـى الـناس طاعة الله والرسول وهؤلاء أولوا الأمر الـذيـن أمـر الله بطاعتهم فى قوله: (أطيـعـوا الله وأطيعوا الرسول وأولـى الأمـر مـنكم)إنما تجب طاعتهم تبعا لطاعة الله ورسوله لا استـقـلالا ثـم قال:(فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كـنتـم تـؤمـنـون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا) وإذا نـزلـت بـالمسلم نازلة فإنه يستفتى من اعتقد أنه يفتيه بشرع الله ورسوله من أى مذهب كان ولا يجب على أحد من المسلمين تقليد شخص بعينه من العلماء فى كل ما يقول ولا يجب على أحد مـن الـمسلمين التزام مذهب شخص معين غير الرسول صلى الله عليه وسلم فى كل ما يوجبه ويخبر به بل كل أحد من الناس يؤخذ مـن قـولـه ويتـرك إلا رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم .واتباع شـخـص لـمـذهـب شخص بعينه لعجزه عن معرفة الشرع من غير جهتـه إنـمـا هو مما يسوغ له ليس هو مما يجب على كل أحد إذا أمـكنه معرفة الشرع بغير ذلك الطريق بل كل أحد عليه أن يتقى الـلـه مـا استطاع ويطلب علم ما أمر الله به ورسوله فيفعل المأمور ويتـرك الـمحظور (مـجـمـوع الـفتـاوىٰ، ج۲۰ص۲۰۸،۲۰۹، اصول الفقه "التمذهب"سئل عمن قال : ينبغى لكل مومن ان يتبع مذهبامن المذاهب)

ترجمہ: لوگوں پر صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے، اور یہ اولی الامر جن کی اطاعت کا اللہ نے اپنے اس قول ’’أطيـعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم ‘‘میں حکم فرمایا ہے، تو ان کی اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کے تابع ہو کر واجب ہے، نہ کہ مستقل ہونے کی حیثیت سے، پھر اس کے

بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا“ کہ ”اگر کسی چیز میں تمہارا تنازع اور اختلاف ہو، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور تاویل کے اعتبار سے احسن ہے“ پس جب کسی مسلمان کو کوئی واقعہ پیش آئے، تو وہ اس شخص سے فتویٰ طلب کرے، جس کے بارے میں وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے مطابق فتویٰ دے گا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی فقہی مذہب سے ہو، اور مسلمین میں سے کسی پر بھی شخصِ معین کے مذہب کا التزام واجب نہیں، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ہر اس چیز میں جو اس پر واجب قرار دے، اور جس کی وہ خبر دے، بلکہ لوگوں میں سے ہر ایک کے اقوال میں سے بعض کو لیا جائے گا، اور بعض کو چھوڑ دیا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اور کسی شخص کا متعین شخص کے مذہب کی اتباع اس وجہ سے کرنا کہ وہ خود سے شریعت کی معرفت سے عاجز ہے، یہ اس کے لیے جائز عمل ہے، مگر ہر ایک پر واجب نہیں، جب اس کو اس طریقہ کے علاوہ شریعت کی معرفت (خود اجتہاد کر کے یا کسی دوسرے مجتہد سے سوال کر کے) ممکن ہو، اور ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنی حسبِ استطاعت اللہ سے ڈرے، اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے، اس کا علم طلب کرے، پھر مامور کو اختیار کرے اور محظور کو ترک کرے

(مجموع الفتاویٰ)

انسانوں میں سے ہر انسان کی بات کو لیا بھی جائے گا، اور ترک بھی کیا جائے گا، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہ اصول ہمیشہ مستحضر رہنا ضروری ہے، بعض حضرات غیر نبی کے ساتھ

نبی والا طرزِ عمل اختیار کرلیتے ہیں، جو کہ درست نہیں، اور تقلیدِ شخصی کے بارے میں ایک قول تو عدمِ وجوب کا ہی ہے، جیسا کہ گزرا، جبکہ بعض حضرات نے تقلیدِ شخصی اور مذہبِ معین کے وجوب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہا مسائل کے قبیل سے ہے، اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی فقہ واجتہاد سے متعلق دوسری تالیف میں ذکر کردی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا تیسرا حوالہ

ایک مقام پر علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحمد لله ، قد ثبت بالكتاب والسنة والإجماع أن الله سبحانه وتعالى فرض على الخلق طاعته وطاعة رسوله صلى الله عليه وسلم ولم يوجب على هذه الأمة طاعة أحد بعينه فى كل ما يأمر به وينهى عنه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى كان صديق الأمة وأفضلها بعد نبيها يقول :أطيعونى ما أطعت الله فإذا عصيت الله فلا طاعة لى عليكم .

واتفقوا كلهم على أنه ليس أحد معصوما فى كل ما يأمر به وينهى عنه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولهذا قال غير واحد من الأئمة :كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وهؤلاء الأئمة الأربعة رضى الله عنهم قد نهوا الناس عن تقليدهم فى كل ما يقولونه وذلك هو الواجب عليهم.

فقال أبو حنيفة :هذا رأيى وهذا أحسن ما رأيت ؛ فمن جاء برأى خير منه قبلناه.

ولهـذا لـمـا اجتـمع أفضل أصحابه أبو يوسف بمالك فسأله عن مسـألة الصاع ؛ وصدقة الخضراوات ؛ ومسألة الأجناس ؛ فأخبره مـالك بما تدل عليه السنة فى ذلك فقال :رجعت إلى قولك يـا أبـا عبـد الـلـه ولو رأى صاحبى ما رأيت لرجع إلى قولك كما رجعت .

ومالك كان يقول :إنـمـا أنا بشر أصيب وأخطىء فاعرضوا قولى على الكتاب والسنة أو كلاما هذا معناه.

والشافعى كان يقول :إذا صـح الحديث فاضربوا بقولى الحائط وإذا رأيت الحجة موضوعة على الطريق فهى قولى .وفى مختصر الـمـزنى لما ذكر أنه اختصره من مذهب الشافعى لمن أراد معرفة مذهبه قال :مع إعلامه نهيه عن تقليده وتقليد غيره من العلماء.

والإمـام أحـمـد كان يقول :لا تـقـلـدونـى ولا تـقلدوا مالكا ولا الشـافـعـى ولا الثورى وتعلموا كما تعلمنا .وكان يقول :من قلة عـلـم الـرجل أن يقلد دينه الرجال وقال :لا تـقلد دينك الرجال فإنهم لن يسلموا من أن يغلطوا .

وقـد ثبـت فـى الـصـحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال : (مـن يـرد الـلـه بـه خيـرا يفقهه فى الدين) ولازم ذلك أن من لم يفقهه الله فى الدين لم يرد به خيرا فيكون التفقه فى الدين فرضا .

والتـفـقه فى الدين :مـعـرفة الأحـكام الشرعية بأدلتها السمعية .

فـمـن لـم يعرف ذلك لم يكن متفقها فى الدين لكن من الناس من قـد يـعجز عن معرفة الأدلة التفصيلية فى جميع أموره فيسقط عنه

ما يعجز عن معرفته لا كل ما يعجز عنه من التفقه ويلزمه ما يقدر عليه .وأما القادر على الاستدلال ؛ فقيل :يحرم عليه التقليد مطلقا وقيل :يجوز مطلقا وقيل :يجوز عند الحاجة ؛ كما إذا ضاق الوقت عن الاستدلال وهذا القول أعدل الأقوال .

والاجتهاد ليس هو أمرا واحدا لا يقبل التجزى والانقسام بل قد يكون الرجل مجتهدا فى فن أو باب أو مسألة دون فن وباب ومسألة وكل أحد فاجتهاده بحسب وسعه.

فمن نظر فى مسألة تنازع العلماء فيها ورأى مع أحد القولين نصوصا لم يعلم لها معارضا بعد نظر مثله فهو بين أمرين :

إما أن يتبع قول القائل الآخر لمجرد كونه الإمام الذى اشتغل على مذهبه ؛ ومثل هذا ليس بحجة شرعية بل مجرد عادة يعارضها عادة غيره واشتغال على مذهب إمام آخر .وإما أن يتبع القول الذى ترجح فى نظره بالنصوص الدالة عليه وحينئذ فتكون موافقته لإمام يقاوم ذلك الإمام وتبقى النصوص سالمة فى حقه عن المعارض بالعمل فهذا هو الذى يصلح .

وإنما تنزلنا هذا التنزل لأنه قد يقال :إن نظر هذا قاصر وليس اجتهاده قائما فى هذه المسألة ؛ لضعف آلة الاجتهاد فى حقه .أما إذا قدر على الاجتهاد التام الذى يعتقد معه أن القول الآخر ليس معه ما يدفع به النص فهذا يجب عليه اتباع النصوص وإن لم يفعل كان متبعا للظن وما تهوى الأنفس وكان من أكبر العصاة لله ولرسوله بخلاف من يقول :قد يكون للقول الآخر حجة راجحة

علـى هذا النص وأنا لا أعلمها فهذا يقال له :قد قال الله تعالى : (فاتقوا الله ما استطعتم) وقال النبى صلى الله عليه وسلم (إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم) والذى تستطيعه من العلم والفقه فى هذه المسألة قد دلك على أن هذا القول هو الراجح فعليك أن تتبع ذلك ثم إن تبين لك فيما بعد أن للنص معارضا راجحا كان حكمك فى ذلك حكم المجتهد المستقل إذا تغير اجتهاده وانتقال الإنسان من قول إلى قول لأجل ما تبين له من الحق هو محمود فيه بخلاف إصراره على قول لا حجة معه عليه وترك القول الذى وضحت حجته أو الانتقال عن قول إلى قول لمجرد عادة واتباع هوى فهذا مذموم .

وإذا كان الإمام المقلد قد سمع الحديث وتركه -لا سيما إذا كان قد رواه أيضا -فمثل هذا وحده لا يكون عذرا فى ترك النص فقد بينا فيما كتبناه فى "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" نحو عشرين عذرا للأئمة فى ترك العمل ببعض الحديث وبينا أنهم يعذرون فى الترك لتلك الأعذار وأما نحن فمعذورون فى تركها لهذا القول .فمن ترك الحديث لاعتقاده أنه لم يصح ؛ أو أن راويه مجهول ونحو ذلك ؛ ويكون غيره قد علم صحته وثقة راويه :فقد زال عذر ذلك فى حق هذا ومن ترك الحديث لاعتقاده أن ظاهر القرآن يخالفه ؛ أو القياس ؛ أو عمل لبعض الأمصار ؛ وقد تبين للآخر أن ظاهر القرآن لا يخالفه ؛ وأن نص الحديث الصحيح مقدم على الظواهر ؛ ومقدم على القياس

والعمل :لم يكن عذر ذلك الرجل عذرا في حقه ؛ فإن ظهور المدارك الشرعية للأذهان وخفاء ها عنها أمر لا ينضبط طرفاه لا سيما إذا كان التارك للحديث معتقدا أنه قد ترك العمل به المهاجرون والأنصار أهل المدينة النبوية وغيرها الذين يقال : إنهم لا يتركون الحديث إلا لاعتقادهم أنه منسوخ أو معارض براجح وقد بلغ من بعده أن المهاجرين والأنصار لم يتركوه بل عمل به طائفة منهم ؛ أو من سمعه منهم ؛ ونحو ذلك مما يقدح في هذا المعارض للنص .

وإذا قيل لهذا المستهدى المسترشد :أنت أعلم أم الإمام الفلاني ؟ كانت هذه معارضة فاسدة ؛ لأن الإمام الفلاني قد خالفه في هذه المسألة من هو نظيره من الأئمة ولست أعلم من هذا ولا هذا ولكن نسبة هؤلاء إلى الأئمة كنسبة أبي بكر وعمر وعثمان وعلي وابن مسعود وأبي ومعاذ ونحوهم إلى الأئمة وغيرهم فكما أن هؤلاء الصحابة بعضهم لبعض أكفاء في موارد النزاع ؛ وإذا تنازعوا في شيء ردوا ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول وإن كان بعضهم قد يكون أعلم في مواضع أخر :فكذلك موارد النزاع بين الأئمة وقد ترك الناس قول عمر وابن مسعود في مسألة تيمم الجنب وأخذوا بقول من هو دونهما كأبي موسى الأشعري وغيره لما احتج بالكتاب والسنة وتركوا قول عمر في دية الأصابع وأخذوا بقول معاوية لما كان معه من السنة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :هذه وهذه سواء . "وقد كان بعض الناس

يناظر ابن عباس فى المتعة فقال له :قال أبو بكر وعمر فقال ابن عباس :يوشک أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقولون قال أبو بكر وعمر ؟ .
وكذلک ابن عمر لما سألوه عنها فأمر بها فعارضوا بقول عمر فتبين لهم أن عمر لم يرد ما يقولونه فألحوا عليه فقال لهم :أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن يتبع أم أمر عمر ؟ مع علم الناس أن أبا بكر وعمر أعلم ممن هو فوق ابن عمر وابن عباس .
ولو فتح هذا الباب لوجب أن يعرض عن أمر الله ورسوله ويبقى كل إمام فى أتباعه بمنزلة النبى صلى الله عليه وسلم فى أمته وهذا تبديل للدين يشبه ما عاب الله به النصارى فى قوله :(اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما أمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا لا إله إلا هو سبحانه عما يشركون)

(الفتاوى الكبرى لابن تيمية، ج۵، ص۱۲۳ الیٰ ۱۲۷، مسائل منثورة، مسألة فى رجل تفقه فى مذهب من المذاهب الأربعة وتبصر فيه واشتغل بعده بالحديث، رقم المسئلة ۱۰۴۷ "۲۳")

ترجمہ: کتاب وسنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلوق پر اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے، اور اس امت پر کسی دوسرے کی متعین اطاعت کو واجب نہیں کیا کہ اس کی ہر کہی ہوئی بات کو مانا جائے گا، اور ہر منع کی ہوئی بات سے رکا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہاں تک کہ اس امت کے صدیق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل شخص (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم

میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں، اور جب میں اللہ کی نافرمانی کروں، تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ [1]

اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص ہر کہی ہوئی بات اور ہر منع کی ہوئی چیز میں معصوم نہیں ہوسکتا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اسی وجہ سے کئی ائمہ نے یہ بات فرمائی ہے کہ لوگوں میں سے ہر شخص کی بات کو لیا بھی جائے گا، اور چھوڑا بھی جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے لوگوں کو اپنی ہر کہی ہوئی بات کی تقلید کرنے سے منع فرمایا، اور ان پر یہی بات واجب تھی، پس امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ یہ میری رائے ہے، اور یہ اس میں میری سب سے بہتر رائے ہے، پس جو اس سے بہتر رائے لائے گا، تو ہم اس کو قبول کریں گے، اور اسی وجہ سے جب آپ کے افضل ترین

---

[1] أخبرنا عبد الرزاق، عن معمر، قال: وحدثني بعض أهل المدينة، قال: خطبنا أبو بكر فقال: يا أيها الناس إني قد وليت عليكم ولست بخيركم، فإن ضعفت فقوموني، وإن أحسنت فأعينوني، الصدق أمانة، والكذب خيانة، الضعيف فيكم القوي عندي حتى أزيح عليه حقه إن شاء الله، والقوي فيكم الضعيف عندي حتى آخذ منه الحق إن شاء الله، لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله إلا ضربهم الله بالفقر، ولا ظهرت -أو قال: شاعت- الفاحشة في قوم إلا عمهم البلاء، أطيعوني ما أطعت الله ورسوله، فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم، قوموا إلى صلاتكم يرحمكم الله(جامع معمر بن راشد، مشمولة مصنف عبدالرزاق، رقم الرواية ٢٠٧٠٢)

محمد بن المنكدر، حدثني محمد بن عبد الرحمن بن عوف قال:((لما ولي أبو بكر -رضي الله عنه- أمر الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم صعد المنبر فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: يا أيها الناس إني قد وليت عليكم أمركم هذا، ولست بخيركم، فإن أحسنت فأعينوني، وإن زغت فقوموني .الصدق أمانة والكذب خيانة، أكيس الكيس التقي وأنوك النوك الفجور .الضعيف فيكم القوي عندي حتى آخذ له الحق، والقوي عندكم: الضعيف عندي حتى آخذ الحق منه، لا يدع قوم الجهاد في الله تعالى إلا ضربهم الله بالذل، ولا تشيع الفاحشة في قوم إلا عمهم الله تعالى بالبلاء .أطيعوني ما أطعت الله تعالى ورسوله، فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم قوموا إلى صلاتكم(الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الرواية ٢١٦٧)

شاگرد امام ابو یوسف نے امام مالک کے پاس آ کر صاع اور سبزیوں کے عشر اور اجناس کے مسئلہ کا سوال کیا، اور ان کو امام مالک نے اس بارے میں سنت وحدیث بتلائی، تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! میں آپ کے قول کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور اگر میرے صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) اس چیز کو دیکھ لیتے، جس کو میں نے دیکھ لیا ہے، تو وہ بھی اسی طریقہ سے آپ کے قول کی طرف رجوع کر لیتے، جس طرح میں نے رجوع کیا۔ [1]

اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں انسان ہوں، صواب اور خطاء دونوں کا احتمال رکھتا ہوں، تو تم میرے قول کو کتاب وسنت پر پیش کرو، یا اسی طرح کی کوئی بات فرماتے تھے۔

اور امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو اس کے مقابلہ میں میری بات کو دیوار پر دے مارو، اور جب دلیل راستہ پر رکھی ہوئی پاؤ، تو وہی میرا قول ہے، اور ''مختصر المزنی'' میں امام مزنی نے امام شافعی کے مذہب کا اختصار کیا، ان لوگوں کے لیے جو امام شافعی کے مذہب کو پہچاننا چاہیں، تو امام مزنی نے فرمایا (میں اختصار کر رہا ہوں) اس کے باوجود کہ (امام شافعی) نے اپنی اور دوسرے علماء کی تقلید سے منع کر دیا۔

اور امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ تم نہ میری تقلید کرو، اور نہ امام امام مالک کی اور نہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام مالک کے قول کی طرف اس حدیث وسنت کے سامنے آنے کے بعد رجوع کیا، جو حدیث وسنت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نہیں پہنچی تھی، اور امام ابو یوسف کے بقول اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ حدیث وسنت پہنچ جاتی، تو وہ بھی سبزی میں عشر واجب نہ ہونے کے قول کو اختیار کر لیتے۔

یہ تو امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حالت تھی، لیکن امام ابوحنیفہ کے جامد ومتشدد مقلدین طرح طرح کی تاویلات کر کے بلکہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام لے کر ان احادیث کی تردید کرتے ہیں۔

سبزی میں عشر سے متعلق احادیث ہم نے اپنی دوسری تالیف ''عشر وخراج اور جزیہ کے احکام'' میں ذکر کر دی ہیں۔

محمد رضوان

امام شافعی کی اور نہ سفیان ثوری کی، بلکہ تم اسی طرح علم حاصل کرو، جس طرح ہم نے علم حاصل کیا، پس جوان کی تقلید کرتا تھا، اس کو وہ فرماتے تھے کہ آدمی پر حرام ہے کہ وہ اپنے دین میں لوگوں کی تقلید کرے، اور فرماتے تھے کہ اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو، کیونکہ وہ غلطی کرنے سے محفوظ نہیں ہیں۔ [1]

اور صحیح حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے دین کا تفقہ عطا فرما دیتا ہے۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس کو اللہ نے دین کا تفقہ عطاء نہیں فرمایا، تو اس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہیں فرمایا، لہٰذا دین میں تفقہ فرض ہوا۔

اور دین میں تفقہ شرعی احکام کی سمعی دلائل کے ذریعہ معرفت حاصل کرنا ہے، پس جو شخص اس کی معرفت نہ رکھے، وہ متفقہ فی الدین نہیں ہوسکتا، البتہ بعض لوگ اپنے تمام کاموں میں تفصیلی دلائل کی معرفت سے عاجز ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے وہ حصہ ساقط ہوجاتا ہے، جس کی معرفت سے عاجز ہوں، اور جتنے حصہ پر قادر ہوں، وہ لازم ہوتا ہے، اور جو شخص استدلال پر قادر ہو، تو اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً تقلید حرام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً تقلید جائز ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت تقلید جائز ہے، جیسا کہ جب استدلال کا وقت تنگ ہو، اور یہ قول سب سے ''اعدل'' ہے (جس کی مزید تفصیل آگے بھی آتی ہے)

اور اجتہاد امرِ واحد نہیں کہ وہ تجزی اور تقسیم کو قبول نہ کرتا ہو، بلکہ کبھی آدمی ایک فن یا ایک باب یا ایک مسئلہ میں مجتہد ہوتا ہے، دوسرے فن یا دوسرے باب یا دوسرے

---

[1] مگر افسوس کہ جو ائمہ و مجتہدین خود لوگوں کو اپنی جامد تقلید سے منع فرما چکے، آج ان کے نام پر ہی متشددین اور متعصبین لوگ جامد تقلید کرتے اور کرواتے ہیں۔ محمد رضوان۔

مسئلہ میں مجتہد نہیں ہوتا، اور ہر ایک کا اجتہاد اس کی حسبِ وسعت ہوا کرتا ہے۔ [1]

پس جو ایسے مسئلہ میں غور کرے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، اور (علماء کے اقوال میں سے کسی) ایک قول کی تائید و موافقت میں وہ نصوص کو پاتا ہے، تو ایسے میں اس شخص کے آگے دو راستے ہیں۔

یا تو (نصوص سے مؤید قول کے مقابل) دوسرے قول کی اتباع کرے، محض اس بناء پر کہ وہ اس امام فقیہ کا ہوتا ہے، جس کے مذہب کا یہ اشتغال والتزام کرتا ہے، اور اس طرح کا طرزِ عمل کوئی شرعی دلیل نہیں، بلکہ فقط ایک عادت ہے (جو مقلدین نے اختیار کر رکھی ہے) کہ جس کے مقابل و معارض دوسرے (فقیہ کے مقلد) کی بھی ایسی ہی عادت ہے کہ وہ دوسرے امام کے مذہب کا بھی ایسا ہی پابند بنا ہوا ہے (یہ ایک راستہ ہے)

(دوسرا راستہ یہ ہے کہ) یا اتباع کرے اس فقیہ کے قول کی، جس پر نصوص کی دلالت (واضح) ہونے کی وجہ سے وہ اس کے نزدیک ترجیح کے درجہ کو پہنچے، اور اس صورت میں وہ خود مقابل امام (جس کے قول کو مدلولِ نص نہ ہونے کی وجہ سے اس نے چھوڑا ہے) کی بھی موافقت اور پیروی پالے گا (بوجہ پیچھے مذکور چاروں ائمہ کی صراحتوں کے کہ نص کے مقابلے میں ہمارے قول کو چھوڑ دینا) اور نصوص اس کے نزدیک تعارض و ٹکراؤ سے محفوظ رہ جائیں گی (کیونکہ نص کے معارض قولِ فقیہ کو اس نے ترک کر دیا) پس یہی (دوسرا راستہ) مناسب و مبنی بر مصلحت ہے۔ [2]

---

[1] پس بعض متعصبین و متشددین کا جزوی اجتہاد کے دروازہ کے بھی بند ہونے کا دعویٰ کرنا اور اس کے نتیجہ میں کسی جزوی مجتہد کی رائے کو قبول نہ کرنا، بلکہ اس کے اجتہاد پر نکیر کرنا یہ سب قابلِ اصلاح امور ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] لیکن اس طرزِ عمل کو متشددین و متعصبین قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، اور طرح طرح کی تاویلات کر کے نصوص کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو ہی قابلِ اتباع منوانے کے درپے رہتے ہیں، حالانکہ اصل اتباع نصوص کی ہونی چاہیے۔
محمد رضوان

اور یہ دوسرا راستہ بھی ایک حد تک پسپائی اختیار کر کے (بدرجۂ مجبوری وضرورت) ہم اس کے لیے جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس (شخص مکلّف مسلمان) کا علم وفہم معمولی ہے، اور اس مسئلہ میں اجتہاد کے قابل وحامل نہیں، بوجہ اجتہاد کے وسائل ومتعلقات (شروط وکوائف) اس کے حق میں کمزور ہونے کے۔

باقی اگر وہ مکمل اجتہاد کی قدرت رکھتا ہو، جس سے اسے اطمینان ہو جائے کہ یہ دوسرا (قابلِ ترجیح) قول بھی نصوص سے پورا مؤید ومطابق نہیں، تو تب اس پر نصوص کی اتباع ہی لازم ہے (کسی فقیہ کے قول کی نہیں) اگر یہ ایسا نہیں کرے گا، تو یہ ظن وتخمین اور اپنی خواہشِ نفس کا پیروکار ہوگا، اور اللہ ورسول کے بڑے نافرمانوں میں سے ہوگا۔

برخلاف اس شخص کے جو کہے کہ اس دوسرے قول کی بھی کوئی قابلِ ترجیح دلیل (نصوص کے اصولوں یا فروعات سے) اس نص کے مقابلے میں موجود ہوگی، جو میرے علم میں نہیں (جیسے عام طور پر مقلدین اپنے اختیار کردہ فقہاء کے قول کے مقابل دوسرے قول کے نص سے ثبوت ہونے کے جواب میں یہ بات کہہ دیتے ہیں) تو ایسے کو کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”فاتقو اللہ ما استطعتم“

(اللہ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو)

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اذا امرتکم بامر فاتوا منه مااستطعتم“

(جب میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو اس کو اپنی استطاعت بھر بجالاؤ)

اور علم وفقہ کی جتنی تیرے اندر استطاعت ہے، اس مسئلہ میں تجھ پر اس علم سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ قول قابلِ ترجیح ہے (نصوص سے مؤید ہے، تو تیرے التزام

کردہ فقیہ کے علاوہ دوسرے فقیہ کا قول قابلِ اتباع ہے) پس تجھ پر لازم ہے کہ اس کی پیروی کرے۔[1]

پھر اگر آئندہ کسی وقت تجھ پر ثابت ہوجائے کہ اس (اختیار کردہ) نص کے معارض مقابل نص بھی موجود ہے، جو (بوجوہ ترجیح) قابلِ ترجیح بھی ہے، تو اب تیری حیثیت اس صورتِ حال میں مستقل مجتہد کی ہوگی، جب اس کا اجتہاد بدل جائے (پس جس طرح مجتہد اپنے سابق قول سے مذکورہ صورت حال میں رجوع کرتا ہے، جیسا کہ ائمہ فقہاء کے احوال اس پر شاہد ہیں، تو اس طرح تو بھی رجوع کر، یہ کوئی عیب اور عار کی بات نہیں) کیونکہ انسان کا ایک قول، ایک خیال یا رائے سے دوسری رائے کی طرف رجوع کرنا، ان وجوہات سے جو بنظرِ انصاف و حقانیت اس کے سامنے (زندگی میں مرحلہ بہ مرحلہ) واضح ہوتی رہیں، یہ ایک اچھی اور قابل تعریف وتحسین بات ہے، برخلاف اس کے کہ آدمی کسی ایسی بات پر ڈٹ جائے، جس کی کوئی حجت ودلیل اس کے پاس نہ ہو، یا رجوع وانتقال ایک رائے ونقطۂ نظر سے دوسرے کی طرف محض عادت، نفسانیت اور خواہش واغراض نفس کی بنیاد پر ہو، تو یہ بلاشبہ ایک قابلِ مذمت اور غلط بات ہے۔

اور جب ایک ایسا امام، صاحب علم کہ جس کی تقلید کی جاتی ہو، ایک حدیث سنے اور اسے چھوڑ دے، خصوصاً جبکہ وہ خود اس حدیث کی روایت بھی کر چکا ہو، تو محض یہ بات عذر نہیں بن سکتی نص کو ترک کرنے کی، پس اس کے متعلق بحث ہم اپنی کتاب ''رفع الملام عن الائمة الاعلام'' میں کر چکے ہیں کہ لگ بھگ 20 عذر ہوسکتے ہیں کہ ان اعذار کی وجہ سے، وہ معذور قرار پائے گا، رہے ہم تو ہم

---

[1] عام طور پر نصوص کے مقابلہ میں مقلدین اس طرح کا طرزِ عمل اپنے امام کے قول کے متعلق اختیار کرتے ہیں، اور طرح طرح کی تاویلات کر کے کسی نہ کسی طرح نصوص پر عمل کو نظرانداز کردیتے ہیں، جو کہ خطرناک طرزِ عمل ہے۔ محمد رضوان۔

معذور قرار پا سکتے ہیں، حدیث چھوڑنے میں، اس ذیل کے قول سے جو حدیث کو ترک کرے، اس اعتقاد سے کہ وہ صحت استناد تک نہیں پہنچ سکی، یا اس کے راوی مجہول ہیں، یا اس جیسی کوئی اور جرح، اور جس حدیث کی صحت اور راویوں کی ثقاہت معلوم ہو چکی، تو اس کا عذر زائل ہو چکا ہے۔ [1]

اور جو حدیث کو اس اعتقاد و بنیاد پر ترک کرے کہ (اس کے خیال میں) وہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے، یا قیاس کے خلاف ہے، یا بعض فقہاءِ امصار کے تعامل کے خلاف ہے، جبکہ (اس کے برخلاف) دوسرے پر واضح ہو گیا کہ ظاہرِ قرآن اس حدیث کے معارض نہیں، اور یہ کہ حدیثِ صحیح جو کسی مسئلہ میں نص ہو، وہ محض ظواہر پر مقدم ہے (یعنی دوسرے نصوص قرآن یا حدیث کے ظاہر و متبادر مفہوم پر مقدم ہے، جبکہ وہ دوسرے نصوص اس مسئلہ پر نص کا درجہ نہ رکھتے ہوں) اور قیاس اور تعامل پر بھی مقدم ہے۔

تو اس پہلے شخص کا عذر اس دوسرے شخص کے حق میں عذر نہ بنے گا، کیونکہ شرعی احکام و دلائل کا ذہنوں میں دراک، وقوف، آگہی باعتبار ظہور و خفا کے مدارج کے ایک ایسا امر ہے، جس کے دونوں کناروں کو منضبط و معین نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص جبکہ کسی حدیث پر عمل کے متروک ہونے کا استدلال واستناد یہ تارک الحدیث شخص مہاجر و انصار و اہلِ مدینہ وغیرہ صحابۂ کرام کے ترکِ عمل سے کرتا ہو، جو یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ یہ صحابہ حدیث کو ضرور نسخ یا تعارض کی وجہ سے ترک کرتے تھے، بالمقابل راجح حدیث کو لے کر۔

جبکہ اس تارک حدیث کے بعد والے تک یہ بات پہنچی کہ مہاجر و انصار نے اس

---

[1] لہٰذا جب کوئی حدیث سند کے اعتبار سے قابلِ استدلال ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری اس سے مضبوط نص موجود نہیں، تو صرف امام کے قول کے اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو ترک کرنا درست طریقہ نہیں۔ محمد رضوان۔

حدیث کو بالکلیہ ترک نہیں کیا، بلکہ ایک جماعت نے ان میں سے اس پر عمل بھی کیا، یا جس نے صحابۂ کرام سے وہ حدیث سنی، اور نقل کی انہوں نے عمل کیا، تو اس طرح کی چیزیں ہوتی ہیں، جو متروک یا منسوخ قرار دیے جانے والی نص کے مقابل راجح قرار دیے جانے والی نص کو بھی مجروح وکمزور کرتی ہیں (اس طرح پر دوطرح کی نصوص پر عمل درآمد وترجیح حسبِ ذوق وفہم افرادِ امت کے لیے جائزہ و جاری رہتا ہے)

اوراس رشد وہدایت کے طلبگار سے (جو تحقیق واجتہاد سے اپنے سے سابق امام ومجتہد کی رائے کے خلاف قول کررہا ہے) یہ کہنا کہ تو زیادہ علم والا ہے، یا فلاں امام وفقیہ؟ یہ بالکل فضول وفاسد معارضہ واعتراض ہے، اس لیے کہ فلاں امام سے تو اس مسئلہ میں اس کے ہم پلہ اماموں نے اختلاف کیا، اوران میں باہم یہ معارضہ نہیں کیا گیا کہ تو زیادہ علم والا ہے، یا تیرے مقابلہ میں فلاں امام زیادہ علم والا ہے (تو پھراس کے بعد کے علماء وفقہاء پر یہ معارضہ کیسے ہوسکتا ہے) اور (یہ ائمہ فقہاء باہم ہم پلہ نہ بھی ہوں، تب بھی ان کو ایک دوسرے سے اختلاف کا حق ہے، اس لیے کہ) ان کی باہم نسبت ایسی ہے، جیسے کہ خلفاءِ اربعہ، ابنِ مسعود، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہم کی باہم نسبت اور فرقِ مراتب ہے، پس جس طرح (باوجود فرقِ مراتب کے) یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی ٹکر کے ہیں، مواضع نزاع واختلاف میں (مجتہد فیہ احکام میں، اسی طرح بعد کے حضرات کا بھی معاملہ ہوگا) اوران کا جب تنازع واختلاف کسی امر میں ہوتا، تو اللہ اوررسول کی طرف اپنے متنازعہ فیہ امر کو لوٹاتے، اگرچہ بعض ان میں کے زیادہ علم والے ہوتے دوسرے مواقع پر۔

پس اسی طرح ائمہ کے مابین نزاعی مسائل کا بھی حکم ہے (کہ قرآن وسنت پر

لوٹائے جائیں گے) اور لوگ ترک کر چکے ہیں، جنبی کے تیمّم کے باب میں، حضرت عمر اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کا قول، اور ان سے کم رتبہ حضرات جیسے ابو موسیٰ اشعری کا قول انہوں نے اختیار کیا، اس لیے کہ ان کی حجت قرآن وسنت سے (تام وراجح) تھی، اور حضرت عمر کے قول کو انگلیوں کی دیت کے باب میں ترک کر کے حضرت معاویہ کے قول کو لیا، بوجہ اس کے صریح سنت سے ماخوذ ہونے کے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ’’هذه و هذه سواء‘‘ (یعنی یہ انگوٹھا، اور یہ چھوٹی انگلی، دیت کے معاملہ میں برابر اور مساوی ہیں)

اور تحقیق بعض لوگوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے متعہ کے متعلق مباحثہ کیا، اور دلیل میں کہنے لگے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور عمر رضی اللہ عنہ نے یہ یہ کیا ہے، تو اس پر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا بعید ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، تم آگے سے کہتے ہو کہ ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا۔

اور اسی طرح ابنِ عمر کا واقعہ ہے کہ ان سے متعہ کی بابت پوچھا گیا، تو انہوں نے اس کا حکم بیان کیا، تو معارضہ میں لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا، تو ان پر واضح کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد وہ نہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں، تب لوگوں نے اپنی بات پر اصرار کیا، تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کے رسول کا حکم اتباع کے زیادہ لائق ہے، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا؟ [1]

---

[1] عن سالم ,قال :سئل ابن عمر عن متعة الحج ,فأمر بها ,فقيل له إنك تخالف أباك ,قال " :إن أبي لم يقل الذي تقولون ,إنما قال :أفردوا العمرة من الحج ,أي أن العمرة لا تتم في شهور الحج إلا بهدي ,وأراد أن يزار البيت في غير شهور الحج , فجعلتموها أنتم حراما ,وعاقبتم الناس عليها ,وقد أحلها الله عز وجل ,وعمل بها رسول الله صلى الله عليه وسلم , "قال :فإذا أكثروا عليه ,قال " :أفكتاب الله عز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

باوجود لوگوں کے یہ جاننے ماننے کے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تو ان سے بھی زیادہ علم والے ہیں، جو ابن عمر وابنِ عباس سے بھی برتر ہیں (مثل عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے) اگر یہ دروازہ کھل گیا، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ ورسول کے احکام سے تو اعراض کیا جائے، اور ہر امام اپنے متبعین کے زمرے میں مثل نبی علیہ السلام کے ہوجائے اپنی امت کے لیے۔

اور یہ دین کی اصل وضع بدلنا ہے، اور نصاریٰ کی اس حالت کے مشابہ ہوجاتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی مذمت کی ہے، ’’**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ**‘‘۔

’’بنالیا انہوں نے اپنے علماء واولیاء کو رب، اللہ کو چھوڑ کر، اور مسیح ابنِ مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ذات ان شریکوں سے پاک ہے، جو مشرک لوگ اس کے لیے گھڑتے ہیں (الفتاویٰ الکبریٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مذکورہ عبارت میں جس اعتراض اور شبہ کا ذکر کر کے اس کا مدلل جواب دیا ہے، آج بعض متعصبین وجامدین اس اعتراض اور شبہ کو دوسروں کے خلاف بہت مضبوط دلیل بلکہ برہان سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ مندرجہ بالا دلائل کی رُو سے اس کی حیثیت بیتِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجل أحق أن يتبع أم عمر؟ "(السنن الكبرى ،للبيهقي، رقم الحديث ٨٨٧٥)

عن أبي غطفان، أن ابن عباس، كان يقول :في الأصابع عشر عشر، فأرسل مروان إليه فقال :أتفتي :في الأصابع عشر عشر وقد بلغك عن عمر رضي الله عنه في الأصابع؟ فقال ابن عباس :رحم الله عمر قول رسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن يتبع من قول عمر رضي الله عنه(السنن الكبرى ،للبيهقي، رقم الحديث ١٦٢٨٧)

علامہ ابنِ تیمیہ کا چوتھا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وقد قال بكل قول طائفة من أهل العلم المشهورين .فمن صار إلى قول مقلدا لقائله لم يكن له أن ينكر على من صار إلى القول الآخر مقلدا لقائله، لكن إن كان مع أحدهما حجة شرعية وجب الانقياد للحجج الشرعية إذا ظهرت.

ولا يجوز لأحد أن يرجح قولا على قول بغير دليل، ولا يتعصب لقول على قول ولا لقائل على قائل بغير حجة، بل من كان مقلدا لزم حل التقليد، فلم يرجح ولم يزيف ولم يصوب ولم يخطئ، ومن كان عنده من العلم والبيان ما يقوله سمع ذلك منه، فقبل ما تبين أنه حق، ورد ما تبين أنه باطل، ووقف ما لم يتبين فيه أحد الأمرين، والله تعالى قد فاوت بين الناس في قوى الأذهان، كما فاوت بينهم في قوى الأبدان .وهذه المسألة ونحوها فيها من أغوار الفقه وحقائقه ما لا يعرفه إلا من عرف أقاويل العلماء ومآخذهم فأما من لم يعرف إلا قول عالم واحد وحجته دون قول العالم الآخر وحجته، فإنه من العوام المقلدين لا من العلماء الذين يرجحون ويزيفون، والله تعالى يهدينا وإخواننا لما يحبه ويرضاه، وبالله التوفيق، والله أعلم (الفتاوى الكبرى لابن تيمية، ج ١، ص ١٧٥، كتاب السنة والبدعة، مسألة جماعة ينكرون على من أكل ذبيحة يهودي أو نصراني، رقم المسئلة ١٢)

ترجمہ: اور مشہور اہلِ علم میں سے ہر جماعت نے ایک قول اختیار کیا، پس جو شخص ان میں سے کسی قول کے قائل کی تقلید کرے، تو اسے یہ حق نہیں کہ جو شخص کسی دوسرے فقہی قول کو اختیار کرلے، اس کے قائل کی تقلید کرتے ہوئے کہ دوسرے قول کی تقلید کرنے والے پر ردوانکار کرے، البتہ اگر دونوں قولوں میں سے شرعی دلائل ایک کے ساتھ ہوں، تو اس کے آگے جھکنا چاہیے، اس قول کے شرعی دلائل پر مبنی ہونے کی وجہ سے، جبکہ وہ دلائل دوسرے کے سامنے ظاہر ہوجائیں۔

اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایک قول کو دوسرے پر بلا دلیل ترجیح دے، اور نہ ایک قول کے مقابلہ میں دوسرے قول کے لیے تعصب وتحزّب اختیار کرے، اور نہ ایک قائل کے مقابلہ میں دوسرے قائل کے لیے بلا دلیل تعصب اختیار کرے، پس نہ ترجیح دے، نہ جھٹلائے، نہ صحیح قرار دے، نہ تغلیط کرے، اور جس کے پاس علم اور بیان ہو اپنے قول پر تو اس کا قول سنا جائے گا، اور اس کو قبول کیا جائے گا اگر اس کا حق ہونا واضح ہوجائے، اور رَد کیا جائے گا اگر اس کا بطلان واضح ہوجائے، اور توقف وسکوت کیا جائے گا، جب تک دونوں میں سے کوئی ایک بات واضح نہ ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ نے تفاوت اور فرق رکھا ہے، لوگوں کی ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں میں، جیسا کہ بدنی قوتوں میں بھی فرق رکھا ہے، اور یہ مبحث اور اس جیسے دیگر مباحث فقہ کی گہرائیوں اور حقائق میں سے ہیں، جس کو وہی شخص جان اور سمجھ سکتا ہے، جس کی اہلِ علم کے اقوال اور مآخذِ استدلال پر نظر ہو، باقی جو محض ایک صاحبِ علم کے (موقف واجتہاد پر مبنی)) قول اور مستدل کی ہی معرفت رکھتا ہو، کسی دوسرے صاحبِ علم کے قول واجتہاد اور اس کے مستدل سے وہ ناواقف ہو، تو وہ عامی ومحض مقلد ہے، اس کا ان علماء میں شمار نہیں ہوگا، جو اقوال کو پرکھ کر ترجیح وتضعیف کرسکتے ہیں، اور اللہ ہمیں ہدایت دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی اپنی

پسندیدہ ومرغوب باتوں کی اور یہ اللہ کی ہی توفیق سے ہوسکتا ہے، واللہ اعلم (الفتاویٰ الکبریٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی ایک مجتہد یا اس کے مقلد کو دوسرے مجتہد یا اس کے مقلد پر نکیر کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی مختلف فقہی اقوال کے درمیان تعصب وتحزب اختیار کرنا جائز ہے، اور نہ ہی بلا دلیل دوسرے قول کی تضعیف وتردید وغیرہ کرنا جائز ہے، اور جس شخص کی نظر صرف ایک عالم یا امام ومجتہد کے اقوال اور اس کے دلائل پر ہو، تو وہ مقلد ہوتا ہے، اس کا درجہ ان محققین سے کم تر ہے، جو دوسرے فقہاء وعلماء کے اقوال پر بھی نظر رکھتے ہوں، اور پھر سب کے دلائل کو ملاحظہ کرکے راجح ومرجوح کا فیصلہ کرتے ہوں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا پانچواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

والذى عليه جماهير الأمة أن الاجتهاد جائز فى الجملة ؛ والتقليد جائز فى الجملة لا يوجبون الاجتهاد على كل أحد ويحرمون التقليد ولا يوجبون التقليد على كل أحد ويحرمون الاجتهاد وأن الاجتهاد جائز للقادر على الاجتهاد والتقليد جائز للعاجز عن الاجتهاد .

فأما القادر على الاجتهاد فهل يجوز له التقليد ؟ هذا فيه خلاف والصحيح أنه يجوز حيث عجز عن الاجتهاد :إما لتكافؤ الأدلة وإما لضيق الوقت عن الاجتهاد وإما لعدم ظهور دليل له ؛ فإنه حيث عجز سقط عنه وجوب ما عجز عنه وانتقل إلى بدله وهو

التقليد كما لو عجز عن الطهارة بالماء .وكذلك العامى إذا أمكنه الاجتهاد فى بعض المسائل جاز له الاجتهاد فإن الاجتهاد منصب يقبل التجزى والانقسام فالعبرة بالقدرة والعجز وقد يكون الرجل قادرا فى بعض عاجزا فى بعض لكن القدرة على الاجتهاد لا تكون إلا بحصول علوم تفيد معرفة المطلوب فأما مسألة واحدة من فن فيبعد الاجتهاد فيها والله سبحانه أعلم

(مجموع الفتاوىٰ،لابن تيمية، ج٢٠،ص٢٠٣، ٢٠٤، كتاب أصول الفقه،الجزء الثانى: التمذهب، الاختلاف فى وجوب النظر والتقليد فى المسائل الفرعية)

ترجمہ: اور جمہور امت کا قول یہ ہے کہ اجتہاد فی الجملہ جائز ہے، اور تقلید بھی فی الجملہ جائز ہے، جمہور امت ہر ایک پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام قرار نہیں دیتے ،اور نہ ہی ہر ایک پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام قرار دیتے ہیں، جو شخص اجتہاد پر قادر ہو، اس کے لیے اجتہاد جائز ہے، اور جو شخص اجتہاد سے عاجز ہو، اس کو تقلید جائز ہے۔

جہاں تک کہ اجتہاد پر قادر شخص کا تعلق ہے، تو کیا اس کو تقلید کرنا جائز ہے؟ تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ مجتہد جہاں اجتہاد سے عاجز ہو، خواہ دلائل برابر ہونے کی وجہ سے یا اجتہاد کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے، یا اس کے لیے کسی دلیل کے راجح نہ ہونے کی وجہ سے، تو وہاں تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ جب اجتہاد سے عاجز ہو گیا، تو اس سے اس چیز کا وجوب ساقط ہو گیا، جس سے وہ عاجز ہو گیا، اور اس اجتہاد کا حکم اس کے بدل کی طرف منتقل ہو گیا، جو کہ تقلید ہے، جیسا کہ وہ شخص جو کہ پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کرنے سے عاجز ہو گیا، تو اس کا وجوب اس کے بدل یعنی تیمّم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اوراسی طریقہ سے عامی شخص جب اس کو بعض مسائل میں اجتہاد ممکن ہو، تو اس کو اجتہاد کرنا جائز ہے، کیونکہ اجتہاد ایسا منصب ہے، جو تجزی اور انقسام کو قبول کرتا ہے، پس اصل اعتبار اجتہاد پر قادر ہونے اور عاجز ہونے کا ہی ہوگا، کبھی آدمی بعض مسائل میں اجتہاد کرنے پر قادر ہوتا ہے، اور بعض میں اجتہاد کرنے سے عاجز ہوتا ہے، لیکن اجتہاد پر قدرت اتنے علوم کے حاصل ہونے سے ہی ہوگی، جو اس مطلوب کی معرفت کے لیے مفید ہوں (جس مسئلہ کے لیے اجتہاد کر رہا ہے) جہاں تک کہ کسی فن کے ایک مسئلہ کا تعلق ہے، تو اس میں اجتہاد بعید ہے (لہٰذا کسی فن کے صرف ایک جزوی مسئلہ کا علم اجتہاد کے لیے ناکافی ہے) واللہ سبحانہٗ اعلم (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اگر کسی شخص کو تمام مسائل میں اجتہاد ممکن نہ ہو، البتہ بعض مسائل میں اجتہاد ممکن ہو، تو ان متعلقہ مسائل کے لیے مطلوب علم کا ہونا اجتہاد کے لیے کافی ہے، اور اس کو دوسرے مجتہد کی تقلید کا مکلّف کرنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں، البتہ جو شخص جمہور کے خلاف موقف رکھ کر ہر شخص پر تقلید کو واجب قرار دیتا ہو، تو وہ اس کا معاملہ ہے، لیکن اسے جمہور کے قول پر یا جمہور کے قول کی اتباع کرنے والے پر نکیر کرنے کا حق نہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا چھٹا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ہی اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فإن كانوا مجتمعين على ما أمر الله به ورسوله من غير زيادة ولا نقصان فهم مؤمنون لهم ما لهم وعليهم ما عليهم .وإن كانوا قد زادوا في ذلك ونقصوا مثل التعصب لمن دخل في حزبهم

بالحق والباطل والإعراض عمن لم يدخل في حزبهم سواء كان على الحق والباطل فهذا من التفرق الذي ذمه الله تعالى ورسوله فإن الله ورسوله أمرا بالجماعة والائتلاف ونهيا عن التفرقة والاختلاف وأمرا بالتعاون على البر والتقوى ونهيا عن التعاون على الإثم والعدوان (مجموع الفتاوى، لابن تيمية، ج ١١، ص ٩٢، كتاب التصوف، لفظ "الزعيم" مثل لفظ الكفيل والقبيل والضمين)

ترجمہ: پس اگر وہ جماعت ایسی چیز پر جمع ہو، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، بغیر زیادتی اور کمی کے، تو وہ لوگ مومن ہیں، ان کے لیے اتنا ہی اجر ہے، جتنا مومنوں کے لیے ہے، اور اتنی ہی سزا ہے، جتنی مومنوں کے لیے ہے، اور اگر انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم میں کوئی زیادتی اور کمی کر دی، مثلاً اس شخص کے لیے تعصب اختیار کیا، جو اِن کی جماعت میں داخل ہوا، خواہ حق پر ہو یا باطل پر، اور جو اِن کی جماعت میں داخل نہیں ہوا، اس سے اعراض کیا، خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر، تو یہ وہی تفرقہ بازی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی بیان کی ہے، پس اللہ اور اس کے رسول نے اجتماعیت اور باہمی الفت و محبت کا حکم فرمایا ہے، اور تفرقہ بازی اور ناحق اختلاف سے منع فرمایا، اور نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم فرمایا ہے، اور گناہ اور زیادتی پر تعاون سے منع فرمایا ہے (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے فقہی واجتہادی تعصب کا بطلان وعصیان واضح ہوگیا، جس سے متعصبین وجامدین کو بچنا چاہیے، ورنہ گناہ وزیادتی پر تعاون کرنے کی وجہ سے ڈر ہے کہ وہ عنداللہ مؤاخذہ کے مستحق ہوں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا ساتواں حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

الوجه الخامس : أن قوله " :أحدثوا مذاهب أربعة لم تكن على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم " -إن أراد بذلك أنهم اتفقوا على أن يحدثوا هذه المذاهب مع مخالفة الصحابة فهذا كذب عليهم، فإن هؤلاء الأئمة لم يكونوا فى عصر واحد، بل أبو حنيفة توفى سنة خمسين ومائة، ومالك سنة تسع وسبعين ومائة، والشافعى سنة أربع ومائتين، وأحمد بن حنبل سنة إحدى وأربعين ومائتين، وليس فى هؤلاء من يقلد الآخر ولا من يأمر باتباع الناس له، بل كل منهم يدعو إلى متابعة الكتاب والسنة، وإذا قال :غيره قولا يخالف الكتاب والسنة عنده رده ولا يوجب على الناس تقليده.

وإن قلت :إن أصحاب هذه المذاهب اتبعهم الناس، فهذا لم يحصل بموطأة، بل اتفق أن قوما اتبعوا هذا، وقوما اتبعوا هذا كالحجاج الذين طلبوا من يدلهم على الطريق فرأى قوم هذا دليلا خبيرا فاتبعوه، وكذلك الآخرون.

وإذا كان كذلك لم يكن فى ذلك اتفاق أهل السنة على باطل، بل كل قوم منهم ينكرون ما عند غيرهم من الخطأ، فلم يتفقوا على أن الشخص المعين عليه أن يقبل من كل من هؤلاء ما قاله، بل جمهورهم لا يأمرون العامى بتقليد شخص معين غير النبى -

صلى الله عليه وسلم -فى كل ما يقوله.

والله تعالى قد ضمن العصمة للأمة، فمن تمام العصمة أن يجعل عددا من العلماء إن أخطأ الواحد منهم فى شىء كان الآخر قد أصاب فيه حتى لا يضيع الحق .

ولهذا لما كان فى قول بعضهم من الخطأ مسائل، كبعض المسائل التى أوردها، كان الصواب فى قول الآخر، فلم يتفق أهل السنة على ضلالة أصلا .

وأما خطأ بعضهم فى بعض الدين، فقد قدمنا غير مرة أن هذا لا يضر كخطأ بعض المسلمين .

وأما الشيعة فكل ما خالفوا فيه أهل السنة كلهم فهم مخطئون فيه كما أخطأ اليهود والنصارى فى كل ما خالفوا فيه المسلمين.

الوجه السادس : أن يقال :قوله " :إن هذه المذاهب لم تكن فى زمن النبى -صلى الله عليه وسلم، ولا الصحابة إن أراد أن الأقوال التى لهم لم تنقل عن النبى -صلى الله عليه وسلم -ولا عن الصحابة ، بل تركوا قول النبى -صلى الله عليه وسلم - والصحابة وابتدعوا خلاف ذلك.

فهذا كذب عليهم .فإنهم لم يتفقوا على مخالفة الصحابة، بل هم -وسائر أهل السنة متبعون للصحابة فى أقوالهم وإن قدر أن بعض أهل السنة خالف الصحابة لعدم علمه بأقاويلهم، فالباقون يوافقونهم ويثبتون خطأ من يخالفهم.

وإن أراد أن نفس أصحابها لم يكونوا فى ذلك الزمان فهذا لا

محذور فيه .فمن المعلوم أن كل قرن يأتي يكون بعد القرن الأول(منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية ،ج۳،ص۴۰۷،الی،۴۱۰،فصل كلام الرافضي على قول أهل السنة بالقياس وأخذهم بالرأى والرد عليه)

ترجمہ: پانچویں وجہ: یہ ہے کہ (اہلُ السنۃ والجماعۃ پر اعتراض کرنے والے کا) یہ کہنا کہ ''انہوں نے چار نئے مذاہب پیدا کر لیے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے'' اگر اعتراض کرنے والے کی مراد یہ ہو کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ نے صحابۂ کرام کی مخالفت کے باوجود ان چار مذاہب کو پیدا کرنے پر اتفاق کرلیا، تو یہ تو ان (اہلُ السنۃ والجماعۃ) پر جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ یہ سب ائمہ ایک ہی زمانہ میں نہیں ہوئے، بلکہ امام ابوحنیفہ سن 150 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام مالک سن 179 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام شافعی سن 204 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام احمد بن حنبل سن 241 ہجری میں فوت ہوئے، اور ان میں کوئی دوسرے کی تقلید کرنے والا نہیں تھا، اور نہ ہی ان میں کوئی لوگوں کو اپنی اتباع کا حکم فرمانے والا تھا، بلکہ ان میں سے ہر ایک کتاب وسنت کی اتباع کی دعوت دیا کرتا تھا، اور جب ان کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا قول اختیار کرتا تھا، جو اِس کے نزدیک کتاب وسنت کے مخالف ہو، تو اس کو رَد کر دیا کرتا تھا، اور لوگوں پر اس کی تقلید کو واجب قرار نہیں دیا کرتا تھا (وہ الگ بات ہے کہ بعد کے متعصبین نے اس طرز وطریقہ کو چھوڑ دیا)[1]

---

[1] بلاشبہ ائمۂ متبوعین ومجتہدین کا یہی طرز وطریقہ تھا، وہ نہ تو دوسروں کو اپنی تقلید کی دعوت دیتے تھے، اور نہ ہی کسی مجتہد کے ان کی رائے سے اختلاف کرنے والے یا اس کی تقلید کرنے والے پر ذرہ برابر خفگی وناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے، نہ ہی ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز کو ناجائز قرار دیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان مجتہدین وفقہائے کرام کے تلامذہ اور شاگرد اجتہاداً یا تقلیداً دوسری رائے اختیار کرتے، تو ان کو بھی منع نہیں کرتے تھے۔ محمد رضوان۔

اگر آپ یہ شبہ کریں کہ ''ان مذاہب والوں کی لوگوں نے اتباع کی ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع ان کی باہمی اتفاقِ رائے سے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ اتفاقاً ایک قوم نے اس کی اتباع کی، اور دوسرے نے کسی اور کی اتباع کی، جیسا کہ حجاج جو راستہ بتانے والے کو طلب کریں، ان میں سے بعض ایک کو زیادہ بہتر راستہ بتانے والا سمجھنے کی وجہ سے اس کی اتباع کرلیں، اور اسی طریقہ سے دوسرے لوگ کسی اور راستہ بتانے والے کی اتباع کرلیں۔

اور جب صورتِ حال یہ ہے کہ اس میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کا باطل چیز پر متفق ہونا نہیں پایا جاتا، بلکہ ان میں سے ہر قوم دوسرے کی خطاؤں کا انکار کرتی ہے، پس وہ اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ کسی معین شخص پر یہ واجب ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ہر قول کو وہ قبول کرے، بلکہ جمہور فقہائے کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی معین شخص کی اس کے ہر قول میں تقلید کرنے کا عامی کو حکم نہیں فرماتے (اور مجتہدین کے باہمی اختلاف ہی کی وجہ سے امت خطاء پر متفق وجمع نہیں ہوئی)

اور اللہ تعالیٰ نے امت کے معصوم ہونے کی ذمہ داری لی ہے، پس معصوم ہونے کے پورا ہونے میں سے یہ بات بھی ہے کہ علماء کی ایک تعداد ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک کسی چیز میں مخطی، تو دوسرا اس میں مصیب ہو، تاکہ حق ضائع نہ ہو۔ [1]

---

[1] اور اسی کے ساتھ بعض مجتہدین کے اقوال خطاء پر مبنی ہونے کے باوجود اس پر مجتہد اور اس کے مقلد کے عمل کو بھی گناہ کے بجائے ثواب قرار دے دیا، اگر یہ اجتہادی اختلاف نہ ہوتا، تو اس خطاء پر عمل کرنا جائز یا ثواب نہ ہوتا، اس طرح مجتہدین کا اختلاف رحمت بن کر ظاہر ہوا کہ امت کے لیے ایک سے زیادہ پہلوؤں کی لچک اور وسعت رکھ دی گئی، جو بعض اوقات ایک دوسرے کے متعارض بھی ہوتے ہیں، اور یہ امتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض متشددین و متعصبین نے اس اختلاف کو رحمت کے بجائے زحمت، اور یُسر کے بجائے عُسر، اور سہولت کے بجائے صعوبت اور وسعت کے بجائے کلفت کا ذریعہ بنالیا، بلکہ بعض نے اپنی فقہ کے اجتہادی پہلوؤں کی تصدیق اور دوسروں کے اجتہادی پہلوؤں کی تردید و تکذیب کو ہی عمدہ مشغلہ بنالیا ہے۔ محمد رضوان۔

اسی وجہ سے ائمۂ مجتہدین میں سے بعض کے اقوال میں بہت سے مسائل خطاء پر بھی مبنی ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ میں بعض مسائل میں ذکر کروں گا، تو یقیناً صواب دوسرے قول میں ہوگا، پس اہلُ السنۃ والجماعۃ قطعاً گمراہی پر جمع نہیں ہوئے۔

رہا دین کے بعض معاملات میں بعض حضرات سے خطاء کا صادِر ہونا (یعنی بعض مسائل میں بعض مجتہدین کا اور بعض میں دوسرے بعض مجتہدین کا خطاء پر ہونا) تو ہم کئی مرتبہ یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں کوئی ضرَر روالی بات نہیں، جیسا کہ بعض مسلمانوں کی خطاء میں ضرَر روالی بات نہیں (بعض حضرات سے خطاء کے صدور کی وجہ سے پوری امت کا گمراہی وخطاء پر جمع ہونا نہیں کہلائے گا)

اور جہاں تک اہلِ تشیع کا تعلق ہے، پس وہ تمام مسائل جن میں انہوں نے جملہ اہلُ السنۃ کی مخالفت کی ہے، تو وہ خطاء پر ہیں، جیسا کہ یہود ونصاریٰ ان چیزوں میں خطاء پر ہیں، جن میں انہوں نے مسلمانوں کی مخالفت کی۔

چھٹی وجہ: یہ ہے کہ (اہلُ السنۃ والجماعۃ پر اعتراض کرنے والے کا) یہ کہنا کہ ''یہ چار مذاہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے، اور نہ ہی صحابۂ کرام کے زمانہ میں تھے'' اگر اعتراض کرنے والے کی مراد یہ ہو کہ ان کے اقوال نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، اور نہ ہی صحابۂ کرام سے مروی ہیں، بلکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے قول کو ترک کر دیا، اور اس کے خلاف نئے اقوال گھڑ لیے، تو یہ اہلُ السنہ والجماعۃ (اور چاروں فقہائے کرام) پر جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ انہوں نے صحابۂ کرام کی مخالفت پر اتفاق نہیں کیا، بلکہ یہ حضرات اور تمام اہلُ السنۃ والجماعۃ صحابۂ کرام کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں، اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ بعض اہلُ السنۃ نے صحابہ کی مخالفت اس لیے کی کہ ان کو ان صحابہ کے اقوال کا علم نہیں تھا، تو باقی حضرات نے صحابۂ کرام کی موافقت

کی، اور مخالفت کرنے والے کی خطاء کو ظاہر کیا۔

اور اگر معترض کا مقصد یہ ہو کہ خود یہ چار مذاہب والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں موجود نہیں تھے، تو اس میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر زمانہ پہلے زمانہ کے بعد آیا کرتا ہے (منہاج السنۃ)

مذکورہ عبارات وحوالہ جات سے موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم اور عوام کے مختلف شبہات کے جوابات کا علم ہو گیا۔

علامہ ابنِ قیم کا حوالہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ ابنِ تیمیہ کے بعد علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ وہ تیسری شخصیت ہیں، جن کے مسائل کی تشریح پر علامہ سید سلیمان صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا، اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی تحسین فرمائی، وہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولما كان التلقى عنه -صلى الله عليه وآله وسلم -على نوعين: نوع بواسطة، ونوع بغير واسطة، وكان التلقى بلا واسطة حظ أصحابه الذين حازوا قصبات السباق، واستولوا على الأمد فلا طمع لأحد من الأمة بعدهم فى اللحاق، ولكن المبرز من اتبع صراطهم المستقيم، واقتفى منهاجهم القويم والمتخلف من عدل عن طريقهم ذات اليمين وذات الشمال، فذلك المنقطع التائه فى بيداء المهالك والضلال، فأى خصلة خير لم يسبقوا إليها؟ وأى خطة رشد لم يستولوا عليها؟ تالله لقد وردوا رأس الماء من عين الحياة عذبا صافيا زلالا، وأيدوا قواعد الإسلام فلم يدعوا

لأحد بعدهم مقالا، فتحوا القلوب بعدلهم بالقرآن والإيمان، والقرى بالجهاد بالسيف والسنان، وألقوا إلى التابعين ما تلقوه من مشكاة النبوة خالصا صافيا، وكان سندهم فيه عن نبيهم -صلى الله عليه وآله وسلم -عن جبريل عن رب العالمين سندا صحيحا عاليا، وقالوا :هذا عهد نبينا إلينا وقد عهدنا إليكم، وهذه وصية ربنا وفرضه علينا وهى وصيته وفرضه عليكم.

فجرى التابعون لهم بإحسان على منهاجهم القويم، واقتفوا على آثارهم صراطهم المستقيم، ثم سلک تابعو التابعين هذا المسلک الرشيد، (وهدوا إلى الطيب من القول وهدوا إلى صراط الحميد)وكانوا بالنسبة إلى من قبلهم كما قال أصدق القائلين :(ثلة من الأولين)(وقليل من الآخرين)

ثم جاء ت الأئمة من القرن الرابع المفضل فى إحدى الروايتين، كما ثبت فى الصحيح من حديث أبى سعيد وابن مسعود وأبى هريرة وعائشة وعمران بن حصين، فسلكوا على آثارهم اقتصاصا، واقتبسوا هذا الأمر عن مشكاتهم اقتباسا، وكان دين الله سبحانه أجل فى صدورهم، وأعظم فى نفوسهم، من أن يقدموا عليه رأيا أو معقولا أو تقليدا أو قياسا، فطار لهم الثناء الحسن فى العالمين، وجعل الله سبحانه لهم لسان صدق فى الآخرين.

ثم سار على آثارهم الرعيل الأول من أتباعهم، ودرج على منهاجهم الموفقون من أشياعهم، زاهدين فى التعصب للرجال، واقفين مع الحجة والاستدلال، يسيرون مع الحق أين سارت

ركـائبـه، ويستـقـلون مع الصواب حيث استقلت مضاربه، إذا بدا لهـم الـدليـل بـأخـذتـه طـاروا إليـه زرافات ووحدانا، وإذا دعاهم الرسول إلى أمر انتدبوا إليه ولا يسألونه عما قال برهانا، ونصوصه أجـل فـى صـدورهـم وأعظم فى نفوسهم من أن يقدموا عليها قول أحد من الناس، أو يعارضوها برأى أو قياس.

ثـم خـلف مـن بـعدهم خلوف فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بـمـا لـديهـم فـرحـون، وتـقطعوا أمرهم بينهم زبرا وكل إلى ربهم راجعون، جعلوا التعصب للمذاهب ديانتهم التى بها يدينون، ورء وس أمـوالهـم التـى بهـا يتجرون، وآخرون منهم قنعوا بمحض التقليد وقـالوا :(إنـا وجـدنـا آبـاء نـا عـلـى أمة وإنا عـلـى آثـارهـم مـقتـدون)والفريقان بمعزل عما ينبغى اتباعه من الصواب، ولسان الـحق يتلو عليهم :(ليـس بـأمـانيـكم ولا أمانى أهل الكتاب) قال الشـافـعـى قدس الله تعالى روحه :أجـمـع المسلمون على أن من استبانت له سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لم يكن له أن يـدعهـا لـقـول أحـد مـن الـناس، قال أبو عمر وغيره من العلماء : أجمع الناس على أن المقلد ليس معدودا من أهل العلم، وأن العلم مـعرفة الحق بدليله، وهذا كما قال أبو عمر -رحمه الله تعالى :- فإن الـناس لا يختلفون أن العلم هو المعرفة الحاصلة عن الدليل، وأما بدون الدليل فإنما هو تقليد.

فـقـد تـضمن هذان الإجماعان إخراج المتعصب بالهوى والمقلد الأعـمـى عـن زمـرة الـعـلماء ، وسقوطهما باستكمال من فوقهما

الفروض من ورثة الأنبياء ، فإن العلماء هم ورثة الأنبياء ، فإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، وإنما ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر ، وكيف يكون من ورثة الرسول -صلى الله عليه وسلم -من يجهد ويكدح فى رد ما جاء به إلى قول مقلده ومتبوعه، ويضيع ساعات عمره فى التعصب والهوى ولا يشعر بتضييعه تالله إنها فتنة عمت فأعمت، ورمت القلوب فأصمت، ربا عليها الصغير، وهرم فيها الكبير، واتخذ لأجلها القرآن مهجورا، وكان ذلك بقضاء الله وقدره فى الكتاب مسطورا، ولما عمت بها البلية، وعظمت بسببها الرزية، بحيث لا يعرف أكثر الناس سواها، ولا يعدون العلم إلا إياها، فطالب الحق من مظانه لديهم مفتون، ومؤثره على ما سواه عندهم مغبون، نصبوا لمن خالفهم فى طريقهم الحبائل، وبغوا له الغوائل، ورموه عن قوس الجهل والبغي والعناد، وقالوا لإخوانهم :إنا نخاف أن يبدل دينكم أو أن يظهر فى الأرض الفساد.

فحقيق بمن لنفسه عنده قدر وقيمة، ألا يلتفت إلى هؤلاء ولا يرضى لها بما لديهم، وإذا رفع له علم السنة النبوية شمر إليه ولم يحبس نفسه عليهم(إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج ۱ ،ص ۵ الیٰ ۷،مقدمة الكتاب)

ترجمہ: اور جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو لینا دوطرح سے ہے، ایک بالواسطہ، دوسرے بلاواسطہ۔

اور بغیر واسطہ کے لینا، ان صحابہ ہی کا حصہ ہے، جو فائز المرام ہوگئے سبقت

وبرتری کے مقامات کی طرف بازی لے گئے، اور مدت اور وقت پر غالب آ گئے، پس امت میں سے ان کے بعد کوئی ان تک پہنچنے کی طمع نہیں کرسکتا، لیکن وہ شخص نمایاں وآشکارا ہوجائے گا، جو اِن صحابۂ کرام کے سیدھے راستے کی پیروی کرے، اور ان کے استوار وہموار طریقے کے پیچھے چلے، اور وہ شخص پیچھے رہ جائے گا، جو اِن صحابۂ کرام کے طریقے سے دائیں بائیں انحراف کرے گا، اور یہ شخص ضلالت وگمراہی کی گھاٹیوں اور بیابانوں میں آوارہ وسرگرداں ہوکر کٹ جانے والا شمار ہوگا، پس کون سی خیر وبھلائی کی خصلت ہے، جس کی طرف یہ صحابہ سبقت نہ لے گئے ہوں؟ کون سا رشد وہدایت کا موقع ومقام ہے، جس پر صحابۂ کرام غالب ومسلط نہ ہوچکے ہوں، اللہ کی قسم! یہ آبِ حیات کے چشمے کے سرچشمہ پر اترتے تھے، جس کا پانی ستھرا نتھرا، آب دار، چمکدار تھا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی) اور صحابۂ کرام اسلام کی بنیادوں کو ایسا مستحکم بنا گئے ہیں کہ ان کے بعد کسی کے لیے حرف گیری کی گنجائش اور مجالِ سخن نہیں رہا، قرآن وایمان کے ذریعہ اپنے توسط واعتدال کے ساتھ یہ دلوں کی سب گرہیں کھول گئے ہیں (**افلا یتدبرون القرآن، ام علیٰ قلوب اقفالھا**) کی طرف اشارہ ہے کہ تدبرِ کامل کے ساتھ فتح قلوب کرچکے ہیں، اور یہ حضرات سیف وسنان والے جہاد کے ذریعہ بستیوں وآبادیوں (ملکوں وخطوں) کو فتح ومسخر کرچکے ہیں، اور یہ صحابۂ کرام تابعین کی طرف وہ سب کچھ خالص ونتھرا ہی پہنچا کر ڈال گئے ہیں، جو انہوں نے نبوت کے روشن ومنور چراغ سے کسبِ فیض کیا تھا، اور سب میں ان کا استناد اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جن کا استناد جبریل امین سے، اور ان کا استناد رب العالمین سے ہے، بالکل صحیح، بلند وبرتر سند کے ساتھ، اور فرما گئے کہ یہ وہ سب ہے، جس کا ہمارے نبی نے ہم سے عہد لیا، ہمارے ذمہ کرگئے، اور ہم

تمہارے ذمہ کر کے جاتے ہیں، اور یہی ہمارے رب کی وصیت وتاکید اور فریضہ ہم پر تھا، اور یہی نبی علیہ السلام کی وصیت وفریضہ تم پر ہے۔

پھر ان کے بعد تابعین پورے اخلاص سے صحابۂ کرام کے سیدھے ومستحکم منہاج وطریقے پر رواں دواں رہے، اور پیچھے چلتے رہے ان کے سیدھے راستے کے آثار ونشانات کے۔

پھر تابعین کے بعد اتباعِ تابعین بھی اسی سیدھے اور درست راستے ومسلک پر چلتے رہے، اور ان کو پاکیزہ قول اور عمدہ راستہ کی ہدایت حاصل ہوئی، اور وہ اپنے سے پہلے حضرات کے مقابلہ میں جیسا کہ سب سے سچے قائل یعنی اللہ نے فرمایا کہ''ثلة من الاولين ، وقليل من الآخرين'' کا مصداق تھے۔

پھر اس کے بعد چوتھی صدی میں ائمہ (مجتہدین ومتبوعین) حضرات تشریف لائے، اور یہ زمانہ دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق فضیلت والا ہے، جیسا کہ روایتِ صحیحہ سے ثابت ہے، ابوسعید، ابنِ مسعود، ابوہریرہ، عائشہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کی حدیث سے، پس یہ (ائمۂ دین) پورے پورے چلے ان (پہلے تین طبقوں) کے نقشِ قدم پر، اور انہوں نے دین کا چراغ اپنے سے پہلے حضرات کے چراغ سے لے کر روشن ومنور کیے رکھا، اور اللہ کے دین کی عظمت بہت ہی بڑی تھی، ان کے سینوں میں، اور برتر تھی ان کے نفوس میں، اس بات سے کہ اس کے آگے اپنی رائے، عقل، تقلید، قیاس کو بڑھائیں، پس ان کی نیک نامی اور تعریف نشر ہوگئی سارے جہان میں، اور اللہ سبحانہٗ نے ان کے سچے اور درست ہونے کا اچھا نام بعد والوں میں چھوڑ دیا۔

پھر ان کے نقشِ قدم پر ان کے متبعین میں سے صفِ اول کے لوگ چلتے رہے، اور ان کے طریقوں کو اختیار کرتے رہے، یہ حضرات دوسرے لوگوں سے تعصب

اختیار کرنے سے محفوظ تھے، اور دلائل اور استدلال کی موافقت کرنے والے تھے، حق جہاں بھی ان کو نظر آتا تھا، اس کے ساتھ چلتے تھے، اور صواب جہاں بھی ان کو کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر کھڑا کرتا تھا، وہیں کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر کھڑے ہوجاتے تھے، اور جب ان کے سامنے دلیل ظاہر ہوجاتی تھی، تو اس کو لینے کے لیے سبقت کرتے، ایک ایک کرکے بھی اور مل کر بھی (دلیل ملنے کے بعد لیت ولعل اور حیل وحجت نہیں کرتے تھے) اور جب ان کو رسول کسی کام کی طرف بلاتا، تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوجاتے، اور رسول کی بات میں کسی دلیل کا سوال نہیں کرتے تھے، اور رسول کی نصوص ان کے سینوں میں زیادہ بلندی والی تھیں، اور ان کے دلوں میں زیادہ عظمت والی تھیں، اس کے مقابلے میں کہ وہ لوگوں میں سے کسی کا قول اختیار کریں، یا نصوص کی رائے اور قیاس کے ساتھ مخالفت کریں۔

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آ گئے، جنہوں نے دین میں تفرقہ بازی کردی، اور وہ گروہ گروہ ہوگئے، اور وہ ''**کل حزب بما لديهم فرحون** '' کا مصداق بن گئے، نیز ''**وتقطعوا امرهم بينهم زبرا** '' کا مصداق بن گئے، حالانکہ وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کے لیے تعصب کو اپنا دین بنالیا، جس کے ذریعے وہ دین دار بنتے ہیں، اور اپنا رأس المال بنالیا، جس کے ذریعے وہ تجارت کرتے ہیں، اور ان میں سے دوسرے لوگوں نے تقلیدِ محض پر قناعت اختیار کی، اور اس کا مصداق بن گئے کہ ''**انا وجدنا آبائنا علىٰ امة ، وانا علىٰ آثارهم مقتدون** '' اور یہ دونوں فریق صواب والی چیز کی اتباع کرنے سے الگ ہوگئے، حالانکہ حق کی زبان ان پر تلاوت کرتی ہے، یعنی ''**لَيۡسَ بِأَمَانِيِّكُمۡ وَلَا أَمَانِيِّ أَهۡلِ الۡكِتَابِ** '' امام

شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظاہر ہوگئی، اس کے لیے لوگوں میں سے کسی کے قول کی وجہ سے سنت کو چھوڑنا جائز نہیں، ابوعمرو وغیرہ اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد کو اہلِ علم میں شمار نہیں کیا جاتا، اور علم حق کو دلیل کے ساتھ پہچاننے کا نام ہے، اور یہ اسی طرح ہے، جو ابوعمرو نے فرمایا، کیونکہ لوگوں کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ علم اس معرفت کا نام ہے، جو دلیل سے حاصل ہو، اور دلیل کے بغیر محض تقلید ہے، پس اہلِ علم کے یہ مذکورہ دونوں اجماع و اتفاق اس بات کو متضمن (شامل) ہیں کہ ہویٰ نفسانی کے تحت تعصب اختیار کرنے والا اور اندھی تقلید کرنے والا زمرہ اہلِ علم، اور طبقۂ علماء سے خارج ہے۔ [1]

اور ان دونوں باتوں (ہوائے نفسانی پر مبنی تعصب اور اندھی تقلید) سے نکلنا اوپر والے دو وظائف (جو امام شافعی اور ابوعمر نے دین وعلم کے متعلق اہلِ علم کے اتفاق کی روشنی میں بیان کیے) کو پورا کرنے کی صورت میں یہ وارثینِ انبیاء کے فرائض میں سے ہے، اس لیے کہ اہلِ علم ہی وارثینِ انبیاء ہیں، اس لیے کہ انبیاء درہم و دینار میراث میں چھوڑ کر نہیں جاتے، بلکہ وہ تو علم کو میراث میں چھوڑتے ہیں، پس جو اس سے لے وہ بڑا حصہ پانے والا ہے، اور وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین میں سے کیسے ہوسکتا ہے، جس کی ساری دوڑ دھوپ، جہد و مشقت، اس قول کی تردید وتغلیط میں ہو، جو اس کے پاس اس کے متبوع کے

---

[1] مگر افسوس کہ جو طبقہ متعصب یا اندھی تقلید میں متشدد ہے، موجودہ دور میں وہی اپنے آپ کو اہلِ علم کے زمرہ کا اصل مصداق قرار دلوانے کے درپے ہے، اور جو طبقہ اہلِ علم کے زمرہ کا اصل مصداق ہے، اس کو اہلِ علم کے زمرہ میں داخل ماننے کے لیے تیار نہیں، بلکہ اس کو اس زمرہ سے خارج قرار دلوانے کے درپے ہیں، جس میں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ انبیاء کے اصل وارث وہی ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

خلاف آتا ہے، اور برباد کرتا ہے اپنی عمر کے اوقات کو تعصب اور ہوائے نفسانی کے لیے ، اور شعور واحساس نہیں رکھتا عمر کے برباد ہونے کی ،اللہ کی قسم! یہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبا فتنہ ہے، جس نے اندھا کردیا، جس میں دل مبتلا ہوگئے، تو وہ (حق سے) بہرے ہوگئے، بچے اسی فتنہ میں نشو ونما پا کر بڑے اور بڑے بوڑھے ہورہے ہیں، اوراسی فتنہ پر تکیہ کرکے قرآن کو انہوں نے پسِ پشت ڈال رکھا ہے، اور یہ اللہ کے فیصلہ وتقدیر سے کتاب میں لکھا ہوا ہے، اور جب یہ بلا عام ہوگئی اوراس کی وجہ سے مصیبت بڑی ہوگئی، یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اکثر لوگ اس کے علاوہ کو جانتے ہی نہیں، اوران کا علم اس سے آگے نہیں بڑھتا، تو اپنے گمان کے مطابق حق کو طلب کرنے والا ان کے نزدیک فتنہ میں مبتلا ہے، اور ان کے قول کے علاوہ کو ترجیح دینے والا ان کے نزدیک گھاٹے اور نقصان میں ہے، انہوں نے اپنے طریقہ کی مخالفت کرنے والے لوگوں کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں، اوراس کے لیے بہکانے والے لوگ کھڑے کردیئے ہیں، اور اس پر جہالت اور زیادتی وعناد کے تیروں کی بوچھاڑ کرنی شروع کردی ہے، اور انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ’’ **إِنِّـي أَخَـافُ أَنْ يُبَـدِّلَ دِيـنَكُمْ أَوْ أَنْ يُـظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ** ‘‘ ہمیں خوف ہے کہ یہ (دلائل سے ان کے خلاف قول کو ترجیح دینے والا) شخص تمہارے دین کو بدل دے گا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جس کے نفس کی اس کے نزدیک قدر وقیمت ہو، تو وہ ان جاہل لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو، اوران کے پاس جو کچھ ہے، اس پر راضی نہ ہو، اور جب اس کی طرف سنتِ نبوی سے علم آئے، تو اس کی طرف متوجہ ہو، اوراپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید نہ کرے (اعلام الموقعین)

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں جاہل اور متعصب، نام نہاد علماء کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ صد فیصد درست ہے، اور ان متشدد و متعصب نام نہاد اہلِ علم کے فتنہ سے عوام کو بچنا ضروری ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے سامنے خصوصیت کے ساتھ تین حضراتِ گرامی کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کرنے اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامہ رکھنے کا ذکر کیا تھا، یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، علامہ ابنِ تیمیہ اور علامہ ابنِ قیم رحمہم اللہ، ان کی چند مفصل عبارات اور ان کی ضروری تشریح ذکر کی جا چکی ہے، جن کی روشنی میں اجتہادی اختلاف میں تشدد اور فقہی مسائل میں تعصب اختیار کرنے والے حضرات کے لیے اپنی اصلاح کا بہت کچھ سامان ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد بن عبدالعظیم مکی رومی حنفی کا حوالہ

محمد بن عبدالعظیم مکی رومی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد نص علماؤنا وغيرهم من أصحاب المذاهب على حرمة التعصب وتصويب الصلابة فى المذهب ومعنى الصلابة أى الثبات على ما ظهر للمجتهد من الدليل وليس ذلك إلا للمجتهد نفسه أو لمن هو من أهل النظر ممن أخذ بقوله.

والتعصب هو الميل مع الهوى لأجل نصرة المذهب ومعاملة الإمام الآخر ومقلديه بما يحط عنهم.

وقد نص فى جواهر الفتاوى وغيرها من كتب أصحابنا أن الإمام الشافعى رحمه الله تعالى لم يكن له تعصب على أئمتنا رحمهم

الله تعالى.

وقد كان الصحابة رضى الله عنهم يقتدى بعضهم ببعض وكذا التابعون لهم وفيهم المجتهدون ولم ينقل عن أحد من السلف رحمهم الله تعالى أنه كان لا يرى الاقتداء بمن يخالف قوله فى بعض المسائل ولو فى خصوص الطهارة والصلاة بل كان يقتدى بعضهم ببعض وربما اعتقد بعضهم ولاية بعض حتى أن الشافعى رضى الله عنه بعث يطلب قميص الإمام أحمد بن حنبل من بغداد يستشفى به فى مدة مرضه بغسله وشرب مائه كما رأيته مثبتا فى مناقب أحمد رضى الله تعالى عنهم يعامل بعضهم بعضا كما يعلم ذلك من سيرهم وأحوالهم.

و لا يلتفت إلى ما قد تمسك به من لا معرفة عنده بأن الاختلاف بينهم لم يكن بينهم بهذه الصفة التى عليها المذاهب الآن لأنا قد قررنا أن ذلك لا يمنع لأن الكل كانوا فى طلب الحق على حد متساو واجتهاد كل واحد منهم يحتمل الخطأ كغيره بعد تسليم بلوغهم درجة الاجتهاد وإن تفاوتوا فيه (القول السديد فى بعض مسائل الاجتهاد والتقليد، ص ۴۶ الىٰ ۵۱، مسائل الاجتهاد والتقليد، الفصل الثانى)

ترجمہ: اور ہمارے علماء اور دوسرے مذاہب کے اصحاب نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ تعصب حرام ہے، اور مذہب کے اندر ''صلابۃ'' درست ہے، اور ''صلابۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کو دلیل سے جو راجح معلوم ہو، اس پر قائم رہنا، اور یہ ''صلابۃ'' یا تو مجتہد کی اپنی ذات کے لیے ہے، یا پھر اس کے لیے ہے، جو اس مجتہد کے قول کو لے، اور وہ اہلِ نظر میں سے ہو (عام شخص کے لیے یہ حکم نہیں،

کیونکہ اس کو راجح قول کے مطابق ہر مجتہد کی تقلید جائز ہے، خواہ وہ مفضول کیوں نہ ہو، اور اس کو کسی ایک مجتہد کے قول یا مذہب کے صواب اور دوسرے کے خطاء سمجھنے کا عقیدہ رکھنا ضروری نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے) [1]

اور تعصب دراصل مذہب کی نصرت کے لیے خواہش کے ساتھ مائل ہونے اور دوسرے امام اور اس کے مقلد کے ساتھ اس کو اپنے درجہ سے گرانے کا نام ہے۔

اور جواہر الفتاویٰ وغیرہ اور ہمارے اصحاب کی دوسری کتب میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے تعصب نہیں تھا۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے، اور اسی طریقہ سے تابعین بھی ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے، اور ان میں مجتہدین بھی موجود تھے، اور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے بعض مسائل میں مخالفت کرنے والے کی اقتداء کو جائز نہ سمجھا ہو، اگرچہ خاص طہارت اور نماز کے مسائل میں ہی وہ مخالفت کیوں نہ ہو، بلکہ وہ ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے، بلکہ بسا اوقات وہ ایک دوسرے کی ولایت کا بھی اعتقاد رکھتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بغداد سے امام احمد رحمہ اللہ کی قمیض شفاء حاصل کرنے کے لیے منگوانے بھیجا، جب وہ مرض میں مبتلا تھے، تاکہ وہ اس کو دھوکر اس کا پانی پئیں، جیسا کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب میں یہ بات دیکھی ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا کرتے

---

[1] مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ عام لوگوں کو کسی ایک مذہب کی مکمل تقلید واجب کرنے کے لیے جو یہ کہا جاتا کہ یہ ''صلابۃ'' میں داخل ہے، اور ایک امام کے مذہب کو جس کی تقلید کر رہا ہے، صواب سمجھنا اور دوسرے مذاہب کو خطاء سمجھنا ضروری ہے، دوسری جہت کے احتمال کے ساتھ، تو یہ صرف ایک قول پر مبنی ہے، دوسرا قول اس کے برخلاف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

تھے، وہ ان کی سیرت اور حالات سے معلوم ہے۔

اور اس شخص کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، جس نے ایسے شخص کے قول سے استدلال کیا کہ جس کو معرفت حاصل نہیں، ان کا آپس کا اختلاف اس طریقہ پر نہیں تھا، جس طریقہ پر آج مذاہب پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ مختلف مذاہب کا ہونا اس کے لیے مانع نہیں، کیونکہ تمام اہلِ مذاہب اپنی اپنی جگہ مساوی طریقہ پر حق کے طالب ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد دوسرے کی طرح خطاء کا احتمال رکھتا ہے، اس بات کے تسلیم کرنے کے بعد کہ وہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اگرچہ اجتہاد میں وہ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں (القول السدید)

معلوم ہوا کہ بعض متاخرین نے فروعی مسائل میں غیر معمولی شدت اختیار کی، یہاں تک کہ فروع میں مخالف امام کی اقتداء میں نماز کو اس وقت ناجائز قرار دے دیا، جبکہ امام، مقتدی کے زعم کے مطابق نماز کی صحت کے مسائل کا لحاظ نہ کرے، جبکہ متقدمین کے نزدیک اس طرح کی شرط نہیں تھی، بلکہ اگر اس قول کو لیا جائے، جس کی رُو سے ''صواب محتمل الخطاء'' کا عقیدہ رکھنا واجب نہیں، اور نہ ہی مذہبِ معین کا التزام ضروری ہے، تو اس کی رُو سے مقتدی کے زعم میں امام کی نماز خطاء پر بھی مبنی نہیں کہلائے گی۔

اور مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام مجتہدین کا اجتہاد خطاء کا مساوی طریقہ پر احتمال رکھتا ہے، اگرچہ اجتہاد کی صلاحیتوں اور درجوں میں تفاوت ہو، اسی لیے افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز ہے۔

تفسیر قرطبی کا حوالہ

تفسیر قرطبی میں ہے:

وليس فيه دليل على تحريم الاختلاف فى الفروع، فإن ذلك ليس اختلافا إذ الاختلاف ما يتعذر معه الائتلاف والجمع، وأما حكم مسائل الاجتهاد فإن الاختلاف فيها بسبب استخراج الفرائض ودقائق معانى الشرع، وما زالت الصحابة يختلفون فى أحكام الحوادث، وهم مع ذلك متآلفون (تفسير القرطبى، ج۴، ص ۱۵۹، سورة آل عمران)

ترجمہ: اور اس آیت میں (جس میں تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے) فروعی اختلاف کے حرام ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ درحقیقت اختلاف نہیں ہے، اختلاف تو وہ ہے، جس کے ساتھ اجتماعیت اور باہمی الفت ومحبت متعذر ہوجائے، جہاں تک اجتہادی مسائل کے حکم کا تعلق ہے، تو ان میں اختلاف فرائض اور شریعت کے دقیق معانی کے استخراج کی وجہ سے ہوا ہے، اور صحابۂ کرام کا پیش آمدہ مسائل کے احکام میں برابر اختلاف رہا، اس کے باوجود وہ آپس میں ایک دوسرے سے الفت ومحبت رکھتے تھے (تفسیر القرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف، مذموم اختلاف میں داخل نہیں، کیونکہ اس سے اجتماعیت اور باہمی الفت متاثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس طرح کے مسائل میں اختلاف تھا، لیکن وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الفت رکھتے تھے۔

پس اجتہادی مسائل کی وجہ سے گروہ بندی کرنا، اوران کی وجہ سے باہمی الفت ومحبت کے بجائے بغض وعناد رکھنا سراسر ناجائز ہے، اور ایسا اختلاف شریعت کی نظر میں مذموم ہے، جس سے اجتماعیت اور باہمی الفت کو نقصان پہنچے، جیسا کہ آج کل بعض لوگوں نے اختیار کررکھا ہے، اور نہ ہی اس طرح کا اختلاف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تھا، باوجودیکہ ان کا

اس قسم کے فروعی مسائل میں باہمی اختلاف تھا۔

تفسیر مظہری کا حوالہ

تفسیر مظہری میں ہے:

ولا تكونوا كالذين تفرقوا يعنى اليهود تفرقوا على ثنتين وسبعين فرقة واختلفوا من بعد ما جاء هم البينات الدلائل الواضحة القاطعة من الآيات المحكمة والاخبار المتواترة المحكمة من الأنبياء ونحو ذلك كاجماع هذه الامة سواء كان ذلك الاختلاف فى اصول الدين كاختلاف اهل الأهواء مع اهل السنة او فى الفروع المجمع عليها كمسئلة غسل الرجلين ومسح الخفين فى الوضوء وخلافة الخلفاء الاربعة واحترز بهذا القيد عن اختلاف بالاجتهاد فى ما ثبت بالادلة الظنية فان الاختلاف فيها ضرورى ضرورة خطاء بعض المجتهدين فى الاجتهاد -فذلك الاختلاف بعد بذل الجهد بلا مكابرة وتعصب معفو بل هو رحمة وسعة للناس(التفسير المظهرى،ج٢،ص١١٥،١١٦،سورة ال عمران)

ترجمہ: اورتم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ، جنھوں نے تفرقہ بازی اختیار کی، یعنی یہودیوں نے، جنھوں نے بہتر فرقے بنالیے، اور انہوں نے اختلاف اس کے بعد کیا کہ ان کے پاس بینات آ گئی تھیں، جس سے مراد واضح یقینی دلائل ہیں، جو محکم آیات سے ثابت ہوں، اور متواتر احادیث سے ثابت ہوں، جو محکم خبریں ہیں، اور اس کے مثل، جیسا کہ اس امت کا اجماع ہوجانا، خواہ وہ اختلاف اصولِ دین میں ہو، جیسا کہ اہلِ ہویٰ کا اختلاف، اہلُ السنۃ والجماعۃ کے ساتھ، یا ایسے

فروعی مسائل میں ہو، جن پر اجماع ہو چکا ہے، جیسا کہ وضو میں پیر دھونے اور وضو میں خفین پر مسح کرنے کا مسئلہ، اور خلفائے اربعہ کی خلافت کا مسئلہ، اور اس قید کے ذریعہ سے اس اجتہادی اختلاف سے احتراز ہو گیا، جو ظنی دلائل سے ثابت ہوں، کیونکہ ان میں اختلاف ضروری ہے، بعض مجتہدین کے اجتہاد میں خطاء کی ضرورت کی وجہ سے، پس یہ اختلاف جبکہ اجتہادی جدوجہد اختیار کرنے کے بعد تکبر اور تعصب کے بغیر ہو، تو معاف ہے، بلکہ وہ رحمت اور لوگوں کے لیے وسعت کا باعث ہے (تفسیرِ مظہری)

اس سے معلوم ہوا کہ جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، ان میں اختلاف کرنا مذموم ہے، اور اجتہادی اختلافات ظنی دلائل سے ثابت ہیں، اس لیے وہ مجتہَد فیہ مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، اور یہ مذموم نہیں، بلکہ لوگوں کے لیے رحمت اور وسعت کا باعث ہے، بشرطیکہ اجتہاد کرنے کے بعد تکبر اور تعصب نہ ہو۔

پس اجتہاد کے بغیر اختلاف کرنا یا اپنے موقف پر تکبر کرنا یا دوسروں سے تعصب اختیار کرنا یہ سب مذموم اختلاف میں داخل ہوگا، جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ اس طرح کے اختلاف میں مبتلا ہیں۔

امام بغوی کا حوالہ

امام بغوی ''شرح السنۃ'' میں فرماتے ہیں:

أما الاختلاف فى الفروع بين العلماء ،فاختلاف رحمة أراد الله أن لا يكون على المؤمنين حرج فى الدين ، فذلك لا يوجب الهجران والقطيعة ، لأن هذا الاختلاف كان بين أصحاب رسول الله (صلى الله عليه وسلم) مع كونهم إخوانا مؤتلفين ، رحماء

بینهم ، وتمسک بقول کل فریق منهم طائفة من أهل العلم بعدهم، و کل فی طلب الحق ،وسلوک سبیل الرشد مشترکون .
قال عون بن عبد الله :ما أحب أن أصحاب النبی (صلى الله علیه وسلم) لم یختلفوا فإنهم لو اجتمعوا علی شیء ، فترکه رجل ترک السنة ، ولو اختلفوا وأخذ رجل بقول واحد أخذ بالسنة (شرح السنة ـ للإمام البغوی، ج ۱ ،ص ۲۳۰ ،کتاب الإیمان،باب مجانبة أهل الأهواء)

ترجمہ: جہاں تک علماء کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف کا تعلق ہے،تو یہ اختلاف رحمت ہے،جس کے ذریعہ اللہ نے مومنین پر دین کے اندر حرج نہ ہونے کا ارادہ کیا ہے، پس یہ اختلاف بائیکاٹ اور قطع تعلقی کو ثابت نہیں کرتا، کیونکہ یہ اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی تھا، باوجودیکہ وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی تھے، اور الفت ومحبت رکھنے والے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ رحم دل تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد اہلِ علم کی جماعت صحابۂ کرام کے ہر فریق کے قول سے استدلال کرتی ہے،اور سب حق کے طلب گار ہیں،اور ہدایت کے راستے پر چلنے میں سب کے مقاصد مشترک ہیں۔
عون بن عبداللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام آپس میں اختلاف نہ کریں، کیونکہ اگر وہ کسی چیز پر اجماع کرلیں،اور پھر اس کو کوئی آدمی ترک کرے،تو وہ سنت کو ترک کرنے والا شمار ہوگا،اور اگر صحابۂ کرام کسی مسئلہ میں اختلاف کریں،تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو لینے والا شخص سنت کو لینے والا شمار ہوگا (شرح السنۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے سے قطع تعلقی کرنا

جائز نہیں، کیونکہ اس طرح کے اختلافات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان بھی تھے، لیکن ان کے آپس کی بھائی چارگی اور الفت ومحبت اور رحم دلی کی قرآن وسنت نے گواہی دی ہے، اوراس طرح کا اختلاف امتِ محمدیہ کے لیے حرج وتنگی دور ہونے اور رحمت وسہولت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے، لہٰذا اس اختلاف کو آپس میں بغض وعناد کا ذریعہ بنانا اور رحمت کے بجائے زحمت اور سہولت کے بجائے تنگی کا باعث بنانا درست نہیں۔

عبدالغنی نابلسی کا حوالہ

عبدالغنی نابلسی حنفی ''خلاصۃُ التحقیق'' میں فرماتے ہیں:

واعلم أن اختلاف المذاهب فى هذه الملّة نعمة كبيرة، وفضيلة جزيلة عظيمة، وله سر لطيف أدركه العالمون، وعمى عنه الجاهلون، حتى سمعت بعض الجهال يقول :النبى -صلى الله عليه وسلم -جاء بشرع واحد فمن أين مذاهب أربعة؟

ومن العجيب أيضاً من يأخذ فى تفضيل بعض المذاهب على بعض تفضيلاً يؤدى إلى تنقيص المفضل عليه وسقوطه، وربما أدى إلى الخصام بين السفهاء ، وصارت عصبة وحمية الجاهلية، والعلماء منزهون عن ذلك وقد وقع الاختلاف فى الفروع بين الصحابة رضى الله تعالى عنهم وهم خير الأمة، فما خاصم أحدٌ منهم أحداً، ولا عادى أحد منهم أحداً ولا نسب أحدٌ إلى أحد خطأً ولا قصوراً(خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق،لعبد الغنى النابلسى،ص ۲،۳، مطلب: هل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟المقصد الأول)

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ اس دین میں مذاہب کا اختلاف بڑی نعمت

ہے، اور عظیم اجر وانعام اور فضیلت کا باعث ہے، اور اس میں لطیف راز ہے، جس کا ادراک اہلِ علم حضرات کو ہی ہوتا ہے، اور اس سے جاہل لوگ ناواقف ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض جاہل لوگوں سے یہ بات بھی سنی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شریعت کو لے کر آئے تھے، پھر یہ چار مذاہب کہاں سے آئے؟

اور قابلِ تعجب بات یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کوئی شخص بعض مذاہب کی فضیلت کو دوسرے بعض مذاہب پر اس طرح ثابت کرتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے مفضول مذہب کی تنقیص اور اس کا ساقط ہونا لازم آ جاتا ہے، اور بعض اوقات بے وقوفوں کے درمیان جھگڑے کی بھی نوبت آ جاتی ہے، اور عصبیت اور جاہلیت کی حمیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے، جس سے علماء پاک ہیں (اور عصبیت اور جاہلیت کے مرتکب حقیقی علماء میں داخل نہیں، بلکہ وہ جہلاء وسفہاء ہیں، صرف نام کے علماء ہیں) حالانکہ فروعی اختلاف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین بھی واقع ہوا ہے، جو کہ امت میں سب سے بہترین لوگ ہیں، لیکن ان میں سے کسی نے دوسرے کے ساتھ مخاصمت نہیں کی، اور نہ ہی کسی نے دوسرے کے ساتھ عداوت اختیار کی، اور نہ کسی نے دوسرے کی طرف خطاء کو یا قصور کو منسوب کیا (خلاصۃ التحقیق)

اس سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اجتہادی اختلاف نعمت ہے، اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعصب وعداوت اختیار کرنا، اور آپس میں گروہ بندیاں قائم کرنا، یا دوسرے کی تنقیص کرنا جائز نہیں۔

ابنِ مفلح حنبلی کا حوالہ

ابنِ مفلح حنبلی فرماتے ہیں:

الاختلاف فی الفروع رحمة للعباد، والتأویل فیها سائغ جائز،

بدليل اختلاف الصحابة ومن بعدهم، ولم يعب بعضهم على بعض ولم يفسقه؛ لأنه فعل ما له فعله (المبدع فی شرح المقنع، لابن مفلح، ج۸، ص۳۰۸، کتاب الشهادات)

ترجمہ: فروعی اختلاف بندوں کے لیے رحمت ہے، اور اس میں تاویل کی گنجائش ہے، اور جائز ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختلاف صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے حضرات میں بھی پایا گیا، لیکن کسی نے دوسرے پر عیب نہیں لگایا، اور نہ ہی کسی نے دوسرے کو فاسق قرار دیا، کیونکہ ہر ایک نے وہی عمل کیا، جو اس کو کرنے کا حق تھا (المبدع)

اس سے معلوم ہوا کہ فروعی اختلافات میں ایک دوسرے کو عیب لگانا یا فاسق کہنا جائز نہیں۔

شمسُ الدین کرمانی کا حوالہ

شمس الدین کرمانی ''صحیح بخاری کی شرح'' میں فرماتے ہیں:

فإن قلت اختلاف الأمة رحمة فلم كرهه قلت المكروه الاختلاف الذی يؤدی إلی التنازع والفتنة (الكواكب الدراری فی شرح صحيح البخاری، لشمس الدين الكرمانی، ج۱۴، ص۲۴۵، باب مناقب علی بن أبی طالب)

ترجمہ: اور اگر آپ یہ کہیں کہ ''امت کا اختلاف تو رحمت ہے، پھر اختلاف کو برا کیوں قرار دیا گیا'' میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ برا اختلاف وہ ہے، جو جھگڑے اور فتنے کی طرف پہنچائے (الكواكب الدراری)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف کو باہمی نزاع یا کسی قسم کے فتنہ کا ذریعہ بنانا مذموم ہے۔

علامہ ابنِ حزم کا حوالہ

علامہ ابنِ حزم ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں فرماتے ہیں:

کل امرىء منهم(اى من الصحابة) تحرى سبيل الله ووجهة الحق فالمخطىء منهم مأجور أجرا واحدا لنيته الجميلة فى إرادة الخير وقد رفع عنهم الإثم فى خطئهم لأنهم لم يتعمدوه ولا قصدوه ولا استهانوا بطلبهم والمصيب مأجور منهم أجرين .

وهكذا كل مسلم إلى يوم القيامة فيما خفى عليه من الدين ولم يبلغه.

وإنما الذم المذكور والوعيد الموصوف لمن ترك التعلق بحبل الله تعالى الذى هو القرآن وكلام النبى صلى الله عليه وسلم بعد بلوغ النص إليه وقيام الحجة به عليه وتعلق بفلان وفلان مقلدا عامدا للاختلاف داعيا إلى عصبية وحمية الجاهلية قاصدا للفرقة متحريا فى دعواه برد القرآن والسنة إليها فإن وافقها النص أخذ به وإن خالفها تعلق بجاهليته وترك القرآن وكلام النبى صلى الله عليه وسلم فهؤلاء هم المختلفون المذمومون (الإحكام فى أصول الأحكام،لابن حزم،ج۵،ص۶۷،۶۸،الباب الخامس والعشرون فى ذم الاختلاف)

ترجمہ: صحابۂ کرام میں سے ہر ایک نے اللہ کے راستہ میں غور وفکر کیا، اور حق کی طرف متوجہ ہوئے، تو ان میں سے خطاء کرنے والا بھی ایک اجر کا مستحق ہوگا، کیونکہ خیر کا ارادہ کرنے میں اس کی نیت اچھی تھی، اور ان کی خطاؤں میں گناہ کو اس لیے معاف کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر خطاء نہیں کی، اور نہ ہی خطاء کا ارادہ کیا، اور نہ ہی انہوں نے اپنی طلب اور جستجو میں کوتاہی کی، اور ان میں سے مصیب حضرات دوہرا اجر پانے کے مستحق ہیں۔

اور یہی حکم قیامت تک ہر مسلم کے لیے ہے، ان چیزوں میں، جن میں اس پر دین

مخفی ہو جائے، اور اس تک دین نہ پہنچے۔

اور جس برائی کا ذکر کیا گیا ہے، اور جس وعید کی صفت بیان کی گئی ہے، وہ اس کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رسی سے تعلق کو ختم کر دے، اور اللہ کی رسی سے مراد قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، جبکہ وہ اس تک پہنچ چکا ہو، اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہو، لیکن اس کے باوجود فلاں اور فلاں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس نے جان بوجھ کر اس کی تقلید کی، کیونکہ اس کا یہ اختلاف عصبیت اور جاہلیت کی حمیت کی طرف دعوت دینے والا ہے، اور وہ تفرقہ بازی پیدا کرنے والا ہے، اور وہ قرآن وسنت کو رَد کرنے کا ارادہ کرنے والا ہے، اگر نص اس کے (مسئلہ کے) موافق ہو، تو نص کو لے لیتا ہے، اور اگر اس کے مسئلہ کے خلاف ہو جائے، تو اپنا تعلق جاہلیت کے ساتھ جوڑ لیتا ہے، اور قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام ہی کو چھوڑ دیتا ہے، پس یہی لوگ ہی مذموم اور برے اختلاف میں مبتلا ہیں (الاحکام فی اصول الاحکام)

مذکورہ عبارت سے اجتہادی مسائل میں اچھے اور برے اختلاف کا فرق معلوم ہوا۔

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

''البحر الرائق''میں ہے:

ویجوز للشاب الفتوی إذا کان حافظا للروایات واقفا علی الدرایات محافظا علی الطاعات مجانبا للشهوات والشبهات، والعالم کبیر وإن کان صغیرا، والجاهل صغیر وإن کان کبیرا

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج٦، ص ۲۹۲، کتاب القضاء)

ترجمہ: اور جوان کے لیے فتویٰ دینا جائز ہے، جبکہ وہ روایات کا حافظ ہو، درایات

پر واقف ہو، طاعات کی حفاظت کرنے والا ہو، شہوات اور شبہات سے اجتناب کرنے والا ہو، اور عالم بڑا ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ وہ چھوٹا ہو، اور جاہل چھوٹا ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ وہ بڑا ہو (البحر الرائق)

''مُجمعُ الانہر'' کا حوالہ

مجمع الانہر میں بھی وہی تفصیل مذکور ہے، جو البحر الرائق کے حوالہ سے گزری۔ [1]

معلوم ہوا کہ فتویٰ کا اہل ہونے کے لیے فتویٰ دہندہ کے اندر صفات کا پایا جانا ضروری ہے، مخصوص عمر کا ہونا شرط نہیں، وہ صفات اگر جوان کے اندر موجود ہیں، تو وہ عالم، کبیر ہے، اور جس معمر بزرگ میں وہ صفات نہ ہوں، تو وہ صغیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بہت سے شاگرد تھے، جن میں حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر اور حضرت امام حسن رحمہم اللہ بھی داخل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان سب حضرات کے استاذ، مربی اور اکابر میں سے تھے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان شاگردوں، مریدوں اور اصاغر نے بہت سے مسائل میں حضرتِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا، اور یہ اختلاف بھی مختلف نوعیّتوں کا ہے، اور مختلف ابواب سے متعلق ہے، اور اس طرح کے اختلاف کا آغاز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی رونما ہو گیا تھا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی اس کا علم تھا، اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بعض مسائل میں اپنے شاگردوں کے قول کی طرف رجوع بھی فرمایا، جو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مخلص، صادق اور سچا مجتہد اور فقیہ ہونے کی علامت ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی جتنا بڑا بھی مجتہد و فقیہ ہوتا ہے، اس کے رجوع کا تناسب بھی اسی حیثیت سے ہوتا ہے، لہٰذا فقہی دلائل کو

---

[1] ويجوز للشاب الفتوى إذا كان حافظا للروايات واثقا على الدرايات محافظا على الطاعات مجانبا للشهوات، والعالم كبير وإن كان صغيرا، والجاهل صغير وإن كان كبيرا (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ٢، ص ١٥٥، كتاب القضاء)

نظرانداز کرکے اکابر واصاغر کی تقسیم کی بنیاد پر راجح ومرجوح کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے۔
(اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے دوسری تالیف ''مجتہدین کی اقسام اور اصحابِ ابی حنیفہ کا مقام'' میں ذکر کردی ہے)

ابنِ ملک کا حوالہ

ابنِ ملک ''شرح مصابیح السنة'' میں فرماتے ہیں:

إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب "؛ أی :وقع اجتهاده موافقا لحكم الله".فله أجران "أجر الإصابة، وأجر الاجتهاد.
"وإذا حكم فاجتهد فاخطأ فله أجر واحد "وهو أجر الاجتهاد، وإنما يؤجر المجتهد المخطء على اجتهاده فی طلب الحق؛ لأن اجتهاده عبادة، وليس عليه مع خطئه إثم.
وهذا فی جامع لشرائط الاجتهاد المذكورة فی الأصول، وأما غيره فغير معذور الخطأ، بل يخاف عليه أعظم الإثم (شرح المصابيح ، لابن المَلَک، ج۴، ص۲۷۴، کتاب الامارة والقضاء، باب العمل فی القضاء والخوف منه)

ترجمہ: جب حاکم کوئی فیصلہ کرے، پھر اجتہاد کر کے درست فیصلہ کرے، یعنی اس کا اجتہاد اللہ کے حکم کے موافق واقع ہو جائے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک اصابت کا اجر اور دوسرے اجتہاد کا اجر۔

اور جب وہ فیصلہ کرے، پھر اجتہاد کرے، اور اس سے خطاء ہو جائے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، جو کہ اجتہاد کرنے کا اجر ہوتا ہے، اور مجتہدِ مخطی کو اس کے حق کی طلب میں اجتہاد کرنے پر اس لیے اجر وثواب دیا جاتا ہے کہ اس کا اجتہاد عبادت ہے، اور اس کی خطاء کے باوجود گناہ نہیں۔

اور یہ اس شخص کے حق میں ہے، جو اصولوں میں مذکور اجتہاد کی شرائط کا جامع ہو (اگر کلی مجتہد ہے، تو اجتہاد کی کلی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے، اور جزوی مجتہد ہے، تو جزوی اجتہاد کی شرائط کا پایا جانا کافی ہے) اور جو شخص مجتہد نہ ہو، تو وہ خطاء میں معذور نہیں کہلاتا، بلکہ اس پر عظیم ترین گناہ کا خوف ہے (شرح مصابیح السنۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہاد خواہ کلی ہو یا جزئی، وہ اپنی شرائط کے ساتھ عبادت ہے، جس طرح نماز، روزہ، اپنی شرائط کے ساتھ عبادت ہیں، اور عبادت سے روکنا یا اس پر ملامت کرنا درست نہیں، البتہ کوئی شرائط کی خلاف ورزی کرے، تو اس سے اختلاف میں حرج نہیں، اسی طرح کسی دوسرے کے اجتہاد میں وہ رائے مرجوح یا خطاء پر مبنی ہو، تو اس کے اظہار میں بھی حرج نہیں، لیکن ہر ایک کو دوسرے کے احترام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم اعلم أنه ذكر في التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية .وفي رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز .ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا .كأبي حنيفة والشافعي، فقيل يلزمه، وقيل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامي لا مذهب له.

إذا علمت ذلك ظهر لك أن ما ذكر عن النسفي من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبني على أنه لا يجوز تقليد المفضول وأنه يلزمه التزام مذهبه وأن ذلك لا يتأتى في

العامی.

وقد رأيت فی آخر فتاوی ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلک فإنه سئل عن عبارة النسفی المذکورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعية کذلک، ثم قال إن ذلک مبنی علی الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره.

والأصح أنه يتخير فی تقليد أی شاء ولو مفضولا وإن اعتقده کذلک، وحينئذ فلا يمکن أن يقطع أو يظن أنه علی الصواب، بل علی المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال فی شرح الهداية :إن أخذ العامی بما يقع فی قلبه أنه أصوب أولی، وعلی هذا استفتی مجتهدين فاختلفا عليه الأولی أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما .وعندی أنه لو أخذ بقول الذی لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل .اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص۴۸، مقدمة)

ترجمہ: پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ ''التحریر'' اوراس کی شرح میں یہ بات مذکور ہے کہ افضل کی موجودگی کے باوجود مفضول کی تقلید جائز ہے، یہی قول حنفیہ اور مالکیہ اور اکثر حنابلہ اور شافعیہ کا ہے، اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور فقہاء کی ایک کثیر جماعت کے نزدیک (افضل مجتہد کی موجودگی میں اس سے کم درجہ والے مجتہد کی تقلید) جائز نہیں (مگر یہ قول حنفیہ کے نزدیک راجح نہیں) پھر ''التحریر'' میں یہ بات مذکور ہے کہ اگر کسی نے مذہبِ معین کا التزام کرلیا، جیسے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا، تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر وہ لازم ہوجائے گا، اور

ایک قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا، اور یہی (لازم نہ ہونے والا) قول اصح ہے، اھ۔اور یہ بات مشہور ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

جب آپ نے یہ جان لیا، تو آپ کے سامنے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ نسفی کے حوالہ سے جو یہ بات ذکر کی گئی کہ یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اس کا مذہب صواب ہے، خطاء کا احتمال رکھتا ہے، یہ اس قول پر مبنی ہے کہ جس کی رو سے مفضول کی تقلید جائز نہیں، اور مذہبِ معین کا التزام لازم ہے(اور یہ قول اصح کے خلاف ہے، جیسا کہ گزرا) اور یہ عقیدہ عامی شخص پر صادق نہیں آتا(کیونکہ اس کو دلائل سے اپنے مذہب کے صواب اور دوسرے کے خطاء ہونے کا علم نہیں ہوتا) اور میں نے ابنِ حجر کے فتاویٰ فقہیہ کے آخر میں ان میں سے بعض چیزوں کی تصریح دیکھی ہے، چنانچہ ان سے نسفی کی مذکورہ عبارت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے یہ تحریر کیا کہ ائمۂ شافعیہ کا قول اسی طرح سے ہے، پھر فرمایا کہ یہ ضعیف قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے اعلم کی تقلید واجب ہے، نہ کہ اس کے غیر کی۔

لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس کو جس کی چاہے تقلید کا اختیار ہے، اگرچہ وہ مفضول ہو، اور اگرچہ اس کے بارے میں اس کا اعتقاد اسی طرح کا ہو(کہ وہ دوسرے مجتہد و مفتی کے مقابلہ میں کم فضیلت یا کم علم رکھتا ہے)

پس اس صورت میں یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اس بات کا یقین کرے یا غالب گمان کرے کہ وہ (یعنی جس کی وہ تقلید کر رہا ہے، دوسرے مجتہدین کے مقابلہ میں) صواب پر ہے، بلکہ مقلد پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اس کا امام جس طرف گیا ہے، وہ حق ہونے کا احتمال رکھتا ہے(جس طرح خطاء ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے)ابنِ حجر نے فرمایا کہ پھر میں نے محقق ابنِ ہمام کی اس بات کی تائید میں تصریح بھی دیکھی، انہوں نے ہدایہ کی شرح میں فرمایا کہ عامی کا اس قول کو لینا جس

کے بارے میں اس کے دل میں صواب ہونا واقع ہوجائے، یہ اولیٰ ہے، پس اس بناء پر جب وہ دو مجتہدین سے فتویٰ طلب کرے، اور ان کے فتویٰ میں اختلاف سامنے آئے، تو اولیٰ یہ ہے کہ ان دونوں فتووں میں سے جس کی طرف اس کا دل مائل ہو، اس کو اختیار کرلے، اور میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ اگر اس کے قول کو اختیار کرلے گا، جس کی طرف دل کا میلان نہیں، تو بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے دل کا میلان اور عدمِ میلان برابر ہے، اس پر تو (بلاتعیین) محض کسی بھی مجتہد کی تقلید واجب ہے، جو وہ کرچکا ہے (لہٰذا یہ گناہ گار نہ ہوگا) (ردالمحتار)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ''اپنے مذہب کے صواب محتمل الخطاء'' سمجھنے کا وجوب، اس قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے مفضول کی تقلید جائز نہیں، اور مذہبِ معین کا التزام بھی ضروری ہے، جبکہ عامی شخص پر یہ صادق نہیں آتا، کیونکہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور اس کے لیے سب مذاہب برابر ہوتے ہیں، اور اصح قول یہی ہے کہ ہر مجتہد کی تقلید جائز ہے، خواہ وہ مفضول ہو اور اس کے مفضول ہونے کا عقیدہ بھی کیوں نہ ہو، اور جب مفضول ہونے کا عقیدہ رکھ کر بھی تقلید کا جائز ہونا اصح ہوا، تو جس کی تقلید کرے گا، اس کے صواب کا عقیدہ رکھنا ضروری کیونکر ہوا۔

لہٰذا غیر مجتہد کے لیے اپنے مذہب کے ''صواب متحمل الخطاء'' کے وجوب کا قول بھی غیر اصح قول پر مبنی ہے۔

لیکن آج بعض حضرات اس قول کو متفق علیہ یا قطعی حکم کا درجہ دے کر تبلیغ کرتے اور اس پر بہت شدّ ومدّ سے زور دیتے ہیں، اور اگر کوئی اس کو اختیار نہ کرے، تو اسی کو فاسق یا عاصی وغیرہ قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس تشدد سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کا دوسرا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ ''ردُّالمحتار'' ہی میں ایک مقام پرفرماتے ہیں:

(قوله يكتب جواب أبى حنيفة) هذا بناء على ما قالوا إنه يجب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ ومذهب غيره بخلاف ذلك، وهذا مبنى على أنه لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، والحق جوازه، وهذا الاعتقاد إنما هو فى حق المجتهد لا فى حق التابع المقلد، فإن المقلد ينجو بتقليد واحد منهم فى الفروع ولا يجب عليه الترجيح اهـ .ط ومثله فى خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق للأستاذ عبد الغنى النابلسى قدس الله سره (ردالمحتار، ج٦ص ٤٢١، كتاب الحظر والإباحة،فصل فى البيع،فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس)

ترجمہ: صاحبِ درِمختار کا یہ کہنا کہ (مفتی ناقل) امام ابوحنیفہ کا جواب لکھے، یہ ان حضرات کے قول پر مبنی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اپنے مذہب کے متعلق صواب محتمل الخطاء اور دوسرے کے مذہب کے متعلق اس کے برعکس (یعنی خطاء متحمل الصواب کا) عقیدہ رکھنا واجب ہے، اور یہ عقیدہ بھی اس پر مبنی ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز نہیں، حالانکہ حق بات یہ ہے کہ جائز ہے، نیز یہ اعتقاد صرف مجتہد کے حق میں تو (ظنی درجہ میں) پایا جاسکتا ہے، لیکن اس کے مقلد تابع کے حق میں نہیں پایا جاتا، کیونکہ مقلد فروع میں کسی بھی مجتہد کی تقلید کر لینے سے نجات پالیتا ہے، اور اس پر کسی مجتہد کی ترجیح واجب نہیں، اسی کے مثل استاذ عبدالغنی نابلسی قدس اللہ سرہٗ کی تالیف ''**خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد**

والتلفیق ''میں ہے(ردالمحتار)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ عام طور جو یہ مشہور ہے کہ ہر مقلد و عامی کو اپنے مذہب کے ''صواب ، محتمل الخطاء ''اور دوسرے مذہب کے''خطاء ، محتمل الصواب ''ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے، یہ قول متعدد حضرات کے نزدیک راجح نہیں، اور یہ اس قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز نہیں، لیکن خود یہ قول ہی مرجوح ہے، لہٰذا اس پر جو قول مبنی ہے، وہ بھی مرجوح ہوگا، ورنہ مفضول کی تقلید کو بھی ناجائز قرار دینا پڑے گا، اور اس میں مختلف مشکلات ہیں، جس کی تفصیل ہم نے اپنی اجتہاد وتقلید والی کتاب میں ذکر کردی ہے۔

عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی (المتوفیٰ:1143ھ) نے اپنے رسالہ''خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق ''میں فقہائے کرام کی مختلف عبارات ذکر کرکے فرمایا کہ:

> ان تمام عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقلد کو اپنے مذہب کے ارجح ہونے کا اعتقاد لازم نہیں، اگرچہ اختلاف سے بچنے کے لیے اولیٰ ہوسکتا ہے۔
>
> اوراس اعتقاد میں تمام مقلدین برابر ہیں، اوراس اعتقاد کو ابنِ ملافروخ وغیرہ کا مخصوص مشائخ پر محمول کرنا بھی غیر ضروری ہے، اوراس کی وجہ یہی ہے کہ علم میں فاضل شخص کی موجودگی میں مفضول شخص کی تقلید کرنا جائز ہے، اور یہ کسی مقلد کے ساتھ خاص نہیں، اور جو اختلاف فاضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید کے جواز وعدمِ جواز کا مروی ہے، وہ ہر مقلد کے حق میں ہے (کہ ہر مقلد کو افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید اصح قول کے مطابق جائز ہے، لہٰذا اس اعتقاد کو بعض مشائخ تک مختص کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ اصل بات یہی ہے کہ اس اعتقاد کا وجوب دوسرے قول پر متفرع ہے، جس کی رُو سے افضل کی موجودگی

میں مفضول کی تقلید جائز نہیں) [1]

اورعلامہ شرنبلالی نے بھی اپنے رسالہ ''العقد الفرید'' میں یہی حکم بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

فتحصل مما ذكرناه أنه ليس على الإنسان إلتزام مذهب معين، وأنه يجوز له العمل بما يخالف ما عمله على مذهبه، مقلِّداً فيه غير إمامه، مستجمعاً شروطه (العقد الفريد لبيان الراجح من الخلاف فى جواز التقليد، ص ١٨)

ترجمہ: پس جو عبارات اور دلائل ہم نے ذکر کیے، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پر مذہبِ معین کا التزام واجب نہیں، اور اس کو اس کے خلاف عمل کرنا جائز ہے، جس کے مذہب پر وہ پہلے عمل کر چکا ہے، جبکہ وہ مخالفت دوسرے امام کی تقلید کرنے کی بنیاد پر ہو، اور (اس مسئلہ میں دوسرے امام کی بیان کردہ) شرائط جمع ہوں (العقد الفرید)

اور آگے علامہ لکھنوی وغیرہ کے حوالہ سے بھی ذکر آتا ہے۔

---

[1] وهذا كله يقتضى أنه لا يلزم المقلد اعتقاد الأرجحية فى مذهبه، وإن كان الأولى اعتقادها للخروج من الخلاف الواقع في ذلك كما ترى، وعلى الأولوية وعدم اللزوم ما وقع فى الأشباه والنظائر فى آخر الفن الثالث نقلاً عن المصفى :إذا سئلنا فى مذهبنا ومذهب مخالفنا فى الفروع يجب أن نجيب بأن مذهبنا صواب يحتمل الخطأ، ومذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب .لأنك لو قطعت القول لما صح قولنا :إن المجتهد يخطء ويصيب .وإذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا فى العقائد يجب علينا أن نقول :الحق ما نحن عليه، والباطل ما عليه خصومنا .هكذا نقل عن المشايخ .انتهى.

ولا يحتاج أن يحمل ذلك على المجتهدين فى المذهب أصحاب الترجيح، كأبى الحسن الكرخى والطحاوى والسرخسى ونحوهم .كما حمل ذلك على أمثال هؤلاء الشيخ محمد بن الفروخ المكى فى رسالته حيث قال :بأن هذا فى حق أئمتنا ومن أخذ بقولهم من أهل النظر، كأبى الحسن الكرخى والطحاوى وأمثالهم .إذا سئلوا يجيبوا بما ذكر .وليس المراد أن يكلف كل مقلد أن يعتقد ذلك فيما قلد فيه إلى آخر كلامه، وقد علمت فساد هذا الحمل بما ذكرنا من النقول فى جواز تقليد المفضول مع العلم بالفاضل وإن ذلك لا يختص بمقلد دون مقلد، وإن الخلاف فى ذلك فى حق كل مقلد والله الموفق(خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق، ص ٤، القصد الثالث :فهل يجوز التقليد من غير اعتقاد الأرجحية فيما قلده أم لا؟)

علامہ ابنِ عابدین شامی کا تیسرا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لو أن رجلا من أهل الاجتهاد برئ من مذهبه فى مسألة أو فى أكثر منها باجتهاد لما وضح له من دليل الكتاب أو السنة أو غيرهما من الحجج لم يكن ملوما ولا مذموما بل كان مأجورا محمودا وهو فى سعة منه وهكذا أفعال الأئمة المتقدمين (العقود الدرية فى تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ۲، ص ۳۲۸، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك)

ترجمہ: اگر اہلِ اجتہاد میں سے کوئی شخص اجتہاد کے ذریعہ، ایک مسئلہ میں یا ایک سے زیادہ مسائل میں کتاب یا سنت وغیرہ کے دلائل میں سے کسی دلیل سے واضح ہونے کے بعد اپنے سابق مذہب سے بری ہوجائے، تو وہ نہ تو قابلِ ملامت ہوگا، اور نہ قابلِ مذمت، بلکہ وہ اجر وثواب کا مستحق اور تعریف کے قابل ہوگا، کیونکہ اس نے اپنی قدرت میں جو کچھ تھا، اس کو اختیار کیا، اور یہی ائمۂ متقدمین کا طرزِ عمل تھا (تنقیح فتاویٰ حامدیہ)

علامہ ابنِ عابدین شامی کی تصریح کے مطابق، اگر مذہبِ معین کا التزام بھی ضروری مان لیا جائے، تو بھی جس کا فقیہ مکلّف ہے، اور اس نے اپنی تکلیف کے مطابق عمل کرکے جو کام کیا، وہ باعثِ اجر وثواب اور قابلِ تعریف ہے، لیکن آج کل کے بعض متعصبین ومتشددین کے نزدیک وہ قابلِ مذمت اور قابلِ ملامت اور قابلِ مؤاخذہ وگناہ ہے۔

جب علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کے نزدیک مذہبِ معین کا التزام واجب نہ ہوا، اور افضل کی تقلید بھی واجب نہ ہوئی، اور اپنے مذہب کے ''صواب محتمل الخطاء'' ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی واجب نہ ہوا، اور مذہبِ معین کے التزام کے وجوب کے قول کی رُو سے بھی جو

اجتہادی شان رکھنے والا شخص خواہ خاص اس جزوی مسئلہ میں ہی مجتہد ہو، دوسرے مذہب کے قول کو راجح قرار دے، اور اس طرح کا عمل وہ ایک سے زیادہ مسائل میں کرے، تو بھی قابلِ مذمت نہیں، تو ان تمام باتوں کے برعکس موجودہ دور کے بعض حضرات کا طرزِ عمل اختیار کرنا اور ان کی نسبت علامہ ابنِ عابدین شامی وغیرہ کی طرف کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، البتہ کوئی دوسرے قول مثلاً التزامِ مذہبِ معین یا تقلیدِ شخصی کو اپنے اجتہاد سے راجح سمجھے، تو الگ بات ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو دوسرے اقوال کے حاملین وقائلین پر لعن طعن یا نکیر کرنا درست نہیں۔

امام غزالی کا حوالہ

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کے بعد کچھ رؤسا و حکام ایسے ہوئے، جو علمِ کلام ومناظرہ کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اس سے تعصب، جنگ وجدال اور بعض اوقات خونریزی وفساد کی نوبت آجاتی ہے، ان کو فقہی بحث ومناظرہ سے رغبت تھی، اور اس تحقیق کا شوق تھا کہ خصوصیت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں سے کس کا مذہب زیادہ صحیح ہے، لوگوں نے یہ دیکھ کر کلام وعقائد کو بالائے طاق رکھ دیا، اور اختلافی مسائل بالخصوص امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلافات کو موضوعِ سخن بنالیا، اور امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام احمد وغیرہ کے مذاہب واختلافات کو نظر انداز کردیا (اس لیے کہ ان کے اختلافات سے حکام کو دلچسپی نہ تھی) ان کا کہنا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کی باریکیوں کو ظاہر کریں، مذاہب کے وجوہ واسباب کو بیان کریں، اور فتاویٰ کے اصول کو مرتب ومدون کریں، انہوں نے اس میں کثرت سے تصنیفات کیں، اور استنباطات کیے، اور مجادلہ اور تصنیف

کے فن کو ترقی دی، اور یہ مشغلہ ابھی تک جاری ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کیا دکھائے گا، اور اس میں کیا تغیر ہوگا، تو دراصل اختلافی مسائل اور مناظرہ سے علماء کی دلچسپی اور ان کے انہماک کا سبب یہ ہے جو ہم نے بیان کیا، اگر اہلِ دنیا اور اربابِ اقتدار کو (امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے علاوہ) کسی اور امام یا (اختلافی مسائل ومناظرہ کے علاوہ) کسی اور علم سے دلچسپی ہوجائے، تو علماء بھی اسی کی طرف جھک پڑیں گے، اور اس کی وجہ یہی بیان کریں گے کہ ان کا مقصد علمِ دین اور قربتِ خداوندی کے سوا کچھ نہیں ہے" احیاء علوم الدین، ج ۱ص ۳۸" (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول، ص ۱۵۴، ۱۵۵، باب پنجم، بعنوان "امام غزالی"، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

امام غزالی رحمہ اللہ نے فروعی وفقہی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف وتشدد کا جو نقشہ کھینچا ہے، آج کے دور میں اس میں مزید اضافہ ہوگیا ہے، جس کا امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں خدشہ ظاہر کیا تھا، اللہ تعالیٰ اس سے امت کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

مرزا مظہر جانِ جاناں کا حوالہ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

(اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، تو میرے فرمانبردار ہوجاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا)

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ"

(تم میں سے کوئی شخص "کامل مومن" نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی خواہش

میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہیں ہو جاتی)

یہ صحیح حدیث ہے، ابوالقاسم بن اسماعیل بن فضل اصفہانی نے کتاب الحجہ میں اس کی روایت کی ہے، اور روضۃ العلماء میں درج ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اتركوا قولي بخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم"

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے، تو میرا قول چھوڑ دو، اور اسی طرح صحابہ کا قول بھی مل جائے تب بھی)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے:

"اذا صح الحديث فهو مذهبى"

(جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے، تو وہی میرا مذہب ہے)

پس اگر کسی کو فنِ حدیث میں مہارت ہو، اور ناسخ از منسوخ اور قوی اور ضعیف کے فرق کو پہچانتا ہو، وہ اگر حدیثِ ثابت پر عمل کرے، تو وہ امام صاحب کے مذہب سے خارج نہیں ہو جاتا، کیونکہ امام صاحب کا یہ قول **"اذا ثبت الحديث فهو مذهبى"** اس سلسلے میں متحقق ہے، اور اگر اطلاع کے باوجود کوئی حدیثِ صحیح پر عمل نہ کرے، تو اس نے امام صاحب کے اس قول:

"اتركوا قولي بخبر رسول "

(رسول کی حدیث کی وجہ سے میرا قول چھوڑ دو)

کی مخالفت کی اور یہ مخفی نہیں ہے کہ اس امت کا کوئی عالم بھی تمام احادیث کا احاطہ نہیں کرسکا، چنانچہ امام صاحب کا یہ قول کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں میرا قول ترک کردو، اس امر کا ثبوت ہے کہ امام صاحب تک بھی

تمام حدیثیں نہیں پہنچی تھیں، بلکہ ان میں سے بعض رہ گئیں، اور کیوں نہ رہ جاتیں کہ خلفائے راشدین جیسے امت میں سب سے بڑے علماء سے بھی جو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے، بعض حدیثیں فوت ہوگئیں۔

اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو فنِ حدیث سے واقف ہو، ظاہر ہے کہ امت کے افراد پر پیغمبر کا اتباع واجب ہے، لیکن ائمہ میں سے کسی کا اتباع واجب نہیں، اور اہلِ امت کو اختیار ہے کہ وہ جس مجتہد کا مذہب چاہیں اختیار کریں، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب سے خارج ہوجاتا ہے، اگر اس کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہو، تو وہ لائے (مقاماتِ مظہری، تالیف: حضرت شاہ غلام علی دہلوی، تحقیق وتعلیق وترجمہ: محمد اقبال مجددی، صفحہ ۴۵۷ تا صفحہ ۴۵۹، بعنوان ''سولہواں مکتوب: حدیث پر عمل کرنا، ناشر: اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع دوم: 2001ء)

لیکن آج اگر کوئی صحیح حدیث ثابت ہوجانے کے بعد اس پر عمل کرے، تو بعض جامد و متعصب حضرات اس کو امام ابوحنیفہ کا مقلد تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔

''شرح مسلم الثبوت'' کا حوالہ

''مسلّم الثبوت'' کی شرح ''فواتح الرحموت'' میں ہے:

(فمن أصابه فله اجران) أجر الاجتهاد وأجر الاصابة ولا وجه لهذا الاجر إلا الرحمة الالهية لان اصابته ليست بفعل مقدور انما المقدور له بذل الجهد فان اتفق تأدى نظره إلى مقدمات مناسبة له أصابه لكن النص دل على أن له أجرين فيجب القبول (ومن أخطأه فله أجر) واحد (لامتثاله أمر الاجتهاد ببذل الوسع) ولا أجر بمقابلة الخطأ فان الخطأ وان لم يكن مؤاخذا به إلا انه لا

یوجب الأجر علیہ (وھذا معنی قول الحنفیۃ إن) المجتھد (المخطء مصیب ابتداء أی مأجور بفعلہ ومخطء انتھاء (وھذا) أی کون الحق واحدا (ھو الصحیح عند ائمۃ الأربعۃ) وعبر عنہ الإمام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ فقال کل مجتھد مصیب والحق عند اللہ تعالی واحد یعنی مصیب فی بذل وسعہ حتی یؤجر علیہ والحق عند اللہ واحد قد یصیب وقد لا (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت لعبد الحیی محمد بن نظام الدین اللکنوی، ج۲،ص۴۱۷،خاتمۃ : الاجتھاد بذل الطاقۃ من الفقیہ، مطبوعۃ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: 1423ھ . 2002ء)

ترجمہ: پس جس نے درست اجتہاد کیا، تو اس کو دو اجر حاصل ہوں گے، ایک اجتہاد کرنے کا اجر حاصل ہوگا، دوسرے اصابت کا اجر حاصل ہوگا، اور اس اجر کی وجہ صرف اللہ کی رحمت ہے، کیونکہ اس کا مصیب ہونا اختیاری فعل نہیں ہے، اختیاری فعل تو صرف جدوجہد کو خرچ کر دینا ہے، پھر اگر اتفاق ہوجائے، تو اس کی نظر ایسے مناسب مقدمات تک پہنچ جاتی ہے، جو اس کو مصیب قرار دے دیتی ہے، لیکن نص نے اس بات پر دلالت کردی ہے کہ اس کو دو اجر حاصل ہوں گے، لہٰذا اس کو قبول کرنا واجب ہے، اور جس مجتہد سے خطا ہوئی، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوگا، کیونکہ اس نے اپنی وسعت خرچ کر کے اجتہاد کے حکم کو پورا کیا ہے، اور اس کو خطا کے مقابلہ میں اجر حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ خطا کا اگرچہ مؤاخذہ نہیں کیا گیا، لیکن وہ اس پر اجر کو ثابت نہیں کرتا، اور حنفیہ کے اس قول کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ مجتہدِ مخطی ابتداءً مصیب ہوتا ہے، یعنی اپنے فعل کی وجہ سے اجروثواب کا مستحق ہوتا ہے، اور انتہاءً مخطی ہوتا ہے، اور یہ یعنی حق کا ایک ہونا ائمہ ٔ اربعہ کے نزدیک صحیح

ہے، جس کی تعبیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فرما کر کی ہے کہ ''ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، اور حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہوتا ہے'' جس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد اپنی وسعت خرچ کرنے میں مصیب ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس پر اجر وثواب دیا جاتا ہے، اور اللہ کے نزدیک حق ایک ہی ہوتا ہے، جس کو مجتہد کبھی پالیتا ہے، اور کبھی نہیں پاتا (فواتح الرحموت)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اجتہاد پر قدرت ہو، اس کو اجتہاد کرنے کا حکم ہے، جس پر اس کو بہرحال اجر وثواب دیا جاتا ہے، خواہ اس کا اجتہاد خطا کیوں نہ ہو، لیکن آج کل کے بعض متعصبین اجتہاد کے عمل پر اجر وثواب کے بجائے طعن وتشنیع کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا حوالہ

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''امامُ الکلام'' کے مقدمہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

صحابۂ کرام کا فقہی امور میں اختلاف تھا، اور ان کے پاس اپنے اپنے موقف پر ظنی یا صریح نصوص پر مشتمل دلائل تھے، جن کے مطابق وہ عمل کیا کرتے تھے، اور اپنے موقف پر قائم رہا کرتے تھے، لیکن وہ ایک دوسرے پر نہ تو اس سلسلہ میں طعن و تشنیع کیا کرتے تھے، اور نہ ہی دوسرے کو غلطی وخطاء پر سمجھتے تھے، جب تک کوئی قطعی دلیل دوسرے کے خطاء یا نسیان پر ہونے کی ظاہر نہیں ہوجاتی تھی۔ [1]

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی پسندیدہ طریقہ ان کے تابعین اور پھر اتباعِ تابعین اور ائمۂ مجتہدین اور فقہاء ومحدثین میں بھی منتقل ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ولم يزل سلف هذه الأمة على هذه الطريقة فكان الصحابة رضي الله عنهم -يختلفون في الأمور الشرعية ويقيمون على ما ذهبوا إليه دلائل ظنية أو نصوصاً صريحة وتلامذتهم كانوا يغترفون من أنهارهم ويغوصون في بحارهم من غير أن يعنف طائفة على طائفة أو يتوجه إلى الطعن والتخطئة ما لم يظهر دليل قاطع على الخطأ أو النسية(مقدمة امام الكلام)

نے ائمہ اربعہ کے مذہب اور ان کے مسلک کو شہرت اور پھیلاؤ عطا فرمادیا اور ان کی کتابوں کی تدوین ہونے لگی، اور ان کے اصول وفروع مرتب ہونے لگے، جس کے بعد وہ لوگ جو اجتہاد وترجیح کے مرتبہ پر فائز نہیں تھے، اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی، تو انہوں نے اپنے اپنے مسلک کو راجح سمجھتے ہوئے اس پر چلنا شروع کردیا، اور اپنے مسلک کے دلائل کو بھی جمع کرنا شروع کردیا، اور اسی کے ساتھ ان کے مخالف مسلک والوں کے جو دلائل تھے، ان کے مناسب ومعتدل جوابات بھی دینا شروع کردیے، اور اسی کی تائید اور بنیاد پر ان کے متبعین اپنے مذہب کی ترجیح اور توثیق میں مشغول ہوگئے، یہاں سے وہ مختلف نسبتوں کے ساتھ ملقب ہوئے، مثلاً حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ۔ [1]

اور ان میں سے ہر فریق کتابوں کی تدوین اور مسائل کو جمع کرنے اور دلائل اور حجتوں کو قائم کرنے اور ان کے امام کے اختیار کردہ قول کو ادلۂ اربعہ میں سے کسی ایک دلیل کے ساتھ ثابت کرنے اور اپنے مخالفین کے پسندیدہ جواب دینے کی طرف متوجہ ہوگیا، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ سب حضرات اس بات پر متفق تھے کہ حق صرف اس سلسلہ ومسلک میں منحصر نہیں ہے، جس کو اس نے اختیار کیا ہے، اور نہ ہی اس کے مخالف کا قول قطعی خطاء پر مشتمل ہے، اس لیے وہ تنقیح، توضیح اور ترجیح وغیرہ کے سلسلہ میں اپنی ممکنہ کوشش وسعی خرچ کرتے تھے، لیکن (وہ آج کل کی طرح) ایک دوسرے پر طعن وتشنیع نہیں کیا کرتے تھے، اور ان کی حق

---

[1] وانتقلت هذه السنة المرضية إلى أتباعهم وأتباع أتباعهم من الأئمة المجتهدين والفقهاء والمحدثين إلى أن من الله تعالى على الأئمة الأربعة المشهورين بانتشار مذهبهم وشهرة مسلكهم وتدوين كتبهم واجتماع أصولهم وفروعهم فأكب كل من خلا عن رتبة الاجتهاد والترجيح وهم غالب الأمة على اختيار مسلكهم النجيح فاختار كل جماعة مسلك من لاح له ترجيحه.
وقام بتأييده وتأصيله وتوجه إلى ترجيح مذهب من اتبعه وتوثيقه فمن ثم لقبوا بألقاب نسبية من الحنفية والشافعية والمالكية والحنبلية (ايضاً)

پرستی اور نیک نیتی واعتدال پسندی کا عالم یہ تھا کہ ان میں سے بہت سے حضرات بعض مسائل میں اپنے سلسلہ کے امام کی شاذ روایت والے قول کو دلائل کی رُو سے ترجیح دے دیتے تھے، اور اپنے مخالف امام کے قول کو بھی ترجیح دے دیتے تھے، کیونکہ ان میں مذہبی تعصب نہیں پایا جاتا تھا، اور یہی وہ معتدل ومتوسط طریقہ تھا، جس کو اختیار کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا (جس سے آج بہت سے اصحابِ علم بھی ہٹ گئے ہیں، بلکہ وہ سلف کے مذکورہ طریقہ پر چلنے والے پر طعن واعتراض کی بوچھاڑ کردیتے ہیں) [1]

پھر اس کے بعد دین کا معاملہ اسی (سلفِ صالحین والے معتدل اور حق کے) طریقہ پر جاری تھا، یہاں تک کہ ان کے بعد ایسے لوگ آئے کہ جنھوں نے اپنے اسلاف کے طریقہ کو چھوڑ دیا، اور اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع شروع کردی، اور مذہبی ومسلکی تعصب میں مبتلا ہوگئے، اور ان کے دل ودماغ میں ترفّع وتعلی پیدا ہوگئی، اور اپنے طے اور مقرر شدہ اصولوں سے انہوں نے متفرق مسائل کی تخریج شروع کردی، اور بکثرت نئے نئے پیش آنے والے مسائل کو پہلے سے منقول قواعد پر متفرع کرنا شروع کردیا۔

پھر اگر وہ کوئی صحیح حدیث یا دوسرے کی صریح دلیل کو اپنے قواعد کے خلاف پاتے، تو اس کی تاویل کرتے یا اس کے منسوخ ہونے یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے، جس

---

[1] وتوجهت كل فرقة منهم إلى تدوين الكتب وجمع المسائل وإقامة الحجج والدلائل وإثبات ما اختار إمامهم بأحد من الأدلة الأربعة والجواب عما سلک عليه مخالفهم بالأجوبة المرضية ومع ذلک كانوا متفقين على أن الحق ليس بمنحصر فی ما اختاره ولا أن الخطأ قطعی بمن خالفه .
بل كلهم بذلوا وسعهم فی التنقيح والتوضيح والتصريح والتلويح والتصحيح والترجيح من غير أن يطعن أحد على أحد طعنا جاوز عن حد.
وقد كان كثير منهم يرجحون ما هو رواية شاذة عن إمامهم ويوثقون ما سلک عليه مخالفهم من غير عصبية مذهبية .
ولعمری هذه هی الطريقة المتوسطة التی أمرنا بإقامتها،وبدعاء التوفيق على سلوكها (ایضاً)

کے نتیجہ میں انہوں نے قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی قرار دینا شروع کر دیا، یہ گمان کرتے ہوئے کہ انہوں نے اس مسئلہ کی جس اصول پر تفریع یا تخریج کی ہے، یا جو بات ان کے امام سے منقول ہے، وہ صریح دلیل کے مخالف نہیں ہوسکتی، یا اس کے امام یا اس کے سلسلہ کے سابق حضرات (فقہاء ومشائخ اور اکابر) نے جو قول اختیار کیا، وہ مخالف کی صریح دلیل کے فاسد ہونے کے ظاہر ہونے کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، اور اس طرح انہوں نے اپنے خلاف دلیل کے قوی ہونے کو قبول کرنے یا اس کی قوت کی طرف اشارہ کرنے سے اعراض اختیار کیا (جیسا کہ آج بھی ہماری فقہ کی بہت سی کتابوں میں یہ طرز وطریقہ دیکھنے کو ملتا ہے) لیکن اس کے باوجود انہوں نے مخالف کی تحقیر کرنے اور اپنے سے منازعت کرنے والے پر طعن وتشنیع کرنے سے اجتناب کیا، اور جرح وقدح اور اپنے مسلک کی قوت ثابت کرنے اور مخالف کے قول کو ضعیف قرار دینے پر اکتفا کیا، کیونکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے، اور ایک مذہب کی دوسرے مذہب پر نفسِ ترجیح میں کوئی عیب نہیں (جب تک مخالف قول کی تنقیص وتنکیر نہ ہو) [1]

---

[1] ولم يزل أمر الدين على هذا الأسلوب المتين إلى أن خلف من بعدهم خلف هجروا اتباع أسلافهم وقلدوا أهواء نفوسهم ونالوا حظاً من التعصب المذهبي وارتكز في قلوبهم الترفع المشربي فأخذوا يخرجون مسائل متفرقة من الأصول المتقررة ويفرعون الحوادث المتكثرة على القواعد المنقولة فإن وجدوا حديثاً صحيحاً أو دليلاً غيره صريحاً مخالفاً لما أسسوا بنيانه أخذوا في الجواب عنه بالتأويل أو النسخ أو التضعيف وضعفوا القوى وقووا الضعيف زعماً منهم أن ما فرعوه وخرجوه أو نقل عن إمامهم لا يكون مخالفاً للدليل الصريح وأن إمامهم ومن سبقهم لم يقولوا به إلا بعد ظهور فساد الدليل المخالف الصريح واستنكفوا عن أن يقبل قوة دليل الخلاف ويشيروا الى قوة الخلاف.

ومع كل ذلک اجتنبوا عن تحقير من خالفهم والطعن على من نازعهم بل اكتفوا على الجرح والقدح وإثبات قوة مسلک موافقهم وضعف قول مخالفهم علماً منهم أن اختلاف العلماء رحمة (ايضاً)

محض ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر متاخرین کے فتاویٰ کو دیکھا جائے، جو کہ کامل فقہاء تھے، لیکن وہ محدثین میں سے نہ تھے، آپ انہیں اس طریقہ پر چلتا دیکھو گے، نہ کہ پہلے راستہ پر۔ [1]

پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئے، جنہوں نے بڑی مصیبت کھڑی کردی، اور بڑے جھگڑوں کے جھنڈے نصب کردیے، اور انہوں نے صرف اپنے مذہب کے امام کے قول کے صحیح ہونے پر حصر واکتفاء کردیا، اگرچہ وہ صحیح وصریح احادیث کے خلاف کیوں نہ ہو، اور اس کے حجت نہ ہونے پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو، اور انہوں نے اپنے مخالف مذہب کے خطاء ہونے کا حکم لگادیا، اگرچہ وہ قوی دلائل کے موافق کیوں نہ ہو، اور اس سے دلیل پکڑنا کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، اور انہوں نے اس بات کی تصریح کی کہ جب ہم سے اپنے مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب صواب ہے، خطاء کا احتمال رکھتا ہے، اور جب ہمارے مخالف مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو ہم یہ جواب دیں گے کہ وہ خطاء ہے، صواب کا احتمال رکھتا ہے (حالانکہ اس کے متعلق گزر چکا ہے کہ اصح قول کی رُو سے یہ عقیدہ رکھنا واجب نہیں) [2]

مگر انہوں نے اس چیز پر غور نہیں کیا کہ ان کے امام نے کیا حکم لگایا، اور اہلِ اصول نے ان کے بنیادی اصول کیا قائم کیے، بہرحال جب ان کے سامنے صحیح اور صریح

---

[1] ومجرد ترجيح مذهب على مذهب ليس فيه نقمة وإن طالعت فتاوى أكثر المتأخرين الذين هم فقهاء كملاء لكنهم ليسوا من المحدثين من أصحاب المذاهب الأربعة وجدتها على هذه الطريقة لا على الطريقة السابقة (ايضاً)

[2] ثم خلف من بعدهم خلف أقاموا الطامة الكبرى ونصبوا رايات المنازعة العظمى وأخذوا في حصر الصحة على مذهب إمامهم وإن خالف الأحاديث الصحيحة الصريحة من غير أن يقوم دليل على عدم الاحتجاج بها وحكموا بخطأ مذهب من خالفهم وإن وافق الدلائل القوية مع قوة الاحتجاج بها وصرحوا بأنا إذا سألنا عن مذهبنا أجبنا بأنه صواب يحتمل الخطأ وإذا سألنا عن مذهب مخالفنا أجبنا بأنه خطأ يحتمل الصواب احتمالاً (ايضاً)

دلیل اس قول کے خلاف پیش کی جاتی، جس قول کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، تو وہ جواب میں کہتے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ہمارے ائمہ اور سلف نے اس دلیل کی موافقت نہیں کی۔

اگر آپ (بعد کے) اکثر حضرات کی کتب کا مطالعہ کریں گے، تو (ان کے مطالعہ سے) آپ ان کو ان کے اس ابتداع واختراع کی وجہ سے محدثین خیال کریں گے، حالانکہ یہ لوگ طبقاتِ فقہاء کے ادنیٰ درجہ میں داخل ہیں، اور محدثین کے مذہب سے کئی مراحل کی دوری پر ہیں (اور افسوس کہ آج ہمارے بعض مدارس میں اسی ذوق کی کتابوں کو فقہ وفتاویٰ کے باب میں ترجیح حاصل ہے)

اور یہ ترتیب وار مختلف طریقے جو ذکر کیے گئے، کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ حنفیہ اور شافعیہ سب کو شامل ہیں (یعنی چاروں فقہ کے سلسلوں میں ان طریقوں کے افراد موجود ہیں) [1]

پھر اس کے بعد کچھ حضرات ایسے تشریف لائے، جن کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے کچھ جزوی اجتہاد کے ذرائع عطا فرمادیے، اور ان کو شخصی ترجیح کی صلاحیت میسر فرمادی، جس کے نتیجہ میں انہوں نے متوسط اور معتدل طریقہ کو اختیار کیا (جس کا ذکر پہلے گزرا، اور یہ متقدمین کا طریقہ تھا) اور یہ ان کا اچھا فعل تھا، لیکن انہوں نے اس چیز میں غلطی کی کہ انہوں نے ائمہ اربعہ کے تحت داخل ہونے کی نسبت سے انکار کیا، اور یہ گمان کیا کہ ائمہ اربعہ کی طرف نسبت کرنا قبیح بدعت ہے، جبکہ بعض نے ترقی کرکے اس نسبت پر شرک وکفر اور ضلالت وگمراہی ہونے

---

[1] ولم يتأملوا في ما حكم به إمامهم وقرر أهل الأصول في مدارهم فأخذوا إذا عرض عليهم الدليل الصحيح الصريح مخالفاً لما اختاروه قالوا لا عبرة به لأن أئمتنا وسلفنا لم يوافقوه وإن طالعت كتب أكثر المحدثين وجدتهم لهذا الابتداع محدثين وهم داخلون في أدنى طبقات الفقهاء باعدون بمراحل عن مذهب المحدثين وهذه الطرق المتفرقة المترتبة ليست بمختصة بجماعة دون جماعة بل تعم الحنفية والشافعية (ايضاً)

اوران سلسلوں کے کتاب وسنت کے مخالف ہونے کا حکم صادر کر دیا۔

لیکن انہوں نے جو حکم لگایا، اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہوتا، تو اللہ ہرگز ان سلسلوں کو جاری نہ فرماتا اور نہ ہی امت میں ان سلسلوں کو قبولیتِ عام عطا فرماتا۔

جن لوگوں کو شریعت کے احکام کے مآخذ کا بھی علم نہیں، اور نہ ہی حلال وحرام کی تمیز ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ائمہ اربعہ کے جاری کردہ سلسلوں کی تردید شروع کر دی، جو قدیم سے چلے آرہے تھے (بلکہ اس طرح کے اختلافی مسائل صحابۂ کرام وتابعین میں بھی تھے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سلسلوں کو اپنے بندوں کی مصلحت کے لیے جاری کیا تھا (تاکہ امت کے مختلف طبقات وحالات کے لیے مختلف مذاہب واقوال سے حل نکالنا ممکن ہو)

ان ائمہ کرام کی طرف نسبت کے منکروں نے ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھنے پر بھی غور نہیں کیا، جس کے نتیجہ میں فساد اور جدال پیدا ہو گیا، اور ہدایت، ضلالت سے تبدیل ہو گئی۔ [1]

پھر ان کے بعد ایسے نااہل وناخلف لوگ آئے، جنہوں نے خواہشات کی پیروی کی، اور ہمارے زمانہ میں اکثر ایسے لوگ ہیں، اور کچھ تھوڑے بہت ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا ذکر پہلے گزرا، انہوں نے ائمہ عالَم پر بڑی نکیر شروع کر دی، خاص طور

---

[1] ثم خلف من بعدهم خلف تفضل الله عليهم بشيء من الآلات الاجتهاد الجزئي ويسر عليهم الترجيح الشخصي فتوجهوا إلى اختيار الطريقة المتوسطة ولقد أصابوا في ما فعلوا لكن أخطأوا في أنهم استنكفوا من الدخول تحت النسب الأربعة وظنوا الانتساب بها من البدع المستقبحة.

بل ترقى بعضهم فحكموا بكونه شركاً وكفراً وضلالة وكونه مخالفاً للكتاب والسنة وفي أنهم قصدوا أمراً لم تجر عادة الفعال الحكيم بإجرائه ولم تحكم الشريعة بإنفاذه من موافقة الناس كلهم خاصهم وعامهم على هذه الرؤية وزجرهم عن الانتساب بهذه النسب الشهيرة وإن لم يكن لهم علم بمأخذ الأحكام ولا تمييز بين الحلال والحرام وأرادوا إبطال هذه السنة القديمة التي أجراها الله تعالى لمصالح عباده ولم يتأملوا في ما ورد من تنزيل كل رجل على منازله فوقع ذلك موجباً للفساد والجدال وانعكست الهداية بالضلال (ایضاً)

پر ہمارے سب سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جرح وقدح شروع کردی، جن کا مقصد طعن کرنا اور رد کرنا ہی ہے، ان لوگوں میں نہ دینداری پائی جاتی، نہ ہی تقویٰ و پرہیزگاری پائی جاتی اور نہ ان میں فتویٰ کی کوئی قابلیت پائی جاتی۔

ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب انہیں حدیث کی معتبر کتابوں کے مطالعہ کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ اس میں کچھ احادیث کو امام اعظم ابوحنیفہ یا کسی اور مجتہد عالم کے خلاف پاتے ہیں، تو احادیث کے شارحین اور حاشیہ نگاروں کے کلام کو دیکھے اور فقہاء و محدثین کی مباحث پر مطلع ہوئے بغیر اور مفسرین، اصولیین اور متکلمین ومحدثین کے مقرر کردہ قواعد میں غور کیے بغیر، ان کی زبانیں طعن میں دراز ہوجاتی ہیں، اور وہ سب وشتم کرنے لگتے ہیں۔

ان کا حال یہ ہے کہ وہ امام اعظم کی متعدد مسائل میں غلطی کا یقین کے ساتھ حکم لگا دیتے ہیں، اور یہ گمان کرتے ہیں کہ امام اعظم کو چھوڑنا یقینی طور پر ضروری ہے، اور ان کی موافقت حرام ہے۔

اور ان لوگوں کی ایک بڑی جماعت، جو ان کے سلسلہ کے امیر اور بڑے شمار ہوتے ہیں، وہ حنفیہ سے متعدد مسائل میں جھگڑا کرتے ہیں، جیسا کہ امام کے پیچھے قرائت نہ کرنے کے مسئلہ میں اور نماز میں آمین یا بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے مسئلہ میں اور رکوع وسجدہ کے وقت رفع یدین نہ کرنے کے مسئلہ میں انتہائی درجہ آگے تک پہنچ جاتے ہیں، اور رد وقدح میں ان کی زبانیں غیر متناہی لمبی ہوجاتی ہیں، باوجودیکہ ان کو نہ تو علم کا کوئی حصہ حاصل ہوتا، اور نہ ہی فہم کا کوئی حصہ حاصل ہوتا، اور وہ (اپنے جہالت پر مبنی اجتہاد کے باعث) حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھتے ہیں۔ [1]

---

[1] موجودہ دور کے متشدد ومتعصب غیر مقلدین کا یہی طرزِ عمل ہے، اللہ ان کی اصلاح فرمائے، اور ان کے فتنہ سے امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

اور غیبت اور ائمہ پر طعن و تشنیع اور اہلِ اسلام کی تحقیر اور اہلِ اکرام حضرات کو زد و کوب کرنے اور ان کو بُرا بھلا کہنے اور ان کی تذلیل و تنقیص کرنے اور ان کی ایذاء رسانی کرنے اور ان پر اہلِ بدعت اور گمراہ وغیرہ کا حکم لگانے کو مباح و جائز سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ صاف طور پر حرام اور مشہور و مکروہ چیزیں ہیں، اور وہ لوگ ان مسائل میں کسی کے لیے حنفیہ کی تقلید کو جائز قرار نہیں دیتے، اس میں ان کا فاسد گمان یہ ہے کہ حنفیہ کے پاس ان مسائل کے دلائل نہیں ہیں، اور جو ان مسائل میں حنفیہ کی اقتدا کرتا ہے، اس کے ساتھ مذکورہ محرمات (یعنی طعن و تشنیع اور تحقیر و تذلیل وغیرہ) کا ارتکاب شروع کر دیتے ہیں۔ [1]

اور اس مذکورہ جماعت کے مقابلہ میں ایک دوسری بڑی جماعت (جامد مقلدین کی) بھی ہے، جنہوں نے تحت الثریٰ تک تفریط کے کنویں کھود دیے ہیں، اور

---

[1] ثم خلف من بعدهم خلف أضاعوا الصلوات واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غياً إلا من تاب وآمن وعمل صالحاً وهم أكثر من فى عصرنا وشىء من يحصى سبقنا فأقاموا النكير الأعظم على أئمة العالم لا سيما إمامنا الأقدم الإمام أبى حنيفة الأعظم جل مرادهم الجرح والقدح وكل مقصودهم الطعن والطرح ليس لهم حظ من التدين والتقوى ولا نصيب لهم من قابلية الفتوى، تراهم إذا ساعدهم التوفيق لمطالعة كتب الحديث المعتبرة ووجدوا فيها أحاديث مخالفة للإمام الأعظم وغيره من مجتهدى العالم بسطوا ألسنتهم بالطعن ورموهم بالسب واللعن من دون أن ينظروا إلى كلام الشراح والمحشين ويطلعوا على مباحث الفقهاء والمحدثين ويتأملوا فى قواعد متقررة من المفسرين والاصوليين والمتكلمين والمحدثين تراهم يحكمون بخطأ الإمام الأعظم فى مسائل عديدة على سبيل الجزم ويزعمون أن تركه حتم وتوافقه محرم وطائفة عظيمة منهم قد طارت رتبتهم على رتبة رؤسائهم فنازعوا الحنفية فى المسائل العديدة كترك القراءة خلف الإمام والإسرار بآمين وبالبسملة فى الصلاة وترك رفع اليدين عند الركوع والسجود، وغير ذلك من الجزئيات الشهيرة وبلغوا فى نزاعهم إلى الدرجة القصوى وطولوا ألسنة الرد والكد إلى ما لا يتناهى مع كونهم لا نصيب لهم من العلم ولا حصة لهم من الفهم فحرموا الحلال وحللوا المحرم. وأباحوا الغيبة وطعن الأئمة وتحقير أهل الإسلام وضرب أهل الإكرام وسبهم وتذليلهم وتنقيصهم وإيذائهم وحكم ابتداعهم وضلالتهم وغير ذلك من المحرمات المنصوصة والمكروهات المشهورة ولم يجوزوا لأحد تقليد الحنفية فى هذه المسائل زعماً فاسداً منهم أنه ليس لها رائحة من الدلائل واستعملوا بكل من اقتدى فيها بالحنفية بالمحرمات المذكورة (ايضاً)

جدال اور تفریط کے قواعد کی بنیاد ڈال لی ہے، انتہائی درجہ تک اور انہوں نے انتہائی حد تک فساد برپا کر دیا ہے، اور اپنے مذاہب پر سردیوں کے موسم میں جمی ہوئی برف کی طرح جمود اختیار کر لیا ہے، اور اس (جامد مقلدین کی) جماعت نے بھی مذکورہ (غیر مقلدین کی) جماعت کے مقابلہ میں ان ہی محرمات کا ارتکاب شروع کر دیا، اور انہوں نے پہلی (یعنی غیر مقلدین کی) جماعت کے لوگوں پر کفر و فسق کا حکم لگانا شروع کر دیا، بلکہ ان کے متقدمین اکابر کے بھی کفر اور پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے فسق کا حکم لگانا بھی شروع کر دیا، اور ان لوگوں نے پہلی جماعت کے قول کے جواب میں صرف یہی کہا کہ " إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ " اپنے اس جواب کو سوچے سمجھے بغیر کہ " أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ "۔

اور (ان لوگوں) کا اللہ ہی سے شکوہ ہے، اور اسی کی طرف تضرع اور التجاء ہے، اِن لوگوں سے بھی اور اُن لوگوں سے بھی۔

یہ ایسی باتوں میں گھستے ہیں، جن کا انہیں علم نہیں، اور ایسی چیزوں کا فتویٰ دیتے ہیں، جن کا وہ فہم نہیں رکھتے، اور ایسی چیزوں کا طعنہ دیتے ہیں، جس کی وہ سمجھ نہیں رکھتے، اور اس کے باوجود ان کا گمان یہ ہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور اللہ ہی ہم پر اور ان کی حالت پر رحم کرے، اور انہیں ہدایت عطا فرمائے اور ان کی اصلاح کرے۔

اور اس زمانہ میں یہ فتنہ عام ہو چکا ہے، اور ہر جانب شر اور سرکشی کا جھنڈا قائم ہو گیا اور ہر اسلامی ملک و شہر میں داخل ہو گیا ہے، سوائے چند مکرم لوگوں کے، جن کی اللہ نے حفاظت فرمائی (صرف وہی ان فقہی وفروعی مسائل میں متشددانہ فتنوں سے محفوظ ہیں) خاص طور پر ہمارے شہروں اور علاقوں میں کوئی شہر اور

علاقہ اس فتنہ سے باقی نہیں بچا، جس میں یہ فتنہ داخل نہ ہوگیا ہو، جس نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو تباہ کردیا اور اس کو پارہ پارہ کردیا اور کوئی شہر بھی ایسا نہیں، سوائے اللہ کی مشیت کے کہ جس میں یہ دونوں فریق (متشدد غیر مقلدین اور جامد مقلدین) جھگڑا نہ کرتے ہوں، اور لایعنی چیزوں میں کھود کرید نہ کرتے ہوں، اور مجادلہ نہ کرتے ہوں، اور دونوں فریقوں میں جاہل لوگوں کے داخل ہونے پر حسرت نہیں ہے، اصل حسرت تو ہمارے زمانہ میں ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک کے علماء کی اکثریت پر ہے (کہ وہ اس فتنہ کا حصہ ہیں، جو علماء کی شان سے بعید ہے) [1]

پس ہمارے زمانہ کے علماء، اللہ ان پر اور ہم پر رحم فرمائے، وہ چار فرقوں میں بٹ گئے ہیں، جن میں سے ایک فرقہ فلسفہ کے علوم کے سمندروں میں غوطہ لگاتا ہے، اور اپنی عمروں کو فنونِ حکمیہ میں صرف کرتا ہے، جس کا کوئی معتد بہ ثمرہ دنیا و آخرت میں نہیں، اور یہ فرقہ مسائل کے تنازعات اور سوال کرنے اور جواب دینے والے

---

[1] وقد قابلهم طائفة عظيمة أخرى حفروا آبار التفريط إلى ما تحت الثرى وأسسوا قواعد الجدال والتفريط إلى الدرجة القصوى وبنوا قصر التفريط على زعم أنف باني قصر الإفراط وجاهدوا حق الجهاد في الفساد والانضغاط وجمدوا على مذاهبهم جمود الثلج في أيام الشتاء وعملوا بتلك المحرمات عند مقابلة هؤلاء وحكموا بكفرهم وفسقهم بل وكفر الأكابر المتقدمين وفسق الأقدمين ولم يجيبوا إلا بقولهم إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم مقتدون من غير التأمل في جوابه. أو لو كان آباؤهم لا يعقلون شيئاً ولا يهتدون. وإلى الله المشتكى وإليه التضرع والملتجئ من صنيع هؤلاء ،وهؤلاء يخوضون فيما لا يعلمون ويفتون بما لا يفهمون ويطعنون بما لا يفقهون ومع ذلك يحسبون أنهم يحسنون والله يرحمنا ويرحمهم ويهديهم ويصلحهم.

ولقد عمت هذه الفتنة في هذا الزمان وقامت من كل جانب راية الشر والطغيان ودخلت في كل بلدة من بلاد الإسلام إلا ما حفظه الله ذوي الإكرام لا سيما في بلادنا وإقليمنا فلم تبق بلدة من بلاده إلا وقد دخلته وأفسدت الاجتماع وفرقته وما من بلد إلا ما شاء الله إلا فيه فريقان يتنازعان ويخوضان في ما لا يعنيهما ويتجادلان ولست أتحسر على دخول الجهال في أحد الفريقين وإنما أتحسر على اختيار غالب علماء عصرنا أحد هذين الطريقين (ايضاً)

کے اختلافات سے الگ تھلگ ہے، اگر چہ اس جماعت پر فلسفہ کی ظلمت نے احاطہ کرلیا ہے، لیکن اس جماعت نے مخمصہ اور مفسدہ سے نجات پالی ہے۔

دوسرا فرقہ (جامد مقلدین کا) وہ ہے کہ جو علومِ شرعیہ کے سمندر میں غوطہ لگائے ہوئے ہے، لیکن نہ ان کا غور وفکر ان کو روکتا اور نہ ہی ان کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور ان کی نظروں میں جو کچھ ہے، بس وہ اسی کے ظاہر پر جمود اختیار کیے ہوئے ہیں، اور ان کے افکار میں جن چیزوں کا حق ہونا بیٹھا ہوا ہے، وہ اسی پر یقین کیے بیٹھے ہیں (اپنی یا دوسرے کی تحقیق کے بعد بھی اس سے ذرہ برابر ہٹنے کے لیے تیار نہیں)

اور تیسرا فرقہ (غیر مقلدین کا) وہ ہے، جو علومِ شرعیہ کے سمندر میں غوطہ تو لگائے ہوئے ہے، لیکن کوئی اس سے نہ موتی چن کر لوٹتا ہے اور نہ ہی سیپی۔

اور وہ اگر چہ ان فنون کے دلائل سنتے ہیں، لیکن وہ خطاء پر ہیں، جن کے قدم پھسل چکے، اور ان کے لیے محفوظ معاملہ میسر نہیں، اور یہ دونوں (جامد مقلدین اور غیر مقلدین کے) فرقے بڑی جماعتیں ہیں، جو آپس میں نزاع کرتے ہیں، اور ان دونوں فرقوں میں سے ہر ایک زجر وتعزیر اور تادیب ونکیر کا مستحق ہے۔

اور چوتھا فرقہ متوسط ومعتدل ہے، جو معقول دلائل کو منقول دلائل پر مقدم نہیں رکھتا، اور اپنا دفاع کیے بغیر سلفِ صالحین کے طریقہ پر چلتا ہے، اور یہی فرقہ سب سے معتدل ومتوسط ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

(علامہ لکھنوی کی عربی عبارت کا مفہوم ختم ہوا) [1]

---

[1] فإن علماء عصرنا رحمهم الله ورحمنا متفرقون على فرق أربعة فقرقة يغوصون فى بحار العلوم الفلسفية ويصرفون أعمارهم فى الفنون الحكمية التى لا ثمرة لها معتدة لا فى الدنيا ولا فى الآخرة وهم بمعزل عن منازعات المسائل ومشاجرات المجيب والسائل وإن أحاطتهم ظلمة الفلسفة فقد نجوا من المخمصة والمفسدة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے اس وقیع مضمون میں افراط وتفریط کے اندر مبتلاء علماء اور عوام دونوں کو ہی آئینہ دکھا دیا ہے، اور تقلید کی بے اعتدالیوں کو دونوں طرف سے واضح کر کے سلفِ صالحین کے متوسع ومعتدل طریقہ کی وضاحت کے ساتھ نشاندہی کردی ہے، اور یہ بھی فرمادیا کہ غیر مقلدین کے علاوہ مقلدین میں سے بھی علماء کی ایک بڑی جماعت اس زمانہ میں جمود کا شکار ہے، جو کسی فقہی مسئلہ میں جانبِ مخالف کی صریح وقوی دلیل واضح ہونے کے باوجود بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا دوسرا حوالہ

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ ''الجامع الصغیر'' کی شرح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اقول: تفرق الناس من قديم الزمان الى هذا الاوان فى هذا الباب الى الفرقتين: فطائفة قد تعصبوا فى الحنفية تعصبا شديداً، والتزموا بما فى الفتاوىٰ التزاماً سديداً، وان وجدوا حديثاً

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفرقة غاصوا فى بحار العلوم الشرعية ولم يمنعوا نظرهم ولم يفتحوا بصرهم فجمدوا على ظاهر ما مر تحت أنظارهم وقطعوا بحقية ما خطر فى أفكارهم.

وفرقة غاصوا فى بحارها ولم يأتوا بالدرر بل بأصدافها وهم وإن سمعوا أنظارهم فى هذه الفنون لكنها أخطأت فزلت أقدامهم ولم يتيسر لهم الأمر المصئون وهاتان الفرقتان هما الفئتان العظيمتان المتنازعتان ولعمرى كل منهم مستحق للزجر والتعزير والتأديب والنكير.

وفرقة هم متوسطون لا يقدمون المعقول على المنقول ولا يقومون على شفا حفرة النزاع ويسلكون سبيل السلف الصالح بلا دفاع، ولقد طال ما وردت إلى الخطوط والرسائل وكثير من المستفتى والسائل لتحقيق هذه المباحث التى تنازعوا فيها وأصروا على إظهار الحق فى تنقيدها وكنت أضرب عنهم كشحاً وأعرض عنهم وجهاً علماً منى بأن أكثر أهل الزمان قد عموا وصموا وإنى إن كنت أسلك فى كل مبحث سبيل التوسط لكنه لا يقرع سماعهم ولا يمعن فيه أنظارهم إلى أن ألح على جماعة من خلص الأحباب وطائفة من ممجدى الأصحاب بالإقدام على ذلك ولم أجد عذراً أدفعه به فيما هنالك.

(ماخوذ از: معين المفتى، مشمولة: علمى وتحقيقى رسائل، المجلد الاول، المطبوعة: اداره غفران، راولبندى)

صحيحاً او اثراً صريحاً على خلافه، وزعموا انه لو كان هذا الحديث صحيحاً لاخذ به صاحب المذهب، ولم يحكم بخلافه، وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن ابى حنيفة من تقديم الاحاديث والآثار على اقواله الشريفة، فترک ماخالف الحديث الصحيح راى سديد، وهو عين تقليد الامام لاترک التقليد، وطائفة زعموا ان الامام قاس على خلاف الاخبار، وهجر ما ورد به الشرع والآثار، فظنوا فى حقه ظنوناً سيئة، واعتقدوا عقائد قبيحة، ومطالعة "الميزان" لهم نافع، ولاوهامهم دافع، فليتخذ العاقل مسلک البين، ويهجر طريق الطائفتين (النافع الكبير شرح الجامع الصغير"، صفحة ۴۵، مقدمة ،الفصل الثالث، مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ قدیم زمانہ سے موجودہ دور تک، اس سلسلہ میں لوگوں کے دوفرقے رہے ہیں، ایک فرقہ تو حنفیت میں شدید تعصب رکھتا ہے، اور وہ (حنفیہ کی کتبِ) فتاویٰ میں جو کچھ مذکور ہے، اس کو درست سمجھتے ہوئے التزام کرتا ہے، اگرچہ وہ صحیح حدیث یا صحیح اثر اس کے خلاف پالے، اور یہ (فرقہ) گمان رکھتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی، تو اس کو صاحبِ مذہب اختیار کر لیتے، اور اس کے خلاف حکم نہ لگاتے، حالانکہ یہ ان حضرات کی، اس بات سے ناواقفیت پر مبنی ہے، جو معتبر حضرات نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ احادیث اور آثارِ مبارکہ کو ان کے اقوال پر مقدم رکھا جائے گا، پس صحیح حدیث کے مخالف فقہاء کے قول کو ترک کر دینا یہ درست رائے ہے، اور یہ امام کی تقلید ہے، ترکِ تقلید نہیں ہے۔

اور ایک طبقہ نے یہ گمان کیا کہ امام ابوحنیفہ نے احادیث کے خلاف قیاس کیا، اور

شریعت اور آثار کو چھوڑ دیا، اس لیے اس طبقہ نے امام ابوحنیفہ کے حق میں مختلف بد گمانیوں کا ارتکاب کیا، اور قبیح عقائد کو اختیار کیا، اور ''المیزان'' کا مطالعہ ان کے لیے فائدہ مند ہے، اور ان کے فاسد خیالات کو دور کرنے والی ہے، پس عاقل کو چاہئے کہ وہ معتدل ومتوسط راستہ کو اختیار کرے، اور مذکورہ دونوں طبقات کے راستہ کو چھوڑ دے (النافع الکبیر)

معلوم ہوا کہ جس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو قصداً وعمداً احادیث کے خلاف قیاس کرنے والا سمجھنا اور احادیث وآثار کو قصداً چھوڑنے والا شمار کرنا بے اعتدالی ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہر قول کو خواہ وہ صحیح احادیث کے خلاف بھی ہو، اختیار کرنا اور اس کے مقابلہ میں حدیث کو ترک کردینا بھی بے اعتدالی ہے، اور معتدل ومتوسط راستہ ان دونوں کے مابین ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا تیسرا حوالہ

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ومن منحه انی رزقت التوجه الی فن الحدیث و فقه الحدیث، ولا اعتمد علی مسئلة مالم یوجد اصلها من حدیث او آیة، وما کان خلاف الحدیث الصحیح الصریح اترکه، و اظن المجتهد فیه معذوراً، بل ماجوراً، ولکنی لست ممن یشوش العوام الذین هم کالانعام، بل اتکلم بالناس علی قدر عقولهم.

و من منحه انی رزقت الاشتغال بالمنقول اکثر من الاشتغال بالمعقول، وما اجد فی تدریس المنقول والتصنیف فیه لاسیما فی الحدیث و فقه الحدیث من لذة و سرور لا اجد فی غیره.

و من منحه انه جعلنی سالکا بین الافراط والتفریط، لاتاتی مسئلة معرکة الآراء بین یدی الا الهمت الطریق الوسط فیها، ولست ممن یختار طریق التقلید البحت بحیث لا یترک قول الفقهاء وان خالفته الادلة الشرعیة، ولا ممن یطعن علیهم و یهجر الفقه بالکلیة (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر"، صفحة ۶۵، مقدمة، خاتمة، مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی)

ترجمہ: اور اللہ کے فضل وانعام میں سے ایک فضل وانعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ مجھے فنِ حدیث اور فقہِ حدیث دونوں کی طرف توجہ کی توفیق دی گئی، اور میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا، جب تک کسی حدیث یا آیت سے اس کی بنیاد نہیں مل جاتی، اور جو بات صحیح صریح حدیث کے مخالف ہوتی ہے، اس کو میں ترک کر دیتا ہوں، اور یہ گمان کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجتہد معذور ہے، بلکہ ماجور ہے، لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو ان عوام میں تشویش پیدا کرتے ہیں، جو انعام کی طرح ہوتے ہیں، بلکہ میں لوگوں سے ان کی سمجھ کے اعتبار سے کلام کرتا ہوں۔

اور اللہ کے فضل و انعام میں سے ایک فضل و انعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ مجھے معقولیات میں اشتغال سے زیادہ منقولیات (یعنی قرآن وسنت اور فقہ) میں اشتغال کی توفیق عطا کی گئی، اور میں منقول کی تدریس اور تصنیف میں خاص طور سے حدیث اور فقہ حدیث میں جو لذت اور سرور پاتا ہوں، وہ کسی اور میں نہیں پاتا۔

اور اللہ کے فضل وانعام میں سے ایک فضل وانعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ اللہ نے مجھے افراط وتفریط کے مابین (یعنی معتدل ومتوسط طریقہ پر) چلنے والا بنا دیا، جو کوئی

معرکۃ الآراء مسئلہ بھی میرے سامنے آتا ہے، تو مجھے اس میں متوسط طریقہ کو اختیار کرنے کا الہام کیا جاتا ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو محض تقلید کے طریقہ کو اس طریقہ سے اختیار کرتے ہیں کہ فقہاء کے قول کو ترک نہیں کرتے، اگرچہ شرعی دلائل اس کے خلاف ہوں، اور میں ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہوں، جو فقہاء پر طعن کرتے ہیں، اور فقہ کو بالکلیہ ترک کردیتے ہیں (النافع الکبیر)

ہم بھی اللہ کے فضل وکرم اور اس کے احسان وانعام سے علامہ عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا طرزِ عمل کو پسند واختیار کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اس طرزِ عمل کی ترغیب ودعوت دیتے ہیں، اور یہی طریقہ اسلم ومعتدل طریقہ ہے، اللہ اس پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

علامہ عبدالحیؒ لکھنوی کا چوتھا حوالہ

حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والی اللہ المشتکیٰ من جھلۃ زماننا حیث یطعنون علیٰ من ترک تقلید امامہ فی مسألۃ واحدۃ لقوۃ دلیلھا ویخرجونہ عن جماعۃ مقلدیہ ولا عجب منھم فانھم من العوام وانما العجب ممن یتشبہ بالعلماء ویمشی مشیھم کالانعام (الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ، صفحۃ ۱۱۶، ترجمۃ "عصام بن یوسف" باب العین)

ترجمہ: ہم اپنے زمانہ کے جاہلوں کی اللہ کے علاوہ اور کس سے شکایت کریں کہ یہ جاہل اس شخص پر سخت تنقید کرتے ہیں، جو قوتِ دلیل کی بناء پر کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب واقتداء کو ترک کردیتا ہے، اور اس کو یہ لوگ اس کے مقلد ہونے سے خارج کردیتے ہیں، اور یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں، کیونکہ وہ عوام ہیں، تعجب

کی بات تو یہ ہے کہ ایسا طرزِ عمل وہ لوگ اختیار کرتے ہیں، جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں، حالانکہ اپنی چال میں (عقل وفہم کے اعتبار سے) وہ چوپاؤں کی طرح ہیں (الفوائد البهية)

ہم بھی اپنے زمانہ کے ان جاہلوں کی اللہ کے علاوہ کس سے شکایت کریں کہ جو دلیل قوی ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے امام یا مذہب کے قول کو اختیار کرے، اور اپنے امام یا مذہب کے قول کو ترک کردے، بلکہ اپنے مذہب کے ہی کسی دوسرے ایسے قول کو ترجیح دے دے، جو دوسروں کے نزدیک راجح نہ ہو، تو اس غریب پر یہ متشددین و متعصبین چڑھ دوڑتے ہیں، اور اس کی فضیحت کرنے میں کسر نہیں چھوڑتے، جن میں زیادہ تعجب وحیرت کا باعث آج کے دور میں عالم یا مفتی کا لقب پانے یا اختیار کرنے والے بعض حضرات بھی ہوتے ہیں۔

علامہ عبدالحیؒ لکھنوی کا پانچواں حوالہ

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم انه ليس تفاوت المصنفات فى الدرجات الا بحسب تفاوت درجات مؤلفيها، او تفاوت ما فيها، لابحسب التأخر الزماني والتقدم الزماني، فليس ان تصنيف كل متأخر ادنى من تصنيف المتقدم ، بل قد يكون تصنيف المتأخر اعلى درجة من تصنيف المتقدم بحسب تفوقه عليه فى الصفات الجلية ، كما لايخفى على من نظر بعين البصيرة ، ولذا قال الدماميني فى "شرح التسهيل": قال المبرد: ليس لقدم العهد يفضل القائل ، ولا لحداثته يهضم المصيب ولكن يعطى كل ما يستحق ، وكثير من الناس من تحرى هذه البلية الشنعاء ، فتراهم اذا سمعوا شيئا من

النکت الحسنة غیر معزو الی معین استحسنوہ، بناء علی انه للمتقدمین، فاذا علموا انه لبعض ابناء عصرھم، نکصوا علی الاعقاب واستقبحوہ، او ادعوا ان صدور ذلک عن عصری مستبعد، وما الحامل لذلک الا حسد ذمیم ، انتھی.

ویعجبنی فی ھذا قول خیر الدین الرملی استاذ صاحب "الدرالمختار":

قل لمن یر المعاصر شیئا　　ویری للاوائل التقدیما

ان ذاک القدیم کان حدیثا　　وسیبقی ھذا الحدیث قدیما (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر"، صفحة ۳۰، ۳۱، مقدمة ،الفصل الاول،مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ تصنیفات (وتالیفات) کا درجات میں تفاوت ان کے مؤلفین کے درجات کے تفاوت کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا پھر ان تصنیفات میں مذکور باتوں کے تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے، زمانہ کے مؤخر اور زمانہ کے مقدم ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا، پس ہر بعد کی تصنیف اپنے سے پہلے کی تصنیف کے مقابلہ میں کمزور نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات بعد کی تصنیف کا درجہ اپنے سے پہلی تصنیف سے زیادہ ہوتا ہے، جتنی بھی وہ عمدہ صفات میں بلند ہوتی ہے، اسی قدر اس کا درجہ بلند ہوتا ہے، جیسا کہ بصیرت کی نظر سے دیکھنے والے پر یہ بات مخفی نہیں، اور اسی وجہ سے (محمد بن ابوبکر مالکی) دمامینی نے "تسہیل کی شرح" میں مبرد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زمانہ کے مقدم ہونے کی وجہ سے کسی کی بات کو (یا ناقص چیز کو) افضل قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ بعد کی ہونے کی وجہ سے درست بات کہنے والے میں نقص پیدا کیا جاسکتا، بلکہ ہر بات کو وہی درجہ دیا جائے گا، جس

کی وہ مستحق ہے، اور بہت سے لوگ اس قوی ترین بلا میں گرفتار ہیں کہ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کوئی عمدہ بات سنتے ہیں، جس کی کسی معین شخص کی طرف نسبت نہیں ہوتی، تو وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ متقدمین کی بات ہے، پھر جب انہیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تو ان کے اہلِ عصر کی بات ہے، تو وہ ایڑیوں کے بل پھر جاتے ہیں، اور اس کو برا سمجھتے ہیں، یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس بات کا ہمارے معاصر سے صادر ہونا مستبعد ہے، اور ان کو اس بات پر ابھارنے والا صرف براحسد ہی ہوتا ہے۔

اور مجھے اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار کے استاذ خیر الدین رملی کے یہ اشعار پسند آئے:

قل لمن یر المعاصر شیئا ویری للاوائل التقدیما

ان ذاک القدیم کان حدیثا وسیبقی ھذا الحدیث قدیما

یعنی ایسے افراد بہت کم ہیں، جو اپنے معاصر کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور وہ اس کے مقابلہ میں پہلے لوگوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، حالانکہ وہ قدیم بھی پہلے جدید تھا، اور یہ جدید آئندہ چل کر قدیم ہوجائے گا (النافع الکبیر)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے، جو ہمیشہ بعد کے مقابلہ میں سابق حضرات کی بات کو ہی حرفِ آخر قرار دیتے ہیں، لیکن جہاں ان کے متاخرین ان کے متقدمین سے الگ موقف رکھیں، وہاں متاخرین کی بات پر جم جاتے ہیں، اور پہلے اصول کو ترک کردیتے ہیں۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی (المتوفیٰ :1205 ہجری) نے ''تاج العروس'' میں ''مبرد'' کے مذکورہ قول کی عمدہ تشریح کی ہے۔

اور مزید تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

”والمراد من ذلک کله النظر بعين الإنصاف من المعاصرين وغيرهم، فإن الإخلاص والإنصاف هو المقصود من العلم“۔

ترجمہ: اور ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ معاصرین اور غیر معاصرین میں، بنظرِ انصاف غور کرنا چاہئے، کیونکہ علم سے مقصود اخلاص اور انصاف ہے (تاج العروس) [1]

---

[1] (ولكنى أقول كما قال) الإمام (أبو العباس) محمد بن يزيد ابن عبد الأكبر الثمالى الأزدى البصرى الإمام فى النحو واللغة وفنون الأدب ولقبه (المبرد) بفتح الراء المشدد عند الأكثر، وبعضهم يكسر، وروى عنه أنه كان يقول برد الله من بردني، أخذ عن أبى عثمان المازنى وأبى حاتم السجستانى وطبقتهما، وعنه نفطويه وأصحابه، وكان هو وثعلب خاتمة تاريخ الأدباء، ولد سنة 210وتوفى سنة 286ببغداد (فى) كتابه المشهور الجامع وهو (الكامل) وقد جعله ابن رشيق فى العمدة من أركان الأدب التى لا يستغنى عنها من يعانى الأدب، وله غيره من التصانيف الفائقة، كالمقتضب والروضة وغيرهما (وهو القائل المحق) وهذه جملة اعتراضية جىء بها فى مدح المبرد بين القول ومقوله وهو (ليس لقدم العهد) أى تقدمه، والعهد :الزمان (يفضل) أى يزيد ويكمل (الفائل) بالفاء، وضبطه القرافى وغيره بالقاف كالأول، وهو غلط، فال رأيه كباع فهو فائله، أى فاسده وضعيفه (ولا لحدثانه) هو كحرمان أى القرب، والضمير إلى العهد (يهتضم) مبنيا للمجهول، أى يظلم وينتقص من هضمه حقه إذا نقصه (المصيب) ضد المخطء (ولكن) الإنصاف والحق أن (يعطى كل) من فائل الرأى ومصيبه (ما يستحق) أى ما يستوجبه من القبول والرد، ومثل هذا الكلام فى خطبة التسهيل ما نصه، وإذا كانت العلوم منحا إلهية ومواهب اختصاصية، فغير مستبعد أن يدخر لبعض المتأخرين ما عسر على كثير من المتقدمين، والمعنى أن تقدم الزمان وتأخره ليست له فضيلة فى نفسه، لأن الأزمان كلها متساوية، وإنما المعتبر الرجال الموجودون فى تلك الأزمان، فالمصيب فى رأيه ونقله ونقده لا يضره تأخر زمانه الذى أظهره الله فيه، والمخطء الفاسد الرأى الفاسد الفهم لا ينفعه تقدم زمانه، وإنما المعاصرة كما قيل حجاب، والتقليد المحض وبال على صاحبه وعذاب، أنشدنا شيخنا الأديب عبد الله بن سلامة المؤذن:

(قل لمن لا يرى المعاصر شيئا ...ويرى للأوائل التقديما)
(إن ذاك القديم كان حديثا ...وسيسمى هذا الحديث قديما)

وأنشدنى أيضا لابن رشيق:

(أولع الناس بامتداح القديم ...وبذم الجديد غير الذميم)
(ليس إلا لأنهم حسدوا الحى ...ورقوا على العظام الرميم)

وأنشدنى أيضا:

(ترى الفتى ينكر فضل الفتى ...خبثا ولؤما فإذا ما ذهب)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اسی قسم کا نقصانِ علم یا ہم عصری کا سبب ہی اپنے سے بلند تر کسی محقق وفقیہ سے اختلاف کا سبب بن جاتا ہے، جس سے محققین کو ہر دور میں واسطہ پڑتا رہا ہے، جیسا کہ آگے مولانا علی میاں ندوی صاحب کے مضمون میں ذکر آتا ہے۔

علامہ عبدالحئ لکھنوی کا چھٹا حوالہ

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

جوازِ تقلیدِ شخصی کا عقیدہ محققینِ حنفیہ کے موافق ہے، علامہ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی حنفی رحمہ اللہ القوی ''شرح مسلم الثبوت'' میں لکھتے ہیں:

''لایجب الاستمرار ویصح الانتقال وھذا ھو الحق الذی ینبغی ان یؤمن ویعتقد به''

''ہمیشہ ایک ہی شخص کا مقلد رہنا واجب نہیں ہے، بلکہ ایک مذہب کو چھوڑ کے دوسرا مذہب اختیار کر لینا جائز ہے، اور یہی درست ہے، اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کا اعتقاد رکھنا چاہیے''

علامہ ابنِ ہمام حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لو التزم مذھبا معینا کابی حنیفة والشافعی رحمھما اللہ فقیل یلزمه وقیل لا وھو الاصح''

اگر کسی خاص مذہب کو لازم کر لیا، مثلاً ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(لج به الحرص علی نکتة ...یکتبها عنه بماء الذهب)

والمراد من ذلک کله النظر بعین الإنصاف من المعاصرین وغیرهم، فإن الإخلاص والإنصاف هو المقصود من العلم، وإنما أورد المصنف هذا القول معزوا لأبی العباس لأن برکة العلم عزوه إلی قائله(تاج العروس من جواهر القاموس، ج ۱، ص ۹۳، مقدمة، المقصد العاشر فی أسانیدنا المتصلة إلی المؤلف)

بعضوں کے نزدیک اس مذہب کی تقلید واجب ہے، اور بعضوں کے نزدیک نہیں، اور یہی صحیح ہے“

اور علامہ شرنبلالی حنفی رحمہ اللہ نے ”العقد الفرید“ میں لکھا ہے:

”لیس علی الإنسان إلتزام مذهب معین“

”انسان پر مذہبِ معین کا التزام لازم نہیں ہے“ [1]

اور یہی علامہ محمد عبدالعظیم حنفی مفتیٔ مکہ وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وامیر حاج سید بادشاہ وقاضی ابوعاصم رحمہم اللہ کا مختار ہے، جن کا شمار کبائرِ مشائخِ احناف میں ہے، پس جبکہ اس کا عقیدہ متقدمین ومتاخرین رحمہم اللہ کے موافق ہو اور حنفی مذہب رکھتا ہے، اور نماز میں شرائطِ ارکان اور سنن احناف کی رعایت کرتا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بلاخلاف جائز ہے (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیی، ج۳ص ۱۹۸، ۱۹۹، کتاب التقلید، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ملحوظ رہے کہ موجودہ دور کے بہت سے اصحابِ علم کے نزدیک مذہبِ معین کا لزوم یا تقلیدِ شخصی کا وجوب راجح ہے، لیکن چونکہ بہت سے فقہاء ومحققین اس کے عدمِ وجوب کے بھی قائل ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اس لیے یہ مسئلہ بھی مجتہد فیہا ہے، اور کسی ایک قول کو راجح سمجھنے والے کو دوسرے قول کو راجح سمجھنے والے پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ [2]

علاوہ ازیں محققین کے نزدیک فروع میں مخالف امام کی اقتداء میں نماز کا جائز ہونا راجح ہے، علامہ عبدالحیئ لکھنوی سمیت ہمارا موقف بھی یہی ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالہ ”غیر حنفی کی اقتداء میں نماز کا حکم“ میں بیان کردی ہے۔

---

[1] علامہ شرنبلالی کے رسالہ ”العقد الفرید“ کی اصل عبارت مندرجہ ذیل ہے:

فتحصل مما ذكرناه أنه ليس على الإنسان إلتزام مذهب معين، وأنه يجوز له العمل بما يخالف ما عمله على مذهبه، مقلِّداً فيه غير إمامه، مستجمعاً شروطه(العقد الفريد لبيان الراجح من الخلاف فى جواز التقليد، ص١٨)

[2] اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیف ”اجتہاد وتقلید“ میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا حوالہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''سیّد (یعنی سر سید احمد خان) صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا، ہم سے جب ہی متصور ہے کہ سید صاحب اپنے ان اقوالِ مشہورہ سے رجوع کریں، جو ان کی نسبت ہر کوئی گاتا پھرتا ہے، اور سیّد صاحب ان پر اصرار کیے جاتے ہیں، اور رجوع نہیں فرماتے (اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں)

ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ سنی سنائی سید صاحب کی اولوالعزمی اور دردمندئ اہلِ اسلام کا معتقد ہوں، اور اس وجہ سے ان کی نسبت اظہارِ محبت کروں تو بجا ہے، مگر اتنا یا اس سے زیادہ ان کے فسادِ عقائد کو سن کر اُن کا شاکی اور اُن کی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں'' (تصفیۃ العقائد، ص ۵، ۶، باہتمام مولوی محمد اسحاق صاحب، مدیر کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور)

ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے کتنے عدل وانصاف کے ساتھ سر سید احمد خان صاحب کے اقوالِ مشہورہ سے برملا اختلاف فرمایا، لیکن ان کی ہمت اور اہلِ اسلام کے ساتھ دردمندی کے جذبہ کی قدر بھی کی، اور اس کی عقیدت کا بھی اظہار کیا، اور اس کے باعث اظہارِ محبت کو بھی بجا قرار دیا، لیکن اسی درجہ میں بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے افکارِ فاسدہ پر شکایت اور رنج کا اظہار بھی کیا، جو اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض اور اختلاف میں اعتدال کی اعلیٰ مثال ہے۔

جناب شیخ محمد اکرام صاحب ''موجِ کوثر'' میں لکھتے ہیں:

''علمائے دیوبند اور اربابِ علی گڑھ کے خیالات اور طریق کار میں جو اختلاف تھا،

اس کا ہم ذکر کرچکے ہیں، سرسید کی زندگی ہی میں ان کے بعض عقائد کے خلاف مولانا محمد قاسم نانوتوی سرپرست مدرسۃ العلوم دیوبند نے رسائل لکھے، اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے لوگوں کو ان کے ساتھ مل کر کام کرنے سے منع کیا، لیکن اس اختلاف کے باوجود علمائے دیوبند نے علی گڑھ کی مخالفت اوچھے ہتھیاروں سے نہیں کی اور اعتدال اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا'' (موجِ کوثر، ص ۲۱۲، بعنوان: علی گڑھ تحریک کے خلاف ردِّعمل، اکبرالہ آبادی، مطبوعہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، سنِ طباعت: جون 2003ء)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ) ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں، یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں، فرمایا کہ:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لیے لفظی تعلیم

کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوام میں درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے، اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے" (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۳۷، مضمون "اختلافِ امت پر ایک نظر" مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی میں فروعی وفقہی اور مجتہَد فیہ مسائل میں جنگ وجدل کرنا بھی داخل ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مسائل بعض قطعی ہوتے ہیں، ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی، بعضے اجتہادی وظنی ہوتے ہیں، ان میں سلف سے خلف تک شاگرد نے استاد کے ساتھ، مرید نے پیر کے ساتھ، قلیل جماعت نے کثیر جماعت کے ساتھ، واحد نے متعدد کے ساتھ اختلاف کیا ہے، اور علمائے امت نے اس پر نکیر نہیں کی، اور نہ ایک نے دوسرے کو ضال اور عاصی کہا، نہ کسی نے دوسرے کو اپنے ساتھ متفق ہونے پر مجبور کیا۔

مسائلِ اجتہادیہ ظنیہ میں اختلاف دو طرح سے ہوا ہے، ایک دلائل کے اختلاف سے، جیسے حنفی، شافعی میں "قرائت خلف الامام" کے مسئلہ میں، دوسرے واقعات یا عوارض کے اختلاف سے، جیسے امام صاحب اور صاحبین نے نکاحِ صابئات کے مسئلہ میں (تحفۃ العلماء، جلد ۲، صفحہ ۹۷، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی وظنی مسائل میں سلف سے خلف تک شاگرد نے استاذ کے

ساتھ، مرید نے پیر کے ساتھ، قلیل نے کثیر کے ساتھ، واحد نے متعدد کے ساتھ اختلاف کیا ہے، اور اس پر علمائے امت نے نکیر نہیں کی، نہ ایک دوسرے کو ضال وعاصی کہا، خود حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے مرید حضرت سید سلیمان ندوی صاحب کے ساتھ یہی طرزِ عمل اختیار کیا، پھر موجودہ دور کے بعض متشدد ومتعصب علماء کا اس کے برخلاف طرزِ عمل اختیار کرنا کیونکر قابلِ تحسین ہوسکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا دوسرا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کے لیے ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں "الافاضات الیومیہ" (ماخوذ از: آپ بیتی نمبر ۶ یا یادِ ایام نمبر ۵، صفحہ ۳۳۰، فصل نمبر ۱۵ "اکابر کا معمول، تنقیدات اور آپس کے اختلاف کے بارے میں" مطبوعہ: مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے بڑوں سے اختلاف اگر دین کی بنیاد پر ہو، تو قابلِ ملامت نہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا تیسرا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مسائلِ اجتہادیہ میں کسی ایک شق کو صواب سمجھنا، اور دوسری شق کے اختیار کرنے پر ملامت کرنا مصداق ہے "ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ" کا (تحفۃ العلماء، جلد ۲، صفحہ ۷۹، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اس سے پہلے حوالہ میں بھی تصریح گزر چکی ہے، اور مذکورہ حوالہ میں بھی مزید تصریح ہوگئی۔

پس موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم کا مسائلِ اجتہادیہ میں دوسری شق اختیار کرنے پر ملامت

کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا چوتھا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جن مسائل میں ائمۂ مجتہدین کا اختلاف ہے، ان میں بحث وتحقیق کی زیادہ کاوِش طبعًا ناگوار ہے، کیونکہ سب کچھ تحقیقات کے بعد بھی انجام یہی رہتا ہے کہ اپنا مذہب صواب محتمل الخطاء، اور دوسروں کا مذہب خطاء محتمل الصواب ہے، کتنی ہی تحقیق کرلو، کسی امام مجتہد کے مسلک کو بالکل غلط نہیں ٹھہرایا جاسکتا (ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد ۲۴صفحہ۲۱۴ ''مسائلِ اجتہادیہ میں بحث وتحقیق کا درجہ'' مجالسِ حکیم الامت، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ اشاعت: 1424ہجری)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے سب کچھ تحقیقات کے بعد نتیجہ بتلادیا کہ دوسرا مسلک قطعاً پھر بھی غلط نہیں ٹھہرایا جاسکتا، لہٰذا اس سلسلہ میں زیادہ کدوکاوش اور تشدد مناسب نہیں، جبکہ فقہائے کرام کی وہ عبارات پہلے گزرچکی ہیں، جن کی رو سے عام لوگوں کو صواب محتمل الخطاء کا عقیدہ رکھنا بھی واجب نہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا پانچواں حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مسائل دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کی ایک شق یقیناً حق ہو، اور دوسری باطل ہو، خواہ سمعاً ہو خواہ عقلاً۔ یہ مسائلِ قطعیہ کہلاتے ہیں۔

دوسری قسم جس میں دونوں جانب حق وصواب کا احتمال ہو، یہ مسائلِ ظنیہ کہلاتے ہیں، مسائلِ کلامیہ اکثر قسمِ اول سے ہیں، اور بعض ثانی سے، اور مسائلِ فقہیہ اکثر قسمِ ثانی سے، مسائلِ ظنیہ میں صرف ظنی ترجیح ثابت کرنے کے لیے اہلِ علم میں

باہم گفتگو اور مکالمت جائز ہے، بشرطیکہ نہ بغض وعناد ہو، نہ ایک جانب کی قطعیت کا اعتقاد ہو، نہ دوسری جانب کے قطعی باطل ہونے کا پختہ یقین، نیز جب سمجھ میں آجائے، تو اپنی رائے سے رجوع اور حق کے قبول کرنے کا عزم ہو۔

مگر مصلحت اس میں بھی یہ ہے کہ عوام تک اس کی اطلاع نہ ہو، اگر زبانی گفتگو ہو، تو مجمع خواص کا ہو، اور اگر تحریری ہو، تو عام فہم زبان مثلاً ہندستان میں اردو میں نہ ہو، عربی میں ہو، تاکہ اگر کسی وقت وہ شائع ہو جائیں، تو عوام تک اس اختلاف کا اثر نہ پہنچے۔

اور سلف سے اسی طرح کی گفتگو منقول ہے، نہ کہ ایسی جیسی آج کل ہوتی ہے، ایک فریق ''قراءۃ خلف الامام'' کا حق ہونا اس طرح بتلا رہا ہے کہ اس کے نزدیک تمام حنفیہ تارکِ صلاۃ اور فاسق ہیں، اور دوسرا فریق اس کی اس طرح نفی کرتا ہے کہ گویا اس کے نزدیک ''قراءۃ خلف الامام'' کی کوئی حدیث ہی نہیں، اور عین مناظرہ میں اگر مقابل کا قول دل کو لگ بھی جائے، تب بھی ہرگز قبول نہ کریں، بلکہ گفتگو شروع کرتے ہی رد کرنے ہی کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں، اور اسی نیت سے سنتے ہیں کیونکہ مقصود تمام تر اپنا غلبہ اور دوسرے کو ساکت کرنا ہوتا ہے، پھر باہمی عناد وفساد ہوتا ہے، حتی کہ عدالت تک نوبت پہنچتی ہے، کیا یہ دین ہے؟ کیا سلفِ صالح اور حضراتِ صحابہ کا ان مسائل میں یہی طریقہ تھا (تجدیدِ تعلیم وتبلیغ، صفحہ ۶۱، مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مسائلِ ظنیہ میں دونوں جانب حق وصواب ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اور فقہائے کرام کے درمیان جو مسائل اختلافی ہیں، وہ اسی نوعیت کے ہیں، اور ان میں ایک دوسرے سے بغض وعناد رکھنا یا ایک دوسرے پر گمراہی وفسق کا الزام عائد کرنا درست نہیں، نہ ہی اس طرزِ عمل کے مناظرے جائز ہیں۔

مگر موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم کا طرزِ عمل مذکورہ ہدایات کے برخلاف ہے، اور اوپر سے وہ حضرات اپنے آپ کو ان ہدایات دینے والوں کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا چھٹا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

بعض اہلِ تعصب کو ائمہ کی تقلید میں ایسا جمود ہوتا ہے کہ وہ امام کے قول کے سامنے احادیثِ صحیحہ غیر معارضہ کو بے دھڑک رد کر دیتے ہیں، میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک ایسے ہی شخص کا قول ہے ''قال قال بسیار است، مرا قال ابوحنیفہ درکار است'' اس جملہ میں احادیثِ نبویہ کے ساتھ کیسی بے اعتنائی اور گستاخی ہے، خدا تعالیٰ ایسے جمود سے بچائے۔

ان لوگوں کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں، اب اس تقلید کو کوئی شرک فی النبوۃ کہہ دے، تو اس کی کیا خطاء ہے، مگر یہ بھی غلطی ہے کہ ایسے دو چار جاہلوں کی حالت دیکھ کر سارے مقلدین کو شرک فی النبوۃ سے مطعون و متہم کیا جائے (تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ۴۴۳، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ تقلید میں جمود بھی سخت نقصان دہ اور گناہ ہے، جس کو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ''شرک فی النبوۃ'' سے تعبیر کیا ہے، لیکن سب مقلدین ایسے نہیں ہیں، اس لیے سب پر یہ حکم اور فتویٰ لگانا بھی غلط ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا ساتواں حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جس شخص پر فقہ اور فتویٰ کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کے فتویٰ کا رنگ اور ہوتا ہے کہ جزئیات میں تشدد کی عادت ہوتی ہے، اور جس پر حدیث کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کے فتویٰ کا رنگ اس سے مختلف ہوتا ہے کہ اس میں کچھ توسع ہوتا ہے

(تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ۲۴۹، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فقہ اور فتوے کا رنگ غالب ہونے والے دونوں طرح کے حضرات کے فتووں میں فرق کو بیان کر دیا، ہم حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بیان کردہ فرق میں سے حدیث کے رنگ کے غلبہ کو پسند کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے توسع کے قائل ہیں، اور کوئی دوسرا جزئیات میں تشدد کی عادت رکھتا ہو، جیسا کہ موجودہ دور کے بہت سے اصحابِ فتویٰ حضرات، تو وہ اس کا اپنا معاملہ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا آٹھواں حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

نفسِ وجوبِ تقلیدِ شخصی کے انکار سے اہلِ سنت سے خارج نہیں ہوتے، کیونکہ ہمیشہ سے مختلَف فیہ مسئلہ رہا ہے، چنانچہ بعض محدثین بھی اس کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں (دعواتِ عبدیت، جلد۱۹ صفحہ۱۴۶۰، تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ۲۸۵ ''اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ'')

پہلے گزر چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید تو واجب ہے، لیکن کیا تمام مسائل میں ایک مجتہد یا ایک امام کی تقلید واجب ہے یا نہیں، جس کو تقلیدِ شخصی یا مذہبِ معین کا التزام کہا جاتا ہے، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض نے دلائل سے وجوب کو ترجیح دی، اور بعض نے عدمِ وجوب کو ترجیح دی، لہٰذا اس حیثیت سے یہ مسئلہ مجتہَد فیہ ہوا، اور اس حد تک کسی ایک قول کو اختیار کرنے اور ترجیح دینے سے کوئی بھی اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج نہیں ہوگا، جب تک کہ کوئی دوسری وجہ اس کے اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خروج یا گمراہی کی نہ پائی جائے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا نواں حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب کے آخر میں فرماتے ہیں:

’’میں اپنے قول سے، فعل سے اعلان کر چکا ہوں اور اگر اس اعلان کا کسی کو علم نہ ہو، اب اعلان کرتا ہوں کہ:

’’کوئی صاحب محض میری کسی تحقیق واتباع کی بنا پر ایسے (اجتہادی، وغیر قطعی) امور میں کسی جانب پر اعتقاداً یا عملاً جمود نہ فرماویں، جب حق واضح ہو جاوے، اس کو قبول فرمالیں‘‘

اس اعلان کے بعد میرے متبعین میں کسی محقق کا نہ ہونا، مضر نہیں ہو سکتا، ان میں اگر کوئی محقق نہیں، تو دوسری جماعتوں میں تو انشاء اللہ تعالیٰ محقق موجود ہوں گے، وہ حفاظت کیلئے کافی ہوں گے۔

ایسی حالت میں، ایسے امور میں، میرے ساتھ کسی کا اختلاف کرنا۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھ کو گراں نہیں، مجھ کو اس کی عادت ہے، مگر خطابِ خاص سے جواب کا مطالبہ طبعاً گراں ہے، البتہ عام عنوان سے اس کی اشاعت ہر طرح گوارا ہے اور ایسے خطاب کی کچھ ضرورت بھی نہیں، جبکہ اظہارِ حق کا جو کہ اصل مقصود ہے، ایک دوسرا طریق بھی ہے جو ابھی مذکور ہوا۔

پس آپ اپنی تحقیقات کو بے تکلف شائع فرماویں، مجھ کو جس امر میں شرح صدر ہو جائے گا، میں اس کو قبول کر کے اپنا رجوع خود شائع کر دوں گا، ورنہ سکوت کروں گا، رد نہ کروں گا۔

مالم یخالف قطعیا ولن یکون إن شاء اللّٰہ تعالیٰ.

اور اگر کوئی میرے قول سے تمسک کرے، اس کو یہ اعلان دکھلا کر مجوج فرماویں، اگر پھر بھی وہ جمود کرے، تو میں اور آپ دونوں بری ہیں۔
اب اپنے لئے اور آپ کے لئے یہ دعا کر کے ختم کرتا ہوں:
اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

والسلام۔

(امداد الفتاوی، ج۶ ص۱۱۴، و۱۱۵، کیا روضہ اطہر کی زمین عرش سے افضل ہے؟)

مذکورہ عبارت میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اجتہادی اور فروعی اختلاف کی حقیقت کو بہت عمدہ طریقے سے واضح فرمادیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا حوالہ

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابی دوسرے پر مسائلِ اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن وتشنیع نہیں کرتا تھا، اور تضلیل یا تبدیع تو کجا ایک کی طرف سے دوسرے کی تاثیم بھی نہ ہوتی تھی، بلکہ ایسے اختلافات کو توسع اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے، خود احناف کی کتابوں میں بجز ایسی صورتوں کے جس میں فسادِ صلاۃ کا مظنہ غالب ہو، اقتداء حنفی کی شافعی کے پیچھے، اور شافعی کی حنفی کے پیچھے جائز رکھی گئی ہے، اور بعض بعض مسائل ہیں جہاں فقہائے زمانہ کو شرعاً رخصت وتیسیر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، دوسرے ائمہ کی آراء کو معمول بہا بنایا گیا ہے، کیونکہ کسی خاص امام کی تقلید کے لازمی معنیٰ اگرچہ اس امام کے مذہب کو صواب اور راجح کہنا ہے، مگر پھر بھی احتمالِ خطا کا اعتراف اور دوسرے امام کے اجتہاد کے متعلق احتمالِ صواب کی تصریح موجود ہے، اگر خاص خاص شرعی مصالح جن کا ادراک

فقہاء کر سکتے ہیں، اس طرف داعی ہوں کہ بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے، تو آخر پھر اس احتمالِ خطا وصواب سے فائدہ اٹھانے کا اور کون سا موقع ہے؟ (رسالہ ''ہدیہ سنیہ'' ص ۴۴، مشمولہ مقالاتِ عثمانی، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور)

بڑے بڑے جلیلُ القدر اور رفیعُ المنزلة ائمہ یہ یقین رکھنے کے باوجود ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہوسکتا ہے، پھر بھی اپنے مخالف کے تخطئہ میں اس قدر محتاط تھے، چنانچہ جو کچھ بھی حسنِ ظن ائمہؒ کرام کی نسبت آج باقی ہے، وہ ان ہی پاک نفس بزرگواروں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسنِ تأدب کا نتیجہ ہے (رسالہ ''ہدیہ سنیہ'' ص ۴۳، مشمولہ مقالاتِ عثمانی، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور)

معلوم ہوا کہ فقہی وفروع نوعیت کا اختلاف سلف سے چلا آ رہا ہے، اسی وجہ سے اپنے فقہی مسلک کو علماء نے قطعی صواب اور دوسرے فقہی مسلک کو قطعی خطاء قرار نہیں دیا، البتہ اجتہادی اعتبار سے اپنے مسلک کو ظناً صواب اور محتملِ خطاء اور دوسرے کے مسلک کو ظناً خطاء اور محتملِ صواب قرار دیا ہے، اور یہ بھی ایک مخصوص قول پر مبنی ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ذکر کر دیا گیا، کیونکہ اہلِ حق فقہاء ومجتہدین کے تمام مسالک برحق ہیں، اور اپنے مسلک پر اعتماد کے ساتھ عمل کے لیے جس قدر توثیق کی ضرورت تھی، وہ اس سے پوری ہو جاتی تھی، اگرچہ بعد کے غالی ومتشدد حضرات نے اس کو ظنیت کے بجائے قطعیت کا درجہ دے دیا یا اس کے ساتھ قطعیت جیسا برتاؤ وسلوک کیا، جس سے مختلف مفاسد رونما ہوئے۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں، جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی،

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا، اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نمازِ فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں، جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی، تو پھر کسی کی عمر کام میں لگی؟

فرمایا: ''میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی''

میں نے عرض کیا: ''حضرت بات کیا ہے؟''

فرمایا: ''ہماری عمر، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسروں مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا''۔

اب غور کرتا ہوں، تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ....

اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق وکاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق

تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے الفاظ یہ تھے:

''اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا، نہ ابوحنیفہ کو، نہ مالک، نہ امام احمد بن حنبل کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا، یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا''۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے، اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں، اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں، اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، اور گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۰۲ تا ۴۰۴، ملخصاً، مضمون ''وحدتِ امت''، مطبوعہ: مکتبہ

دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ تجزیہ ساری زندگی ''**قال اللہ وقال الرسول**'' اور احادیث وفقہ کے درس وتدریس کے بعد کا ہے، جس میں علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فروعی وفقہی اور مجتہَد فیہا مسائل میں بے جا تشدد اور ایک دوسرے پر نکیر کی تردید فرمائی ہے، اور خود اس سلسلہ میں اپنی زندگی کے گزشتہ ایام پر افسوس وندامت کا اظہار فرمایا ہے۔

حق پرستوں کی یہی علامت ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرنے میں زندگی کے کسی موڑ پر عار وشرم محسوس نہیں فرماتے، اور رجوع الی الحق کے لیے ہمہ وقت قلبی طور پر آمادہ وتیار رہتے ہیں۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی زندگی بھر کی درس وتدریس کے بعد ان کے تجربہ اور نچوڑ سے اہلِ مدارس اور اہلِ علم حضرات کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ''رفع یدین'' کرنے نہ کرنے اور ''آمین بالجہر'' یا ''آمین بالسر'' دونوں کے سنت سے ثابت ہونے کا مضمون نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

> احقر جامع کہتا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور ائمۂ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں، تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، دونوں جانبیں معروف ہی کی فرد ہوتی ہیں، اس لیے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا، اور اپنے مسلکِ مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارکِ سنت ہونے کا الزام لگانا یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔
>
> امامِ حدیث حافظ ابنِ عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''**جامع العلم**'' میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے، وہ اہلِ علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش

رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں، جن میں آج کل کے بہت سے علماء مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں، اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں، اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، ۶۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ کے بہت سے علماء کے طرزِ عمل کی جو شکایت کی ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے، ہمیں بھی وقتاً فوقتاً اس طرزِ عمل کے مرتکب علماء کے ساتھ سابقہ پڑتا رہتا ہے، اور افسوس ہے کہ حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ کی مذکورہ تنبیہ کو آج متشدد و متعصب علماء کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ الٹا اس کو ہی موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا دوسرا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانبین داخل معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جا سکتا ہے، اس لیے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدم جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ

ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو، جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو، یا اس کو ترک وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطا وار مجرم کہنا جائز نہیں (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۰۸، ۴۰۹، مضمون "وحدتِ امت" مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت کے آخر میں جس عمل کو ناجائز قرار دیا ہے، افسوس کہ اس میں آج کے دور کے بہت سے عوام اور علماء ومقتداء بھی مبتلا ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا تیسرا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف اُن مسائل میں ہوگا جو اُمت میں مشہور ومعروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل جن میں اُصولِ شرعیہ کے ماتحت رائیں ہوسکتی ہیں، ان میں روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے" (معارف القرآن، ج۲ ص۱۴۲، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

اس نکتہ کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا چوتھا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہوگئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی

اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے، اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کرلی، اگر چہ عند اللہ اس میں صواب اور صحیح صرف ایک ہے، دوسرا خطاء ہے، لیکن یہ صواب وخطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرمائیں گے اور جس کے اجتہاد نے خطاء کی ہے، اس کو ایک ثواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے، دوسرا غلط ہے۔ ہاں اپنی فہم وبصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنہ سمجھے، اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے، مگر احتمال خطاء کا بھی ہے اور دوسری جانب خطاء ہے، مگر احتمال صواب کا بھی ہے۔ اور وہ یہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہل علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے، اجتہادی اختلاف بشرطیکہ اصول اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیت مذکور ولا تفرّقوا کے خلاف اور مذموم نہیں۔ البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اور اس پر باہمی جنگ وجدل اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرز عمل بلاشبہ ولا تفرّقوا کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سنت سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف

ہے، اسلاف امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو‘‘(معارف القرآن، ج۲ص۱۴۳، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

ہم نے بہت سے علماء کا طرزِ عمل جو مشاہدہ کیا، یہ ہے کہ ان کے نزدیک اجتہادی مسائل ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا تبلیغ کا محور بن گئے ہیں، ان کی تحریرات وتقریریات اسی محور کے گرد گھومتی ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا پانچواں حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے، اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ کے نزدیک قطعی طور پر یہی حق ہے، بلکہ اس حکم کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے، ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، جو عمل کے لیے کافی ہے (معارف القرآن، ج۲، ص۴۹۴، سورہ نساء، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ہجری، جون 1991ء)

یعنی فقہاء کا استنباط سے نکالا ہوا حکم اگرچہ عمل کے لیے کافی ہوتا ہے، لیکن اس کے متعلق قطعی حق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا چھٹا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وہ دقیق اور اجتہادی مسائل جن میں قرآن وسنت کے اجمال یا ابہام کی وجہ سے دو رائیں ہوسکتی ہیں، اور اسی بناء پر ان میں فقہاء امت کے اقوال مختلف ہیں، وہ اس

دائرہ سے خارج ہیں، ائمہ مجتہدین جن کی شان اجتہاد علماء امت میں مسلم ہے، اگر کسی مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہوں، تو ان میں سے کسی کو بھی منکر شرعی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کی دونوں جانبیں معروف میں داخل ہیں، ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر ایسا انکار کرے، جیسا کہ گناہ پر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتویٰ لگاتے ہوں، بحث و تمحیص اور مناظرے و مکالمے سب کچھ ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کی وجوہ بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، لیکن کوئی کسی کو اس اختلاف کی وجہ سے گہنگار نہ سمجھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر یہ تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ جس جانب کو راجح سمجھے اسے اختیار کرے، لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ و جدل یا منافرت پھیلانے والے مقالات و مضامین امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل نہیں، ان مسائل کو محاذ جنگ بنانا صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے (معارف القرآن، ج۳، ص۲۵۳ و ۲۵۴، سورہ مائدہ، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت، اپریل ۱۹۹۲ء)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جو نقشہ کھینچا ہے، آج اس کی رعایت بہت کم باقی رہ گئی ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا ساتواں حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ہر مجتہد ہمیشہ مصیب ہی ہوتا ہے اور دو متضاد اجتہاد ہوں، تو دونوں کو حق سمجھا جائے گا، یا ان میں سے ایک فیصلہ کو خطاء اور غلط قرار دیا جائے گا؟ اس میں قدیم زمانہ سے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

آیتِ مذکورہ سے دونوں جماعتوں نے استدلال کیا ہے، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دونوں اجتہاد حق ہیں، اگرچہ متضاد ہوں، ان کا استدلال آیت کے آخری جملے سے ہے، جس میں فرمایا :**وَكُلًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا**، اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کو حکمت اور علم عطا کرنے کا ارشاد ہے، حضرت داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں ہے، نہ ان کو یہ کہا گیا کہ ان سے غلطی ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو فریقین کے اصلح ہونے کی بنا پر ترجیح دے دی گئی۔

اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اجتہادی کے مواقع میں حق ایک طرف ہوتا ہے، دوسرا غلط ہوتا ہے، ان کا استدلال اسی آیت کے پہلے جملہ سے ہے، یعنی **ففهمنها سليمان** کہ اس میں تخصیص کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو حق فیصلہ سمجھا دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حق نہ تھا، گو وہ بوجہ اپنے اجتہاد کے اس میں معذور ہوں، اور ان سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو۔

یہ بحث اصول فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئی ہے، وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اجتہاد کیا اور کوئی حکم دینی اصول اجتہاد کے ماتحت بیان کیا،

اگر اس کا اجتہاد صحیح ہوا، تو اس کو دو اجر ملیں گے، ایک اجر اجتہاد کرنے کی محنت کا، دوسرا صحیح وصواب حکم تک پہنچنے کا اور اگر یہ اجتہاد صحیح نہ ہوا، اس سے خطاء ہوگئی، تو پھر اس کو ایک اجر اجتہاد کی محنت کا ملے گا، دوسرا اجر جو اصل حکم صحیح تک پہنچنے کا تھا، وہ نہ ملے گا (یہ حدیث اکثر مستند کتب حدیث میں منقول ہے)

اس حدیث سے اس اختلاف علماء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت یہ اختلاف ایک نزاع لفظی جیسا ہے، کیونکہ حق دونوں طرف ہونے کا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے مجتہد اور اس کے متبعین کے لیے بھی اجتہاد حق وصحیح ہے۔ اس پر عمل کرنے سے اس کی نجات ہو جائے گی، خواہ یہ اجتہاد اپنی ذات میں خطا ہی ہو، مگر اس پر عمل کرنے والوں کو کوئی گناہ نہیں۔

اور جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حق ان دونوں میں ایک ہی ہے، دوسرا غلط اور خطا ہے، اس کا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں کہ اصل مراد حق تعالیٰ اور مطلوب خداوندی تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اس مجتہد کے ثواب میں کمی آ جائے گی، اور یہ کمی اس وجہ سے ہے کہ اس کا اجتہاد حق بات تک نہ پہنچا، لیکن یہ مطلب ان کا بھی نہیں ہے کہ مجتہد خاطی پر کوئی ملامت ہوگی، یا اس کے متبعین کو گناہ گار کہا جائے گا (معارف القرآن، ج۶، ص۲۰۹و۲۱۰، سورہ انبیاء، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت، نومبر ۱۹۹۱)

مذکورہ عبارت سے اجتہادی مسائل میں اختلاف اور اس کی مختلف جہات کی حیثیت واضح ہوگئی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا آٹھواں حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل

میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۱۱، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا تجزیہ سے ہمیں صد فیصد اتفاق ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا نواں حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو اِن میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۲، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مگر اب تو بعض علماء کی اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف ہی جدوجہد ہے، کہیں اس مقصد کے لیے تخصصات ہیں، کہیں دورے ہیں، کہیں تصنیف وتالیف ہے، کہیں درس وتدریس ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا دسواں حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین

اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے، تو بلاشبہ رحمت ہی ہے، اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا، اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۳، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر''، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مسلمانوں کے لیے فروعی مسائل میں اختلاف تو بلاشبہ رحمت ہے، لیکن متشددین و متعصبین کے طرزِ عمل نے اس رحمت سے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارات وہدایات کو سامنے رکھ کر ہر مسلمان کو اپنا جائزہ لینا ضروری ہے، خاص طور پر اہلِ علم حضرات کو۔

مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضراتِ صحابۂ کرام میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں، اور ائمۂ اربعہ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جزئی ہو، جو مختلف فیہ نہ ہو، چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمۂ اربعہ کے یہاں ایسے مختلف فیہ ہیں، جو مجھ کوتاہ نظر کی نگاہ سے بھی گزر چکے ہیں، اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہوں گے، مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کے لیے اشتہار و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے، نہ جلسے اور مناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے، راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا نہیں ہیں، علماء میں اختلاف رحمت ہے (فضائلِ تبلیغ، صفحہ ۲۸، مشمولہ: فضائلِ اعمال، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ایک طرف تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کو ملاحظہ فرمائیں، دوسری طرف موجودہ دور کے بعض متعصب ومتشدد حضرات کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیں، تو اس میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ اپنے مضمون ''ایک عالمِ دین کے فرائض'' کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''آج بھی ہماری کامیابی کا وہی ذریعہ اور طریقہ ہے، جو پہلے تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھولنے کے قابل نہیں کہ ''**لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا**''

ہمارے یہاں علماء میں جب علم، علمی جنگ وجدل اور مناظرہ ومباحثہ کے لیے رہ گیا اور سلاطینِ سلجوقیہ کے زمانہ میں فقہاء نے اس کو حصولِ خدمت اور شاہانہ درباروں میں طلبِ عزت کا ذریعہ بنایا، تو جو حالت ہوئی، اس کا ماتم امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں جس طرح کیا ہے، وہ آج بھی ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے، بغداد میں حنابلہ اور اشاعرہ کی خونی معرکہ آرائیاں اور سلجوقیوں کی حکومت میں اشاعرہ اور معتزلہ کی باہمی آویزش کے تلخ نتیجے بھولنے کے لائق نہیں۔

پہلے واقعہ نے بغداد کی تباہی کا سامان دکھایا اور دوسرے واقعہ نے ''الموت'' میں باطنیہ کی صدسالہ قوت کا مسالہ فراہم کیا، خود ہمارے اس ملک میں اسلامی حکومت کے خاتمہ سے لے کر آج تک علماء نے فرقہ واری کے اصول پر احقاقِ حق اور ردِ باطل کے جو طریقے اختیار کیے، ان کے جو نتیجے سامنے آئے، وہ کس

سے چھپے ہیں، اہلِ حق میں سے علمائے اہلِ حدیث اور علمائے احناف کے مناظرے جادۂ حق سے ہٹ کر جس جس طرح مقدمہ بازی تک پہنچے اور آج بھی پہنچ رہے ہیں، ان پر افسوس کس کو نہیں آتا، ان افسوسناک جھگڑوں نے امتِ اسلامیہ کے شیرازہ کو جس طرح منتشر کیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور متفرق فرقوں میں اس طرح بٹ گئے ہیں کہ اصل دین کی حرمت سے سب غافل ہیں، اور اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ شاخوں پر پانی دینے سے جڑیں مضبوط ہوں گی۔

علمائے عزیز! اس سے پہلے کہ آپ قوم میں جائیں اور ملک میں پھیلیں، آپ کو اس غلطی سے ہوشیار ہو جانا چاہیے، اور فرقہ واری کے تنگ دائرہ سے نکل کر اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں مصروف ہونا چاہیے۔

آج ہمارے جو فقہی اختلافات ہیں، وہ کم و بیش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے چلے آ رہے ہیں، ایک کی نظر میں کوئی پہلو قوی ہے، اور دوسرے کی نظر میں کوئی دوسرا، اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ان اختلافات کے باوجود ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' کی مثال اور ''کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ'' کا نمونہ تھے، تو کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہم ان کی پیروی میں اپنے اپنے تحقیقی اختلافات کے ساتھ گھل مل کر مسلمانوں کی ایک متحدہ جماعت نہ بن سکیں، اور ''ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ'' کے تنہا خطاب سے اپنے کو مخاطب نہ کریں'' (بحوالہ ماہنامہ ''تعمیرِ حیات'' لکھنؤ، شمارہ مئی 2014ء)

جبکہ موجودہ دور کے جامد قسم کے بعض اصحابِ علم کا حال یہ ہے کہ وہ تمام تر اجتہاد و تحقیق کے دروازے بند کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کو جو رائے اپنے اکابر یا اپنے سلسلہ کے کسی بزرگ سے حاصل ہوگئی، وہ اس پر غور و فکر یا تحقیق و نظرِ ثانی کے لیے تیار و آمادہ نہیں، بلکہ وہ

دوسرے اصحابِ علم کو بھی اپنے طرزِ عمل کا پابند و مکلّف کرنا چاہتے ہیں، اور اگر کوئی تحقیق کے نتیجہ میں کسی دوسرے قول کو راجح سمجھے، جس کا وہ اللہ کی طرف سے مکلّف ہے، اور اس کی ذمہ داری ہے، اور وہ ان جامد حضرات کے طرز وطریق کو نہ اپنائے، تو جھٹ سے اس پر تفرد کا الزام عائد کر دیتے ہیں، جو کہ فقہی اصولوں سے ناواقفیت یا پھر ان اصولوں سے کھلواڑ پر مبنی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا دوسرا حوالہ

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب، مولانا مسعود عالم ندوی صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تحزب، وتعصب للتحزب'' مدارس کی طرح جماعات کا بھی پسندیدہ نہیں۔

''**بغضک للشئ یعمی و یصم و کذلک حبک للشئ یعمی ویصم**'' (مکاتیبِ سید سلیمان ندوی، صفحہ 185، مکتوب نمبر:108، مطبوعہ: مکتبہ چراغِ راہ، لاہور، اشاعتِ اول مئی 1954 عیسوی)

مگر اس تحزب اور تعصب سے آج کل بہت کم افراد ہی بچے ہوئے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا تیسرا حوالہ

اپنے ایک اور مکتوب میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''وہابیت میں غلو اور تشدد نہ چاہئے، تصلب اور تعصب حکمِ دین میں چاہئے، نہ کہ اشخاص اور ان کے مسالک میں، خواہ وہ حنفیت ہو یا وہابیت۔ **بل ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین**'' (مکاتیبِ سید سلیمان ندوی، صفحہ 114، مکتوب نمبر: 73، مطبوعہ: مکتبہ چراغِ راہ، لاہور، اشاعتِ اول مئی 1954 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا بیان کردہ نکتہ بڑا اہم اور اہلِ علم کے لیے قابلِ ملاحظہ ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصولاً کسی امام، صاحبِ مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے، تو علمائے امت میں اس کو اتباع وتقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا، قریباً سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں (ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۳۶۱ تا ۴۰۳، مضمون ''امام شاہ ولی اللہ اور حنفیت'')

مگر آج متشددین و متعصبین کا طبقہ مسائل میں اختیارات کو تقلید کے منافی سمجھ کر فوراً دوسرے پر غیر مقلد ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے ایک محقق رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مسائلِ فرعیہ میں مخالفتِ جمہور کے جواز پر علمائے امت کا صحابہ سے لے کر اِس (موجودہ) وقت تک ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے، اور کوئی امام مخالفتِ جمہور سے بچا ہوا نہیں۔

ہر امام کے متعدد اقوال جمہور علماء کے خلاف موجود ہیں، جن کو اِس کے مقلدین نے مخالفتِ جماعتِ کثیرہ کی وجہ سے ہرگز رَد نہیں کیا، اور حنفیہ کے تو بہت سے مسائل اس شان کے ہیں، جن میں امام ابو حنیفہ، جمہور امت سے متفرِد ہیں، جیسے ''نفاذ قضائے قاضی ظاہراً و باطناً، وجواز ربا فی دار الحرب، وقول بالمثلین فی وقت الظہر'' اور ان اقوال کو حنفیہ نے اس عذر کی وجہ سے رَد نہیں کیا کہ امام صاحب ان

میں متفرد ہیں (امدادالاحکام، ج۴، ص۴۷۶، کتاب المتفرقات، رسالہ ''التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم ''مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع اول 1421 ہجری)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا دوسرا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب مزید فرماتے ہیں:

خلافِ واحد بھی اسی طرح مانع انعقادِ اجماع ہے، جس طرح خلافِ اکثر۔

اس سے معلوم ہوا کہ مخالفتِ جمہور کی صورت میں شخصِ واحد کا قول بھی اسی طرح محتملِ صواب ہے......

جمہور کے خلاف قول ہمیشہ باطل ہوا کرتا، تو خلافِ واحد ہرگز قادحِ اجماع نہ ہوتا، بلکہ اس کو موافقتِ جمہور پر مجبور کیا جاتا، حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ آج کل کے علماء اگر مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کرلیں، تو اس کو اجماعِ شرعی نہ کہیں گے، کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا، جو کہ غیر معتبر ہے، پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱، ۴۸۲)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا تیسرا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اپنے مذکورہ مضمون میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مسائلِ شرعیہ میں کثرت کی رائے پر حقانیت کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ ہمیشہ قوتِ دلیل پر مدار رکھا گیا ہے، گو وہ شخصِ واحد کا قول ہو، یا جماعتِ قلیلہ کا (امدادالاحکام، ج۴، ص۴۹۲)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا چوتھا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اپنے مذکورہ مضمون میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اگر کسی عالم کا قول جمہور کے خلاف ہو، تو وہ فاسق وغیرہ نہیں بن جاتا، بلکہ ممکن ہے کہ اسی کی رائے صواب ہو، اور جمہور کی رائے غلط ہو (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۶)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا پانچواں حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اپنے مذکورہ مضمون میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مشاہدہ ہو رہا ہے کہ آج کل جہلاء کو زیادہ تر سردار بنایا جا رہا ہے، جس نے درسیات ختم کر لیں، محض وعظ و تقریر کی مشق کر لی، اس کو مولانا کا خطاب اور مقتداء کا لقب دے دیا گیا، خواہ اس کو قرآن و حدیث کی فہم حاصل ہوتی ہو، یا نہ ہوتی ہو...... پس یقیناً یہی وہ زمانہ ہے، جس کی نسبت حدیث میں پیشین گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ جہلاء کو سردار بنائیں گے، جو اپنی رائے سے مسائلِ شرعیہ کا جواب دیا کریں گے، جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، ایسے زمانۂ غلبۂ جہل میں کسی طرف علماء کی زیادہ تعداد کا ہونا، کیونکر حقانیت کی دلیل ہو سکتی ہے (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۸)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اجتہادی وفقہی مسائل میں کسی قول پر اکثر لوگوں یا کسی ایک مسلک کا متفق ہو جانا اس کو اجماعی و غیر مجتہَد فیہ مسئلہ نہیں بنا دیتا، لہٰذا ایسی صورت میں دوسری رائے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا چھٹا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اپنے مذکورہ مضمون میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جب انسان خود فقیہ ہو تو مسئلۂ نازلہ میں اس کو اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے، دوسرے فقہاء کی رائے اگر اس کے خلاف ہو، اس پر اس کو عمل جائز نہیں ہے، گو وہ شمار میں کتنے ہی ہوں (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ پیش آمدہ مسئلہ میں فقیہ اپنی رائے کا مکلّف ہے، اور اسے دوسرے کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ کتنے ہی ہوں، بلکہ اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے۔

لیکن آج کے دور میں علماء کے ایک حلقہ کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔

مثلاً اسلامی بینکاری یا غیرسودی بینکاری کے حوالہ سے موجودہ دور کے کچھ فقہاء کی رائے جواز کی ہے، اور بعض فقہاء کی رائے عدمِ جواز کی ہے، لیکن بندہ کے مشاہدہ میں عدمِ جواز کے قائلین کا ایک طبقہ، مجوزین کی رائے پر سخت نکیر کرتا ہے، اور ان کو اپنی رائے کا مکلّف قرار دینے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے، بندہ کے نزدیک یہ طرزِ عمل درست نہیں، اپنی رائے کا سنجیدہ انداز میں اظہار کر دینے پر اکتفاء کرنا چاہیے، دوسرے پر مسلط ہونے کا انداز غیر فقہی انداز ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کا ساتواں حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جماعت اہلِ حدیث کافر نہیں ہیں، ان میں جو لوگ مذاہبِ اربعہ کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک یا ائمہ کو برا کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں، اور جو ایسے نہیں ہیں، صرف تارکِ تقلید ہیں، اور محدثین کے مذہب پر ظاہرِ حدیث کے اتباع کو افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتباعِ ہویٰ سے کام نہیں لیتے، وہ فاسق بھی نہیں، بلکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں (امداد الاحکام، ج۱ص۱۶۸، کتاب الایمان، فصل فی الفرق الاسلامیہ،

مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی یہی حکم گزر چکا ہے، لیکن آج متشددین و متعصبین کا طبقہ صرف تقلیدِ شخصی کے ترک کی وجہ سے فسق اور اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خروج کا حکم لگا دیتا ہے، جو کہ درست نہیں۔

علامہ زاہد الکوثری کا حوالہ

علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثری (المتوفیٰ: 1371 ہجری) فرماتے ہیں:

ثم التمييز بين المسائل الاجتهادية، ليس من قبيل تمييز الحق من الباطل ، بل من قبيل تمييز الصواب من الخطأ ظنا فى مذهب اهل الحق ، وليس ائمة الاجتهاد من اهل الباطل اصلا، بل هم مأجورون سواء اصابوا ام اخطأوا، بخلاف اهل الباطل ، وائمة الاجتهاد فى الفروع على هدى من ربهم (احقاق الحق بابطال الباطل فى مغيث الحق، ص ۳۲، مطبوعة: المكتبة الازهرية للتراث، القاهرة، المصر)

ترجمہ: پھر اجتہادی مسائل کے مابین امتیاز، حق کی باطل کے ساتھ امتیاز کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ اہلِ حق کے مذہب کے مطابق ظنی اعتبار سے خطاء کے مقابلہ میں صواب کے امتیاز کے قبیل سے ہے، اور ائمہ اجتہاد قطعی طور پر اہلِ باطل سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ وہ اجر وثواب کے مستحق ہیں، خواہ وہ مصیب ہوں، یا مخطی ہوں، بخلاف اہلِ باطل کے، اور فروع میں ائمہ اجتہاد اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں (احقاق الحق)

علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی کا حوالہ

سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی "المتوفیٰ: 1354 ہجری"

(سابق رئیس: المجلس العلمی بمحکمة مصر الکبریٰ الشرعیة ، وعضو المحکمة العلیا بها سابقا) فرماتے ہیں:

ولیس لنا الاعتراض بمذهب علیٰ مذهب ، بل أن من بلغ مرتبة الاجتهاد بشروطه المعلومة ، فله أن یعمل بما یؤدی الیه اجتهاده، ومن لم یصل الیٰ مرتبة الاجتهاد فله أن یقلد من یشاء من المجتهدین، وعلیٰ کل حال لایجوز لأی مجتهد کان أو لأی مقلد کان أن یحمل الناس علی مذهبه او مذهب امامه.

ولکن ذلک لا ینافی ان ولی الامر الذی یملک تولیة القضاة ان یأمر قضاء ہ بالحکم علی ای مذهب اراد فیما یرجع الیٰ فصل الخصومات ، وقطع المنازعات فقط.

وان کان ذلک لایمنع ای شخص ان یعمل فی خاصة نفسه بما یؤدی الیه اجتهاده ان کان قد بلغ مرتبة الاجتهاد ، او ان یعمل بقول ای امام من الائمة المجتهدین الذین دونت مذاهبهم وعلمت بالطریق الصحیح (القول الجامع فی الطلاق البدعی والمتتابع ، ص ۱۷۹، الطبعة الاولیٰ بالطبعة الخیریة، مصر، مطبوعة: ۱۳۳۰ هـ)

ترجمہ: اور ہمیں ایک (فقہی) مذہب کے مقابلہ میں دوسرے مذہب پر اعتراض کرنے کا حق نہیں، بلکہ جو شخص اپنی مشہور شرائط کے ساتھ اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ جائے، تو اس کو اس چیز پر عمل کر لینا جائز ہے، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچائے، اور جو شخص اجتہاد کے مرتبہ کو نہ پہنچے، تو اس کو مجتہدین میں سے جس کی وہ چاہے، تقلید کر لینا جائز ہے، اور بہر حال کسی کے لیے بھی، خواہ وہ مجتہد ہو یا مقلد ہو، یہ بات جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب پر ابھارے، یا اپنے امام کے

مذہب پر ابھارے۔

لیکن یہ اس بات کے منافی نہیں کہ جو شخص قاضیوں کی ولایت کا اختیار رکھتا ہو، وہ اپنے قاضیوں کو جس مذہب کے مطابق چاہے، ان امور میں فیصلہ کا حکم کرے، جن کا تعلق مقدمات سے ہے، اور باہمی جھگڑے ختم کرنے سے ہے، بس۔

اگرچہ اس کی وجہ سے کسی خاص شخص کو اپنی ذات تک اس چیز پر عمل کرنا ممنوع نہیں ہوتا، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچائے، اگر وہ اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہو، یا وہ ان ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام کے قول پر عمل کرے، جن کے مذاہب مدون ہو چکے ہیں، اور وہ قول صحیح طریقہ سے معلوم ہو چکا ہو (القول الجامع)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خداداد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اس کی تازگیٔ فکر، بلندیٔ نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اس کے آفاقِ علم وفکر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور وہ ان کے معین ومحدود اصطلاحات اور مدرسی حدود میں مقید نہیں رہ سکتا، وہ علم ونظر کی آزاد فضاؤں اور قرآن وحدیث کے بلند اور وسیع آفاق میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، اس کا مبلغ علمِ متقدمین اور اہلِ درس کی کتابوں کا سمجھ لینا ہوتا ہے، وہ واضع علوم اور بہت سے فنون کا مجتہد ومجدد ہوتا ہے، غرض مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اس کے اور

اس کے مخلص معاصرین کے درمیان ایسی کشمکش پیدا کر دیتا ہے کہ یہ گتھی کبھی سلجھتی نہیں، اور وہ کبھی اپنے معاصرین کو مطمئن نہیں کرسکتا، ہر زمانہ کے صاحبِ کمال اور مجتہدُ الفن علماء نے اس کی شکایت کی ہے کہ ان کی تحقیقات اور علوم و مضامین ان کے زمانہ کی علمی و نصابی سطح سے بلند اور ان اہلِ علم کی دسترس سے باہر ہیں، جن کی پروازِ فکر متداول کتابوں سے آگے نہیں، اور یہی بہت سے اہلِ علم کی مخالفت کا سبب اور محرک ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ دوم، ص ۱۴۸، ۱۴۹، باب پنجم، بعنوان ''مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین ومدافعین'' مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

آج سے پہلے بھی متعدد اکابر ومشائخ کے ساتھ ان کے اہلِ عصر نے اسی طرح کا رویّہ رکھا، ان کی زندگی میں ان کے ساتھ ہم عصری، تحاسد وتباغض والا معاملہ رکھا گیا، مگر بعد میں الحمد للہ تعالیٰ امت نے ان کے کاموں سے استفادہ کیا، اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے، اور ان کے ہم عصر حاسدین ومبغضین کا کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قلب میں اکابر کی محبت وعظمت اور ان کے علمی وعملی بلند مقام کی وقعت کے باوجود مسائلِ شرعیہ میں دلائل کے پیشِ نظر ان سے اختلافِ رائے واجب ہے (رسالہ ''صبح صادق'' مشمولہ احسن الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)

مگر آج اس واجب کے ادا کرنے کو ہی بعض حضرات کی طرف سے گناہ اور معصیت اور نہ جانے کیا کچھ سمجھا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا حوالہ

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے رمضان میں نفل کی جماعت پر ایک

مفصل فتویٰ تحریر کیا، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف فرمایا، اور اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصویب فرمائی، اس فتوے میں چونکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف کیا گیا تھا، اس لیے اپنے مضمون کے آخر میں حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا کہ:

الحمدللہ! جماعتِ دیوبند کی خصوصیت اور انہی بزرگوں کی تعلیم وتلقین نے ہمیں یہ صراطِ مستقیم دکھائی کہ مسائلِ شرعیہ میں آزادانہ اظہارِ رائے ترکِ ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہارِ خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لیے بنامِ خدا تعالیٰ جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھ پر واضح ہوا، وہ لکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ ترکِ ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

(فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ ۵۵، ۵۶، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعت: جولائی 1996ء)

لیکن آج بعض حلقوں کی طرف سے آزادانہ اظہارِ رائے کو بزرگوں کا ترکِ ادب بلکہ گستاخی سمجھا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا دوسرا حوالہ

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تقلید کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس میں ایک مقام پر حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ:

ائمۂ مجتہدین کے باہمی اختلاف کو حد سے بڑھا کر پیش کرنا بھی سخت غلطی ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں ائمہ کے درمیان صرف افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے، جائز وناجائز کا یا حلال وحرام کا اختلاف نہیں، مثلاً نماز میں رکوع کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں؟ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے؟ ہاتھ

سینے پر باندھے جائیں یا ناف پر؟ ان تمام مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف محض افضلیت میں ہے، ورنہ یہ تمام طریقے سب کے نزدیک جائز ہیں، لہٰذا اِن اختلافات کو حلال وحرام کی حد تک پہنچا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح جائز نہیں، اور جہاں ائمہ مجتہدین کے درمیان جائز و ناجائز کا اختلاف ہے، وہاں بھی اس اختلاف کو خالص علمی حدود ہی میں رکھنا ضروری ہے، ان اختلافات کو نزاع وجدال اور جنگ و پیکار کا ذریعہ بنالینا کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں، نہ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی عیب جوئی یا ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بدزبانی کسی مذہب میں حلال ہے۔

اس موضوع پر علامہ شاطبی نے بڑا نفیس کلام کیا ہے، جو اہلِ علم کے لیے قابلِ مطالعہ ہے'' ملاحظہ ہو: الموافقات للشاطبی، ج۴ص۲۲۰ تا ۲۲۴'' (تقلید کی شرعی حیثیت، ص۱۵۷، ۱۵۸، بعنوان ''تقلید میں جمود'')

معلوم ہوا کہ ائمۂ مجتہدین کے مابین اختلافی مسائل مثلاً نماز میں رفعِ یدین، آمین بالجہر، سینہ یا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا مقام وغیرہ میں حدود سے تجاوز کرنا یعنی ان کو جائز ومباح یا افضل وغیر افضل کے درجہ سے نکال کر جائز و ناجائز اور حلال وحرام کے درجہ میں لے جانا جائز نہیں، اور جن مسائل میں جائز و ناجائز کا اختلاف ہے، ان میں بھی علمی حدود سے تجاوز کر کے جنگ وجدل اور اختلاف ونزاع پیدا کرنا درست نہیں۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا تیسرا حوالہ

حضرت شیخ نے اپنی اس ''تقلید کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب کو دعاء سے پہلے جن الفاظ پر ختم فرمایا ہے، وہ قابلِ ملاحظہ ہیں۔

فرماتے ہیں:

اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے فتنوں کی یورش اور مصائب کی یلغار ہے، ہمارے لیے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست وگریباں ہوں، اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر ومشرک اور ایک دوسرے کی نمازوں کو فاسد قرار دیں۔

تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے بے شمار واقعات ہمیں یہ سبق دینے کے لیے کافی ہیں کہ مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے پرچم کسی دشمن نے سرنگوں نہیں کیے، بلکہ ہم نے خود آپس کی خانہ جنگیوں کے ذریعہ انہیں ایک ایک کرکے زیر کیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں فروعی مسائل پر معرکے گرم ہوئے ہیں، ہمیشہ ان سے اسلام دشمن عناصر نے فائدہ اٹھایا ہے (تقلید کی شرعی حیثیت، ص۱۶۰)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا چوتھا حوالہ

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہنے کے باوجود طعن وتشنیع اور دل آزار اسلوبِ بیان سے مکمل پرہیز کیا جائے اور اس کے بجائے ہمدردی ودلسوزی اور نرمی وشفقت سے کام لے کر ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔لیکن اس نرمی کا یہ مطلب نہیں کہ حق کو حق یا باطل کہنے میں مداہنت سے کام لیا جائے، کیونکہ کفر کو کفر تو کہنا ہی پڑے گا۔لیکن مطلب یہ ہے کہ حقیقت کے ضروری اظہار کے بعد محض اپنی نفسانیت کے تسکین کے لئے فقرہ بازیاں نہ کی جائیں (میرے والد میرے شیخ، ص۱۱۳، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1430 ہجری، جنوری 2009 عیسوی)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا پانچواں حوالہ

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم مزید فرماتے ہیں:

کسی شخص یا جماعت کی حمایت ومخالفت میں جب نفسانیت شامل ہوجاتی ہے، تو نہ حمایت اپنی حدود پر قائم رہتی ہے، نہ مخالفت، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کی حمایت کرنی ہو، اسے سراپا بے داغ اور جس کی مخالفت کرنی ہو، اسے سراپا سیاہ ثابت کرنے سے کم پر بات نہیں ہوتی۔

آج کل حمایت ومخالفت میں اس قسم کے مظاہرے عام ہوچکے ہیں، بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص جس زمانے میں منظورِ نظر ہوا، تو اس کی ساری غلطیوں پر پردہ ڈال کر اسے تعریف وتوصیف کے بانس پر چڑھا دیا گیا، اور جب وہی شخص کسی وجہ سے زیرِ عتاب آ گیا، تو اس کی ساری خوبیاں ملیامیٹ ہوگئیں اور اس میں ناقابل اصلاح کیڑے پیدا ہوگئے............

بعض اوقات جب عام فضا کسی شخص یا جماعت کے خلاف ہوجاتی ہے، تو اس کے بارے میں الزام تراشی اور افواہ طرازی کو عموماً عیب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے عیوب کی خبریں لانے میں لطف محسوس کیا جاتا ہے، اور اس میں تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، حضرت والد صاحب ایسے موقع پر متعلقین کو اس طرزِ عمل سے سختی کے ساتھ روکتے، اور فرماتے کہ اگر ایک شخص کسی جہت سے برا ہے، تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اس کی تمام جہات لازماً بری ہی ہوں گی (میرے والد میرے شیخ، ص ۱۴۷، ۱۴۸، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1430 ہجری جنوری 2009 عیسوی)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا چھٹا حوالہ

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم مزید فرماتے ہیں:

علماء کو نہ تو حکمرانوں سے اتنا قرب اختیار کرنا چاہیے، جس سے ان کے علمی وقار و استغناء پر آنچ آئے، یا حق گوئی میں رکاوٹ پیدا ہو، اور نہ ایسا بعد رکھنا چاہیے کہ وہ ذاتی یا سیاسی خصومت کی شکل اختیار کر جائے، بلکہ علماء کا منصب ایک ایسے آزاد، مستغنی، مگر خیر خواہ ادارے کا ہونا چاہیے کہ جو حکومت کے اچھے کاموں میں اس کے ساتھ تعاون بھی کرے، اور اس کے غلط کاموں پر ہمدردی و خیر خواہی اور حکمت و دل سوزی کے ساتھ تنقید و احتساب کا فریضہ بھی انجام دے۔

برِ صغیر میں انگریز کے دوسو سالہ عہدِ اقتدار کے دوران چونکہ مخلص اور باضمیر مسلمان ہمیشہ حکومت سے بیزار اور آزادیِ ہند کے لیے کوشاں رہے، اس لیے مسلمانوں کے سیاسی مزاج میں دوسو سال تک حکومت کی مخالفت کا رجحان غالب رہا، اور ہر اس تحریک کو قبولِ عام حاصل ہوا، جو حکومت کی مخالفت میں اُٹھی ہو، یہاں تک کہ دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر حریت پسند مسلمانوں کی ہمدردیاں ہٹلر تک سے وابستہ ہوگئیں، کیونکہ اس کی طاقت اور فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ انگریز کی شوکت توڑنے اور اس کے جمے ہوئے اقتدار کو ڈھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شاید یہ اسی دوسو سالہ سیاسی مزاج کے باقی ماندہ اثرات ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد یہاں بھی منفی اندازِ سیاست پروان چڑھا، اور تقسیم سے پہلے کی طرح اب بھی حکومت کی ہر مخالفت، نہ صرف قابلِ تعریف، بلکہ بذاتِ خود مقصد بن کر رہ گئی، اور جو شخص حکومت کے سامنے جتنے زور اور جتنے تشدد سے سامنے آتا، عوام میں

اسے اتنی ہی مقبولیت حاصل ہوتی، اس رجحان کو حکمرانوں کے اس طرزِ عمل سے بھی تقویت ملی، جو واقعتاً قابلِ مخالفت تھا، لیکن بہرحال! واقعہ یہی ہوا کہ ہماری سیاست میں منفی اندازِ فکر ترقی کرتا چلا گیا۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد ہماری سیاسی حکمت عملی بھی تبدیلی کی محتاج تھی، اب انگریزی دور کی طرح، حکومت کی مخالفت بذاتِ خود مقصد نہ بنی چاہیے تھی، بلکہ ہر مرحلے پر ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ سوچنے کی ضرورت تھی کہ ملک و ملت کے استحکام اور اسلامی طرزِ حیات کے فروغ کے لیے کونسا عمل مفید ہوگا؟

اس طرز فکر کے نتیجے میں جہاں بعض مواقع پر حکومت کے مقابلے میں ڈٹ جانا مفید ہوتا، وہاں بعض مواقع پر اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے قریب پہنچنا بھی زیادہ سودمند ثابت ہوتا، چنانچہ ملکی سیاست میں کئی مراحل ایسے بھی آئے کہ جن میں حکومت سے سیاسی مخاصمت کی فضا پیدا کرنے کے بجائے اس کے ساتھ باوقار تعاون اور اسے دور دور سے برا کہنے کے بجائے قریب جا کر اصلاح کی فکر شاید ملک وملت کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مخلصانہ فکر کے ساتھ ملکی سیاست میں حصہ لیا تھا، چنانچہ پاکستان میں ان کی مختصر سی سیاسی زندگی میں حکومت کے ساتھ تعاون اور اس کی مخالفت دونوں کی متوازن مثالیں موجود ہیں۔لیکن اس دور میں جو جماعتیں ملک کے سیاسی منظر پر زیادہ نمایاں تھیں وہ بدستور ''اقتدار چھوڑو'' کی اسی سیاست پر عمل پیرا رہیں، جو تقسیمِ ہند سے پہلے کی سیاست تھی، بلکہ بعض حضرات کی طرف سے حضرت علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کے طرزِ عمل پر یہ اعتراضات بھی ہوئے کہ وہ جرأت وعزیمت اور بے باکی و شجاعت سے محروم ہیں، اور حضرت والد صاحبؒ سنایا کرتے تھے کہ ایسے ہی

اعتراض کے جواب میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے فرمایا تھا: اگر دل میں اخلاص ہو، تو بعض اوقات حکومت کے قید خانے برداشت کرنے کے مقابلے میں عوام کی کالی جھنڈیوں کو برداشت کرنا زیادہ جرأت وعزیمت چاھتا ہے، اور جس طرح قید وبند سے ڈر کر اپنے صحیح طرزِ عمل کو بدل لینا بزدلی اور مداہنت ہے، اسی طرح کالی جھنڈیوں سے ڈر کر اپنے ضمیر کی آواز کو دبا لینا بھی بدترین مداہنت ہے، اس میں اگر حکومت کی خوشامد یا رضا مطلوب ہے، تو اس میں عوام کو خوش کر کے ہیرو بننا مقصود ہے، اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر دونوں میں نہیں، البتہ اس طرزِ عمل کا لازمی جزو یہ ہے کہ حکومت کے قرب کو ایک تو سہل نگاری یا عافیت کوشی کی بنا پر نہیں، بلکہ دینی ضرورت کے تحت اختیار کیا جائے، چنانچہ جہاں ضرورت داعی ہو، وہاں حق گوئی سے ادنیٰ باک نہ ہو اور دوسری طرف اس کے قرب کو خالصتاً لوجہِ اللہ اختیار کیا جائے اور اس میں ذاتی مفادات کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو، کیونکہ وہ دنیا وآخرت دونوں کی تباہی ہے اور ایسے قرب سے بعد ہزار درجہ بہتر ہے (میرے والد میرے شیخ، ص۱۲۱و۱۲۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1430 ہجری، جنوری 2009 عیسوی)

مذکورہ عبارات سے فقہی، مذہبی اور سیاسی اختلافات میں راہِ اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت اور طریقہ پر روشنی پڑتی ہے۔

فقہی ومجتہد فیہ امور میں بندہ محمد رضوان کے مزاج میں جو توسع اور عدمِ تشدد پایا جاتا ہے، اور بندہ اپنے سابق جمود وتشدد پر مبنی متعدد اقوال ومسائل سے رجوع کر کے ان میں جو توسع اور عدمِ تشدد کا اظہار کرتا رہتا ہے، اس کی بندہ نے حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو اطلاع دی تھی، اور فقہی امور میں تشدد وجمود رکھنے والے بعض اہلِ علم حضرات، جو بعض اوقات بندہ کے فقہی ومجتہَد فیہ امور میں توسع یا عدمِ تشدد کے انداز کو اپنے تئیں بندہ پر

فقہی آزادی اور بعض معروف ومروج یا روایتی مخصوص فقہی اقوال بالخصوص بعض متاخرین کی رائے سے عدول کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں، اس سے بھی حضرت شیخ کو آگاہ کیا تھا، جس پر حضرت شیخ مدظلہم نے مورخہ 02 ربیع الاول 1438 ہجری کو یہ تحریر فرمایا کہ:

''مقصد رضائے حق ہے نہ کہ رضائے مخلوق، جو بات فیما بیننا و بین اللہ درست سمجھتے ہوں، اس پر مخلوق کی ناپسندیدگی سے کبھی اثر نہ لینا چاہئے، اور انہیں معذور سمجھنا چاہئے''

اس مذکورہ مکتوب سے تقریباً ایک سال پہلے بھی بندہ نے حضرت شیخ کو ایک خط میں یہ تحریر کیا تھا کہ:

''بندہ کے ساتھ کچھ عرصہ سے یہ مسئلہ بنا ہوا ہے کہ کچھ کتابیں سرسری سطح پر مطالعہ کے بعد مختصر انداز میں شائع کردی گئی تھیں، بعد میں جب ان کی طلب بڑھی، اور پہلے ایڈیشن ختم ہوتے گئے، اور اس دوران بعض مسائل میں رائے بدل گئی، یا ان میں لچک پیدا ہوگئی، تو ان کی اگلی اشاعت کے وقت ترمیم واضافہ یا اصلاح میں مشغولی بہت بڑھ گئی، تاکہ اصلاح شدہ اور ترجیح شدہ نسخے ہی لوگوں تک پہنچیں، اور قدیم رائے کی تبلیغ جاری نہ رہے''

جس کے جواب میں حضرت شیخ مدظلہم نے مورخہ 04 ربیع الاول 1437 ہجری کو تحریر فرمایا کہ:

''ماشاءاللہ! یہ ضروری کام تھا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

اسی خط میں بندہ نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ:

''بندہ تحقیق کے دوران جس رائے کی طرف رجحان ہو، اس کا اپنی تحریر میں اظہار کر دیتا ہے، اس قسم کی تحریرات جناب کی نظر سے بھی گزرتی ہوں گی، اور بندہ کا موقف یہی ہے کہ یہ بندہ کی ذمہ داری ہے کہ رائے میں خیانت کا اظہار مناسب نہیں، اس پر حضرت والا کا موقف معلوم کرنا ہے''

جس کے جواب میں حضرت شیخ نے درجِ ذیل کلماتِ بابرکات تحریر فرمائے:

''بالکل درست ہے، البتہ انداز متواضع ہو کہ بندہ کو یہ رائے راجح یا درست معلوم ہوتی ہے''

اور مؤرخہ 04 جمادی الاخریٰ 1438 ہجری کو بندہ نے حضرت شیخ موصوف کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں یہ لکھا کہ:

''بندہ پر قرآن وسنت کی منصوص تعلیمات کا غلبہ رہتا ہے، اور کوشش رہتی ہے کہ قرآن وسنت کی منصوص و مستحکم نصوص کی روشنی میں سلف اور فقہائے کرام کے اقوال سامنے رکھ کر استفادہ وافادہ کا اہتمام زیادہ ہو، کیونکہ نصوص میں بہت نورانیت ہوتی ہے، جن سے احکام میں رغبت ورہبت کا داعیہ پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے''۔

جس کے جواب میں حضرت شیخ موصوف مدظلہم نے مؤرخہ 17 جمادی الاخریٰ 1438 ہجری کو تحریر فرمایا کہ:

''الحمدللہ تعالیٰ، یہ سلامتِ فکر کی علامت ہے''۔

اسی عریضہ میں بندہ نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ:

بعض احکام ومسائل ایسے بھی سامنے آتے ہیں، کہ ان میں شرعی وفقہی اعتبار سے لچک محسوس ہوتی ہے، لیکن متأخرین یا اکابر حضرات کا مؤقف اس سلسلہ میں کچھ سخت محسوس ہوتا ہے، جس کی طرف دلائل کی رو سے رُجحان نہیں ہو پاتا، اور اس کے برعکس مسئلہ ھذا کے مجتہَد فیہ اور دوسری طرف فقہاء کے اقوال ودلائل ناقابلِ تردید محسوس ہونے سے لچک کی طرف میلان ہوتا ہے، ایسی صورت میں بندہ دیانتداری سے ان اقوال کی نشاندہی کے ساتھ اپنے رجحان کا محتاط انداز میں ذکر کر دیتا ہے، تاکہ اکابر کا احترام بھی باقی رہے، حضرت والا کے ایک مفصَّل فتوے

میں بھی اس کی تصریح ملاحظہ کی، جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نوافل کی جماعت کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا ہے“۔

اس کے جواب میں حضرت شیخ موصوف مدظلہم نے تحریر فرمایا کہ:

”بس ایسے مواقع پر نہایت تواضع کے ساتھ اپنے رجحان کا ذکر کیا جائے، اور اس کے خلاف، دلیل آجانے پر رجوع میں کوئی رُکاوٹ بھی دل میں نہ ہو“۔

تواضع کے ساتھ اپنے رجحان کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک تو خود تواضع شرعاً مطلوب ہے، دوسرے اس کی وجہ سے اکابر وفقہاء کے ادب واحترام کا بھی لحاظ ہوتا ہے، اور رجوع میں رکاوٹ نہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اصل مقصود حق کی اتباع ہے، جب حق دوسری رائے میں نظر آئے، تو اس کی اتباع ہونی چاہیے۔

ایسے مواقع پر تواضع کا مطلب یہ نہیں کہ اپنے رجحان کی علمی وفقہی دلیل کو بھی واضح طور پر بیان نہ کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر اصل مقصود واضح نہیں ہوتا۔

اور مورخہ 14 / ذوالحجہ/ 1439 ہجری کو بندہ محمد رضوان نے حضرت شیخ موصوف کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں یہ لکھا کہ:

”بندہ کو فروعی مسائل کے اندر لچک اور وسعتِ ظرفی کے اعتبار سے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی طرف زیادہ کشش محسوس ہوتی ہے، لیکن دیگر اکابر ومشائخ کی بھی عظمت ومنزلت بحمداللہ تعالیٰ قلب میں کم نہیں ہے، بندہ نے مناسب خیال کیا کہ اس قلبی حالت کا حضرت والا کے سامنے بغرضِ اصلاح اظہار کردوں“۔

جس کے جواب میں حضرت شیخ موصوف مدظلہم نے مورخہ 21 / ذوالحجہ/ 1439 ہجری کو تحریر فرمایا کہ:

یہ طبعی مناسبت کی بات ہے، اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے تعلق کے بعد

بطورِ خاص حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل بہت قابلِ رشک تھا، لہٰذا ان کی طرف کشش مستحسن ہے۔ والسلام

محمد تقی-21/ ذوالحجہ/ 1439ہجری

ہمارے حضرت شیخ مذکور مدظلہم کی نظر بھی الحمدللہ فقہ واصولِ فقہ پر بڑی وسیع وعمیق ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ، نیز حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ واقعات اور اس جیسے متعدد اکابرو مشائخ کی تعلیمات ان کے علم میں ہیں، اس لیے انہوں نے بڑی عجیب وغریب ہدایات ارشاد فرمائیں، جن کے مختصر جملوں میں عجیب وغریب خزینۂ علم وفقہ ہے، اس سے بحمد اللہ تعالیٰ کئی طرح کے اشکالات دور ہو کر طمانینتِ قلب حاصل ہوا۔

”فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء“

دراصل حضرت شیخ مدظلہم کی مذکورہ تعلیم وہدایت اسی تسلسلِ فکر کا حصہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے چلتا ہوا، اور حضرت تھانوی وحضرت سید سلیمان ندوی واکابرِ دیوبند سے گزرتا ہوا، ہم تک پہنچا۔

واقعہ یہ ہے کہ جس قدر قرآن وسنت کی نصوص اور شریعت کے بنیادی احکام اور صحابۂ کرام ومتقدمین کے اصول وقواعد اور طرزِ عمل پر نظر ہوتی ہے، اور جتنا علم وسیع وعمیق ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے تفقہ فی الدین کی نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ وسعتِ قلبی اور وسعتِ ظرفی اور توسع واعتدال پیدا ہوتا ہے، تنگ نظری، اور چھوٹے چھوٹے فروعی وفقہی اور مجتہَد فیہ مسائل میں اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف سمجھ لینا، اور اس پر جمود وتشدد اختیار کرنا اور فقہ واجتہاد میں افراط وتفریط میں مبتلا ہونا دراصل علمی وفقہی تنگی اور تفقہ فی الدین کی کمی اور چند کتبِ فقہ وفتاویٰ یا مخصوص فقہی اقوال وغیرہ تک نظر کے محدود ہونے کی علامت ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب کا حوالہ

''تقلید کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب کے آخر میں حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''آخری گزارش'' کا عنوان قائم کر کے نواب صدیق حسن خان صاحب کے مضمون کا اقتباس نقل فرمایا ہے، جس میں معتدل ومتوسع حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، اہلِ حدیث اور اہلِ سلوک، سب کے جماعتِ اہلِ سنت اور فرقۂ ناجیہ میں سے ہونے کا ذکر ہے، اور تقلید کے منکرین اور جامدین دونوں کے لیے غلو سے بچنے کی تلقین بھی ہے، نواب صدیق حسن خان صاحب کا وہ مضمون درجِ ذیل ہے:

ایک منت خدا کی مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعت اہلِ سنت کو فرقۂ ناجیہ جانتا ہوں، حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی، یا ظاہری یا اہلِ حدیث، یا اہلِ سلوک، اور کسی کے حق میں ان سے گمانِ بد نہیں رکھتا، اگرچہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندر ان میں سے کچھ مسائل خلافِ دلائل بھی ہیں، اور بعض موافقِ نصوص، بعض فتاویٰ ان کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں، اس لیے حکم اکثر کو ہے، نہ اقل کو، اور ائمہ سلف سے جو عمل بعض احادیث میں متروک ہوگیا ہے، اس کے بیس عذر ہیں، جو کتاب ''جلب المنفعت'' میں لکھے گئے ہیں، ائمۂ سلف پر طعن مخالفتِ سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے، ہاں جو مقلد اِن کے بعد وضوحِ دلیلِ کتاب وسنت کے تقلید رائے بحت پر جامد ہیں، ان کو خاطی سمجھتا ہوں، لیکن گمراہ بحت نہیں جانتا، نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتا ہوں، نہ معاذ اللہ ان کو کافر کہوں۔

مسائل وعبادات ومعاملات میں اختلافِ اہلِ علم مکفر نہیں ہوتا ہے، غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ خطاء فی الاجتہاد یا خطاء فی الفہم ہوتی ہے، جس کو علماء پہچانتے

ہیں،.....اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اگر قائل و فاعل اس خطا کا اپنے قصد میں مخلص غیر متعصب تھا، اور کسی وجہ قوی سے شبہ میں گرفتار ہو گیا، تو وہ خطا اس کی معاف ہو جاوے، اور اگر جمود اس خطاء پر عمداً براہِ نفاق و شقاق خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے، تو محل نہایت اندیشہ کا ہے، لیکن کسی مسلمان راجی و خائف کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا کچھ ضروری نہیں ''نحن نحکم بالظواهر، واللہ اعلم بالسرائر''''ماخوذ از ماہنامہ ''فاران'' مئی 1963، بشکریہ ماہر القادری صاحب، مدیر فاران'' (تقلید کی شرعی حیثیت، ص۱۵۹، ۱۶۰، بعنوان ''آخری گزارش'')

نواب صدیق حسن خان صاحب کا تجزیہ معتدل ہے، لیکن افسوس کہ آج کے دور میں خاص اصطلاحی ''اہلِ حدیث یا غیر مقلدین حضرات'' اس اعتدال سے تجاوز کیے ہوئے ہیں۔

''رفعُ النقاب'' کا حوالہ

''رفعُ النقاب عن تنقیح الشهاب'' میں علامہ شوشاوی فرماتے ہیں:

قال ابن العربی :اختلاف العلماء رحمة للخلق، وفسحة فی الحق، وطریق مهیع إلى الرفق ..

قوله :(والمذاهب کلها مسالک إلى الجنة وطرق إلى السعادة)، سواء قلنا :المصیب واحد فی نفس الأمر، أو قلنا : کل مجتهد مصیب، لأنه انعقد الإجماع على أن کلَّ ما غلب على ظن المجتهد هو حکم الله تعالى فی حقه وفی حق من قلده (رَفْعُ النِّقَابِ عَن تنقِیح الشّهابِ، للشوشاوی السِّمْلالی، ج۶، ص۵۸، الباب التاسع عشر فی الاجتهاد، الفصل الثانی فی حکمه)

ترجمہ: ابنِ عربی نے فرمایا کہ علماء کا اختلاف مخلوق کے لیے رحمت ہے، اور حق کو

کشادہ کرنے کا ذریعہ ہے، اور نرمی کی طرف پہنچانے کا راستہ ہے، اور تمام مذاہب جنت کی طرف پہنچانے کے راستے ہیں، اور سعادت کی طرف پہنچانے کے طریقے ہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ فی نفسہٖ مصیب ایک ہوتا ہے، یا یہ کہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، کیونکہ اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ ہر وہ چیز جو مجتہد کے غالب گمان کے مطابق ہو، وہ اس کے حق میں اور اس کے مقلد کے حق میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے (رفع النقاب)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل میں علماء وفقہاء کا اختلاف مخلوق کے لیے رحمت ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے ایک سے زیادہ حق کے راستے کھل جاتے ہیں، اور مختلف لوگوں کے لیے نرمی پیدا ہو جاتی ہے، اور مجتہدین کے تمام مسالک جنت کے راستے ہیں، لہٰذا اجتہادی اختلاف کو رحمت کے بجائے زحمت اور عداوت وغیرہ کا باعث بنانا درست نہیں۔

مناع بن خلیل القطان کا حوالہ

مناع بن خلیل القطان "تاریخ التشریع الاسلامی" میں فرماتے ہیں:

والحق أن الاختلاف فی الفروع لا مندوحة عنه، وأن مثل هذا الاختلاف لا یکون مذموما ما دام مستندا إلی وجه الاستدلال، ولیس هناک دلیل أرجح؛ إنما یذم الاختلاف الذی یذکیه الهوی، ویؤججه التعصب، فیعمی أصحابه عن الدلیل، ویحول بینهم وبین الرضوخ للحق عند تعارض الأدلة ومعرفة الراجح منها .وإذا تم الاتفاق فإنه یکون نعمة ورحمة (تاریخ التشریع الإسلامی، لمناع بن خلیل القطان، ص ۲۲۰، أسباب الاختلاف فی الفتوی)

ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف سے چھٹکارے کا کوئی

راستہ نہیں، اوراس طرح کا اختلاف مذموم نہیں ہوتا، جب تک کہ استدلال کی بنیاد ہو، اوراس کے مقابلہ میں دوسری دلیل راجح نہ ہو، مذموم اختلاف اسی وقت کہلاتا ہے، جب وہ خواہش پرستی کی بنیاد پر ہو یا اس پر تعصب مجبور کرے، جس کی وجہ سے وہ دلیل سے آنکھیں بند کرلے، اور دلائل کے تعارض کے وقت دوسرے لوگوں اور حق واضح ہونے اور راجح کی معرفت کے درمیان یہ تعصب حائل ہوجائے، لیکن جب دوسرے سے مکمل اتفاق ہو (دوسرے سے محبت ہو، بغض وعناد اور تعصب وخواہش پرستی نہ ہو) تو پھر یہ نعمت اور رحمت ہوتا ہے (تاریخ التشریع الاسلامی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف مذموم نہیں، جبکہ دلیل کی بنیاد پر ہو، خواہشِ نفس یا دوسرے سے تعصب کی بنیاد پر نہ ہو، اور باہمی الفت ومحبت کے ساتھ ہو۔

شیخ محمد مصطفی زحیلی کا حوالہ

شیخ محمد مصطفیٰ زحیلی ''الوجیز فی اصول الفقه الاسلامی'' میں فرماتے ہیں:

الاختلاف فی الفروع -مع الاتفاق علی الأصول -هو رحمة بالأمة، وتخفیف عنها، وتوسعة علیها، فإن ضاق بالأمة مذهب استعانت بالآخر، وإن شق علیها الحکم لجأت إلی غیره، قال عمر بن عبد العزیز رحمه الله: ما سرنی أن أصحاب محمد -صلی الله علیه وسلم -لم یختلفوا، لأنهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة (الوجیز فی أصول الفقه الإسلامی، لمحمد مصطفی الزحیلی، ج ۱، ص ۸۱، الفصل الرابع فی أسباب اختلاف الفقهاء)

ترجمہ: اصولیات میں اتفاق کے ساتھ فروع میں اختلاف، امت کے لیے رحمت

ہے، اور امت کے لیے تخفیف اور اس کے لیے وسعت کا باعث ہے، پس اگر امت پر کسی ایک مذہب کی وجہ سے تنگی پیدا ہو جائے، تو دوسرے مذہب سے مدد حاصل کی جائے گی، اور اگر کسی حکم میں دشواری پیش آ جائے، تو دوسرے کی طرف رجوع کیا جائے گا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے اختلاف نہ ہونے سے خوشی نہیں ہوتی، کیونکہ جب وہ اختلاف نہیں کرتے، تو رخصت پیدا نہیں ہوتی (الوجیز)

اس عبارت سے فروعی واجتہادی مسائل میں اختلاف کا باعثِ رحمت وسہولت ہونا معلوم ہوا۔

شیخ عبدالمحسن العباد کا حوالہ

شیخ عبدالمحسن العباد ''ابوداؤد کی شرح'' میں فرماتے ہیں:

هو الاختلاف في الفروع، وهي المسائل التي فيها مجال للاجتهاد، فهذا هو المجال الذي يكون الاختلاف فيه سائغاً، ومع اختلاف أهل السنة والجماعة فيما بينهم، فإنه لا تنافر بينهم، وإنما يكون بينهم التواد والتراحم، كما كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يختلفون في بعض مسائل ومع ذلك لم يكن فيما بينهم شيء من التنافر بسبب هذا الاختلاف، فكلٌ انتهى إلى ما وصل إليه اجتهاده، وهم يعلمون أن المصيب فيهم له أجران، وأن المخطئ له أجرٌ واحد كما قال عليه الصلاة والسلام: (إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجرٌ واحد (شرح سنن أبي داود، لعبد المحسن بن حمد، ج۱۲، ص۳۶۳، ضوابط

الاختلاف الذی لا یخرج صاحبه من دائرة السنة والجماعة)

ترجمہ: (جس اختلاف سے اختلاف کرنے والا اہلُ السنۃ والجماعۃ کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا، وہ) فروعی مسائل میں اختلاف ہے، فروعی مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں، جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو، پس جس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہوگی، اس میں اختلاف جاری ہوگا، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس مسئلہ میں آپس میں اختلاف ہوگا، لیکن اس اختلاف کی وجہ سے ان میں آپس میں نفرت (ودوری) نہیں ہوگی، بلکہ ان کے درمیان مودت ومحبت اور رحمت ہوگی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کا بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا، لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کے درمیان نفرت (ودوری) نہیں تھی، پس صحابۂ کرام نے اس موقف کو سختی سے اختیار کیا، جس کی طرف ان کے اجتہاد نے ان کو پہنچایا، اور وہ یہ جانتے تھے کہ مصیب کے لیے دو اجر ہیں، اور مخطی کے لیے ایک اجر ہے، جیسا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ''حاکم جب اجتہاد کرے، اور وہ اپنے اجتہاد میں مصیب ہو، تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر وہ اپنے اجتہاد میں مخطی ہو، تو اس کے لیے ایک اجر ہے'' (شرح سنن ابی داؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ اجتہادی ہو، اس میں دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی بنیاد پر اختلاف کرنے والا اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج نہیں ہوتا، اور اس سے نفرت اور بغض وعداوت کا اختیار کرنا جائز نہیں ہوتا۔

شیخ عبدالمحسن العباد کا دوسرا حوالہ

شیخ عبدالمحسن العباد ''ابوداؤد کی شرح'' میں فرماتے ہیں:

ولا یقال: إن هذا من اختلاف التضاد.

وإنـمـا هـو مـن اختلاف التنوع، ومثل ذلك ألفاظ الأذان وألفاظ التشهد في الصلاة، فإن هذا كله من قبيل اختلاف التنوع، فكل ما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه يؤتى به، والخلاف في أن يختار بعضهم هذا الدعاء وبعضهم هذا الدعاء وبعضهم هذا الدعاء هو من اختلاف التنوع، وكل منهم مصيب للحق؛ لأن هذه كلها أنواع للحق.

ولكن اختلاف التضاد لا يقال فيه :إن كل مجتهد مصيب.

وإنـمـا فيه المصيب وفيه المخطئ، وليس كل مجتهد مصيب فيما يتعلق باختلاف التضاد؛ لأنه لا يقال فيمن قال في مسألة معينة : هي حلال ومن قال :هي حرام لا يقال :إن القائل :(هي حلال) على حق والقائل :(هي حرام) على حق.

ليس هـذا بـصـحيح، وإنما يقال :الاختـلاف في ذلك اختلاف تضاد.

وكـل مـجتهـد فيـه إمـا مـجتهـد مـصيـب وإمـا مجتهد مخطئ، والـمـجتهـد المصيب له أجران :أجـر عـلـى اجتهاده وأجر على إصـابتـه، والمجتهد المخطء له أجر واحد على اجتهاده، وخطؤه مغفور، فلا يقال :إن كـل مجتهد مصيب فيما هو اختلاف تضاد، ولـكن يمكن أن يقال في اختلاف التضاد :إن كل مجتهد مصيب باعتبار الأجر.

فيقال :كـل مـجتهد مصيبٌ أجرا، وإن كانوا متفاوتين في الأجر، فـالـمـجتهد المصيب له أجران والمجتهد المخطء له أجر واحد،

ولكن كلٌ مصيبٌ أجرا، ولكن ليس كلٌ يصيب الحق؛ لأن المجتهدين فى مسائل اختلاف التضاد يكون الحق مع واحد منهم وغيره يكون قد أخطأ، لقوله صلى الله عليه وسلم :(إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد) فقوله صلى الله عليه وسلم فى هذا الحديث :(له أجران) و (له أجر واحد) يدل على أن المجتهدين فيهم مصيب وفيهم مخطء، ولو كان كل مجتهد مصيباً لما كان فيهم مخطء، ولم يكن لهذا التقسيم من رسول الله صلى الله عليه وسلم معنى، ولكنه لما قسمهم هذا التقسيم علم بأنه ليس كل مجتهد مصيباً، ولكن يمكن أن يقال :كل مجتهد مصيبٌ أجرا (شرح سنن أبى داود، لعبد المحسن بن حمد، ج۴،ص۱۰۰ ،ما يستفتح به الصلاة من الدعاء،حكم تنويع أدعية الاستفتاح)

ترجمہ: اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ (نماز شروع کرتے وقت مختلف دعاؤں کے پڑھنے میں)''اختلافِ تضاد'' ہے، بلکہ یہ ''اختلافِ تنوع'' ہے، اوراس کے مثل ہی اذان کے الفاظ اور نماز میں تشہد کے الفاظ کا معاملہ ہے کہ یہ سب اختلافِ تنوع کے قبیل سے ہیں، پس ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اس پر عمل کرلیا جائے گا، اختلاف صرف اتنی بات میں ہے کہ بعض نے اس دعاء کو اختیار کیا، اور بعض نے اس دعاء کو اختیار کیا، اور بعض نے تیسری دعاء کو اختیار کیا، جو کہ اختلافِ تنوع سے تعلق رکھتا ہے، اوران میں سے ہر ایک مصیب یعنی حق کو پانے والا ہوتا ہے، کیونکہ یہ تمام انواع حق کی ہیں۔

لیکن اختلافِ تضاد میں ہر مجتہد کو مصیب نہیں کہا جاتا، بلکہ اس میں مجتہد مصیب بھی

ہوتا ہے، اور مخطی بھی ہوتا ہے، اختلافِ تضاد سے جن مسائل کا تعلق ہو، ان میں ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا، کیونکہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ جس نے کسی خاص مسئلہ میں حلال کا حکم لگایا ہو، اور دوسرے نے حرام کا حکم لگایا ہو کہ حلال کا قائل بھی حق پر ہے، اور حرام کا قائل بھی حق پر ہے، یہ بات صحیح نہیں، اس کو تو اختلافِ تضاد قرار دیا جائے گا، جس میں ہر مجتہد یا مصیب ہوتا ہے، یا مخطی ہوتا ہے، اور مجتہدِ مصیب کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک اجر اجتہاد کرنے پر اور ایک اجر اصابت پر، اور مجتہد مخطی کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، جو اس کے اجتہاد پر حاصل ہوتا ہے، اور اس کی خطاء معاف ہوتی ہے، پس اختلافِ تضاد والے مسائل میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہر مجتہد مصیب ہے، البتہ اختلافِ تضاد میں یہ بات کہنا ممکن ہے کہ اجر کے اعتبار سے ہر مجتہد مصیب ہے۔

پس یہ کہا جائے گا کہ ہر مجتہد اجر کے اعتبار سے مصیب ہے، اگرچہ مجتہدین اجر حاصل کرنے میں متفاوت ہیں، چنانچہ مجتہدِ مصیب کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور مجتہدِ مخطی کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، لیکن ہر مجتہد اجر کا مستحق ہوتا ہے، مگر ہر مجتہد حق کو پانے والا نہیں ہوتا، کیونکہ اختلافِ تضاد کے مسائل میں حق ایک مجتہد کے ساتھ ہوتا ہے، اور دوسرا خطاء پر ہوتا ہے، جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے، پھر وہ درست اجتہاد کرے تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور اگر اجتہاد کرے جس میں اس سے خطاء سرزد ہو جائے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے، اور مخطی بھی، اگر ہر مجتہد مصیب ہوا کرتا، تو ان میں کوئی مخطی نہ ہوا کرتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس تقسیم کا کوئی مطلب نہ بنتا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجتہدین کی یہ تقسیم فرمادی، تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی

کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا، البتہ ہر مجتہد کو اجر کے اعتبار سے مصیب کہنا ممکن ہے

(شرح سنن ابی داؤد)

مذکورہ عبارت سے اجتہادی مسائل میں ''اختلافِ تنوع'' اور ''اختلافِ تضاد'' کی تقسیم کے ساتھ ساتھ مجتہد کے مصیب اور مخطی ہونے کی تفصیل بھی معلوم ہوئی، جس کی کچھ تفصیل اس سے پہلے علامہ ابنِ تیمیہ کی ''اقتضاء الصراط المستقیم'' کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے، اور ''شرح مسلم الثبوت'' کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو ہر مجتہد کو مصیب قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد اجر پانے کے اعتبار سے ابتداءً مصیب ہی ہوتا ہے۔

شیخ حمزہ محمد قاسم کا حوالہ

شیخ حمزہ محمد قاسم ''صحیح بخاری کی شرح'' میں فرماتے ہیں:

التحذير عن الخصومة فى الأمور التى لها أصل شرعى من الكتاب والسنة كالأحرف السبعة الثابتة عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، أو الاختلافات الفقهية، فإن المسلمين قد اختلفوا فى الأحكام التشريعية منذ عهد الصحابة والتابعين، وتغايرت فتاوى الصحابة فيها، ولا ينبغى النزاع والخصومة فيها، فإن هؤلاء المجتهدين جميعا على هدى من الله، ويؤجرون على كل حال، إن أصابوا فلهم أجران، وإن أخطؤوا فلهم أجر واحد .

ثانيا :أن اختلاف أهل العلم من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -والتابعين لهم بإحسان، وكذلك اختلاف فقهاء الإسلام، والأئمة الأعلام فى المسائل الفقهية والأحكام الشرعية

لا یدخل ضمن الاختلاف المذموم شرعا (منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، لحمزۃ محمد قاسم، ج۳، ص ۳۵۴، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الأشخاص والخصومۃ)

ترجمہ: ان امور میں خصومۃ اور جھگڑے سے بچنا چاہیے، جن کی کتاب وسنت میں کوئی شرعی بنیاد پائی جاتی ہے، جیسے کہ سات قرائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اسی طرح سے فقہی اختلافات کا معاملہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کا صحابہ اور تابعین کے زمانہ سے ہی شرعی (فقہی وفروعی) احکام میں اختلاف رہا ہے، اور ان میں صحابۂ کرام کے فتاویٰ مختلف رہے ہیں، لہٰذا ان میں نزاع اور جھگڑا جائز نہیں، کیونکہ تمام مجتہدین اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور ہر حال میں اجر وثواب کے مستحق ہیں، اگر وہ مصیب ہوں، تو دو اجر پانے والے ہیں، اور اگر مخطی ہوں، تو ایک اجر پانے والے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعینِ عظام، اہلِ علم حضرات کا اختلاف، اور اسی طریقہ سے فقہائے اسلام کا اختلاف اور مشہور ائمہ کا فقہی مسائل اور شرعی احکام میں اختلاف، شرعی اعتبار سے مذموم اختلاف کے ضمن میں داخل نہیں (مناری القاری)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف میں خصومت اور جھگڑا جائز نہیں، اور یہ مذموم اختلاف میں داخل نہیں۔

سعودی عرب کی ''اللجنۃُ الدائمۃ'' کا حوالہ

سعودی عرب کی ''اللجنۃُ الدائمۃ'' کے فتاویٰ میں ہے:

الخلاف الموجود فی الفروع الفقهیة بین أئمة المذاهب الأربعة

يرجع إلى الأسباب التى نشأ عنها ككون الحديث يصح عند بعضهم دون بعض أو بلوغ الحديث لواحد دون الآخر إلى غير ذلک من أسباب الخلاف، فيجب على المسلم أن يحسن الظن بهم فكل واحد منهم مجتهد فيما صدر منه من الفقه طالب للحق فإن كان مصيبا فله أجران أجر اجتهاده وأجر إصابته وإن كان مخطئا فله أجر اجتهاده وخطؤه معفو عنه.

وأما التقليد لهؤلاء الأئمة الأربعة فمن تمكن أن يأخذ الحق بدليله وجب عليه الأخذ بالدليل وإن لم يتمكن فإنه يقلد أوثق أهل العلم عنده حسب إمكانه .

وهذا الاختلاف فى الفروع لا يترتب عليه منع المختلفين أن يصلى بعضهم خلف بعض بل الواجب هو أن يصلى بعضهم خلف بعض، فقد كان الصحابة رضى الله عنهم يختلفون فى المسائل الفرعية ويصلى بعضهم خلف بعض، وهكذا التابعون وأتباعهم بإحسان.

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو
عبد الله بن قعود	عبد الله بن غديان
نائب الرئيس	الرئيس
عبد الرزاق عفيفى	عبد العزيز بن عبد الله بن باز

(فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، ج٦، ص ٤٦٩، الفتوى رقم 4272)

ترجمہ: فروعی فقہی مسائل میں مذاہبِ اربعہ کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے،

اس کے مختلف اسباب ہیں، مثلاً کسی حدیث کا بعض کے نزدیک صحیح ہونا اور بعض کے نزدیک صحیح نہ ہونا، اور بعض کو حدیث کا پہنچنا اور بعض کو نہ پہنچنا، اس کے علاوہ بھی اختلاف کے دوسرے کئی اسباب ہیں، پس مسلم پر واجب ہے کہ وہ مجتہدین کے ساتھ اچھا گمان رکھے، پس ہر ایک ان میں سے مجتہد ہے، ان فقہ کے مسائل میں جو اس سے صادِر ہوئے حق کا طالب ہے، پس اگر وہ مصیب ہو، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک اجتہاد کا اجر اور ایک اصابت کا اجر، اور اگر وہ مخطی ہو، تو اس کو اس کے اجتہاد کی وجہ سے ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اور اس کی خطاء معاف ہوتی ہے۔

جہاں تک ائمہ اربعہ کی تقلید کا تعلق ہے، پس جس شخص کو اس بات پر قدرت ہو کہ وہ دلیل کے ذریعہ سے حق کو حاصل کر سکتا ہے، تو اس پر دلیل کے ذریعہ سے حق کو حاصل کرنا واجب ہے، اور اگر اس کی قدرت حاصل نہ ہو، تو اس کے نزدیک ممکنہ حد تک اہلِ علم میں سے جو زیادہ مستند ہو، اس کی تقلید کرے گا (البتہ بعض کے نزدیک کسی بھی مجتہد کی تقلید کر لینا جائز ہے، جیسا کہ گزرا)

اور فروعی مسائل میں اس اختلاف پر یہ بات مرتب نہیں ہوتی کہ اختلاف کرنے والوں کو ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا جائے، بلکہ ان کو ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہے، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فروعی مسائل میں اختلاف تھا، لیکن وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، اور یہی طرزِ عمل تابعینِ عظام کا بھی تھا۔

وباللہ التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

رکن (عبداللہ بن قعود) رکن (عبداللہ بن غدیان) نائب رئیس (عبدالرزاق عفیفی) رئیس

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز)

(فتاوی اللجنۃ الدائمہ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مجتہَد فیہ مسائل میں مجتہدین سے حسنِ ظن رکھنا چاہیے، اور جس کو دلائل میں غور وفکر کر کے راجح قول کو معلوم کرنے کی قدرت ہو، اس کو اس پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ مجتہد کی تقلید کرنی چاہیے، جس میں اوثق کی تقلید کرنے یا کسی بھی ایک کی تقلید کرنے کے سلسلہ میں دونوں اقوال ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور فروع میں مخالف امام کی اقتداء میں نماز کے حکم کے لیے ہمارا دوسرا رسالہ ''غیر حنفی کی اقتداء میں نماز کا حکم'' ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ ناصرالدین البانی کا حوالہ

شیخ ناصرالدین البانی فرماتے ہیں:

الصحابة رضی الله عنهم -مع اختلافهم المعروف فی الفروع- کانوا محافظین أشد المحافظة علی مظهر الوحدة، بعیدین کل البعد عما یفرق الکلمة، ویصدع الصفوف؛ فقد کان فیهم -مثلاً- من یری مشروعیة الجهر بالبسملة، ومن یری عدم مشروعیته،وکان فیهم من یری استحباب رفع الیدین، ومن لا یراه، وفیهم من یری نقض الوضوء بمس المرأة، ومن لا یراه؛ ومع ذلک؛ فقد کانوا یصلون جمیعاً وراء إمام واحد، ولا یستنکف أحد منهم عن الصلاة وراء الإمام لخلافٍ مذهبی.

وأما المقلدون؛ فاختلافهم علی النقیض من ذلک تماماً؛ فقد کان من آثاره أن تفرق المسلمون فی أعظم رکن بعد الشهادتین؛

ألا وهو الصلاة، فهم يأبون أن يصلوا جميعاً وراء إمام واحد؛ بحجة أن صلاة الإمام باطلة، أو مكروهة على الأقل بالنسبة إلى المخالف له في مذهبه(أصل صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم،للألباني، ج ۱، ص ۴۵،مقدمة الكتاب)

ترجمہ: صحابہ رضی اللہ عنہم ،فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود اتحاد واتفاق کی حدبندیوں کی اہتمام کے ساتھ حفاظت کرتے تھے، اور امت میں اختلاف پیدا کرنے اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ڈالنے سے بہت دور رہتے تھے، چنانچہ ان میں مثلاً بعض جہراً بسم اللہ کی مشروعیت کے قائل تھے، اور بعض جہراً بسم اللہ کی مشروعیت کے قائل نہیں تھے، اور بعض رفعِ یدین کو مستحب خیال کرتے تھے، اور بعض مستحب خیال نہیں کرتے تھے، اور بعض عورت کو چھونے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض قائل نہیں تھے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اکٹھے ہوکر ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کیا کرتے تھے، اور کسی مذہبی اختلاف کی بنیاد پر اپنے میں سے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اعراض نہیں کیا کرتے تھے۔

جہاں تک کہ (موجودہ دور میں) ان کے مقلدین کا معاملہ ہے، تو ان کا سارا اختلاف اس کے برعکس ہے، جس کے نتیجہ میں شہادتین کے بعد جو رکنِ اعظم ہے، یعنی نماز، اسی کے اندر مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اکٹھے ہوکر ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں، اس دلیل کی بنیاد پر کہ امام کی نماز باطل ہے، یا کم ازکم مکروہ ہے، اس کے مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے (اصل صفۃ صلاۃ النبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل میں صحابۂ کرام کے طرزِ عمل کے مطابق اختلاف مذموم نہیں۔

مولانا مفتی شعیب اللہ خان مفتاحی کا حوالہ

مولانا مفتی شعیب اللہ خان مفتاحی صاحب (بانی الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور) تحریر فرماتے ہیں:

ایک وجہ غلو کی تعصب ہوتا ہے اور تعصب کی تعریف یہ ہے کہ حق و ناحق سے قطعِ نظر اپنے لوگوں کی تائید و نصرت کرنا، خواہ وہ اپنے لوگ نسب و خاندان کے لحاظ سے اپنے ہوں، یا مسلک و نظریے کے لحاظ سے اپنے ہوں، یا کسی جماعت و طبقے کے لحاظ سے اپنے ہوں۔ [1]

پھر یہ تعصب طبقاتی و جماعتی بھی ہوتا ہے اور افراد و شخصیات کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے، چناں چہ بہت سی جماعتوں اور فرقوں کی جانب سے تعصب کی بنا پر دین میں غلو کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ اپنے مسلک و نظریے کے لیے تعصب برتتے ہوئے، کبھی قرآن سے اور کبھی حدیث سے دلیل لیتے ہیں، حالانکہ نہ وہ قرآن کا منشا ہوتا ہے، نہ حدیثِ رسول کا، اس طرح یہ لوگ دین میں غلو کر جاتے ہیں۔

اسی طرح اپنی جماعت اور اپنے طبقے و مسلک کے لوگوں سے کچھ بھی ہو جائے، وہ روا رکھا جاتا ہے اور وہی بات دوسرے کی جانب سے پیش آئے، تو اس پر رد و انکار کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تعصّبات ہیں، جو دین میں غلو کا سبب بنتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کسی شخصیت کے سلسلے میں تعصب برتتے ہوئے غلو کرنے لگتے ہیں اور اس کی اچھی و بری باتوں، یا حق و ناحق باتوں کو ایک درجہ دیتے چلے جاتے ہیں، گویا کہ وہ شخصیت معصوم ہے۔

اسی تعصب نے غلو کو یہاں تک پہنچا دیا کہ اس نے عجیب عجیب گل کھلائے (غلو فی

---

[1] قرآن و سنت میں اس کی مذمت اور بُرائی آئی ہے، جیسا کہ آگے ''مقدمہ'' میں آتا ہے۔ محمد رضوان۔

الدین، حقیقت، اسباب اور صورتیں، ص۱۱۶، و۱۱۷، مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور)

اس عبارت سے تعصب کی مذمت معلوم ہوئی۔

نیز موصوف لکھتے ہیں:

ہر اختلاف مذموم و برا نہیں ہوا کرتا اور نہ ہر اتفاق محمود و قابلِ تعریف ہوتا ہے؛ بلکہ ان میں الگ الگ درجات ہیں۔

مگر بعض لوگ شدید سے شدید اختلاف و اصولی اختلاف کو بھی یہ کہہ کر ہلکا و معمولی قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں دو رائیں و نظریے ہیں؛ لہٰذا کوئی بڑی بات نہیں، حتی کہ ان اصولی و شدید اختلافات کو حضراتِ صحابہ و ائمہ کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حالانکہ صحابہ و ائمہ میں جو اختلاف تھا، وہ فروعی مسائل میں تھا، اصولی مسائل میں نہیں تھا۔

دوسری جانب کچھ حضرات وہ ہیں، جو ہر اختلاف کو اصولی اختلاف اور ایمان و کفر کے اختلاف کا ہم پلہ سمجھتے ہیں اور اس سے وہی معاملہ کرتے ہیں، جیسے اصولی اختلاف سے ہونا چاہیے۔

حال آں کہ یہ اختلاف نہ کوئی مذموم ہے، نہ ممنوع۔

اب ہم آگے بڑھتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے اختلاف کا حکم و درجہ یکساں نہیں ہے؛ بل کہ دونوں کے درجے میں ایسا ہی فرق ہے، جیسے زمین و آسمان میں اور حق و باطل میں اور حرام و حلال میں ہے۔ [1]

مگر بعض لوگ اس فرق کو نظر انداز کر کے دونوں اختلافات کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور دونوں کو مذموم و حرام قرار دیتے ہیں اور ان آیات و

---

[1] یعنی غیر اجتہادی حرام وحلال میں، ورنہ اجتہادی حرام وحلال کا اختلاف فروعی نوعیت کا ہوتا ہے، جس میں فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کی آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ محمد رضوان۔

احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جو اختلاف کی قسمِ اول کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

مگر ظاہر ہے کہ ان آیات واحادیث سے صرف اس اختلاف کی مذمت و برائی ثابت ہوتی ہے، جو بغیر دلیلِ شرعی، نفسانیت وشرارت سے کیا جائے اور بنیادی و مسلمہ عقائد ومسائل میں ہو؛ لیکن دوسری قسم کا اختلاف جو دلائل کی روشنی میں کیا جائے اور اجتہادی وفروعی مسائل میں ہو، ان سے اس کا مذموم ہونا ثابت نہیں ہوتا (غلوفی الدین، حقیقت، اسباب اور صورتیں، ص ۴۱۳، مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور)

مزید لکھتے ہیں:

آیات واحادیث میں جس اختلاف کی مذمت و برائی آئی ہے، اس سے پہلی قسم کا اختلاف مراد ہے، یا اس سے مراد گروہ بندی و پارٹی بازی ہے، جس کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق وتضلیل کی جائے اور ان جزوی مسائل کی بنا پر حسد وبغض رکھا جائے، یہ بلاشبہ سخت قبیح چیز ہے۔

رہا فروعی مسائل میں آراء کا اختلاف، جو قرآن وحدیث کے فہم اور ان کی تعبیر و تشریح میں تفاوت کی بنا پر واقع ہوا، وہ نہ قرآن وحدیث میں مذموم ٹھہرایا گیا، نہ ممنوع قرار دیا گیا۔

اور اسی لیے فروعی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی یا ایک دوسرے پر ملامت ومذمت یا طعن وتشنیع کا رویہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بل کہ تمام ائمہ وعلما کا احترام اور عظمت کرنا چاہیے اور ان سے محبت والفت کا طریق اپنانا چاہیے۔

چناں چہ سلفِ صالحین کے یہاں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔

امام یحییٰ بن سعید تابعی رحمہ اللہ نے بڑی حقیقت افروز بات بیان فرمائی:

اهل العلم اهل توسعة ، و ما برح المفتون يختلفون، فيحلل هذا ، و يحرم هذا ، فلا يعيب هذا على هذا ، و لا هذا على هذا(تذكرة الحفاظ: ج ۱ ،ص ۱۲۴)

(اہلِ علم توسع رکھنے والے ہیں اور ہمیشہ سے حضراتِ مفتیان کے مابین مسائل میں اختلاف رہا ہے کہ یہ مفتی کسی چیز کو حلال کہتے ہیں، تو دوسرے مفتی اس کو حرام قرار دیتے ہیں؛ لیکن نہ یہ ان پر کوئی عیب لگاتے، نہ وہ ان پر کوئی نکتہ چینی کرتے ہیں)

لہٰذا ائمہ کے درمیان ہونے والے اختلاف کو اسی حد میں رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

لیکن اب بعض لوگوں نے اسی کو حق و باطل کا معیار قرار دے کر امت کے شیرازے کو منتشر کرنا شروع کر دیا ہے اور خود کے اختیار کردہ مسئلے و مسلک کو صحیح و درست اور دوسرے کے مسلک کو باطل قرار دینے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ ائمہ وفقہا کی توہین و تذلیل کو دین سمجھنے و سمجھانے کی فکر کی جاتی ہے، یہ غلو کی وہ صورت ہے، جس سے امت میں انتشار کا رونما ہونا یقینی بات ہے(غلو فی الدین، حقیقت، اسباب اور صورتیں، ص ۴۱۷، و ۴۱۸، مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور)

موصوف اسی سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس طرح فروعی اختلاف کو اصولی اختلاف کا درجہ دینا غلط و بے اعتدالی کی بات ہے، اسی طرح اصولی اختلاف کو جزئی و فروعی اختلاف کا درجہ دے کر اس کو روا رکھنا بھی صحیح نہیں ؛ بلکہ ایک بنیادی غلطی ہے (غلو فی الدین، حقیقت اسباب اور صورتیں، ص ۴۲۱، مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

یہاں ایک اور بات پر توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ مختلف فرقوں اور ان

کے باطل وغلط نظریات سے اختلاف کرنا اوران سے اتفاق نہ کرنا، تو لازم ہے؛ لیکن اس تردید واختلاف میں وہ صورت اختیار کرنا چاہیے، جو قرآن وسنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اوراسوۂ نبوی نے فراہم کیا ہے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم نے ہمیں ایسے وقت کے لیے'' وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ '' کی تعلیم دی ہے کہ اگر بحث ومباحثے ومناظرے کی نوبت آجائے تو اچھے انداز سے مناظرہ ومباحثہ کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مباحثہ نرمی و خیرخواہی اور عمدہ خطاب سے ہونا چاہیے............

الغرض! اصولی اختلاف کرنے والوں سے اختلاف تو کیا جانا چاہیے، مگر ایسا نہیں کہ ان کو گالی دی جائے یا طعن وتشنیع سے کام لیا جائے یا گری ہوئی زبان استعمال کی جائے، بلکہ قرآن اور انبیاء کی تعلیم کے مطابق نرمی وسنجیدگی، علمی دلائل ومحکم براہین سے کام لیا جائے، ورنہ یہ بھی ایک قسم کا غلو فی الدین ہوگا (غلو فی الدین، حقیقت، اسباب اور صورتیں، ص۴۳۳، ۴۳۴، مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور)

اس سے معلوم ہوا کہ اصولی وفروعی نظریاتی وعملی ہر قسم کے اختلاف کو ایک درجہ حاصل نہیں، اور دوسرے کسی بھی قسم کا اختلاف ہونے کی صورت میں شرعی قواعد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اس صورت میں شرعی احکام، بالخصوص ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ '' اور'' اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنُ '' کے مقتضیات سے اپنے آپ کو بری سمجھنا درست نہیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اختلافی اور اجتہادی وفقہی امور میں اپنے اندر اعتدال وتوسع پیدا کرنے کی ضرورت پر تو بہت سے حضرات زور دیتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اعتدال وتوسع کے قائم اور موجود ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں، لیکن عملاً اس توسع واعتدال پر پورا اترنا دوسری چیز ہے، جو آج کے دور میں خال خال ہی ڈھونڈنے سے کسی ایک آدھ فرد میں نظر آتی ہے۔

باہمی اختلافِ رائے کے متعلق دو اکابرِ دیو بند کا طرزِ عمل

اہلِ علم اس بات سے باخبر ہیں کہ حضرت مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہما اللہ کے مابین کانگریس اور مسلم لیگ کی حمایت میں اختلاف تھا، حضرت مدنی، کانگریس کی حمایت کے اور علامہ عثمانی مسلم لیگ کی حمایت کے قائل تھے، اسی طرح بعض اوقات دارالعلوم دیو بند کے بعض انتظامی امور میں بھی اختلاف واقع ہوا، لیکن اس کے باوجود، وہ دونوں ایک دوسرے کا احترام واکرام کرتے تھے، اور کسی کو اپنی رائے منوانے اور دوسرے کی رائے ترک کرنے پر جبر نہیں فرماتے تھے، نہ ہی اس سلسلہ میں دوسرے کی ذاتی تحقیر وتنقیص کو گوارا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی اپنے مکتوب 6 رجب 1353 ہجری میں علامہ عثمانی کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''آں جناب کے علمی کمالات تحریر وتقریر میں فائق وماہر، ذکاوت وحافظہ میں بے نظیر ہونے کا اقرار کرتا ہوں، اور دارالعلوم دیو بند کے لیے صدارتِ تدریس آپ کے شایانِ سمجھتا ہوں، اور قسمیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی استعداد اور قابلیتِ علمی، آپ کے شاگردوں کے پائے کی بھی نہیں پاتا'' (تذکرہ وسوانح علامہ شبیر احمد عثمانی، اشاعتِ خاص ماہنامہ'' القاسم''، زیرسرپرستی: مولانا عبدالقیوم، ص ٦٧، درذیل: شیخ الاسلام کا علمی مقام، از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، مطبوعہ: القاسم اکیڈمی، خالق آباد، نوشہرہ، تاریخِ طباعت: ذی الحجہ 1426 ہجری، جنوری 2006ء)

قیامِ دارالعلوم دیو بند کے زمانہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے 21 رجب 1352 ہجری کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے نام ایک تفصیلی مکتوب ارسال کیا، جس میں انہوں نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

’’میری اصل غرض اس عریضہ سے یہ ہے کہ جناب کے صدمہ کا ازالہ ہوجائے، اوراگر میں خطاوار ہوں، تواس کی معافی ہوجائے۔

میں صدارتِ تدریس کے لیے آپ کی ذات کو بدل و جان قبول اور منظور کرنے والا ہوں، ایک مجھ جیسے پردیسی غریب الوطن کی حالت ہی کیا ہوسکتی ہے۔

بنا بریں امیدوار ہوں کہ دل سے رنج اور صدمہ میری طرف سے حسبِ ارشادِ خداوندی نکال دیں، حقیقت وہ ہے کہ جوعرض کی گئی۔

اور چونکہ خواجہ تاشی کی نعمت بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہے، اس لیے ہمارا آپس کا جنگ و جدل اور تخالف وغیرہ بھی عداوت اور دشمنی پر محمول نہ ہونا چاہیے۔

ایک وقت میں لڑیں گے، اور دوسرے وقت میں ملیں گے، عداوتِ قائمہ اور عداوتِ قلبیہ نہ ہوگی‘‘ (انوارِ عثمانی، ص٦٦، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435ہجری، بمطابق اکتوبر2013عیسوی)

ایک وقت میں لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ایک دوسرے سے علمی واجتہادی اختلافِ رائے ہوگا، وہاں اس اختلاف کا اظہار کریں گے، لیکن دوسرے اوقات میں ایک دوسرے سے ملیں گے، نہ تو اپنے عمل سے ایسی عداوت ظاہر ہوگی کہ اختلافِ رائے کی بنیاد پر ایک دوسرے سے خوشگوار تعلقات بھی ترک کردیئے جائیں، اور نہ ہی دل میں عداوت ہوگی، بلکہ دل بغض وعداوت اور کینہ کپٹ سے پاک ہوگا۔

سبحان اللہ! یہ ہے، اعتدال، جس کی آج بہت سے افراد میں کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ دوسرے سے اس طرح کے اختلاف کو ذاتی دائمی بغض وعداوت اور ترکِ تعلقات کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

حضرت مدنی کے مذکورہ مکتوب ہی کے جواب میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی تفصیل سے جواب تحریر فرمایا، جس کے شروع میں علامہ عثمانی نے یہ تحریر کیا کہ:

’’الطاف نامہ غیر متوقع طور پر پہنچا، جس محبت و اخلاص اور حسنِ نیت کے جذبے سے وہ لکھا گیا ہے، اُسی روشنی میں بندہ نے پڑھا، سچ یہ ہے کہ یہ مکتوب میرے نزدیک جناب محترم کی سیادت و شرافت اور جانشینی اور استاذ مرحوم کا مرقع ہے، آپ کے بزرگانہ اخلاق سے ہم نیازمند یہی توقع رکھتے ہیں۔ **فجزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء ووفقنا و ایاکم لما یحب و یرضیٰ۔**

اس کے بعد چند حقائق عرض کرنا چاہتا ہوں‘‘ (انوارِ عثمانی، ص ۶۷، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

پھر علامہ عثمانی نے چند حقائق ذکر کرنے کے بعد اپنے اسی تفصیلی مکتوب کے آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

’’آپ کے لکھنے پر یہ چند الفاظ لکھے گئے ہیں، ورنہ اس وقت اپنے عقیدہ میں دیوبند کی صدارتِ تدریس کے لیے آپ کو احق ترین سمجھتا ہوں، پھر آپ سے کینہ کپٹ کیسے رکھ سکتا ہوں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن — آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن

جو الفاظ آپ کی شان گرامی کے خلاف لکھے گئے ہوں، ان سے کریمانہ مسامحت فرمائیں۔

بھلا دو میرے منہ سے بات اگر کوئی بری نکلی

یہ بیدردی ہے کہنا، آہ بسمل بے سری نکلی

والسلام

(انوارِ عثمانی، ص ۷۱، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی، دونوں حضرات ایک دوسرے سے

اختلافِ رائے کے باوجود، ایک دوسرے کی دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس قبول ومنظور اور تسلیم کرنے کے لیے آمادہ وتیار ہیں، اور ایک دوسرے کی اپنے طرزِ عمل سے اکرام اور دل سے عزت میں کسی اختلاف کی وجہ سے کمی نہیں آنے دیتے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب بھی اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ عالیہ میں حضرت مدنی سے پیچھے نہیں، ان کے الفاظ وکلمات پڑھ اور سُن کر علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مدنی کے مابین اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ عالیہ کی سبقت میں فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ مختلف جہات سے ہر ایک ہی دوسرے سے بڑھ کر نظر آتا ہے۔

حضرت مدنی اور علامہ عثمانی کے مذکورہ مکتوبات کو نقل کرنے سے پہلے، پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی لکھتے ہیں:

''میں ان دونوں حضرات کے خطوط کو تبرک سمجھ کر اس مجموعۂ مکتوبات میں پیش کر رہا ہوں، قارئین کو ان دونوں حضرات کے خیالات کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے اکابر کے درمیان اگر اختلاف ہوئے بھی ہیں، تو ان کا ظہور نیک نیتی پر مبنی ہوتا تھا، آپ کو دونوں حضرات کے خطوط میں صفائی قلب اور خوشگوار تعلقات رکھنے کا جذبہ موجزن نظر آئے گا، آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے کمالات کے اعتراف میں اپنے آپ کو، دوسرے سے کمتر سمجھنے میں کس قدر پیش پیش ہیں۔

اختلافات کہاں نہیں ہوتے، البتہ اکابر میں مخالفتیں نہیں ہوا کرتیں، ان دونوں خطوط میں بھی اختلاف تو نظر آتا ہے، مگر مخالفت کا نام نہیں، بس اس جذبہ کے ماتحت ان تبرکات کو پڑھا جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان خطوط کو زندہ رکھنے کے لیے اس مجموعہ میں ان کو جگہ دی ہے کہ اہلِ بصیرت کو اکابرین کے اختلافی نظریات میں بہت سی مشکلات کا حل مل جاتا ہے (انوارِ عثمانی، ص ۶۳ و ۶۴، مطبوعہ: مکتبہ

دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

ان حضراتِ اکابر کی مذکورہ اور ان جیسی صفاتِ عالیہ واخلاقِ حسنہ اور صدق واخلاص کی بدولت آج دارالعلوم دیو بند کے تشخص کو پورے عالم میں بحمداللہ تعالیٰ خصوصی امتیاز حاصل ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے بعض افکار سے بھی اہلِ دیو بند کو اختلاف تھا، اور آج بھی ہے، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے بعض افکار پر بڑی کڑی تنقید فرمائی ہے، جو ان کی بعض تالیفات میں طبع ہوی ہے لیکن اس کے باوجود مشائخِ دیو بند نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے شخصی احترام واکرام کو اپنی جگہ باقی رکھا۔

چنانچہ علامہ شبیر عثمانی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد وخیالات پر میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔

نہ میں ان کو خودغرض سمجھتا ہوں، لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں، میرے نزدیک وہ اس منزلِ مقصود پر پہنچانے والی نہیں، جس کا نشان انہوں نے ''الہلال'' وغیرہ میں دیا تھا۔

اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے'' (انوارِ عثمانی، ص۲۰۰،

مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مولانا ابوالکلام آزاد سے اختلاف کے باوجود، نہ تو ان کو خود غرض قرار دیا، اور ان ہی ان کی قلب میں عزت کی نفی محسوس کی۔

محمد اکبر شاہ بخاری لکھتے ہیں:

''علامہ عثمانی کے پیغامِ کلکتہ اور خطبۂ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کی وہ عبارت پڑھیے، جس میں علامہ عثمانی نے مسلم لیگ کے حامیوں کو، مولانا حسین

احمد مدنی اور ابوالکلام آزاد جیسی شخصیتوں کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی پُرزور مذمت کی ہے، اوراسی طرح قائدِ اعظم کو کافر کہنے والے کانگریسیوں کی بھی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی۔

علامہ نے لیگ اور کانگریس کے معتقدین اور سیاستدانوں کو حدِّ اعتدال اور دائرۂ تہذیب میں رہ کر کام کرنے کی طرف پورے خلوص اور حسنِ نیت سے توجہ دلائی ہے۔

خطبۂ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں علامہ عثمانی نے، مولانا مدنی کے متعلق تحریر فرمایا:

''بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے، میں اس پر اظہارِ بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا، مولانا کی سیاسی رائے خواہ کیسی ہی ہو، ان کا علم وفضل بہرحال مسلم ہے، اور اپنے نصب العین کے لیے ان کی عزیمت وہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لیے قابلِ عبرت ہے، اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بناء پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے، یا میرے اسلام میں شبہ ہو، تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں''۔

یہ عبارت علامہ کی بلند کرداری اور اعلیٰ انسانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے'' (تذکرہ وسوانح علامہ شبیر احمد عثمانی، اشاعتِ خاص ماہنامہ ''القاسم''، زیرسرپرستی: مولانا عبدالقیوم، ص۲۲۳، درذیل: شیخ الاسلام کے اوصاف وکمالات، از: محمد اکبر شاہ بخاری، مطبوعہ: القاسم اکیڈمی، خالق آباد، نوشہرہ، تاریخِ طباعت: ذی الحجہ 1426ہجری، جنوری 2006ء)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ میرے دل میں حضرت مدنی کا وہ مقام ہے کہ اگر بالفرض نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ حضرت مدنی کو ان کے ایمان واسلام میں شبہ ہو، تب بھی ان کو حضرت مدنی کے ایمان اور ان کی بزرگی میں شبہ نہیں ہوگا۔

شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب (ملتان) مقدمہ تفسیرِ عثمانی، مرتبہ: مولانا محمد اشفاق احمد صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ بعض نادان کانگریس کے حامی طلباء نے گستاخی کی اور غلیظ پرچے حضرت عثمانی کے گھر پھینک دیئے۔

اس اطلاع پر حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی نے نمازِ جمعہ کے بعد دیوبند کی مسجد میں تقریر فرمائی، آپ نے فرمایا:

''میں عرصہ تک بلادِ عربیہ رہا ہوں، مگر جو بات میں نے ہندوستان کے علماء میں دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی، اور ہندوستان کے علماء میں جو بات میں نے دیوبند کے علماء میں دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی، اور دیوبند کے علماء میں جو بات میں نے مولوی شبیر احمد کے اندر دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی، اور میرا خیال ہے کہ جب امت میں کوئی خلل واقع ہوجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ مخصوص بندوں کو بھیج کر اس کی اصلاح کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد انہی لوگوں میں سے ہیں، لہٰذا آئندہ مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی نے گستاخانہ کلمات لکھ کر ان کے مکان میں ڈالے ہیں، تو میں رات کو اُٹھ اُٹھ کر اس کے بعد بددعا کروں گا'' (تذکرہ وسوانح علامہ شبیر احمد عثمانی، اشاعتِ خاص ماہنامہ ''القاسم''، زیر سرپرستی: مولانا عبدالقیوم، ص۱۰۴، درذیل: علامہ عثمانی ایک جامع شخصیت، از: شیخ الحدیث مولانا فیض محمد صاحب ملتان، مطبوعہ: القاسم اکیڈمی، خالق آباد، نوشہرہ، تاریخِ طباعت: ذی الحجہ 1426ہجری، جنوری 2006ء)

علامہ شبیر عثمانی رحمہ اللہ، اپنے ایک مکتوب میں مسلم لیگ کی حمایت اور اس کے حق میں دلائل ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''آخر میں عرض ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے، کسی دوسرے کو اس کا پابند کرنا مقصود نہیں، جو شخص جس جانب کو اصلح سمجھے، اسے اختیار کرلے۔

ہاں میرا مشورہ دریافت کرنے والوں کے لیے یہی ہے، میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں آ سکتا کہ مولانا مدنی اور حضرت مفتی صاحب محض ذاتی مقاصد کی بناء پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں، یا ان حضرات کا اتباع معاذ اللہ کفر ہے، وہ اپنے نزدیک جس چیز کو حق سمجھتے ہیں، اسی کے حامی ہیں، اور اسی کو اپنے استاذ مرحوم کا مسلک سمجھتے ہیں، ہاں ضروری نہیں کہ ان کی یہ رائے حق وصواب ہو، یا دوسرے لوگوں پر ان کی تقلید واجب ہو۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ از دیو بند، 7 ذی الحجہ 1364 ہجری

(انوارِ عثمانی، ص۲۲۳، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

لیکن بہت سے حضرات قیامِ پاکستان کو پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک اس مسئلہ میں اکابر کے عادلانہ ومنصفانہ طرزِ عمل سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فقہی واجتہادی مسائل میں تعصب وتشدد اور افراط وتفریط سے حفاظت فرمائے۔ اور اعتدال وتوسط کو اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ.

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تحاسد تباغض اور تعصب وتحزّب اختیار کرنے کی ممانعت اور اتحاد واتفاق کی اہمیت وتاکید آئی ہے، پھر فقہی واجتہادی امور میں تحاسد تباغض اور تعصب وتحزّب کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اجتہادی وفروعی مسائل میں جو فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہوا ہے، وہ اختلاف نیک نیتی اور شرعی وفقہی دلائل پر مبنی ہونے کی وجہ سے خود مطلوب ومحمود ہے، اس طرح کے فقہی اختلاف سے مختلف افراد وطبقات کے لیے عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں، اس لیے اس اختلاف کو مذموم اور برا نہیں کہا جاتا، بلکہ اس اختلاف کو رحمت قرار دیا جاتا ہے۔

اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہوتا کہ اس طرح کا اجتہادی اختلاف رونما نہ ہو، تو اس طرح کے مجتہد فیہا مسائل کو اتنا مجمل ومبہم انداز میں نہ چھوڑا جاتا، بلکہ ان کو اتنا واضح انداز میں بیان کر دیا جاتا کہ جس کے بعد اجتہاد اور اختلاف کی گنجائش نہ رہ جاتی۔

جس کی وجہ یہی ہے کہ زمانہ کے حالات وضروریات اور اس کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق جزوی اور فروعی مسائل میں تنوع کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک زمانہ اور ایک حالت میں ایک پہلو قابلِ عمل وسہل ہوتا ہے، تو دوسرے زمانہ اور دوسری حالت میں دوسرا پہلو۔

اور اس طرح کے مختلف پہلوؤں کے ہوتے ہوئے ہر زمانہ اور ہر حالت میں حل نکالنا آسان ہوتا ہے۔

اسی لیے فقہائے کرام کے مابین جو فقہی واجتہادی اختلاف واقع ہوا ہے، اسے حق وباطل کا اختلاف قرار نہیں دیا جاتا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں سے ہر قول کی کوئی نہ کوئی شرعی دلیل یا صحابۂ کرام وغیرہ کا قول یا فعل ہوتا ہے۔

اگر اس کو حق و باطل کا اختلاف قرار دیا جائے، تو پھر بعض شرعی دلائل یا بعض صحابۂ کرام کا نعوذ باللہ باطل پر اور بعض کا حق پر ہونا لازم آتا ہے، اور یہ بات درست نہیں، لہٰذا اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ بھی درست نہیں۔

اور فقہی و اجتہادی مسائل میں فقہاء و مجتہدین کے باہمی اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف سمجھنا یا اس کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرنا یا اس کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعصب و تحزّب اختیار کرنا یا ایک دوسرے کی تنقیص و تذلیل کرنا جائز نہیں۔

اور فقہی و اجتہادی مسائل میں جو شخص اپنے اجتہاد کی رُو سے خواہ وہ اجتہاد کسی خاص مسئلہ میں جزئی نوعیت کا ہو، اگر کسی ایسی رائے کو اختیار کرتا یا ترجیح دیتا ہے، جو دوسرے کے نزدیک راجح نہیں، یا اس کی اختیار کردہ نہیں، تو اس پر نکیر و ملامت کرنا اور اپنی رائے کے اختیار کرنے پر اصرار یا جبر کرنا جائز نہیں، بلکہ دوسرے سے محبت و مودت قائم رکھنا ضروری ہے۔

اسی طرح جب کسی دوسرے قول کے متعلق کوئی معتبر دلیل سامنے آجائے، تو اس کی طرف رجوع نہ کرنا اور اپنے سابق قول پر ہٹ دھرمی کرنا یا اپنے آباء و اجداد اور اکابر کا قول ہونے کی وجہ سے، اسی پر ڈٹے رہنا، یہ تعصب اور برے اختلاف میں داخل ہے۔

اور ہدایت تو اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کی مشیت کے بغیر کسی کو ہدایت سے سرفراز ہونا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور افراط و تفریط اور بے جا تعصب و تحزّب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ فقط

وَاللہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

03/ جمادی الاخریٰ/ 1439ھ 20/ فروری/ 2018ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

تفرّد کی حقیقت

مسائلِ اجتہادیہ وفقہیہ اور امورِ انتظامیہ وسیاسیہ میں اختلاف اور ''تفرّد'' کا حکم
فقہی مسائل میں اجماع کی تعریف، جمہور اور مخصوص مشائخ
کے قول کی حیثیت اور ان سے اختلاف کا حکم
فقہ واجتہاد کا مشروع وجاری رہنا
مجتہد کو غیر مجتہد یا دوسرے مجتہد کی موافقت وتقلید کا حکم
فقہی واجتہادی، اور انتظامی وسیاسی امور میں اجتماعیت اور مشورہ کا حکم

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

موجودہ دور میں ہمارے یہاں کے بعض علمی حلقوں میں فقہی واجتہادی مسائل میں ''تفرّد'' کی اصطلاح بہت استعمال ہونے لگی ہے، اور یہ اصطلاح ان حلقوں میں اب ایک ایسا قابلِ گردن زنی الزام بن گیا ہے کہ جس صاحبِ علم وصاحبِ فقہ کی تحقیق کی تردید کے لیے کوئی شرعی وفقہی دلیل نہ ملے، اس کے رَد کے لیے''تفرّد'' کے الزام کو کافی سمجھا جاتا ہے، بلکہ خود اس دعوے کو ہی دلیل بھی سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک تو''تفرّد'' ایسی قابلِ ملامت چیز شمار ہونے لگا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کئی بڑے بڑے جرائم بھی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، اسی وجہ سے جس محقق عالمِ دین کی طرف کسی مسئلہ میں''تفرّد'' کی نسبت کردی جائے، تو اس کی بات اور علمی موقف کے بے وزن وبے اعتبار ہونے کے لیے اس کو کافی سمجھا جاتا ہے، اس کے بعد نہ تو اس کے موقف اور اس کی طرف سے پیش کردہ مضبوط براہین ودلائل کی طرف توجہ کی جاتی، اور نہ ہی یہ دیکھنے کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ مذکورہ موقف کی پشت پر بڑے بڑے فقہاء ومجتہدین تو نہیں کھڑے؟ اور نہ ہی اس طرف توجہ کی جاتی کہ اجتہادی وفقہی مسئلہ میں، کلی یا جزوی اجتہادی درجہ رکھنے والے صاحبِ علم وفقہ کو اپنی رائے ترک کرکے دوسروں کی رائے میں موافقت وتقلید لازم ہے، یا اپنی رائے کی پابندی ضروری ہے؟ ان تمام امور کو نظر انداز کرکے، بلکہ پسِ پشت ڈال کر صرف اور صرف''تفرّد'' اور''تفرّد'' کی گردان رٹی رٹائی جاتی ہے۔

اس صورتِ حال کے نتیجہ میں اب بعض علماء کے نزدیک''تفرّد'' ایک ایسا ہتھیار یا چلتا ہوا سکہ بن گیا ہے کہ جہاں کسی تحقیق کے خلاف کوئی شرعی وفقہی دلیل نہ ہو، وہاں اس ہتھیار یا

سکے کو استعمال کرنا کافی سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ کسی دور میں اہلِ حق کے خلاف ''وہابیت'' بھی اسی طرح کا چلتا ہوا سکہ تھا، اور آج بھی بعض علاقوں میں یہی صورتِ حال ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(ہمارے) ان حضرات پر وہابیت کا الزام لگا کر وہابیت کے نام سے عوام میں اس قدر نفرت پھیلائی گئی کہ شرک وکفر، عیسائیت اور یہودیت ہندویت اور بت پرستی سے مسلم عوام کو اتنی نفرت نہیں ہوئی جتنی کہ وہابیت سے ہوئی۔

مجھ کو بخوبی یاد ہے کہ غالباً 1925 عیسوی یا اسی کے قریبی زمانہ میں پنجاب کے اخباروں میں ایک واقعہ چھپا تھا کہ کسی گاؤں کا امام وہاں کے ایک ہندو بنیے کا مقروض تھا، قرضہ بڑھ گیا تھا، بنیے نے تقاضا کیا اور آئندہ قرض دینا بند کر دیا، امام صاحب نے اس کو سمجھایا، مگر وہ بنیا نہ مانا اور کہا کہ جب تک پہلا قرضہ ادا نہ کردو، میں تم کو کچھ قرض نہ دوں گا۔ امام صاحب دھمکی دے کر چلے گئے اور مسجد میں بعد نمازِ جمعہ اعلان کیا کہ فلاں بنیا وہابی ہو گیا ہے، اس لئے کسی قسم کا معاملہ خرید و فروخت، آمد ورفت کا جائز نہیں ہے۔ تمام باشندگانِ دیہہ نے بنیے کا بائیکاٹ کر دیا۔ بنیا بے چارہ دن بھر دوکان پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا تھا، کوئی آدمی اس کی دوکان پر نہیں آتا تھا، اس نے بعض لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تو وہابی ہو گیا ہے، اس لئے ہم تجھ سے لین دین نہیں کر سکتے۔ بالآخر بنیے نے جا کر امام صاحب سے صلح کی تو امام صاحب نے اگلے جمعہ کو اعلان کر دیا کہ بنیے نے وہابیت سے توبہ کر لی ہے، اب لین دین جاری کردو، چنانچہ بازار کھُل گیا۔ خیال کیجئے کہ بنیے کا ہندو اور بت پرست مشرک ہونا تو لین دین میں حارِج (رکاوٹ) نہ تھا مگر وہابی ہونا حارِج (رکاوٹ) ہو گیا (نقشِ حیات، ج۱ص۱۲۶، ۱۲۷، رسالہ حسام الحرمین کی حقیقت، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

پس اسی طرح موجودہ دور میں بعض علمی حلقوں میں ''تفرّد'' کی اصطلاح کا بھی معاملہ ہو گیا ہے کہ جس عالمِ دین پر ''تفرّد'' کا الزام لگا دیا جائے، تو یہ اس کی تمام تر علمی و تحقیقی خدمات کے قبول ہونے میں حارج و رکاوٹ ہو جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں دوسروں کے بڑے بڑے جرائم حارج و رکاوٹ نہیں ہوتے۔

حالانکہ اہلِ علم حضرات کو کسی عالمِ دین کی طرف بغیر تحقیق و دلیل کے ایسا الزام قائم کرنا جائز نہیں، جس کو بروزِ قیامت وہ کسی دلیل سے ثابت نہ کر سکے، اس طرح کی بے احتیاطی سے اصحابِ علم کو اہتمام کے ساتھ بچنا چاہیے۔

بندہ نے ''تفرّد'' کے عنوان سے بعض علمی حلقوں میں پائے جانے والے مذکورہ طرزِ عمل پر غور کیا، تو فقہی مسائل میں اس ''تفرّد'' کی اصطلاح اور اس کے ساتھ مذکورہ طرزِ عمل میں حقیقت و قوت نظر نہ آئی، بندہ نے متعدد مرتبہ اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس کی، لیکن اس کے متعلق کچھ تحریر کرنے کی نوبت نہ آئی، یہاں تک کہ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں اس پر کچھ تفصیل سے لکھنے کا موقع ملا، جس کو اب ''تفرّد کی حقیقت'' کے عنوان سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس مضمون میں موضوع کے ضروری پہلوؤں کی تحقیق بھی جمع کی گئی ہے، اور مسائلِ شرعیہ وفقہیہ اور امورِ انتظامیہ و سیاسیہ میں اختلاف و تفرّد اور مشورہ پر الگ الگ کلام کیا گیا ہے، تاکہ موضوع کے دیگر پہلو نظر سے اوجھل نہ رہیں۔ اسی کے ساتھ ضمناً بعض دوسرے مسائل مثلاً فقہ و اجتہاد کی اہمیت و مشروعیت پر بھی اجمالاً کلام کیا گیا ہے، باقی اس موضوع کی مزید تفصیل بندہ نے دوسری مفصل تالیف ''فقہ و اجتہاد میں توسع و اعتدال'' کے اندر ذکر کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو ملحوظ رکھے، اور بے اعتدالی و تعصب سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان 16 / ربیع الآخر / 1438ھ 15 / جنوری / 2017ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

تفرّد کی حقیقت

سوال

آج کل بعض علماء کی طرف سے جب کسی مسئلہ کی کوئی ایسی تحقیق آتی ہے، جو وہاں کے علمی ماحول میں پہلے سے متعارف نہیں ہوتا، تو بعض علماء کی طرف سے فوراً اس پر ''تفرّد'' کا حکم لگادیا جاتا ہے، جبکہ وہ رائے فقہی وشرعی اعتبار سے ایسی نہیں ہوتی کہ اجماع سے ہٹ کر الگ رائے ہو، بلکہ بعض فقہاء ومجتہدین کی رائے کے موافق ہوتی ہے، اور بسا اوقات تو جمہور فقہائے کرام کے مطابق وموافق ہوتی ہے، اوراس کے برعکس ''تفرّد'' کاالزام قائم کرنے والوں کی رائے جمہور کے خلاف ہوتی ہے۔

بندہ آپ کی کتب اور تالیفات بھی پڑھتا رہتا ہے، ان میں بھی کہیں ایسی رائے آتی ہے، جس سے بعض علماء اتفاق نہیں کرتے، جب کہ اس کی دلیل بھی مضبوط محسوس ہورہی ہوتی ہے۔

جب اختلاف کرنے والے علماء سے اس کی بابت گفتگو ہوتی ہے، تو وہ اس سلسلہ میں کوئی معقول دلیل پیش کرنے کے بجائے، یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ مفتی صاحب کی ذاتی رائے اوران کا تفرّد ہے، اورانہوں نے اس سلسلہ میں دوسرے اہلِ علم سے مشاورت نہیں کی، اس لیے اس کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

آپ سے اس سلسلہ میں درخواست ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے، اور فقہائے کرام نے کسی جگہ تفرّد کی وجہ سے فقہی مسئلہ کی تردید کی ہو، تو اس کی وضاحت بھی فرمادیں۔

اور ساتھ ہی اس کی توضیح بھی فرمادیں کہ اگر کوئی مسئلہ شرعی وفقہی دلیل پر مبنی ہو، اوراس کی دلیل دوسرے حضرات کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط محسوس ہورہی ہو، لیکن کچھ علماء اس کو تسلیم نہ کریں، اور نہ ہی اس کے مقابلہ میں کوئی معقول دلیل پیش کریں، تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، نیز کیا اجتماعی اجتہاد ضروری ہے، اور کسی عالم وفقیہ کے لیے دوسرے اصحابِ علم

سے مشاورت ضروری ہے۔

امید ہے کہ تفصیل سے وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالی خیر الجزاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

آپ نے سوال میں موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات کی جو حالت بیان کی ہے، وہ واقعہ کے عین مطابق ہے، بندہ بھی ایک عرصہ سے بعض علمی حلقوں کی طرف سے اس طرح کی باتیں سنتا رہا ہے۔

قابلِ تشویش امر یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں کرنے والے بیشتر حضرات وہ ہوتے ہیں، جو فقہی وشرعی دلائل پر نظر بھی نہیں کرتے، بلاسوچے سمجھے ہی ''تفرّد'' کا الزام عائد کردیتے ہیں۔

جبکہ فقہی اعتبار سے اس الزام میں کوئی وزن نظر نہیں آتا، کیونکہ فقہی اعتبار سے تفرّد اس وقت مذموم ہے، جبکہ اس رائے میں اجماعِ امت سے خروج لازم آرہا ہو، لیکن اگر فقہی اعتبار سے کوئی موقف جمہور کے خلاف ہو، تو اکثر اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وہ بھی مذموم نہیں، چہ جائیکہ کوئی رائے اس وجہ سے مذموم قرار دی جائے کہ وہ مخصوص مشائخ اور علماء کے مخصوص گروہ وجماعت کے خلاف ہو، اگرچہ جلیل القدر فقہائے کرام اور اس سے بڑھ کر جمہور کے موافق ہو، اس پر تفرّد کا الزام عائد کرنا، کیسے درست ہوسکتا ہے۔

ورنہ تو بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین مشائخ بھی اس الزام کے مستحق ٹھہریں گے۔

اسی طرح کسی فقیہ اور اجتہادی شان رکھنے والے محقق عالمِ دین کو فقہی واجتہادی مسائل میں، دوسرے فقہاء ومجتہدین سے مشورہ اور ان کی رائے کا پابند سمجھنا بھی درست نہیں، چہ جائیکہ غیر فقیہ وغیر مجتہد حضرات کی رائے کا پابند کیا جائے۔

آگے آپ کے سوال کے متعلقہ امور کی دلائل کے ساتھ الگ الگ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(فصل نمبر 1)

مسائلِ شرعیہ وفقہیہ میں اختلاف وتفرّد کا حکم

اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک دلائلِ شرعیہ چار ہیں، ایک کتابُ اللہ، دوسرے سنتِ رسولُ اللہ، تیسرے اجماع اور چوتھے قیاس۔ [1]

جمہور کے نزدیک فقہی مسائل میں اجماع وہی حجت ہے، جس پر اس زمانہ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہو۔

اگر کسی فقہی مسئلہ میں اکثر اور جمہور علماء وفقہاء کا اتفاق ہو، لیکن بعض کا اختلاف ہو، چاہے وہ اختلاف کسی ایک مجتہد ہی کا کیوں نہ ہو، تو اکثریت اور جمہور کا اتفاق بعض حضرات کے نزدیک تو اجماع کا حکم رکھتا ہے، یا وہ حجت شمار ہوتا ہے، لیکن خود حنفیہ سمیت جمہور اہلِ علم حضرات اس کو اجماع یا حجت نہیں سمجھتے۔

آگے دلائل وحوالہ جات کے ساتھ اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

[1] الأدلة المثبتة للأحكام نوعان :متفق عليه ومختلف فيه .

فالمتفق عليه أربعة وهى :الكتاب والسنة والإجماع والقياس، التى ترجع إليها أدلة الفقه الإجمالية، والمختلف فيه كثير جمعها القرافى فى مقدمة الذخيرة، منها :الاستحسان، والمصالح المرسلة، وسد الذريعة، والعرف، وقول الصحابى، وشرع من قبلنا، والاستصحاب، وإجماع أهل المدينة، وغيرها .

ويقصد بالأحكام :الأحكام التكليفية الخمسة :الوجوب، والندب، والإباحة، والكراهة، والحرمة.

والأحكام الوضعية :كالشرط، والمانع، والسبب ونحوها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١، ص ٢٣، مادة "دليل")

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: كَيْفَ تَصْنَعُ إِنْ عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟قَالَ:أَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ:فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟قَالَ:فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ:فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟قَالَ:أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ، لَا آلُوْ ،قَالَ:فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرِيْ، ثُمَّ قَالَ:اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٢٠٠٧)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا کہ جب آپ کو کوئی مسئلہ پیش آئے گا، تو آپ کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں وہ مسئلہ نہ ملے، تو آپ کیا کریں گے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وہ مسئلہ نہ ملے، تو آپ کیا کریں گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، جس میں کوتاہی نہیں کروں گا، حضرت معاذ کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، اور پھر فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس کام کی توفیق عطاء فرمائی، جس سے اللہ کا رسول راضی ہے (مسند احمد)

مذکورہ حدیث میں سند کے اعتبار سے کمزوری پائی جاتی ہے۔

لیکن ایک تو اہلِ علم حضرات نے اس کو قبول کیا ہے، اور اس سے دلیل پکڑی ہے۔ [1]
دوسرے اس کی تائید بعض دیگر روایات وآثار سے ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت شریح قاضی سے روایت ہے کہ ان کی طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے درجِ ذیل مکتوب لکھ کر بھیجا کہ:

إِنْ جَاءَكَ شَيْءٌ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَاقْضِ بِهٖ وَلَا تَلْفِتُكَ عَنْهُ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده ضعيف لإبهام أصحاب معاذ وجهالة الحارث بن عمرو، لكن مال إلى القول بصحته غير واحد من المحققين من أهلِ العلم، منهم أبو بكر الرازى وأبو بكر بن العربى والخطيب البغدادى وابن قيم الجوزية.
قال الخطيب فى "الفقيه والمتفقه :190-1/189 "إن أهل العلم قد تقبلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك على صحته عندهم كما وقفنا على صحة قول رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" :لا وصية لوارث"، وقوله فى البحر" :هو الطهور ماؤه، الحل ميتته "وقوله: "إذا اختلف المتبايعان فى الثمن والسلعةُ قائمة، تحالفا وترادا البيع "، وقوله" :الدية على العاقلة"، وإن كانت هذه الأحاديث لا تثبت من جهة الإسناد، لكن لما تلقتها الكافة عن الكافة غَنُوا بصحتها عندهم عن طلب الإسناد لها، فكذلك حديث معاذ لما احتجوا به جميعاً غَنُوا عن طلب الإسناد له.
وقال ابن القيم فى "إعلام الموقعين :1/202 "فهذا حديث وإن كان عن غير مُسَمَّيْنَ، فهم أصحاب معاذ، فلا يضره ذلك، لأنه يدل على شهرة الحديث وأن الذى حدث به الحارث بن عمرو، جماعة من أصحاب معاذ، لا واحد منهم، وهذا أبلغ فى الشهرة من أن يكون عن واحد منهم لو سمى، كيف وشهرة أصحاب معاذ بالعلم والدين والفضل والصدق بالمحل الذى لا يخفى؟!
ولا يُعرف فى أصحابه متهم ولا كذاب ولا مجروح، بل أصحابه من أفاضل المسلمين وخيارهم، ولا يشك أهل النقل فى ذلك.
أبو عون :هو محمد بن عبيد الله الثقفى.
وأخرجه الخطيب فى "الفقيه والمتفقه 1/189 "من طريق عبد الله بن أحمد، عن أبيه، بهذا الإسناد.
وأخرجه الترمذى (1328) من طريق محمد بن جعفر، به (حاشية مسند احمد)

الرِّجَالُ، فَإِنْ جَاءَ کَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاقْضِ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ کَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ سُنَّةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَخُذْ بِهِ، فَإِنْ جَاءَ کَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ، فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ بِرأْيِكَ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَتَقَدَّمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَتَأَخَّرَ، فَتَأَخَّرْ، وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَّكَ (سنن الدارمی، رقم الحديث ١٦٩، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة) [1]

ترجمہ: اگر آپ کے پاس کوئی چیز کتاب اللہ میں سے سامنے آجائے، تو اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور لوگ اس سے آپ کی توجہ نہ ہٹائیں (یعنی کتاب اللہ سے ہرگز نہ ہٹیں) پھر اگر وہ بات کتاب اللہ میں نہ ملے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں دیکھیں، اور اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور اگر نہ تو اللہ کی کتاب میں وہ بات ملے، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وہ بات ملے، تو پھر اس کو دیکھیں، جس پر لوگوں کا اجماع ہے، اور اس کو لے لیں، اور اگر وہ چیز نہ تو کتاب اللہ میں ہو، اور نہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو، اور نہ آپ سے پہلے کسی نے کلام کیا ہو (یعنی اس پر اجماع بھی نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا) تو دو کاموں میں سے جس کو چاہیں اختیار کرلیں، اگر چاہیں تو خود اجتہاد کر کے پیش قدمی کریں، اور اگر چاہیں تو خود اجتہاد نہ کریں، بلکہ پیچھے رہیں (اور دوسروں کو اجتہاد اور غور وفکر کے لیے آگے بڑھائیں) اور میرے نزدیک آپ

[1] قال حسين سليم اسد الدارانی: إسناده جيد (حاشية سنن الدارمی)

کے حق میں خود پیچھے رہنا بہتر ہے (سنن الدارمی)

حضرت شریح کے قاضی ہونے کے زمانہ میں جلیلُ القدر تابعین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، اس لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو دوسروں کے مقابلہ میں اجتہاد کے متعلق پیچھے رہنے کی رائے دی، اور ساتھ ساتھ خود اجتہاد کرنے کی اجازت وگنجائش ان جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے بھی دی۔

مذکورہ روایت سے کتابُ اللہ، سنتِ رسولُ اللہ، اجماعِ امت اور قیاس واجتہاد کا حجت ہونا معلوم ہوا، کیونکہ کتاب وسنت اور اجماع سے کوئی مسئلہ ثابت نہ ہونے پر، قیاس کرکے ہی اجتہاد کیا جاتا ہے، اسی کو اجتہاد سے تعبیر کیا گیا۔

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

مذکورہ روایت کی طرح کی روایت حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن عبد الرحمن بن يزيد، قال: أكثروا على عبد الله ذات يوم فقال عبد الله: "إنه قد أتى علينا زمان ولسنا نقضي، ولسنا هنالک، ثم إن الله عز وجل قدر علينا أن بلغنا ما ترون، فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم، فليقض بما في كتاب الله، فإن جاء أمر ليس في كتاب الله، فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم، فإن جاء أمر ليس في كتاب الله، ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم، فليقض بما قضى به الصالحون، فإن جاء أمر ليس في كتاب الله، ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم، ولا قضى به الصالحون، فليجتهد رأيه، ولا يقول: إني أخاف، وإني أخاف، فإن الحلال بين، والحرام بين، وبين ذلک أمور مشتبهات، فدع ما يريبک إلى ما لا يريبک "قال أبو عبد الرحمن: هذا الحديث جيد جيد (سنن النسائي، رقم الحديث ۵۳۹۷، كتاب آداب القضاة، باب الحكم باتفاق أهل العلم)

عن الأعمش، عن القاسم، عن أبيه، عن عبد الله، قال: من عرض له قضاء فليقض بما في كتاب الله، فإن جائه أمر ليس في كتاب الله عز وجل فليقض بما قضى به النبي صلى الله عليه وسلم، فإن جائه أمر ليس في كتاب الله عز وجل ولم يقض به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قاله الصالحون، فإن جائه أمر ليس في كتاب الله ولم يقض به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ اور اس جیسی احادیث وروایات سے کتابُ اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس واجتہاد کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چونکہ اس وقت اصل موضوع اجماع اور شذوذ وتفرّد سے متعلق ہے، اس لیے آگے اس کے متعلق احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں۔

ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَأَلْتُ رَبِّىْ عَزَّ وَجَلَّ أَرْبَعًا فَأَعْطَانِىْ ثَلَاثًا وَمَنَعَنِىْ وَاحِدَةً، سَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَّا يَجْمَعَ أُمَّتِىْ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَّا يُظْهِرَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَعْطَانِيْهَا وَسَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَّا يُهْلِكَهُمْ بِالسِّنِيْنَ كَمَا أَهْلَكَ الْأُمَمَ قَبْلَهُمْ فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَّا يَلْبِسَهُمْ شِيَعًا وَيُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۷۲۲۴، حديث أبى بصرة الغفارى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے (اپنی امت کے لئے) چار دعائیں مانگی، جن میں سے تین مجھے عطا کردی گئیں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نبيه صلى الله عليه وسلم ولم يقض به الصالحون فليجتهد رأيه فإن لم يحسن فليقر ولا يستحى (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۰۳۰، کتاب الأحكام)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه "والقاسم هو: ابن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود "

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لإبهام الراوى عن أبى بَصْرة (حاشية مسند احمد)

ایک روک دی گئی، میں نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ وہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے، تو مجھے یہ عطا کردی گئی، اور میں نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ میری امت پر کوئی بیرونی دشمن غالب نہ آئے، مجھے یہ دعا بھی عطا کردی گئی، اور میں نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے، جیسا کہ پہلی امتوں کو ہلاک کیا گیا، تو مجھے یہ (بھی) عطا کردی گئی، اور میں نے اللہ عزو جل سے دعا کی کہ میری امت کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرے، جس سے وہ ایک دوسرے کا مزہ چکھیں (یعنی اختلاف و پھوٹ کا شکار ہوں) تو اللہ نے مجھے اس سے روک دیا (یعنی امت میں اختلاف اور پھوٹ پڑنے سے بچنے کی دعا قبول نہیں کی گئی، البتہ گمراہی پر جمع نہ ہونے کی دعا قبول کرلی گئی) (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا گمراہی پر اجماع واتفاق ممکن نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول کرلی گئی ہے، لہٰذا جس چیز پر امت کا اجماع ہوگا، وہ یقیناً ہدایت وحق ہوگا، اور اسی وجہ سے وہ حجت ہوگا۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ أَبَدًا وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۹۹، كتاب العلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ میری امت کو کبھی بھی گمراہی پر

---

[1] قال الحاكم: فإبراهيم بن ميمون العدني هذا قد عدله عبد الرزاق وأثنى عليه وعبد الرزاق إمام أهل اليمن وتعديله حجة. وقد روى هذا الحديث، عن أنس بن مالك.

و قال الذهبي في التلخيص: إبراهيم عدله عبد الرزاق ووثقه ابن معين.

جمع نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے(حاکم)

مذکورہ حدیث میں اللہ کے ہاتھ سے، اللہ کی نصرت اور اس کی عنایتِ خاص اور توجہِ خاص مراد ہے، جس میں اس جماعت کی شرور وفتن سے حفاظت اور اس جماعت سے دین کے مختلف کاموں کو انجام دلوانے کی توفیقِ خاص بھی داخل ہے۔ [1]

---

[1] يد الله على الجماعة "، أى: نصرته، ونظر عنايته عليهم دون غيرهم (مرقاة المفاتيح، ج٣، ص ٨٣٩، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها)

(يد الله على) وفى رواية (الجماعة) أى حفظه ووقايته وكلائته عليهم .قال الزمخشرى: يعنى أن جماعة أهل الإسلام فى كنف الله ووقايته فوقهم فأقيموا فى كنف الله بين ظهرانيهم ولا تفارقوهم اه وقال الطيبى: معنى على كمعنى فوق فى آية }يد الله فوق أيديهم {فهو كناية عن النصرة والغلبة لأن من تابع الإمام الحق فكأنما تابع الله ومن تابع الله نصره وخذل أعدائه أى هو ناصرهم ومصيرهم غالبين على من سواهم اه .وقال ابن عربى: حكمة ذلك أن الله لا يعقل إلها إلا من حيث أسمائه الحسنى لا من حيث هو معرى عنها فلا بد من توحيد عينه وكثرة أسمائه وبالمجموع هو الإله فيد الله وهى القوة مع الجماعة .أوصى حكيم أولاده عند موته فقال: إيتونى بجماعة عصى فجمعها وقال: اكسروها مجموعة فلم يقدروا ففرقها وقال: اكسروها ففعلوا فقال: هكذا أنتم لن تغلبوا ما اجتمعتم فإذا تفرقتم تمكن منكم العدو وكذا القائلون بالدين إذا اجتمعوا على إقامة الدين ولم يتفرقوا فيه لم يقهرهم عدو وكذا الإنسان فى نفسه إذا اجتمع فى نفسه على إقامة دين الله لم يغلبه شيطان من إنس ولا جن بما يوسوس به إليه مع مساعدة الإيمان والملك تلميذ له وقضية كلام المصنف أن هذا هو الحديث بتمامه والأمر بخلافه بل بقيته عند مخرجه الترمذى ومن شذ شذ إلى النار اه بنصه ورواه الطبرانى بلفظ يد الله مع الجماعة والشيطان مع من خالف يركض ورجاله كما قال الهيثمى ثقات.

(ت) فى الفتن (عن ابن عباس) قال الترمذى: غريب لا نعرفه عن ابن عباس إلا من هذا الوجه وقد رمز المصنف لحسنه وليس بمسلم فقد قال الصدر المناوى: فيه سلمان بن سفيان المدنى ضعفوه وقال غيره: فيه إبراهيم بن ميمون قال ابن حجر: لكن له شواهد كثيرة منها موقوف صحيح (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٠٠٠٤)

(ويد الله على الجماعة) كناية عن الحفظ أى الجماعة المتفقة من أهل الإسلام فى كنف الله ورعايته (ومن شذ) انفرد عن الجماعة قال الطيبى: ومعنى على كمعنى فوق فى قوله تعالى }يد الله فوق أيديهم {فهو كناية عن النصرة والغلبة لأن من بايع الإمام الحق فكأنما بايع الله ومن بايع الله فإنه ينصره ويخذل أعدائه أى هو ناصرهم ومصيرهم غالبين على من سواهم ومن فارقهم فقد خلع ربقة الطاعة من عنقه وخرج عن نصرة الله فدخل النار قالوا: وفى قوله ومن شذ للعطف على معنى الحصول فى الوجود وتفويض ترتب الثانية على الأولى إلى فهم السامع الزكى الفطن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جماعت سے صحابۂ کرام اور سلف صالحین واہلِ حق کی جماعت مراد ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امت کی اجتماعیت یا اجماع حقانیت کی دلیل ہے۔ [1]

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ (سنن الترمذی، رقم الحديث ٢١٦٧، ابواب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نہیں جمع کرے گا میری امت،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويحتمل لأن يضمن يد الله معنى الإحسان والإنعام بالتوفيق على استنباط الأحكام وعلى الإطلاع على ما كان عليه المصطفى صلى الله عليه وسلم وصحبه من الاعتقاد (شذ إلى النار) أى إلى ما يوجب دخولها فأهل السنة والجماعة هم الفرقة الناجية فالشذوذ الانفراد وشذ عن الجماعة انفرد عنهم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٨١٨)

[1] (ستكون بعدى هنات وهنات) شدائد وعظائم وأشياء قبيحة منكرة وخصلات سوء جمع هنة وهى كناية عما لا يراد التصريح به لشناعته (فمن رأيتموه فارق الجماعة) الصحابة ومن بعدهم من السلف (أو يريد أن يفرق أمة محمد كائنا من كان) أى سواء كان من أقاربى أو غيرهم قال الطيبى: وهذا فيه معنى الشرط (فاقتلوه) فى رواية فاضربوه بالسيف (فإن يد الله مع الجماعة وإن الشيطان مع من فارق الجماعة يركض) فإن الله تعالى جمع المؤمنين على معرفة واحدة وشريعة واحدة ألا تراه يقول: }إنما المؤمنون أخوة {فمن فارقهم خالف أمر الرحمن فلزم الشيطان قال أبو شامة: حيث جاء الأمر بلزوم الجماعة فالمراد به لزوم الحق وإتباعه وإن كان المتمسك به قليلا والمخالف كثيرا أى الحق هو ما كان عليه الصحابة الأول من الصحب ولا نظر لكثرة أهل الباطل بعدهم قال البيهقى: إذا فسدت الجماعة فعليك بما كانوا عليه من قبل وإن كنت وحدك فإنك أنت الجماعة حينئذ (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٤٦٧٢)

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر، اور اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جماعت کے ساتھ، اور جو (امت کے اجماع سے) الگ ہوگیا، وہ جہنم میں بھی الگ ہوکر جائے گا (ترمذی)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ بعض حضرات نے ضعف کا حکم لگایا ہے، لیکن امت کے گمراہی پر جمع نہ ہونے اور جماعت کے ساتھ نصرت ہونے کے مضمون کی تائید، دیگر احادیث و روایات سے ہوتی ہے، اس لیے اس حد تک مذکورہ حدیث کے معتبر ہونے کی گنجائش ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اہلِ علم حضرات کے نزدیک مذکورہ حدیث میں ''جماعت'' سے اہلِ فقہ، اہلِ علم واہلِ حدیث حضرات مراد ہیں۔ [1]

ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

یُسیر بن عمرو سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضَلَالَةٍ (كتاب السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ٨٥، باب ما ذكر عن النبى صلى الله عليه وسلم من أمره بلزوم الجماعة وإخباره أن يد الله على الجماعة) [2]

---

[1] هذا حديث غريب من هذا الوجه وسليمان المدنى هو عندى سليمان بن سفيان، وقد روى عنه أبو داود الطيالسى، وأبو عامر العقدى وغير واحد من أهل العلم،: وتفسير الجماعة عند أهل العلم هم أهل الفقه والعلم والحديث، وسمعت الجارود بن معاذ يقول: سمعت على بن الحسن، يقول: سألت عبد الله بن المبارك: من الجماعة؟ فقال: أبو بكر وعمر، قيل له: قد مات أبو بكر وعمر، قال: فلان وفلان، قيل له: قد مات فلان وفلان، فقال عبد الله بن المبارك: أبو حمزة السكرى جماعة: وأبو حمزة هو محمد بن ميمون وكان شيخا صالحا، وإنما قال هذا فى حياته عندنا (سنن الترمذى، تحت رقم الحديث ٢١٦٧)

[2] قال الالبانى: إسناده جيد موقوف رجاله رجال الشيخين.
والحديث رواه الطبرانى أيضا من طريقين إحداهما رجالها ثقات كما فى "المجمع" 5/219.(ظلال الجنة مع كتاب السنة، لابن ابى عاصم، ج ا، ص ۴۱، تحت رقم الحديث ٨٥)

ترجمہ: میں نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم پر جماعت کا پکڑنا لازم ہے، کیونکہ بے شک اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرماتا (السنۃ)

مذکورہ روایت سے بھی اجماع کی حجیت واہمیت معلوم ہوئی۔

کعب بن اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت کعب بن ابی عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

إِنَّ اللّٰـهَ تَـعَالٰى قَدْ أَجَارَ أُمَّتِىْ مِنْ أَنْ تَجْتَمِعَ عَلٰى ضَلَالَةٍ (كتاب السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ٨٢ ،باب ما ذكر عن النبى صلى الله عليه وسلم من أمره بلزوم الجماعة وإخباره أن يد الله على الجماعة) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ کر دیا ہے (السنۃ)

اس حدیث سے بھی اجماع کا حجتِ شرعی ہونا معلوم ہوا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَجَارَ أُمَّتِىْ أَنْ

[1] قال الالبانی:
حديث حسن إسناده ضعيف سعيد بن زربى منكر الحديث والحسن مدلس وقد عنعنه. لكن الحديث يتقوى بما بعده .وقد خرجتها فى "الصحيحة 1331 "ويأتى له طريق أخرى عن كعب ابن عاصم رقم .92 (ظلال الجنة مع كتاب السنة، لابن ابى عاصم، ج ا، ص ۴۱، تحت رقم الحديث ۸۲)

تَجْتَمِعَ عَلٰی ضَلَالَةٍ (کتاب السنة لابن ابی عاصم، رقم الحدیث ۸۳ ،باب ما ذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أمرہ بلزوم الجماعة وإخبارہ أن ید اللہ علی الجماعة) ؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ بے شک اللہ نے میری امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ کر دیا ہے (السنة)

مذکورہ اور اس جیسی دوسری احادیث وروایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ اجابت گمراہی اور باطل پر متفق ومجتمع نہیں ہوسکتی۔

اور مذکورہ احادیث وروایات سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اجماع بھی شرعی

؎ قال الالبانی:

حدیث حسن إسناده ضعیف مصعب بن إبراهیم منکر الحدیث أیضا لکنه یتقوی بما قبله (ظلال الجنة مع کتاب السنة، لابن ابی عاصم، ج ۱، ص ۴۱، تحت رقم الحدیث ۸۳)

و قال ایضاً:

"إن الله قد أجار أمتی من أن تجتمع علی ضلالة ."

"رواه ابن أبی عاصم فی "السنة "(1 / 2ورقم 79- منسوخة المکتب) عن سعید ابن زربی عن الحسن عن کعب بن عاصم الأشعری سمع النبی صلی الله علیه وسلم: یقول: قلت: سعید بن زربی منکر الحدیث کما فی "التقریب "وسائر رجاله ثقات إلا أن الحسن وهو البصری مدلس وقد عنعنه .ثم رواه من طریق مصعب بن إبراهیم عن سعید بن أبی عروبة عن قتادة عن أنس مرفوعا.

قلت: ومصعب بن إبراهیم هذا منکر الحدیث أیضا کما قال ابن عدی، وساق له حدیثا آخر مما أنکر علیه .وقال الذهبی: " قلت: وله حدیث آخر عن سعید عن قتادة "... قلت: فذکره .ثم رواه (91)من طریق محمد بن إسماعیل بن عیاش: حدثنا أبی عن ضمضم بن زرعة عن شریح بن عبید عن کعب بن عاصم به مرفوعا بلفظ: ...."من ثلاث: أن لا یجوعوا، ولا یجتمعوا علی ضلالة، ولا یستباح بیضة المسلمین ."

قلت: ورجاله ثقات غیر محمد بن إسماعیل بن عیاش، قال أبو داود: لم یکن بذاک . وقال أبو حاتم: لم یسمع من أبیه شیئا، حملوه علی أن یحدث عنه فحدث.

قلت: فالحدیث بمجموع هذه الطرق حسن .انظر "الضعیفة . (1510) (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۱۳۳۱)

حجت ہے۔[1]

معان بن رفاعہ کی سند سے روایت ہے کہ ان سے ابوخلف اعمیٰ نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ أُمَّتِيْ لَنْ تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ الْإِخْتِلَافَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٩٥٠، ابواب الفتن، باب السواد الأعظم)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میری امت ہرگز گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، پس جب تم اختلاف کو دیکھو، تو تم سوادِ اعظم (یعنی کثیر تعداد والوں) کو لازم پکڑلو (ابن ماجہ)

مذکورہ حدیث کی سند کو بعض اہلِ علم حضرات نے ''معان بن رفاعہ'' اور ''ابوخلف

---

[1] والجماعة التى أمر الشارع بلزومها جماعة أئمة العلماء لأن الله تعالى جعلهم حجة على خلقه وإليهم تفزع العامة فى أمر دينها وهم المعنيون بقوله: إن الله لن يجمع أمتى على ضلالة .وقال آخرون: هم جماعة الصحابة الذين قاموا بالدين وفرقوا عماده، وثبتوا أوتاده .وقال آخرون: هم جماعة أهل الإسلام ما كانوا مجتمعين على أمر واجب على أهل الملل اتباعه فإذا كان فيهم مخالف منهم فليسوا مجتمعين.

والحديث سبق فى علامات النبوة وأخرجه مسلم فى الفتن وكذا ابن ماجة (ارشاد السارى، ج١٠، ص ١٨٤، كتاب الفتن، باب كيف الأمر إذا لم تكن جماعة)

– (وعن ابن عمر) : رضى الله عنهما (قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: (إن الله لا يجمع أمتى) أو قال: (أمة محمد على ضلالة) ، قال المظهر: فى الحديث دليل على حقية إجماع الأمة قيل قوله: أو قال أمة محمد شك من الراوى، ولعل هذا أظهر فى الدراية منها لدلالته على أن يكون المنسوب إليه من اسمه محمد يقتضى هذه الفضيلة التى امتازت بها أمته عن سائر الأمم.

وقال ابن الملك: المراد أمة الإجابة، أى: لا يجتمعون على ضلالة غير الكفر، ولذا ذهب بعضهم إلى أن اجتماع الأمة على الكفر ممكن بل واقع إلا أنها لا تبقى بعد الكفر أمة له والمنفى اجتماع أمة محمد على الضلالة، وإنما حمل الأمة على أمة الإجابة لما ورد أن الساعة لا تقوم إلا على الكفار، فالحديث يدل على أن اجتماع المسلمين حق، والمراد إجماع العلماء، ولا عبرة بإجماع العوام لأنه لا يكون عن علم (مرقاة المفاتيح، ج١، ص ٢٦٠، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

اعمی'' کی وجہ سے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]
البتہ بعض حضرات نے مذکورہ حدیث پر شدید ضعیف کے بجائے صرف ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده ضعيف جدا لضعف معان بن رفاعة السلامى، وشيخه أبو خلف الأعمى متروك ورماه ابن معين بالكذب.
وأخرجه عبد بن حميد (1220)، وابن عدى فى ترجمة معان من "الكامل"، واللالكائى فى "اعتقاد أهل السنة(153) "، وأبو نعيم فى "الحلية 238 /9 "من طريق معان بن رفاعة، به.وقوله:" إن أمتى لا تجتمع على ضلالة "صحيح بمجموع شواهده (حاشية سنن ابن ماجه)
و قال ابن عدى:
حدثنا أحمد بن محمد بن عنبسة، حدثنا كثير بن عبيد، حدثنا أبو حيوة، عن معان بن رفاعة، عن أبى خلف الأعمى، عن أنس بن مالك عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن أمتى لا تجتمع على ضلالة فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسواد الأعظم يعنى الحق وأهله.
– وبإسناده؛ النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول إن الإسلام لا يركب إلا ذلولا.
ومعان بن رفاعة عامة ما يرويه، لا يتابع عليه وله غير ما ذكرت من رواية الشاميين عند مثل الوليد بن مسلم، وأبو حيوة شريح بن يزيد ومبشر بن إسماعيل وبقية وغيرهم (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج٨، ص ٣٨، تحت الترجمة: معان بن رفاعة السلامى)
و قال الالبانى:
ثنا محمد بن وصفا ثنا أبو المغيرة عن معاذ بن رفاعة عن أبى خلف الأعمى عن أنس بن مالك قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:
"إن أمتى لا تجتمع على ضلالة فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بسواد "كذا "الأعظم: الحق وأهله."
إسناده ضعيف جدا أبو خلف الأعمى قبل اسمه حازم بن عطاء قال الحافظ: متروك ورماه ابن معين بالكذب.
قلت: والشطر الأول منه صحيح له شواهد كما تقدم بيانه قريبا 81والشطر الآخر ضعيف تقدم بإسناد خير من هذا رقم .80(ظلال الجنة، ج ١، ص ٤١، تحت رقم الحديث ٨٤)
[2] قال الالبانى:
(إن أمتى لن تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسواد الأعظم) .
ضعيف.
﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں اپنے محقق رسالہ ''التدقیق الاقوم فی السواد الاعظم'' میں فرماتے ہیں:

جب سوادِ اعظم یعنی جمیع علمائے امت کسی مسئلہ پر اتفاق کرلیں، تو اس کا اتباع واجب ہے، اور اس سے اجماع کی حجیت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ اختلافِ علماء کے وقت قولِ جمہور کی حجیت۔

اختلاف کے وقت سوادِ اعظم کا اتباع ہونا صرف ابنِ ماجہ کی حدیث سے معلوم ہورہا ہے، جس کا ضعیف ہونا اوپر معلوم ہوچکا ہے، اور حافظ سخاوی نے ابنِ ماجہ کے ساتھ مسند عَبد کی طرف بھی ان الفاظ کو منسوب کیا ہے، مگر مسند عَبد کی سند معلوم نہیں، لیکن اتنا معلوم ہے کہ مسند عبد میں بھی یہ حدیث بروایتِ انس ہے، جس سے ظاہر یہ ہے کہ اس میں بھی ابو خلف اعمیٰ موجود ہے، کیونکہ دارقطنی نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رواه ابن ماجه (3950) ، وابن أبي عاصم في "السنة "(رقم - 84بتحقيقي) ، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند "(133/2) ، واللالكائي في "أصول أهل السنة "(1/105/653) عن معان بن رفاعة السلامي عن أبي خلف الأعمى عن أنس مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد واه بمرة؛ أبو خلف الأعمى قال الحافظ: "متروك، ورماه ابن معين بالكذب ." وقال الدارقطني في "الأفراد :"تفرد بهذا الحديث. ومعان بن رفاعة؛ لين الحديث.

وأخرجه أبو نعيم في "أخبار أصبهان "(2/208) من طريق بقية بن الوليد عن عتبة بن أبي حكيم عن أرطاة بن المنذر عن أبي عون الأنصاري عن سمرة بن جندب مرفوعا به.

قلت :وهذا إسناد ضعيف؛ وفيه علل: الأولى :الانقطاع بين أبي عون الأنصاري وسمرة بن جندب، فإن أبا عون هذا لم يذكروا له رواية عن الصحابة، بل قال ابن عبد البر : " روى عن عثمان مرسلا ."

الثانية :جهالة حال أبي عون هذا؛ فإنه لم يوثقه غير ابن حبان، وقال الحافظ في " التقريب :" "مقبول "يعني عند المتابعة؛ وإلا فلين الحديث.

الثالثة :ضعف عتبة بن أبي حكيم؛ قال الحافظ ":صدوق يخطىء كثيرا ."

الرابعة :عنعنة بقية؛ فإنه كان مدلسا(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٢٨٩٦)

حدیثِ انس مذکور فی ابنِ ماجہ کو افرادِ ابی خلف سے بتایا ہے۔

لہٰذا بایں الفاظ یہ حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔

اور بعد تسلیم کے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیثِ ابنِ ماجہ سے بھی سائل کا مدعیٰ حاصل نہیں، کیونکہ اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ جب علماء میں اختلاف ہو، تو علماء کی جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم ہے، بلکہ اس کا مضمون اس قدر ہے کہ میری امت ضلالت پر مجتمع نہیں ہوسکتی، پس جب تم اختلاف دیکھو، تو سوادِ اعظم کا اتباع کرو۔

ہمارے نزدیک سوادِ اعظم سے صرف علماء مراد ہیں، مطلب یہ ہوا کہ جب جہلائے امت، علماء سے اختلاف کریں، تو علماء کا اتباع واجب ہے، یہ مطلب اس سے نہیں نکلتا کہ علماء میں اختلاف ہو، تو ان کی جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم ہے، بلکہ علماء میں سے ہر واحد کا اتباع جائز ہے، خواہ وہ واحد ہو یا جماعتِ کثیرہ (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۱، کتاب المتفرقات "رسالة التدقيق الاقوم فى تحقيق السواد الاعظم" مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

بختری بن عبید بن سلیمان اپنے والد عبید بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: اِثْنَانِ خَيْرٌ مِّنْ وَاحِدٍ، وَثَلَاثَةٌ خَيْرٌ مِّنَ اثْنَيْنِ، وَأَرْبَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَّجْمَعَ أُمَّتِىْ إِلَّا عَلٰى هُدًى (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۱۲۹۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمی ایک سے بہتر ہیں، اور تین آدمی

دو سے بہتر ہیں، اور چار آدمی تین سے بہتر ہیں، پس تم پر جماعت لازم ہے، کیونکہ بے شک اللہ ہرگز بھی میری امت کو ہدایت کے علاوہ پر جمع نہیں کرے گا (مسنداحمد)

مذکورہ حدیث کی سند کو اہلِ علم حضرات نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده ضعيف جداً، البختری بن عبيد متروک الحديث، وأبوه :عبيد ابن سلمان الطابخی :مجهول.
وأخرجه ابن عساكر فی "تاريخ دمشق /11 "ورقة 19من طريق هشام بن عمار، عن البختری بن عبيد، عن أبيه، عن أبی هريرة .فجعله من حديث أبی هريرة وزاد فيه: "واعلموا أن كلَّ شاطن هوى فی النار ."وانظر ما سيأتی (21560).
ويغنی عنه فی باب لزوم الجماعة ما سلف عن عمر برقم (114) ، وعن أنس بن مالک برقم (13350) . وانظر تتمة شواهده هناک.
وفی باب عدم اجتماع أمة محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على الضلالة :عن أبی بصرة الغفاری سيأتی .6/396وعن أبی مالک الأشعری عند أبی داود (4253) ، وسماه ابن أبی عاصم فی روايته (92) كعب بن عاصم.
وعن ابن عمر عند الترمذی (2167).
وعن أنس عند ابن ماجه (3950) ، وعند ابن أبی عاصم (83) و (84).
وعن ابن عباس عند الحاكم .1/116
وعن ابن مسعود موقوفاً سلف برقم (3600) وفيه :فما رأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسنٌ، وما رأوا سيئاً، فهو عند الله سيِّءٌ وإسناده حسن (حاشية سنن ابن ماجه)
وقال الالبانی:
"اثنان خير من واحد وثلاث خير من اثنين وأربعة خير من ثلاثة، فعليكم بالجماعة، فإن الله عز وجل لن يجمع أمتی على ضلالة ."
موضوع.
أخرجه عبد الله بن أحمد فی "زوائد المسند (145 / 5) "قال: حدثنا أبو اليمان حدثنا ابن عياش عن البختری بن عبيد بن سليمان عن أبيه عن أبی ذر عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه
قال: فذكره .قلت: وهذا موضوع، آفته البختری، هذا قال أبو نعيم: " روى عن أبيه عن أبی هريرة موضوعات ."وكذا قال ابن حبان: " ذاهب، لا يحل الاحتجاج به إذا انفرد، وليس بعدل، فقد روى عن أبيه عن أبی هريرة نسخة فيها عجائب ."وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بر سبیلِ تسلیم مذکورہ اور اس جیسی احادیث میں جماعت سے تمام اہلِ اسلام یا امت کا اجماع مراد ہے کہ اس سے کسی کا کٹنا گمراہی ہے، تو اس طرح کی احادیث سے بھی اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر جماعت سے امورِ انتظامی وسیاسی میں مسلمان حکمران کی جماعت مراد لی جائے، تو الگ بات ہے، اس کا حکم دوسری فصل میں آتا ہے۔ [1]

اس کے بعد عرض ہے کہ جمہور اہلِ علم حضرات کے نزدیک ہر دور کے اجماع کے لیے اس دور کے تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے، البتہ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأزدی: " كذاب ساقط ."ولخص ذلک الحافظ بقوله فی "التقريب " :"ضعيف متروک ."

قلت: وأبوه عبيد بن سليمان، لا يعرف، قال أبو حاتم: " مجهول ."وابن عياش، وهو إسماعيل الحمصی، ضعيف فی روايته عن الشاميين، وهذه منها .والحديث قال الهيثمی فی "مجمع الزوائد " : (177 / 1) "رواه أحمد، وفيه البختری بن عبيد بن سليمان، وهو ضعيف ."

قلت: عزوه لأحمد خطأ، تبعه عليه السيوطی فی "الجامع "، ومشى ذلک على المناوی! والصواب عزوه لابنه عبد الله، فإنه من حديثه، وليس من حديث أبيه ثم إنه وقع فی إسناده عند المناوی تحريف غير مطبعی، فالبختری صار عنده "أبو البختری ."ووقع فيه خطأ مطبعی آخر، فقال: " وأبو عبيدة تابعی لا يعرف ."وإنما هو: " وأبو عبيد !"لكن الجملة الأخيرة من الحديث صحيحة لها شواهد ذكرت بعضها فی " ظلال الجنة . (84 - 80) "(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۱۷۹۷)

[1] (يد الله على الجماعة) أی حفظه وكلائته عليهم يعنی أن جماعة اهل الاسلام فی كنف الله فأقيموا فی كنف الله بين ظهرانيهم ولا تفارقوهم وتمامه عند مخرجه ومن شذ شذ الى النار أی من خرج عن السواد الاعظم فی الحلال والحرام الذی لم تختلف فيه الأمة فقد زاغ عن سبيل الهدى وذلک يؤديه الى دخول النار.

(ت عن ابن عباس) باسناد ضعيف لكن له شواهد (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوی، ج۲، ص ۷۰۵، حرف الياء)

سيكون بعدی هنات وهنات قال فی النهاية أی شرور وفساد فإن يد الله على الجماعة قال فی النهاية يد الله كناية عن الحفظ أی أن الجماعة المتفقة من أهل الإسلام فی كنف الله ووقايته (حاشية السيوطی على سنن النسائی، ج۷، ص ۸۲، كتاب تحريم الدم)

اجماع بھی کافی اور معتبر ہے۔ [1]

اجماع کی ایک قسم ''اجماعِ سکوتی'' ہے، اجماعِ سکوتی کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے تمام مجتہدین تک اس کی شہرت پہنچ جائے، اور وہ اس کی مخالفت نہ کریں۔

جبکہ بعض حضرات اس اجماعِ سکوتی کو حجت بھی نہیں مانتے، بعض حضرات استقرارِ مذاہب سے پہلے کے مجتہدین کے سکوت کو تو اجماع مانتے ہیں، بعد میں اس کو اجماع نہیں مانتے ''**لأنه لا وجه للإنكار على صاحب مذهب في العمل على موجب مذهبه**''

نیز اجماع کے تواتر کی سند سے پہنچنے نہ پہنچنے کی وجہ سے بھی اس حکم پر فرق پڑ جاتا ہے۔ [2]

---

[1] والإجماع في اصطلاح الأصوليين :اتفاق جميع المجتهدين من أمة محمد صلى الله عليه وسلم في عصر ما بعد عصره صلى الله عليه وسلم على أمر شرعي، والمراد بالأمر الشرعي :ما لا يدرك لولا خطاب الشارع، سواء أكان قولا أم فعلا أم اعتقادا أم تقريرا.

بيان من ينعقد بهم الإجماع:

جمهور أهل السنة على أن الإجماع ينعقد باتفاق المجتهدين من الأمة، ولا عبرة باتفاق غيرهم مهما كان مقدار ثقافتهم، ولا بد من اتفاق المجتهدين ولو كانوا أصحاب بدعة إن لم يكفروا ببدعتهم، فإن كفروا بها كالرافضة الغالين فلا يعتد بهم، وأما البدعة غير المكفرة أو الفسق فإن الاعتداد بخلافهم أو عدم الاعتداد فيه خلاف وتفصيل بين الفقهاء والأصوليين موضعه الملحق الأصولي.

وذهب قوم إلى أن العبرة باتفاق الخلفاء الراشدين فقط، لما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال :عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ . وهذا خبر آحاد لا يفيد اليقين، وعلى فرض التسليم فإنه يفيد رجحان الاقتداء بهم لا إيجابه، وقال قوم إن الإجماع هو إجماع أهل المدينة دون غيرهم، وهذا ظاهر مذهب مالك فيما كان سبيله النقل والتواتر، كبعض أفعاله صلى الله عليه وسلم كالأذان والإقامة وتحديد الأوقات وتقدير الصاع والمد وغير ذلك مما يعتمد على النقل وحده لا على الاجتهاد، وما سبيله الاجتهاد فلا يعتد عنده بإجماعهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ٤٨، مادة ''إجماع'')

[2] الإجماع حجة قطعية على الصحيح، وإنما يكون قطعيا حيث اتفق المعتبرون على أنه إجماع، لا حيث اختلفوا، كما في الإجماع السكوتي وما ندر مخالفه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ٤٩، مادة ''إجماع'')

يتحقق الإجماع السكوتي إذا أفتى بعض المجتهدين في مسألة اجتهادية، أو قضى، واشتهر ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے حوالہ جات

اب اجماع کے سلسلہ میں فقہاء وعلماء کی چند عبارات وحوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بين أهل عصره، وعرفه جميع من سواه من المجتهدين، ولم يخالفوه، واستمرت الحال على هذا إلى مضى مدة التأمل، وقد ذهب أكثر الحنفية وبعض الشافعية إلى أنه إذا تحقق ذلك فهو إجماع قطعي، وإنما يكون إجماعا عندهم حيث لا يحمل سكوتهم على التقية خوفا .
وموضع اعتبار سكوتهم إجماعا إنما هو قبل استقرار المذاهب، وأما بعد استقرارها فلا يعتبر السكوت إجماعا؛ لأنه لا وجه للإنكار على صاحب مذهب فى العمل على موجب مذهبه، وذهب أبو هاشم الجبائى إلى أنه حجة وليس إجماعا.
وذهب الشافعية إلى أنه ليس بحجة فضلا أن يكون إجماعا، وبه قال ابن أبان والباقلانى وبعض المعتزلة وأكثر المالكية وأبو زيد الدبوسي من الحنفية، والرافعي والنووى من الشافعية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢،ص٥٠،مادة "إجماع")
الإجماع السكوتى هو أن يقول بعض أهل الاجتهاد بقول وينتشر ذلك فى المجتهدين من أهل ذلك العصر فيسكتون، ولا يظهر منهم تصريح بالقول ولا الإنكار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص١٤٥،مادة "سكوت")
إذا لم تكن الآية أو الخبر المتواتر قطعى الدلالة أو لم يكن الخبر متواترا، أو كان قطعيا لكن فيه شبهة أو لم يكن الإجماع إجماع الجميع أو كان ولم يكن إجماع الصحابة أو كان ولم يكن إجماع جميع الصحابة أو كان إجماع جميع الصحابة ولم يكن قطعيا بأن لم يثبت بطريق التواتر أو كان قطعيا لكن كان إجماعا سكوتيا ففى كل من هذه الصور لا يكون الجحود كفرا يظهر ذلك لمن نظر فى كتب الأصول(رد المحتار على الدر المختار، ج٤،ص٢٢٣، كتاب الجهاد،باب المرتد)
والسكوت انما يكون دليلا على الموافقة قبل تقرر المذاهب (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج٢،ص٣٤،الكلام على الاصول الاربعة، الاصل الاول :الكتاب، الفصل الاول فى التاويل، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ:1423هـ .2002ء)
المذاهب إذا تقررت وعرف أهل كل مذهب لا وجه للإنكار على صاحب مذهب فى العمل على موجبه (تيسير التحرير، ج٣، ص ٢٥٠، الباب الرابع فى الاجماع)
والذى ترجح عندى أن ما سمى بالإجماع السكوتى ليس إجماعا، لأن السكوت ليس صريحا فى الموافقة فلا يكون إجماعا لافتقاره إلى عنصر الموافقة الذى هو قيد رئيس فى تحقق الإجماع، وليس حجة لأنه اتفاق بعض الأمة، والعصمة من الخطأ إنما ثبتت للأمة كافة وليس لبعضها فلا يكون حجة والله أعلم (الاجماع فى الشريعة الاسلامية، ص ٧٦، المبحث الاول، انواع الاجماع)

''کشفُ الاسرار '' کاحوالہ

''اُصول البزدوی '' کی شرح ''کشفُ الاسرار ''میں ہے کہ:

کسی شرعی مسئلہ پر اجماع منعقد ہونے کے لیے کیا اس زمانہ کے تمام مجتہدین و فقہاء کا اتفاق ضروری ہے، یا اکثر کا اتفاق کافی ہے، اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے۔

جمہور کے نزدیک تمام فقہاء و مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے، البتہ جن حضرات میں اُس مسئلہ کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہیں، ان کا اتفاق ضروری نہیں۔

جبکہ جمہور کے علاوہ بعض حضرات مثلاً محمد بن جریر طبری کے نزدیک، اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور بعض معتزلہ کے نزدیک کسی شرعی مسئلہ پر اجماع منعقد ہونے کے لیے تمام مجتہدین وفقہاء کا اتفاق ضروری نہیں، بلکہ اکثر کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد ہوجاتا ہے، جبکہ مخالفت کرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہو، اور بعض نے فرمایا کہ اگر مخالفت کرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہونے کے باوجود، تواتر کے عدد کو پہنچ جائے، تو پھر اجماع منعقد نہیں ہوتا، ورنہ منعقد ہوجاتا ہے۔

ان (جمہور کے علاوہ دیگر) حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں ایک کے مقابلہ میں جماعت کو، اور تھوڑے کے مقابلہ میں زیادہ کو اور بعض احادیث میں ''سوادِ اعظم'' کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے (جن سے جمہور اور اکثر کے قول کا اجماع یا حجت ہونا ظاہر ہوتا ہے)

لیکن جمہور کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ ''سوادِ اعظم'' سے عامۃ المومنین مراد ہیں، یا سوادِ اعظم (اور اسی طرح جماعت) سے تمام حضرات کا اجماع مراد ہے، تاکہ تمام دلائل میں اتفاق ہوجائے۔

اور جمہور کی مخالفت کرنے والے پر شذوذ کی وعید صادق نہیں آتی، بلکہ شاذ اس کو کہا جاتا ہے، جو موافقت کے بعد مخالفت کرے، یعنی اجماع منعقد ہونے کے بعد اس سے علیٰحدگی اختیار کرے (یا پھر اجماع کے بعد اس سے الگ موقف رکھے، جیسا کہ آگے آتا ہے) [1]

---

[1] (وقال بعض الناس لا يشترط اتفاقهم) يحتمل أن الشيخ -رحمه الله -ذكر هذا الكلام على سبيل المنع لما قاله الشافعي بعدما أجاب عنه كما ذهب إليه بعض الشارحين، يعنى ما ذكر الشافعي أنه ما كان ينعقد إجماعهم فى الابتداء إلا به ممنوع أيضا على قول من لم يشترط فى الإجماع اتفاق الجميع بعدما أجبنا عنه وفرقنا بين الابتداء والبقاء ويجوز أنه ذكر على سبيل الدرج والاستطراد؛ فإن كلامه لما آل إلى أن خلاف البعض فى الابتداء مانع ذكر الخلاف الذى فيه، وقال هذا عندنا، وهو مذهب الجمهور أيضا.

وقال بعض الناس مثل محمد بن جرير الطبرى وأحمد بن حنبل فى إحدى الروايتين عنه وأبى الحسين الخياط من المعتزلة أستاذ الكعبى :لا يشترط فى انعقاد الإجماع اتفاق الجميع بل ينعقد باتفاق الأكثر مع مخالفة الأقل، وقال بعضهم :إن كان الأقل قد بلغ عدد التواتر منع خلافه من انعقاد الإجماع، وإلا فلا.

ونقل عن أبى عبد الله الجرجانى وأبى بكر الرازى من أصحابنا أن الجماعة إن سوغت الاجتهاد للمخالف فيما ذهب إليه كان خلافه معتدا به مثل خلاف ابن عباس -رضى الله عنهما -فى توريث الأم ثلث جميع المال مع الزوج والأب أو مع المرأة والأب وخلاف أبى بكر -رضى الله عنه -فى قتال مانعى الزكاة وإن لم يسوغوا له ذلك الاجتهاد لا يعتد بخلافه، مثل خلاف ابن عباس فى تحريم ربا الفضل وخلاف أبى موسى الأشعرى فى أن النوم ينقض الوضوء ، وهو اختيار شمس الأئمة -رحمه الله .-وقيل يكون قول الأكثر حجة ولا يكون إجماعا، وهو اختيار بعض المتأخرين تمسك من لم يعتبر خلاف الأقل بقوله -عليه السلام -عليكم بالسواد الأعظم والسواد الأعظم عامة المؤمنين وأكثرهم لا جميعهم فدل هذا الخبر على أن الواحد المنفرد بقوله مخطء، وأن قول الأقل لا يعارض قول الجماعة وبقوله -عليه السلام -يد الله مع الجماعة فمن شذ شذ فى النار كان لفظ الأمة الوارد فى قوله -عليه السلام -لا تجتمع أمتى على الضلالة يصح إطلاقه على أهل العصر وإن شذ واحد منهم أو اثنان كما يقال :بنو تميم يحمون الجار، ويراد أكثرهم .ويقال :رأيت بقرة سوداء وإن كانت فيها شعرات بيض وبأن الأمة فى خلافة أبى بكر اعتمدت على الإجماع، وقد خالف جماعة منهم سعد بن عبادة وعلى وسليمان -رضى الله عنهم -ولم يعتدوا بخلافهم وبأن خبر الجماعة إذا بلغت حد التواتر مفيد للعلم مقدم على خبر الواحد، فكذا فى باب الاجتهاد وبأن الصحابة أنكرت على ابن عباس خلافه فى ربا الفضل، ولو لم يكن اتفاق الأكثر حجة لما جاز لهم الإنكار عليه لكونه مجتهدا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

التقرير والتحبير کا حوالہ

ابنِ امیر حاج ''التقریر والتحبیر'' میں فرماتے ہیں کہ:

جب تک اہلِ اجماع میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت برقرار رہے گی، اس وقت تک اجماع منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال باقی ہوگا کہ حق اس ایک کے ساتھ ہی ہو، اور مجتہد کے خاطی اور مصیب دونوں میں سے کسی ایک کے ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

اور بعض احادیث میں جو جماعت سے الگ ہونے اور شذوذ اختیار کرنے پر وعید آئی ہے، وہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ پہلے کوئی دوسروں کے ساتھ متفق ہوجائے، اور اجماع منعقد ہوجائے، اور اس کے بعد ان سے علیٰحدگی اور شذوذ اختیار کرلے، کیونکہ اجماع صحیح ہونے کے بعد، اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں، لیکن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومتمسك الجمهور ما أشار إليه الشيخ في الكتاب وتقريره أن الإجماع عرف حجة بالدلائل السمعية من نحو قوله تعالى (ويتبع غير سبيل المؤمنين)(وكذلك جعلناكم أمة وسطا)(كنتم خير أمة)وقوله -صلى الله عليه وسلم -لا تجتمع أمتي على الضلالة وهذه النصوص بحقيقتها تتناول كل أهل الإجماع فما بقي واحد من أهل الإجماع مخالفا لهم لا ينعقد الإجماع.

(وتأويل قوله -عليه السلام -) جواب عن تمسك الخصم فقال :المراد من السواد الأعظم عامة المؤمنين أي جميعهم، ولهذا قال وكلهم تفسيرا وتأكيدا للعامة؛ لأن هذا اللفظ يطلق على الأكثر ممن هو أمة مطلقة أي ممن هو من الأمة على الإطلاق وهم المؤمنون الذين ليس فيهم أهواء وبدع؛ فإن الكفار وأهل الأهواء ليسوا من الأمة على الإطلاق بل هم أمة دعوة لا أمة متابعة.

وذكر في الميزان أن المراد من السواد الأعظم هو الكل الذي هو أعظم مما دون الكل ويجب الحمل عليه توفيقا بين الدلائل السمعية كلها أو المراد من متابعة السواد الأعظم متابعة الأكثر، ولكن فيما إذا وجد الإجماع من جميع أهله، ثم خالف البعض بشبهة اعترضت لهم، لأن رجوعهم ليس بصحيح بعد صحة الإجماع وانعقاده، وهو الجواب عن قوله من شذ شذ في النار؛ لأن الشاذ من خالف بعد الموافقة يقال: شذ البعير وند إذا توحش بعدما كان أهليا (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، ج٣، ص ٢٤٥ الى ٢٤٧، باب الاجماع، باب شروط الإجماع)

پہلے سے ہی کسی فقہی مسئلہ میں الگ رائے رکھنے والے کے لیے یہ وعید نہیں۔ [1]

تیسیرُ التحریر کا حوالہ

امیر بادشاہ حنفی نے ''تیسیر التحریر'' میں فرمایا کہ:

جمہور کے نزدیک اجماع کے لیے اس زمانہ کے تمام اہلِ اجتہاد کا اتفاق ضروری ہے، البتہ غیر اہلِ اجتہاد کا اتفاق ضروری نہیں۔ [2]

پھر مزید توضیح کرتے ہوئے امیر بادشاہ حنفی نے ''تیسیر التحریر'' میں فرمایا کہ:

---

[1] فما دام واحد من أهل الإجماع مخالفا لهم لم ينعقد الإجماع لاحتمال أن يكون الحق معه؛ لأن المجتهد يخطء ويصيب وما ثبت غير معقول المعنى يجب رعاية جميع أوصاف النص فيه والنص يتناول كل أهل الإجماع (أو) معقول المعنى لزم إصابتهم (إكراما لهم) والأكثر ليسوا كل الأمة (واستدلال المكتفي بالأكثر) في انعقاد الإجماع لهم ما تقدم من قوله -صلى الله عليه وسلم -يد الله مع الجماعة فمن شذ شذ في النار مفاده منع الرجوع بعد الموافقة) إلى عدمها (من شذ البعير) وند إذا توحش بعد ما كان أهليا فالشاذ من خالف بعد الموافقة لا من لم يوافق ابتداء فلا حجة فيه على أن من لم يوافق ابتداء لا عبرة بعدم وفاقه فإذن (فالجماعة الكل، وكذا السواد الأعظم) المراد من متابعته متابعة الأكثر فيما إذا وجد الإجماع من جميع أهله، ثم خالف البعض لشبهة اعترضت؛ لأن رجوعه بعد صحة الإجماع ليس بصحيح والسواد الأعظم الكل إذ هو أعظم مما دونه توفيقا بين الأدلة السمعية كلها(التقرير والتحبير،لابن أمير حاج، ج٣،ص ٩٥،الباب الرابع في الإجماع)

[2] الباب الرابع في الإجماع: (الإجماع العزم والاتفاق لغة) على كذا، يعني تارة يراد به العزم فيقال فلان أجمع على كذا إذا عزم عليه، وتارة يراد به الاتفاق فيقال أجمع القوم على كذا :أي اتفقوا، والثاني بالمعنى الاصطلاحي أنسب .وعن الغزالي أنه مشترك لفظي، وقيل أن المعنى الأصلي له العزم، والاتفاق لازم ضروري إذا وقع من جماعة .(واصطلاحا اتفاق مجتهدي عصر من أمة محمد صلى الله عليه وسلم على أمر شرعي) إضافة مجتهدي عصر استغراقية فتفيد اتفاق جميعهم كما هو قول الجمهور، فلا يصدق التعريف على قول مجتهد منفرد في عصره بأمر شرعي، وعلم بذلك أن لا عبرة بمخالفة غير المجتهد :كما لا عبرة باتفاق غير المجتهدين .قيل عدم اعتبار العامي في الإجماع بالاتفاق، وقيل القاضي أبو بكر يعتبر اتفاقه، والمراد الإجماع الخاص الذي هو أحد أدلة الأحكام، وقد يطلق الإجماع ويراد به ما يعم الكل كالإجماع على أمهات الشرائع كالصلاة والزكاة وتحريم الربا وهو خارج المبحث، وإنما لم يعتبر قول العامي لأنه بغير دليل فلا يعتد به مع أنه لو اعتبر قول العوام لا يتحقق الإجماع لعدم إمكان ضبطهم لانتشارهم شرقا وغربا، وأما من حصل علما معتبرا من فقه أو أصول فمنهم من اعتبر اتفاقه أيضا، والجمهور على عدم اعتباره(تيسير التحرير،لأمير بادشاه الحنفي، ج٣،ص ٢٢٤،الباب الرابع في الإجماع)

نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امتِ محمدیہ یا اہلِ علم کا گمراہی پر اتفاق ممکن نہیں، اس لیے اجماع کے لیے اس مسئلہ کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کا اتفاق ضروری ہے، اور شذوذ اختیار کرنے کی جو وعید ہے، وہ اہلِ اجماع کے ساتھ موافقت کرنے کے بعد مخالفت اختیار کرنے کی صورت میں ہے۔ [1]

علامہ شوکانی کا حوالہ

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

إذا خالف أهل الإجماع واحد من المجتهدين فقط فذهب الجمهور إلى أنه لا يكون إجماعا ولا حجة، قال الصيرفي: ولا يقال لهذا شاذ؛ لأن الشاذ من كان في الجملة ثم شذ "عنهم (إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول للشوكاني، ج ١، ص ٢٣٤، المقصد الثالث، الفصل التاسع عشر: مخالفة واحد من المجتهدين لأهل الإجماع)

ترجمہ: جب مجتہدین میں سے کوئی ایک بھی اہلِ اجماع کی مخالفت کرے، تو جمہور اس طرف گئے ہیں کہ وہ اجماع نہیں کہلائے گا، اور نہ ہی حجت شمار ہوگا،

---

[1] (فالأدلة إنما توجبه) أى الإجماع (فى الأمة) أى توجب حجيته فيهم حال كون الأمة (غير معقول لزوم إصابتهم) وما ثبت غير معقول المعنى يجب رعاية جميع أوصاف النص فيه، والنص يتناول كل أهل الأجماع فالحاصل إنما عرفنا بالنص أن الحق لا يتجاوزهم، فإن خرج واحد منهم عن الاتفاق جاز أن يكون الحق معه، وصح أن الحق لم يتعداهم (أو إكراما لهم) معطوف على غير معقول يعنى أو معقول لزوم إصابتهم لكونه إكراما للكل، والأكثر ليس بكل، (واستدلال المكتفى بالأكثر) فى انعقاد الإجماع قوله صلى الله عليه وسلم (يد الله مع الجماعة، فمن شذ شذ فى النار مفاده منع الرجوع بعد الموافقة) أى المخالفة، لأنه مأخوذ (من شذ البعير) وند إذا توحش بعد ما كان أهليا، فالشاذ من خالف بعد الموافقة، لا من لا يوافق ابتداء ، وإذا عرفت أنه ليس المراد بمن شذ الأقل فى مقابلة الأكثر ليكون المراد من الجماعة الأكثر (فالجماعة) المذكورة فى قوله يد الله مع الجماعة (الكل وكذا السواد الأعظم) المذكور فى عليكم بالسواد الأعظم الكل إذ هو أعظم مما دونه، وإنما وجب الحمل عليه توفيقا بين الأدلة(تيسير التحرير،لأمير بادشاه الحنفى، ج٣،ص ٢٣٨ ،الباب الرابع فى الإجماع)

صیرفی نے فرمایا کہ اس کو شاذ بھی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ شاذ وہ ہے کہ جو پہلے اُن (اہلِ اجماع) میں شامل ہو، پھر ان سے علیحدگی اختیار کر لے (ارشاد الفحول)

علامہ سمرقندی کا حوالہ

علاء الدین ابو بکر محمد بن احمد سمرقندی (المتوفیٰ: ۵۳۹ ہجری) نے "**میزان الاصول فی نتائج العقول**" میں فرمایا کہ:

اکثر علماء کے نزدیک اجماع صحیح ہونے کے لیے نزولِ حادثہ کے وقت تمام اہلِ اجتہاد کا اجتماع شرط ہے، یہاں تک کہ صحابۂ کرام کا اجماع بھی اس وقت تک منعقد نہیں کہلائے گا، جب تک اہلِ اجتہاد میں سے کوئی ایک بھی مخالف ہو، یہی حکم ہر زمانہ میں اجماع کے متعلق ہے۔

اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اجماع کے لیے اکثر اہلِ اجتہاد کا اجتماع شرط ہے، اقل کی مخالفت کا اعتبار نہیں۔

جمہور کے قول کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس طرح حق کے اکثر کے ساتھ ہونے کا احتمال ہے، اسی طرح اقل (یعنی کم یا ایک) کے ساتھ بھی ہونے کا احتمال ہے، کیونکہ ہر مجتہد کا اجتہاد (خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ) صواب اور خطاء، دونوں کا احتمال رکھتا ہے، اور محتمل چیز دوسرے پر حجت نہیں ہوا کرتی۔

اور شاذ کا اطلاق اس پر آتا ہے، جو موافقت کے بعد مخالفت کرے، لہٰذا جب تک سب مجتہدین کا اجماع نہ ہو، اس وقت تک الگ رائے رکھنے والے کو شذوذ اور تفرّد اختیار کرنے والا قرار نہیں دیا جائے گا۔ [1]

---

[1] اجتماع جميع أهل الاجتهاد وقت نزول الحادثة شرط صحة الإجماع عند عامة العلماء، حتى لا ينعقد إجماع الصحابة إذا كان فيهم مخالف واحد من أهل الاجتهاد .وكذا في إجماع كل عصر.
وقال بعضهم: إن اجتماع الأكثر من أهل الاجتهاد شرط، ولا عبرة لمخالفة الأقل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ حجر کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فهم احتجوا:– بما روى عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه قال: " عليكم بالسواد الأعظم ." وقال عليه السلام: " عليكم بملازمة الجماعة ."وقال عليه السلام: " من خالف الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه ."ولا شك أنه ليس المراد به الكل.

– ولأن قول الواحد إذا كان مخالفًا لقول جميع أهل عصره يسمى قولا شاذاً، ويسمى المخالف أيضًا شاذاً، وإنه اسم ذم وتعيير علي ما روى عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه قال : "من شذ شذ فى النار ."ولو كان مخالفته جائزاً للجماعة عند مخالفة اجتهاده اجتهادهم، لم يكن لهذا الوعيد الشديد معنى.

– ولأن الصحابة رضى الله عنهم أنكروا على ابن عباس رضى الله عنه فى انفراده بإباحة ربا الفضل، حتى روى أنه رجع إلى قولهم.

– ولأن إجماع أهل العصر حجة فى هذا العصر، كما هو حجة فيما بعده من الأعصار، فلابد من أن يكون فيه من يخالفهم، حتى يكون حجة فى حقه وذلك فيما قلنا.

وأما عامة العلماء [فقد] احتجوا وقالوا:– إنما عرفنا كون الإجماع حجة بالدلائل السمعية من نحو قوله تعالى: " ويتبع غير سبيل المؤمنين ". وقوله تعالى " .كنتم خير أمة أخرجت للناس ". وقوله عليه السلام:" لا تجتمع أمتى على الضلالة ". وهذه النصوص تتناول كل أهل الإجماع، فإن أكثر الأمة بعض المؤمنين لا كلهم، وكذا بعض الأمة .واسم "الأمة "واسم "المؤمنين "للكل بطريق الحقيقة، لأن إطلاق اسم البعض على الكل بطريق المجاز – ألا ترى أن من قيل بعد خلاف الواحد أو الاثنين إن هؤلاء ليسوا كل الأمة ولا كل المؤمنين، يكون صادقاً فى مقالته، ولو كان اسم الكل يقع على الأكثر بطريق الحقيقة، لكان هذا القائل فى هذا الإخبار كاذباً.

– ولأن فى الصحابة من تفرد بأقاويل خالف فيها جميع الصحابة، كتفرد ابن عباس وابن مسعود رضى الله عنهما، بمسائل فى الفرائض، وغيرهما، ولم ينكر عليهم أحد .ولو انعقد الإجماع بقول الأكثر، صار قول الأقل خلاف الإجماع، فى جب أن ينكروا عليهم .وكذا لا يظن بالصحابى أيضاً أنه يخالف الإجماع .فكان هذا إجماعاً من الصحابة على أن الإجماع لا ينعقد إلا باجتماع كل أهل الاجتهاد، وقت الإجماع، وإجماع الصحابة حجة قاطعة.

وأما إنكار الصحابة على ابن عباس، [ف] ليس لأنه تفرد بالخلاف للصحابة، ولكن لأنه خالف الحديث الوارد فى الباب، وهو حديث أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه: أنه – صلى الله عليه وسلم – قال : "الحنطة بالحنطة "ولم يشاور الصحابة، حتى عرف الحديث، ولهذا رجع لما بلغه الحديث.

وأما المعقول، فهو أنه يحتمل أن الحق مع الأكثر، ويحتمل أنه مع الأقل، لأن اجتهاد كل مجتهد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وهـو شذوذ مردود لأنه إحداث خلاف بعد استقرار الإجماع (فتح الباری شـرح صـحيـح البخاری،لابن حجر العسقلانی، ج۹،ص ۴۷۴، كتاب الطلاق، قوله باب واللائی يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يـحتمل الصواب والخطأ، والمحتمل لا يكون حجة .وإنما عرفنا زوال الاحتـمـال وثبـوت الـصـواب بيقين فی إجماع جميع أهل الاجتهاد، بالدلائل السمعية، وهی واردة فی كل مجتهدی أهل العصر، فيجب العمل بالاحتمال فيما لم يرد فيه النصوص.

– وأما قوله عليه السلام:" عليكم بالسواد الأعظم "وسائر الأحاديث -فهی من جملة الآحاد، وهی غير مقبولة فی باب الاعتقاد، والمسألة اعتقادية .ثم نقول:

[أولا]– المراد من "السواد الأعظم "و"الجماعة "المعرفة بالألف واللام هو كل [من فی] العصر مـن أهـل الإجـمـاع دون الأكثـر، فإن النصف من أهل العصر إذا زيد على النصف الآخر، بواحد أو اثنين أو ثلاثة، فإنه لا ينطلق عليه اسم السواد الأعظم، وإن كان أكثر بمقابلة النصف الآخر – دل أن المراد من "السواد الأعظم "هـو الـكـل الـذی هو أعظم من الجزء المقابل له، ويجب الحمل عليه حتى يكون توفيقًا بين الدلائل السمعية كلها .

والثـانـی – إن الـمـراد مـن كل تابعة السواد الأعظم، الأكثر دون الأقل، فيما إذا وجد الإجماع من جـمـيـع أهـلـه ثـم خـالف البعض، لشبهة اعترضت لهم: أنـه يـجـب متـابعة الأكثر دون الأقل، لأن رجوعهم ليس بصحيح بعد صحة الإجماع وانعقاده .وهو الجواب عن قوله – صلى الله عليه وسلم –:" مـن شذ شذ فی النار "لأن الشـاذ اسـم لـمن خالف بعد الموافقة: يقال "شـذ البعير وند "إذا توحش بعدما كان أهلياً -وبه نقول.

– فإن قالوا: إن قوله عليه السلام:" عليكم بالسواد الأعظم "يقتضی أن يكون السواد الأعظم حجة عـلـى من ليس هو من السواد الأعظم، فإن المخاطب لا يدخل تحت الذين أمر بملازمتهم والمتابعة لهم – فنقول: الـمـراد بـالسواد الأعظم هو جميع أهل العصر لما ذكرنا .ويجوز أن يكون السواد الأعـظـم حـجة عـلـى مـن يـأتـی بعدهم من العصر الثانی ممن هم أقل عدداً من الأول، فسمی الأول السـواد الأعـظم – وهو الجواب عن الكلام الأخير: أن إجـمـاع أهـل العصر حجة فی هذا العصر، فيجب أن يكون فيهم من يخالفهم حتی يكون حجة عليهم، لأنا نقول: يجوز أن يكون حجة على من بـعـدهـم مـن الأعـصار، إن لم يكن حجة على أحد فی حق هذا العصر – والدليل عليه أنه لو كان من شرط صحة الإجماع من أهل العصر أن يكون حجة على مخالف فی ذلک العصر، لوجب أن يقال: إن أهـل الـعـصـر إذا أجـمـعـوا كـلهـم عـلى قول ولم يخالف أحد فی ذلک، ينبغی أن لا يكون هذا الإجـمـاع حـجة، لعدم شرطه الذی ذكرتم على أنا نقول: يـجوز أن يكون حجة على كل واحد من آحـاد هـذا الـعـصـر، فی حق منعهم من الرجوع عن هذا القول وتحريم ذلک عليهم .ويـكون قوله "عـليكم "خـطـابـاً لكل واحد منهم .أو نقول: إن إجـمـاعـهـم حـجة عليهم فی حق وجوب العمل والاعتـقـاد لهـذ الإجـماع وتحريم ترک العمل به، وهذا لأن الإجماع حجة لله تعالى على كل كل مـكـلف مـن عـباده، فـی حق وجـوب الـعـمل والاعتقاد بموجبه (ميزان الاصول فی نتائج العقول، للسمرقندی، ج ۱، ص ۴۹۳ الى ۴۹۸، فصل فی: بيان شرائط الإجماع)

ترجمہ: اور یہ شذوذ ہے، جو کہ مردود ہے، کیونکہ یہ اجماع قائم ہونے کے بعد پیدا کیا ہوا اختلاف ہے (فتح الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسئلہ پر اجماع ہو گیا، تو اجماع سے خروج شذوذ میں داخل ہوتا ہے، اسی کو بعض حضرات نے تفرّد کا بھی نام دیا ہے۔ [1]

اور اس طرح کا تفرّد ظاہر ہے کہ مذموم ہے، کیونکہ اس میں اجماع کی مخالفت پائی جاتی ہے، لیکن اگر کسی فقہی واجتہادی مسئلہ میں اجماع کی مخالفت نہ پائی جائے، اور کسی مجتہد کی رائے جمہور کے خلاف ہو، تو جمہور کے نزدیک اس کو فقہی اعتبار سے شذوذ یا مذموم تفرّد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

اگرچہ بعض اوقات جمہور سے الگ رائے ہونے کی بنیاد پر اس کو تفرّد کا نام دے دیا جاتا ہے، لیکن یہ جمہور کے نزدیک مذموم نہیں، البتہ جو حضرات جمہور کے اتفاق کو اجماع یا حجت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس طرح کا تفرّد مذموم ہوسکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اگر کوئی خود کسی ایسے قول کو اختیار کرتا ہے، جو جمہور کے خلاف ہے، تو اس پر بھی یہ الزام عائد ہوگا، مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بہت سے اقوال جمہور کے خلاف ہیں، اب جو شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان اقوال کو قبول کرتا ہے، اور ان کو تفرّد کی وجہ سے قابلِ ملامت وقابلِ ترک نہیں سمجھتا، تو اسے دوسرے پر بھی جمہور کے خلاف قول رکھنے کی صورت میں الزام عائد کرنا

---

[1] وأما الآثار التی احتجوا بها :فمنها حدیث زر عن حذیفة قال :تسحرت مع النبی -صلی الله علیه وسلم -ولو أشاء أن أقول :هو النهار إلا أن الشمس لم تطلع .وخرج أبو داود عن قیس بن طلق عن أبیه أنه -علیه الصلاة والسلام -قال :کلوا واشربوا ولا یهیدنکم الساطع المصعد، فکلوا واشربوا حتی یعترض لکم الأحمر .قال أبو داود :هذا ما تفرد به أهل الیمامة وهذا شذوذ، فإن قوله -تعالی :-(حتی یتبین لکم الخیط الأبیض)نص فی ذلک أو کالنص(بدایة المجتهد ونهایة المقتصد،ج۲،ص ۵۱،کتاب الصیام،فی أرکان الصیام،الرکن الأول فی الصیام هو الزمان)

فصل:ولبن الآدمیات عندنا طاهر وشربه حلال وبیعه جائز.

وقال أبو القاسم بن یسار الأنماطی من أصحابنا هو نجس لا یحل لغیر الصغار شربه ولا یجوز بیعه وهو مذهب تفرد به(الحاوی الکبیر فی فقه مذهب الإمام الشافعی،ج۵،ص ۳۳۳، کتاب البیوع، باب بیع الغرر)

درست نہ ہوگا۔

اور اگر دوسرے کا قول جمہور کے موافق ہے، اور یہ خود جس قول پر عمل پیرا ہے، وہ جمہور کے خلاف ہے، تو اس کو دوسرے کے بجائے، اپنے آپ کو متفرد قرار دینا چاہیئے۔

چنانچہ آگے آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی متعدد مسائل میں جمہور سے متفرد ہیں، مثلاً نفاذِ قضائے قاضی ظاہراً و باطناً کے مسئلہ میں، اور دار الحرب میں ربا و سود کے حلال ہونے کے مسئلہ میں، اور ظہر کی نماز کا وقت ایک مثل کے بجائے دو مثل پر ختم ہونے کے مسئلہ میں، اور وتر کی نماز کے سنت کے بجائے واجب ہونے کے مسئلہ میں، اور اس طرح کے بہت سے مسائل میں۔

البتہ احادیث کی اصطلاح میں تفرّد اسے کہا جاتا ہے، جس میں ایک راوی دوسرے راویوں کے خلاف روایت کرے، اس کے بعد اس کے قبول اور رَد ہونے میں متفرّد کے ثقہ ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے۔ [1]

لیکن ظاہر ہے کہ علمِ حدیث کا یہ تفرد زیرِ نظر فقہی و اجتہادی بحث سے خارج ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

---

[1] الأفراد جمع فرد قال فی القاموس: " الفرد: نصف الزوج والمتحد "ج "فراد ومن لا نظير له جمعه أفراد وفرادى وشجرة فارد متنحية، وظبية فارد منفردة عن القطيع وناقة فاردة، ومفراد وفرود تنفرد فی المرعى.

وهو فی الاصطلاح الحديث الذى تفرد به راويه, فإن كان التفرد فی أصل السند أو فی كل السند, فهو الفرد المطلق, وإلا فهو الفرد النسبی (الوسيط فی علوم ومصطلح الحديث لمحمد بن محمد بن سويلم أبو شُهبة ، ص ٣٦٩، كتب أخر للتخاريج الاعتبار والمتابعات والشواهد، معرفة الأفراد)

قال الدارقطنی :تفرد به عبد الله بن ورقاء الخزاعی عن عمرو، وهو ضعيف الحديث، والثقات من أصحاب عمرو لم يذكروا الصوم منهم ابن جريج، وابن عيينة، وحماد بن سلمة، وحماد بن زيد وغيرهم (فتح القدير، ج٢، ص ٣٩١، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

حق کا مدار کثرتِ رائے پر نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت شخصِ واحد ہی کی رائے حق پر ہو، چنانچہ جس وقت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعتِ یزید سے انکار کیا ہے، اس وقت تمام صحابہ اور تابعین کی رائے اُن کے خلاف تھی، سب نے یزید کی بیعت کو قبول کرلیا تھا، اور اکثر نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ارادۂ خروج سے منع بھی فرمایا، اور خیر خواہانہ نصیحت بھی کی تھی، مگر حضرت امام چونکہ اپنی رائے کو انشراحِ صدر کے ساتھ صحیح سمجھے ہوئے تھے، اس سے نہ ہٹے، اور اسی پر جان دے دی، کیا آج کسی کا منہ ہے، جو یوں کہہ سکے کہ امام کی رائے غلط تھی، کیونکہ کثرتِ رائے ان کے خلاف تھی۔

یہ کثرتِ رائے کی شاخ آج کل ہی نکلی ہے، سلف میں بجز صورتِ اجماع کے جس میں سب کا اتفاق ضروری ہے، محض کثرت کا کوئی اعتبار نہ تھا، چنانچہ مسائلِ فقہیہ میں بکثرت ایسے مسائل موجود ہیں، جن میں ایک امام تمام عالَم سے تفرّد کرتا ہے، اور کوئی اس کی رائے کو کثرتِ رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط نہیں کہتا، اگر کوئی اس کا رَد بھی کرتا ہے، تو جواب میں احادیث یا نصوص پیش کرتا ہے، محض کثرتِ رائے کی آڑ کوئی نہیں پکڑتا، پھر مخالفین کے جواب میں وہ متفرد بھی احادیث ونصوص پیش کردیتا ہے، اور اس کے مقلد یہ دیکھ کر کہ ہمارے امام کے پاس بھی اپنی رائے کے ثبوت میں نصوصِ شرعیہ موجود ہیں، اس کی تنہا رائے کو قبول کررہے ہیں، اور اس کے موافق عمل کرتے چلے آتے ہیں۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً نافذ ہے، جو تمام ائمۂ مذاہب کے خلاف ہے، دارالحرب میں حربی کافر کے ساتھ معاملہ ربا جائز ہے، جس میں جملہ ائمہ کا حنفیہ سے خلاف ہے، اگر تفرّد، دلیلِ غلط ہے، اور کثرتِ رائے دلیلِ صواب ہے، تو ان مسائل میں آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کو کیوں نہیں

ترک کردیا (خطباتِ حکیم الامت، ج۹ ''فضائلِ صبر وشکر'' ص۹۵، ۹۶، وعظ ''حقیقۃ الصبر'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ طباعت: ربیع الثانی 1409 ہجری، ترتیبِ مواعظ: منشی عبدالرحمٰن خان)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مذکورہ ارشاد میں تفرّد کے دلیلِ معتبر ودلیلِ مؤثر یا دلیلِ صحیح ہونے کی صاف نفی فرمادی ہے، اور تفرّد کے مقابلہ میں کثرتِ رائے کو آج کے دور کی نکلی ہوئی شاخ قرار دیا ہے، البتہ اجماع کو حجت قرار دیا ہے، اور واضح فرمادیا ہے کہ تفرّد کو کسی کے خلافِ دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا، بلکہ اصل دلائلِ شرعیہ کو پیش کیا جاتا ہے۔

امدادُ الاحکام کا حوالہ

امداد الاحکام میں ہے:

ہر زمانہ میں ایک جماعت، خواہ شمار میں قلیل ہی ہو، حق پر ضرور رہے گی، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی طرف کثرت کا ہونا اس کے حق پر ہونے کے لیے دلیل نہیں، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ قلیل جماعت حق پر ہو، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک عالم کا اختلاف بھی اجماع کے لیے قادح ہے، اگر کسی مسئلہ میں ساری امت ایک طرف ہو، اور صرف ایک عالم ان کے خلاف ہو، تو اجماع نہیں کہا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہی ایک عالم حق پر ہو (امداد الاحکام، ج۱، ص۲۲۷، کتاب العلم، فصل فی تعظیم العلم والعلماء، مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبع دوم)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ شرعیہ وفقہیہ میں زیادہ افراد کا کسی ایک طرف ہونا، اس کے حق ہونے کی اور اس کے مقابلہ میں تھوڑے افراد اور قلیل جماعت کا دوسری طرف ہونا، اس کے باطل و ناحق ہونے کی دلیل نہیں، نیز اجماع کے لیے ایک عالم و مجتہد کا اختلاف بھی مانع ہے، اور اس قلیل جماعت یا فردِ واحد کے صواب وحق پر ہونے کا احتمال بھی اسی طرح ہے، جس طرح اس کے مقابلہ میں ہے۔

اور جب کوئی قول جمہور کے خلاف ہو، تب بھی اس میں صواب کا احتمال برابر پایا جاتا ہے، تو جورائے جمہور کے خلاف بھی نہ ہو، بلکہ کسی مخصوص فقہی مذہب یا مخصوص جماعتِ مشائخ کے خلاف ہو، اس پر تــفــرّد کا الزام عائد کر کے، اس کے صواب ہونے کی کیونکر تردید یا نفی کی جاسکتی ہے؟ بالخصوص جبکہ اس کے دلائل بھی قوی ہوں۔

’’التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم‘‘ کا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ’’التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم‘‘ میں اس مسئلہ کی محققانہ تفصیل بیان فرمائی ہے، یہ رسالہ اہلِ علم حضرات کے لیے قابلِ ملاحظہ ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی نے مذکورہ رسالہ میں علماء میں اختلاف کی چند صورتیں بیان فرمائی ہیں، اور ساتھ ہی ان کا حکم بھی بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

> علماء میں جب اختلاف ہو، تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا وہ اختلاف، احکامِ شرعیہ ومسائلِ دینیہ میں ہے، یا امورِ انتظامیہ میں۔
>
> شقِ اول (یعنی احکامِ شرعیہ میں اختلاف ہونے) پر یا وہ اختلاف اعتقادیات میں ہے، یا فروع میں۔
>
> اسی طرح شقِ ثانی (یعنی امورِ انتظامیہ میں اختلاف ہونے) کی بھی دو صورتیں ہیں، یا مسلمانوں کا کوئی امام ہو یا امام نہ ہو۔
>
> صورتِ اولٰی کی دوسری قسم میں یعنی جبکہ اختلاف مسائلِ شرعیہ فرعیہ میں ہو، جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم نہیں، جماعتِ قلیلہ یا عالمِ واحد کی رائے، جمہور کے خلاف بھی ہو، تب بھی اس میں احتمال صواب کا اسی طرح ہے، جس طرح جمہور کی

رائے میں احتمال صواب کا ہے۔

علمائے امت کا، زمانۂ صحابہ سے اس وقت تک تعامل چلا آ رہا ہے کہ انہوں نے مسائلِ مختلف فیہا میں کسی امام کے قول کو اس وجہ سے ترک نہیں کیا کہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے، اور شخصِ واحد یا جماعتِ قلیلہ کا قول ہے (امدادالاحکام، ج۴، ص۴۷۳، کتاب المتفرقات "رسالۃ التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم" مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مسائلِ شرعیہ وفقہیہ میں اختلاف ہونے کی صورت میں جمہور یا جماعتِ کثیرہ کا اتباع لازم نہیں۔

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ مذکورہ صورت میں جمہور کے نزدیک اجماع منعقد نہیں ہوتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مسائلِ فرعیہ میں مخالفتِ جمہور کے جواز پر علمائے امت کا صحابہ سے لے کر اِس (موجودہ) وقت تک ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے، اور کوئی امام مخالفتِ جمہور سے بچا ہوا نہیں۔

ہر امام کے متعدد اقوال جمہور علماء کے خلاف موجود ہیں، جن کو اِس کے مقلدین نے مخالفتِ جماعتِ کثیرہ کی وجہ سے ہرگز رَد نہیں کیا، اور حنفیہ کے تو بہت سے مسائل اس شان کے ہیں، جن میں امام ابوحنیفہ، جمہور امت سے متفرِد ہیں، جیسے ''نفاذ قضائے قاضی ظاہراً وباطناً، وجواز ربا فی دارالحرب، وقول بالمثلین فی وقت الظہر'' اوران اقوال کو حنفیہ نے اس عذر کی وجہ سے رَد نہیں کیا کہ امام صاحب ان میں متفرِد ہیں (امدادالاحکام، ج۴، ص۴۷۴، کتاب المتفرقات، رسالہ''التدقیق الاقوام فی تحقیق السواد الاعظم''مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع اول 1421 ہجری)

متعدد مسائل بیان کرتے وقت، حنفیہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تفرّد کو تسلیم بھی کیا ہے۔ [1]

اور متعدد مواقع پر دوسرے حضرات نے بھی مجتہدین کے تفردات کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ [2]

بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے متعدد اصول اور فروع میں ان کے تلامذہ نے بھی تفرّد اختیار کیا۔

چنانچہ علامہ عبدالحیئ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولكل واحد منهم أصول مختصة تفردوا بها عن أبي حنيفة وخالفوه فيها بل قال الغزالي :إنهما خالفا أبا حنيفة في ثلثي مذهبه (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، ص ۱۱، ۱۲، مقدمة، الفصل الاول،مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشي)

ترجمہ: اوران (یعنی امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ) میں سے ہر ایک کے مخصوص اصول ہیں، جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تفرّد اختیار کیا، اورانہوں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے، بلکہ امام غزالی نے فرمایا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے امام ابوحنیفہ کی دو تہائی مذہب میں مخالفت کی ہے (النافع الکبیر)

لیکن اس کے باوجود آج بھی حنفیہ کے یہاں بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے

---

[1] (قوله ويجوز بيع الرطب بالتمر مثلا بمثل عند أبي حنيفة) وقال أبو يوسف ومحمد ومالك والشافعي وأحمد – رحمهم الله –: لا يجوز، فقد تفرد أبو حنيفة بالقول بالجواز (فتح القدير، ج۷، ص ۲۷ و ۲۸، كتاب البيوع، باب الربا)

(قوله فالمذكور هنا قول أبي حنيفة) وقد تفرد أبو حنيفة بالقول بالجواز اهـ فتح قال علاء الدين العالم في طريقته قال أبو حنيفة :بيع الرطب بالتمر متساويا كيلا يجوز وقال الباقون من أهل العلم: لا يجوز وأجمعوا أن بيع الرطب بالتمر متفاضلا لا يجوز .اهـ .أتقاني (قوله وقالا :لا يجوز) والشافعي ومالك وأحمد اهـ فتح (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج۴، ص ۹۲، كتاب البيوع، باب الربا)

[2] قيل هذا مما تفرد به الشافعي -رضي الله عنه -ورد بأنه تفرد صحيح(تحفة المحتاج في شرح المنهاج لابنِ حجر الهيتمي، ج۲،ص ۴۴۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

بجائے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ وغیرہ کے اقوال پر فتویٰ ہے۔
پس کسی فقہی واجتہادی قول کو اس کے اکابر فقہاء اور جمہور فقہاء سے مختلف ہونے کی بناء پر تفرّد کا الزام لگا کر رَدنہیں کیا گیا، بلکہ دلائل پر غور کر کے فیصلہ کیا گیا۔
مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی قول کو جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے تفرّد کا الزام دے کر قابلِ تردید سمجھتا ہو، تو اس طرح کے بہت سے مسائل ہر مجتہد کے مذہب میں ملیں گے، خاص طور پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں ملیں گے، پھر ان کو بھی صرف مخالفتِ جمہور کی بناء پر رَد کرنا پڑے گا، جس کا شاید فقہائے اربعہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔
علامہ ظفر احمد عثمانی مذکورہ رسالہ میں فرماتے ہیں:

خلافِ واحد بھی اسی طرح مانع انعقادِ اجماع ہے، جس طرح خلافِ اکثر۔
اس سے معلوم ہوا کہ مخالفت جمہور کی صورت میں شخصِ واحد کا قول بھی اسی طرح محتملِ صواب ہے (امداد الاحکام، ج۴،ص۴۸۲)

مزید فرماتے ہیں:

آج کل کے علماء اگر کسی مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کرلیں، تو اس کو اجماعِ شرعی نہ کہیں گے، کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا، جو کہ غیر معتبر ہے، پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴،ص۴۸۲)

علامہ ابنِ قیم نے بھی ''اعلام الموقعین'' میں یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] واعلم أن الإجماع والحجة والسواد الأعظم هو العالم صاحب الحق، وإن كان وحده، وإن خالفه أهل الأرض، قال عمرو بن ميمون الأودى :صحبت معاذا باليمن، فما فارقته حتى واريته فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی مذکورہ رسالہ میں ہی فرماتے ہیں:

مسائلِ شرعیہ میں کثرت کی رائے پر حقانیت کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ ہمیشہ قوتِ دلیل پر مدار رکھا گیا ہے، گو وہ شخصِ واحد کا قول ہو، یا جماعتِ قلیلہ کا (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۹۲)

نیز فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ التراب بالشام، ثم صحبت من بعده أفقه الناس عبد الله بن مسعود فسمعته يقول :عليكم بالجماعة، فإن يد الله مع الجماعة، ثم سمعته يوما من الأيام وهو يقول : سيولى عليكم ولاة يؤخرون الصلاة عن مواقيتها، فصلوا الصلاة لميقاتها؛ فهى الفريضة، وصلوا معهم فإنها لكم نافلة، قال :قلت يا أصحاب محمد ما أدرى ما تحدثون، قال :وما ذاك؟ قلت : تأمرنى بالجماعة وتحضنى عليها ثم تقول لى :صل الصلاة وحدك وهى الفريضة، وصل مع الجماعة وهى نافلة قال :يا عمرو بن ميمون قد كنت أظنك من أفقه أهل هذه القرية، أتدرى ما الجماعة؟ قلت :لا، قال :إن جمهور الجماعة هم الذين فارقوا الجماعة، الجماعة ما وافق الحق وإن كنت وحدك، وفى لفظ آخر :فضرب على فخذى وقال :ويحك، إن جمهور الناس فارقوا الجماعة، وإن الجماعة ما وافق طاعة الله تعالى.

وقال نعيم بن حماد :إذا فسدت الجماعة فعليك بما كانت عليه الجماعة قبل أن تفسد، وإن كنت وحدك، فإنك أنت الجماعة حينئذ، ذكرها البيهقى وغيره.

وقال بعض أئمة الحديث وقد ذكر له السواد الأعظم، فقال :أتدرى ما السواد الأعظم؟ هو محمد بن أسلم الطوسى وأصحابه .فمسخ المختلفون الذين جعلوا السواد الأعظم والحجة والجماعة هم الجمهور وجعلوهم عيارا على السنة، وجعلوا السنة بدعة، والمعروف منكرا لقلة أهله وتفردهم فى الأعصار والأمصار، وقالوا :من شذ شذ الله به فى النار، وما عرف المختلفون أن الشاذ ما خالف الحق وإن كان الناس كلهم عليه إلا واحدا منهم فهم الشاذون.

وقد شذ الناس كلهم زمن أحمد بن حنبل إلا نفرا يسيرا؛ فكانوا هم الجماعة، وكانت القضاة حينئذ والمفتون والخليفة وأتباعه كلهم هم الشاذون، وكان الإمام أحمد وحده هو الجماعة، ولما لم يتحمل هذا عقول الناس قالوا للخليفة :يا أمير المؤمنين أتكون أنت وقضاتك وولاتك والفقهاء والمفتون كلهم على الباطل وأحمد وحده هو على الحق؟ فلم يتسع علمه لذلك؛ فأخذه بالسياط والعقوبة بعد الحبس الطويل؛ فلا إله إلا الله، ما أشبه الليلة بالبارحة، وهى السبيل المهيع لأهل السنة والجماعة حتى يلقوا ربهم،مضى عليها سلفهم، وينتظرها خلفهم :(من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا) ولا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم(إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج۳،ص۳۰۸، ۳۰۹،أقسام الحيل ومراتبها،فصل القسم الثالث من أنواع الحيل،المثال الثانى والستون البيع بشرط البراء ة من العيوب، من هو العالم صاحب الحق؟)

اگر کسی عالم کا قول جمہور کے خلاف ہو، تو وہ فاسق وغیرہ نہیں بن جاتا، بلکہ ممکن ہے کہ اسی کی رائے صواب ہو، اور جمہور کی رائے غلط ہو (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۶)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب مزید فرماتے ہیں:

جن علماء کے اتفاق کا ''انوارِ ساطعہ'' میں حوالہ دیا گیا ہے، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ان کے ہم عصر ہیں، اور ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، لہٰذا یہ فتویٰ قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ خلاف عالمِ واحد بھی قادحِ اجماع ہے'' ملاحظہ ہو: براہینِ قاطعہ'' معلوم ہوا کہ جمہور علماء کا کسی مسئلہ میں اتفاق کر لینا، جبکہ ایک عالم محقق بھی ان کے خلاف ہو، حجت نہیں، اور شخصِ واحد کا قول بھی جمہور کے خلاف صحیح ہوسکتا ہے (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۷)

بعض احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کسی زمانہ میں اصل علماء کو اٹھا لیا جائے گا، اور جہال لوگ باقی رہ جائیں گے، ان ہی سے فتویٰ لیا جائے گا، اور یہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، اور خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ [1]

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

مشاہدہ ہو رہا ہے کہ آج کل جہلاء کو زیادہ تر سردار بنایا جا رہا ہے، جس نے درسیات ختم کر لیں، محض وعظ وتقریر کی مشق کر لی، اس کو مولانا کا خطاب اور مقتداء کا لقب دے دیا گیا، خواہ اس کو قرآن وحدیث کی فہم حاصل ہوتی ہو، یا نہ ہوتی ہو...... پس یقیناً یہی وہ زمانہ ہے، جس کی نسبت حدیث میں پیشن گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ جہلاء کو سردار بنائیں گے، جو اپنی رائے سے

---

[1] عن عروة، قال: حج علينا عبد الله بن عمرو فسمعته يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله لا ينزع العلم بعد أن أعطاكموه انتزاعا، ولكن ينتزعه منهم مع قبض العلماء بعلمهم، فيبقى ناس جهال، يستفتون فيفتون برأيهم، فيضلون ويضلون (صحيح البخاري، رقم الحديث ٧٣٠٧)

مسائلِ شرعیہ کا جواب دیا کریں گے، جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، ایسے زمانۂ غلبۂ جہل میں کسی طرف علماء کی زیادہ تعداد کا ہونا، کیونکر حقانیت کی دلیل ہوسکتی ہے (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۸)

مزید فرماتے ہیں:

زمانۂ نبوت سے جس قدر بُعد ہوتا جاتا ہے، غلبہ شر ہوتا جاتا ہے، پھر ایسی حالت میں جس طرف قائلین کی کثرت ہو، اس طرف خیر اور حقانیت ہونے کی کیا دلیل ہے، اور جماعتِ قلیلہ یا شخصِ واحد کے قول کو محض مخالفتِ جمہور کی بناء پر غلط کیونکر کہا جاسکتا ہے، جب تک کوئی دلیل شرعی قطعی یا ظنی اس پر قائم نہ کی جاوے، محض مخالفتِ جمہور غلطی کی دلیل نہیں شرعاً (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۹۹، کتاب المتفرقات "رسالة التدقيق الاقوم فی تحقيق السواد الاعظم" مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کے محقق رسالہ کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ فقہی مسائل میں جمہور کا قول حجتِ قطعی نہیں ہوتا، اور اس کی مخالفت ممنوع نہیں کہلاتی، اور اس میں بھی صواب کا احتمال ہوتا ہے، بالخصوص موجودہ زمانے میں، جبکہ رسمی اور غیر فقیہ علماء کی کثرت ہے، ایسی صورت میں ان کی کثرت ہرگز حجت نہیں ہوسکتی۔

پس جو موقف جمہور مجتہدین کے خلاف ہو، یا جمہور مجتہدین کے بھی خلاف نہ ہو، بلکہ بعض یا ایک مجتہد کے خلاف ہو، اگرچہ اس کے مقلدین کی تعداد کتنی زیادہ کیوں نہ ہو، یا پھر مخصوص مشائخ کے خلاف ہو، تو اس کے خلاف قول پر نہ تو **تفرّد** کا اطلاق کیا جاسکتا، اور نہ ہی اس وجہ سے اس کو رَد کیا جاسکتا، کیونکہ اجماع میں مخالفت و موافقت کے سلسلہ میں جن غیر مجتہد حضرات کا اعتبار نہیں، ان کی کثرت بھی اس سلسلہ میں اہمیت نہیں رکھتی، یہ ممکن ہے کہ کسی ایک مجتہد نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو، لیکن اس مجتہد کے مقلدین نہ پائے جاتے ہوں، یا زیادہ تعداد میں نہ ہوں، اور دوسرے مجتہدین کے مقلدین و متبعین کی کثرت ہو، اس کے

باوجود وہ مسئلہ اجماعی نہ کہلائے گا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب مذکورہ رسالہ میں ہی علماء میں اختلاف کی دوسری قسم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ گفتگو تو صورتِ اولیٰ قسمِ اول میں تھی، رہی دوسری قسم یعنی جبکہ مسائلِ شرعیہ اعتقادیہ میں اختلاف ہو، تو اس صورت میں اکثر کا اتباع کرنا چاہیے، یعنی خیر القرون میں جس طرف زیادہ علماء ہوں، اس کا اتباع واجب ہے، کیونکہ اعتقادیات زمانۂ خیرالقرون میں مکمل ہو چکے ہیں، نیز اس وقت عام طور پر خیر اور حق کا غلبہ تھا، اس زمانہ میں اعتقادیات میں جس طرف زیادہ جماعت ہوتی تھی، اس طرف غلبہ خیر کا ہوتا تھا، اور اعتقادیات کا مدار محض نقل وسماع پر ہے، اجتہاد سے اعتقادیات کا ثبوت نہیں ہوسکتا، اور علومِ نقلیہ کی تکمیل خیرالقرون میں ہو چکی ہے، اب اعتقادیات میں کسی مسئلہ کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔

خیرالقرون کے بعد اعتقادات میں بھی کثرتِ قائلین کا اعتبار نہیں، کیونکہ ان میں غلبۂ خیر نہیں رہا (امدادالاحکام، ج۴، ص۴۸۲، ۴۸۳)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے امورِ انتظامیہ میں اختلاف کا حکم اگلی فصل میں آتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ بعض مسائل اعتقادی ہو کر بھی فروعی شمار ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

رہے فِرَقِ حقۂ اسلامیہ جو اصول ومبانی میں متحد رہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقضائے قواعدِ شرعیہ کچھ مختلف ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کا منشا بھی اجتہادی نظر وفکر ہی ہے، جس سے بتفاوتِ اجتہاد، متفاوت نظریات قائم ہو کر عقیدے کی صورت اختیار کر لیں، اور وہ فرقہ سمجھے جانے لگیں، دراں حالیکہ وہ فرقہ نہیں ہوتے، جبکہ

تمام اصول اور مبانیِ اسلام میں متحد ہیں، لیکن حضرت شاہ (ولی اللہ) صاحب رحمہ اللہ کا مسلک جبکہ جامع نص و اجتہاد ہے، تو ان فروعی عقائد کا بھی کوئی اجتہادی پہلو جب تک کہ شریعت کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد وضوابط سے متصادم نہ ہو، نا قابلِ قبول نہیں رہتا، بجز اس کے کہ اس پہلو کو مسئلہ کا بنیادی مقام دینے کے بجائے اُسے ضمنی، فرعی مقام پر رکھ دیا جائے، ترک نہیں کیا جاتا، اس طرح سے کوئی بھی حقانی فرقہ اور اس کا کوئی بھی اعتقادی مسئلہ جبکہ تھوڑی سی توجیہ کے بعد اس مسلک سے باہر نکلنے نہیں پاتا، صرف مقصدی اور غیر مقصدی درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے، تو اسے بھی کلیۃً متروک کر دینے کی صورت پیدا نہیں ہوتی، جبکہ وہ کسی نص کے محتملات یا کسی شرعی اصول کی فرعیات کے دائرہ میں ہے، اس لیے اس جامع مسلک میں یہ اسلامی فرقے بھی اصل فرقۂ حقہ سے کلیۃً جدا نہیں ہوتے، بلکہ اس سے قریب تر ہو جاتے ہیں، صرف فرقِ باطلہ ہی باہر رہ جاتے ہیں، جو حق کے دائرہ میں داخل ہی ہونا نہیں چاہتے (تاریخ دار العلوم دیوبند، ص ۲۹ و ۳۰، مقدمہ، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

چنانچہ بعض نظریاتی وفکری مسائل، اشاعرہ و ماتریدیہ میں بھی اختلافی رہے ہیں، اس کے باوجود دونوں حضرات اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں۔ [1]

---

[1] ولا يقال: إن فيه إسائة أدب لاقتضائه كفر الأبوين الشريفين مع أن الله تعالى أحياهما له وآمنا به كما ورد فى حديث ضعيف .لأنا نقول: إن الحديث أعم بدليل رواية الطبرانى وأبى نعيم وابن عساكر خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم إلى أن ولدنى أبى وأمى لم يصبنى من سفاح الجاهلية شىء وإحياء الأبوين بعد موتهما لا ينافى كون النكاح كان فى زمن الكفر.
ولا ينافى أيضا ما قاله الإمام فى الفقه الأكبر من أن والديه – صلى الله عليه وسلم – ماتا على الكفر، ولا ما فى صحيح مسلم استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى وما فيه أيضا أن رجلا قال يا رسول الله أين أبى؟ قال: فى النار، فلما قفا دعاه إن أبى وأباك فى النار لإمكان أن يكون الإحياء بعد ذلك لأنه كان فى حجة الوداع، وكون الإيمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الموت فذاك فى غير الخصوصية التى أكرم الله بها نبيه – صلى الله عليه وسلم – وأما الاستدلال على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اعتقادی وفکری مسائل، جن میں خود اہلُ السنۃ والجماعۃ کا باہم اختلاف پایا جاتا ہے، وہ اختلاف بھی اجتہادی نوعیت کا ہونے کی وجہ سے صواب وخطاء دونوں کا احتمال رکھتا ہے، اور اس میں ترجیح کی جہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ خیرُ القرون کے دور میں اکثریت والی رائے کا اتباع کیا جائے، اسی طرح کسی مسئلہ میں کثرت کے بجائے قوتِ دلیل بھی ترجیح کی دلیل ہوسکتی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ نجاتهما بأنهما ماتا فى زمن الفترة مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجيا، أما الماتريدية، فإن مات قبل مضى مدة يمكنه فيها التأمل ولم يعتقد إيمانا ولا كفرا فلا عقاب عليه، بخلاف ما إذا اعتقد كفرا أو مات بعد المدة غير معتقد شيئا.

نعم البخاريون من الماتريدية وافقوا الأشاعرة، وحملوا قول الإمام لا عذر لأحد فى الجهل بخالقه على ما بعد البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير، لكن هذا فى غير من مات معتقدا للكفر، فقد صرح النووى والفخر الرازى بأن من مات قبل البعثة مشركا فهو فى النار، وعليه حمل بعض المالكية ما صح من الأحاديث فى تعذيب أهل الفترة بخلاف من لم يشرك منهم ولم يوجد بل بقى عمره فى غفلة من هذا كله ففيهم الخلاف، وبخلاف من اهتدى منهم بعقله كقس بن ساعدة وزيد بن عمرو بن نفيل فلا خلاف فى نجاتهم، وعلى هذا فالظن فى كرم الله تعالى أن يكون أبواه – صلى الله عليه وسلم – من أحد هذين القسمين، بل قيل إن آبائه – صلى الله عليه وسلم – كلهم موحدون لقوله تعالى }وتقلبك فى الساجدين] {الشعراء: 219] لكن رده أبو حيان فى تفسيره بأن قول الرافضة ومعنى الآية وترددك فى تصفح أحوال المتهجدين فافهم.

وبالجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغى ذكر هذه المسألة إلا مع مزيد الأدب. وليست من المسائل التى يضر جهلها أو يسأل عنها فى القبر أو فى الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم، وسيأتى زيادة كلام فى هذه المسألة فى باب المرتد عند قوله وتوبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس (ردالمحتار على الدر المختار، ج۳، ص ۱۸۴ و ۱۸۵، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب فى الكلام على أبوى النبى – صلى الله عليه وسلم – وأهل الفترة)

وفى بعض حواشى شرح العقائد اهل السنة والجماعة هم الاشاعرة هذا هو المشهود فى ديار خراسان والعراق والشام وفى ديار ما وراء النهر اهل السنة والجماعة هم الماتريدية اصحاب ابى منصور الماتريديوهو تلميذ نصر تلميذ ابى بكر الجوزجانى تلميذ محمد بن الحسن من اصحاب الامام ابى حنيفة وماتريد قرية من قرى سمرقند انتهى (السعاية، ص ۶۳ و ۶۴، مقدمة السعاية)

[1] فما عليه الأكثر من علماء المسلمين من الاعتقاد والقول والفعل فاتبعوهم فيه ,فإنه هو الحق, وما عداه باطل .هذا فى الأصول ,كالاعتقاد فى أركان الإسلام ,وأما الفروع ففى نحو بطلان الوضوء بمس الفرج ولمس النساء وأشباههما فلا حاجة فيها إلى وجوب الإجماع ,بل كل من أفتى فيه من المجتهدين كمالك ,والشافعى ,وأبى حنيفة ,وأحمد -رضى الله عنهم -يجوز العمل به (شرح المشكاة للطيبى، ج۲، ص ۶۴۳، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کے محقق رسالہ کے مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوگیا کہ فقہی مسائل میں جمہور کا قول حتمی وقطعی حجت شمار نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کے خلاف قول کو تفرّد وغیرہ کا الزام عائد کرکے، رَد کیا جاسکتا، بلکہ اس طرح کے اختلافی واجتہادی مسائل میں جس طرح جمہور اور جماعتِ کثیرہ کے ساتھ حق وصواب ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اسی طرح ان کے مقابلہ میں جماعتِ قلیلہ بلکہ شخصِ واحد میں بھی احتمال ہوتا ہے۔

تاہم بعض اوقات کسی قول پر جمہور کا قول ہونے کی وجہ سے زیادہ رجحان واطمینان ظاہر کیا جاسکتا ہے، یعنی جمہور کا قول رجحان کا سبب بن سکتا ہے۔

جس طرح دلائل بھی رجحان کا سبب بن سکتے ہیں، البتہ جب تمام مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اتفاق واجماع ہو، اور وہ معتبر سند کے ساتھ ثابت بھی ہو، تو وہ حجت ہوا کرتا ہے، اور اس سے خروج، تفرّد وشذوذ کہلاتا ہے۔

مخصوص مشائخ واکابر کے قول کی حیثیت

ملحوظ رہے کہ بعض اوقات کسی علاقہ میں وہاں کے مخصوص ومشہور مشائخ واکابر کا قول مقبول و معروف ہوجاتا ہے، جن سے اس علاقہ کے افراد کو نسبتاً زیادہ اُنسیت ومحبت یا عقیدت ہوتی ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں اسی مذہب کے دوسرے مشائخ کا اور بعض اوقات دوسرے مجتہدین وفقہاء کا بھی دوسرا قول ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں اِن مخصوص مشائخ کے قول سے خروج اختیار کرنا، نہ تو اجماعِ امت سے خروج کہلاتا، اور نہ ہی یہ جمہور سے خروج کو مستلزم ہوتا۔

اور آگے تیسری فصل میں آتا ہے کہ اگر کسی میں فقہ وتفقہ کی شان وصفت پائی جائے، تو وہ علمی اعتبار سے اکابر میں ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہو، کیونکہ علم وفقہ کا تعلق عمر سے زیادہ صفت سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حنفیہ میں مختلف زمانوں کے اندر متعدد مشہور مشائخ ہوئے ہیں، اور ان کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا رہا ہے، مثلاً مشائخِ بلخ، مشائخِ خوارزم، مشائخِ بخاریٰ، مشائخِ سمرقند، مشائخِ خراسان، مشائخِ عراق، مشائخ ماوراء النہر، وغیرہ وغیرہ۔ [1]

---

[1] لو دفع غزلا إلى حائك لينسجه بالنصف جوزه مشايخ بخارى للعرف، ثم نقل فى آخرها عن إجارة البزازية أن به أفتى مشايخ بلخ وخوارزم وأبو على النسفى أيضا (الدر المختار مع رد المحتار، ج۵، ص ۲۸۰، كتاب البيوع، باب الصرف)

وهذا قول طائفة من مشايخ بلخ واختاره فخر الإسلام وغيره (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۲۰۰، كتاب الطهارة، باب المياه)

ومشايخ بلخ وخوارزم أفتوا بجواز إجارة الحائك للعرف وبه أفتى أبو على النسفى أيضا والفتوى على جواب الكتاب (رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ص ۵۱۹، كتاب البيوع، مطلب فى بيع الجامكية)

ولو ستر القدم باللفافة جوزه مشايخ سمرقند ولم يجوزه مشايخ بخارى (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۲۶۲، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

أفتى به مشايخ سمرقند خلافا لمشايخ بخارى (رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ص ۴۸۲، كتاب الوقف، فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر وغيرها)

أنه قول العراقيين .والخراسانيون (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الامامة)

(قوله: وبه اندفع ما فى السراج إلخ) هو شرح مختصر القدورى للحدادى صاحب الجوهرة، وذلك حيث ذكر أن وجوب الغسل من الحيض والنفاس بالانقطاع عند الكرخى وعامة العراقيين، وبوجوب الصلاة عند البخاريين وهو المختار؛ ثم قال: وفائدة الخلاف فيما إذا انقطع الدم بعد طلوع الشمس وأخرت الغسل إلى وقت الظهر فتأثم على الأول لا على الثانى، وعلى هذا الخلاف وجوب الوضوء فعند العراقيين يجب الوضوء للحدث، وعند البخاريين للصلاة اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۸۶، كتاب الطهارة)

وهو قول مشايخ ما وراء النهر .ولمشايخ العراق تفصيل آخر (رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ص ۷۱۱، كتاب الايمان)

فعند مشايخ العراق حكمه الفساد ظاهرا، إذ الظاهر دوامهما على الشرط فإذا أسقطه تبين خلاف الظاهر فينقلب صحيحا .وقال: مشايخ خراسان والإمام السرخسى وفخر الإسلام وغيرهما من مشايخ ما وراء النهر (رد المحتار على الدر المختار، ج۴، ص ۵۶۹، كتاب البيوع، باب خيار الشرط)

وفى النهاية إذا سعى إلى الجمعة قبل أن يصليها الإمام إلا أنه لا يرجو إدراكها لبعد المسافة لم يبطل ظهره فى قول العراقيين ويبطل فى قول البلخيين، وهو الصحيح اهـ (منحة الخالق على البحر، ج۲، ص ۱۶۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

اور ہر دور میں فطری وطبعی طور پر وہاں کے علاقہ کے عوام اور عام علماء پر اس علاقہ کے مشائخ واکابر کا اثر رہا ہے، جن کی مخالفت سے ان مشائخ واکابر کے عام معتقدین کے حلقہ میں ایک قسم کی وحشت محسوس کی جاتی رہی، لیکن یہ سب کچھ ایک طبعی امر ہے، فقہی وشرعی اعتبار سے ہر عالم وفقیہ اس کا مکلّف نہیں، بلکہ وہ شرعی وفقہی دلائل کا مکلّف ہے۔

اسی طرح فقہی اعتبار سے کوئی قول موجودہ دور میں اکثر مشائخِ دیوبند کا بھی معروف ومشہور ہوسکتا ہے، اس سے خروج بھی اجماع یا جمہور سے خروج کو مستلزم نہیں ہوگا، جب تک اس کے مقابلہ میں دوسرا قول بھی اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہو، اور شرعی وفقہی دلائل پر مبنی ہو، اور مجتہد فیہ نوعیت کا ہو۔

اور اپنے مشائخ یا مخصوص اکابر سے انسیت شرعاً مذموم نہیں، لیکن عصبیت مذموم ہے، اور فقہی و علمی عصبیت میں یہ بھی داخل ہے کہ دلائل کی رُو سے دوسرا قول راجح معلوم ہو، لیکن صرف اپنے مذہب یا مخصوص مشائخ یا اکابر کے خلاف ہونے کی وجہ سے اسے رَد کردیا جائے، یا مجتہد فیہا مسائل میں اپنے سلسلہ کے مخصوص مشائخ واکابر بلکہ اپنے مذہب کے علاوہ دیگر اقوال کے ساتھ یا ان اقوال کو اختیار کرنے والوں کے ساتھ اہلِ باطل جیسا سلوک کیا جائے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ؟ قَالَ : لَا، وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ (مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٩٨٩)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی تعصّب میں داخل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تعصب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم (یعنی ناحق

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

چیز) پر مدد کرے (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

قَالَ: مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ، فَهُوَ كَالْبَعِيرِ الَّذِىْ رُدِّىَ، فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهِ (أبو داود، رقم الحديث ٥١١٧، كتاب الادب، باب فى العصبية)

ترجمہ: جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق مدد کی تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر پڑا اب وہ اپنی دم سے کھینچ کر نکالا جائے گا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم کی ناحق مدد و بے جا طرف داری، انسان کو مشکل میں پھنسانے کا سبب ہے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ''حجةُ الله البالغة '' میں ابنِ صلاح سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر أن كملت له آلة الاجتهاد مطلقا، أو فى ذلك الباب، أو المسألة، كان له الاستقلال بالعمل به، وإن لم يكمل وشق مخالفة الحديث بعد أن يبحث، فلم يجد للمخالفة جوابا شافيا عنه -فله العمل به إن كان عمل به إمام مستقل غير الشافعي، ويكون هذا عذرا له فى ترك مذهب أمامه ههنا، وحسنه النووى وقرره (حجة الله البالغة، ج ١ ص ٢٦٩، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها)

ترجمہ: جس شافعی نے کوئی ایسی حدیث پائی، جو اس کے مذہب کے مخالف ہے،

---

[1] (مثل الذى يعين قومه على غير الحق مثل بعير تردى وهو يجر بذنبه) لفظ رواية أبى داود كمثل بعير تردى فى بئر فهو ينزع منها بذنبه اه قال بعضهم :معنى الحديث أنه قد وقع فى الإثم وهلك كالبعير إذا تردى فى بئر فصار ينزع بذنبه ولا يقدر على الخلاص (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٨١٤٢)

تو وہ غور کرے، اگر اس کو اجتہادِ مطلق کے ذرائع مکمل طور پر حاصل ہیں، یا خاص اس باب میں حاصل ہیں، یا خاص اس مسئلہ میں حاصل ہیں، تو اس کو اس پر عمل کرنے میں استقلال حاصل ہوگا (یعنی وہ کسی مجتہد کی تقلید کا پابند نہیں ہوگا) اور اگر اس کو مذکورہ ذرائع مکمل حاصل نہیں اور بحث کے بعد اسے حدیث کی مخالفت کا کوئی شافی جواب نہیں ملتا، تو بھی اس کو اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ اس حدیث پر امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام (یعنی مجتہد) نے عمل کیا ہو، اور یہ اس کے لیے یہاں اپنے امام کا مذہب ترک کرنے میں عذر بن جائے گا، ابنِ صلاح کے اس قول کی نووی نے تحسین فرمائی ہے، اور اس کو برقرار رکھا ہے (حجۃ اللہ البالغۃ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "حجةُ الله البالغة" میں ہی ایک مقام پر علامہ ابنِ حزم کی طرف سے تقلید کے مطلقاً ممنوع ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة، وفيمن ظهر عليه ظهورا بيننا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا، ونهى عن كذا، وأنه ليس بمنسوخ إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة، فلا يجد لها نسخا، أو بأن يرى جمعا غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه، ويرى المخالف له لا يحتج إلا بقياس أو استنباط أو نحو ذلك، فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى، أو حمق جلى.

وهذا هو الذى أشار إليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال: ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على

ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا، وهو مع ذلک يقلده فيه، ويترک من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه، بل يتخيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة، ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده.

وقال :لم يزال الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبيا أرسل، وهذا نأى عن الحق، وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب.

وقال الإمام أبو شامة :ينبغي لمن اشتغل بالفقه ألا يقتصر على مذهب إمام، ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى دلالة الكتاب والسنة المحكمة، وذلک سهل عليه إذا كان أتقن معظم العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف المتأخرة فإنها مضيعة للزمان ولصفوة مكدرة، فقد صح عن الشافعي أنه نهى عن تقليده وتقليد غيره (حجة الله البالغة، ج ا ص ٢٦٦، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها)

ترجمہ: ابنِ حزم کی یہ بات (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، بلکہ حرام ہے) اس شخص کے حق میں پوری ہوسکتی ہے، جس کو اجتہاد کا کچھ حصہ حاصل ہو، اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، اور اس شخص کے حق میں بھی پوری ہوسکتی ہے، جس کو صاف واضح ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز کا حکم فرمایا ہے، اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

یہ حکم منسوخ نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم اس مسئلہ میں احادیث کے تتبع اور مخالف اور موافق کے اقوال کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوا ہو، پس وہ اس کو منسوخ نہیں پاتا، یا اس وجہ سے کہ اس نے تبحر فی العلم کے حاملین کی ایک بڑی جماعت کو اس قول کو اختیار کرتے ہوئے پایا ہے، اور اس کے مخالف کو صرف قیاس یا استنباط وغیرہ سے حجت پکڑتے ہوئے پایا ہے، تو اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کا سبب، یا تو صرف چھپا ہوا نفاق ہوسکتا ہے، یا واضح حماقت ہوسکتی ہے۔

اور اسی کی طرف شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاءِ مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف معلوم ہوجاتا ہے، اس طور پر کہ اس کے ضعف کو دور کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود وہ اس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں، اور جن کے مذہب پر کتاب اور سنت اور صحیح قیاسات کی شہادت ہوتی ہے، ان کے مذہب کو اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتے ہیں، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر کو دفع کرنے کے لیے وہ مختلف تخیلات سے کام لیتے ہیں، اور تاویلاتِ باطلہ اور بعیدہ کو اختیار کرتے ہیں، اپنے مقتدا کی حمایت کرنے کی غرض سے۔

اور شیخ عزالدین نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ علماء میں سے جو میسر آئے، کسی مذہب کی قید کے بغیر سوال کرتے رہے، اور سوال کرنے والوں میں سے کسی پر انکار نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ یہ مذاہب مشہور ہوگئے، اور ان کے متعصب مقلد نمودار ہوگئے، پس ان میں سے کوئی اپنے امام کی اتباع اس وقت بھی کرتا ہے، جبکہ دلائل کے لحاظ سے اس کا مذہب کمزور ہوتا ہے، اس کے قول کی تقلید کرتے ہوئے، گویا کہ وہ کوئی نبی ہے، جو بھیجا گیا ہے، اور یہ طرزِ عمل حق سے ہٹا ہوا ہے، اور صواب سے دور

ہے، عقل والوں میں سے کوئی بھی اس سے راضی نہیں ہوسکتا۔

اور امام ابوشامہ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر اکتفاء نہ کرے، اور ہر مسئلہ میں اسی کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے، جو کتاب اور سنتِ محکمہ کی دلالت کے زیادہ قریب ہو، اور یہ عمل اس شخص پر سہل ہوگا، جب وہ اصل مقصودی و متقدم علوم میں پختگی حاصل کرلے گا، اور تعصب اور متاخرین کے اختلاف کے طور طریقوں سے اجتناب کرے گا (جو تعصب اور جمود میں مبتلا ہیں) کیونکہ یہ امور وقت کو ضائع کرنے والے ہیں، جن سے صاف طبیعتوں میں تکدّر پیدا ہو جاتا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید سے اور دوسرے کی تقلید سے منع فرمایا (حجۃ اللہ البالغۃ)

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اقول: تفرق الناس من قديم الزمان الى هذا الاوان فى هذا الباب الى الفرقتين: فطائفة قد تعصبوا فى الحنفية تعصبا شديداً، والتزموا بما فى الفتاوىٰ التزاماً سديداً، وان وجدوا حديثاً صحيحاً او اثراً صريحاً على خلافه، وزعموا انه لو كان هذا الحديث صحيحاً لاخذ به صاحب المذهب، ولم يحكم بخلافه، وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن ابى حنيفة من تقديم الاحاديث والآثار على اقواله الشريفة، فترك ماخالف الحديث الصحيح راى سديد، وهو عين تقليد الامام لاترك التقليد، وطائفة زعموا ان الامام قاس على خلاف الاخبار، وهجر ما ورد به الشرع والآثار، فظنوا فى حقه ظنوناً سيئة، واعتقدوا عقائد قبيحة، ومطالعة "الميزان" لهم نافع، ولاوهامهم دافع، فليتخذ

العاقل مسلک البین، ویھجر طریق الطائفتین (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر"، صفحة ۴۵، مقدمة ،الفصل الثالث، مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ قدیم زمانہ سے موجودہ دور تک، اس سلسلہ میں لوگوں کے دو طبقے رہے ہیں، ایک طبقہ تو حنفیت میں شدید تعصب رکھتا ہے، اور وہ (حنفیہ کی کتبِ) فتاویٰ میں جو کچھ مذکور ہے، اس کا درست سمجھتے ہوئے التزام کرتا ہے، اگرچہ وہ صحیح حدیث یا صحیح اثر اس کے خلاف پالے، اور یہ (طبقہ) گمان رکھتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی، تو اس کو صاحبِ مذہب اختیار کر لیتے، اور اس کے خلاف حکم نہ لگاتے، حالانکہ یہ اس طبقہ کی، اس بات سے ناواقفیت پر مبنی ہے، جو معتبر حضرات نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ احادیث اور آثارِ مبارکہ کو ان کے اقوال پر مقدم رکھا جائے گا، پس صحیح حدیث کے مخالف فقہاء کے قول کو ترک کر دینا، یہ درست رائے ہے، اور یہ امام کی ہی تقلید ہے، ترکِ تقلید نہیں ہے۔

اور ایک طبقہ نے یہ گمان کیا کہ امام ابوحنیفہ نے احادیث کے خلاف قیاس کیا، اور شریعت اور آثار کو چھوڑ دیا، اس لیے اس طبقہ نے امام ابوحنیفہ کے حق میں مختلف بد گمانیوں کا ارتکاب کیا، اور قبیح عقائد کو اختیار کیا، اور مطالعہ کی کسوٹی ان کے لیے فائدہ مند ہے، اور ان کے فاسد خیالات کو دور کرنے والی ہے، پس عاقل کو چاہئے کہ وہ معتدل و متوسط راستہ کو اختیار کرے، اور مذکورہ دونوں طبقات کے راستہ کو چھوڑ دے (النافع الکبیر)

معلوم ہوا کہ جس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو قصداً وعمداً احادیث کے خلاف قیاس کرنے والا سمجھنا اور احادیث وآثار کو قصداً چھوڑنے والا شمار کرنا، بے اعتدالی ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہر قول کو خواہ وہ صحیح احادیث اور راجح دلائل کے خلاف بھی ہو، اختیار کرنا

اوراس کے مقابلہ میں حدیث کو ترک کردینا بھی بے اعتدالی ہے، اور معتدل ومتوسط راستہ ان دونوں کے مابین ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ ، جلد اول، ص ۱۴۱، مضمون ''وحدتِ امت''

مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

اس سے معلوم ہوا کہ فروعی واجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اختیار کرنا درست نہیں۔

تعصب وتحزب سے محفوظ ہونے کے باعث مستند اور فقیہ مشائخِ دیوبند نے اپنے علاوہ دوسرے فرقوں کے ساتھ بھی متعصّبانہ سلوک اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک سوال وجواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: ''جماعتِ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ اہلِ سنت والجماعت میں داخل نہیں؟

جواب: ''ان میں جو حضرات ائمہ مجتہدین پر لعن طعن کرتے ہیں، اور تمام مقلدین کو مشرک کہتے ہیں، وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں، لیکن عموماً اہلِ حدیث حضرات کا یہ خیال نہیں، صرف مسائل میں اختلاف ہے، مگر ائمہ دین کا وہ بھی احترام کرتے ہیں، اور مقلدین کو مشرک نہیں کہتے، وہ لوگ اہلِ سنت والجماعت میں داخل ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔دار العلوم کراچی۔۱۹/۲/۱۳۸۴ھ۔(فتوی نمبر ۱۷۵۵/۱۵)

(امداد المفتیین جامع، جلد۱، ص۵۹۱، کتاب الایمان والعقائد، باب احکام الکفر، فصل فی التقلید، زیرِ اہتمام مولانا مفتی محمد رفیع و مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحبان، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018)

ہمارے یہاں تعصب وتحزب کی بنا پر حیاتُ النبی کے مسئلے کو بھی دونوں طرف سے بلاوجہ معرکۂ بحث بنا کر اور اس کی کیفیات میں کھود کرید کر کے عام مسلمانوں میں تشویش پیدا کی جاتی ہے، اس سلسلے میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

حیاتُ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسئلے کو دونوں طرف سے بلاوجہ معرکۂ بحث بنا کر عام مسلمانوں میں تشویش پیدا کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فریقین کو توفیق عطا فرمائے کہ وقت کے اہم مسائل پر غور وفکر کریں، اس مسئلے میں صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو برزخ میں خاص قسم کی حیات نصیب ہوتی ہے، جس کا اثر بدن تک پہنچتا ہے، کہ بدن بھی مٹی سے متاثر نہیں ہوتا، باقی اس کی حقیقت اور کیفیت کی بحث، نہ اللہ اور رسول نے اس کی تحقیق کرنے کا حکم دیا، نہ ہمارے ذمّہ ہے، نہ اس میں بحث کرنا کوئی دین کی خدمت ہے۔ **واللہ اعلم۔**

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔دار العلوم کراچی۔۸/۶/۱۳۸۲ھ۔(فتوی نمبر ۳۵/۱۳)

(امداد المفتیین جامع، جلد۱، ص۳۸۹، کتاب الایمان والعقائد، باب العقائد، فصل فیما یتعلق بحیاۃِ الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018)

ہم مذکورہ مسئلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا معتدل اور جامع موقف کو ہی اختیار کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں فریقین کی افراط وتفریط کو پسند نہیں کرتے، اور اس مسئلہ پر مذکورہ عقیدہ رکھنے کے بعد اس کی کیفیت میں عوامی سطح پر بحث ومباحث کرنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور مناظرہ بازی بلکہ کفر بازاری گرم کرنے کے بجائے، وقت

کے اہم مسائل پر غور وفکر کو ترجیح دیتے ہیں، البتہ علمی اعتبار سے کسی مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہو، تو اس کو سنجیدہ اور مہذب انداز میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کے ساتھ واضح کرنے میں حرج نہیں، لیکن آج کل ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

بعض مشائخِ دیوبند نے متعدد اُن مسائل کو بھی مجتہد فیہا قرار دیا ہے، اوران میں اختلاف کی گنجائش بیان فرمائی ہے، جو رسالہ ''**المهند على المفند**'' المعروف ''علمائے دیوبند کے عقائد'' میں مذکور ہیں، اوران پر بہت سے مشائخِ دیوبند کی تصدیقات ثبت ہیں۔

چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک مقام پر درجِ ذیل سوال و جواب مذکور ہے:

سوال: ''علمائے دیوبند کے عقائد'' کتاب پڑھنے کا موقع ملا، ایک جگہ سمجھ میں نہیں آئی ہے، امید ہے حضرت والا تشفی فرمائیں گے۔ وہ حصہ جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہے، وہ عرش وکرسی اور کعبہ سے بھی افضل ہے، کیا یہ عقیدہ شرعاً صحیح ہے؟ کتاب ارسالِ خدمت ہے۔

جواب: گرامی نامہ مع رسالہ ''**المهند**'' موصول ہوا، ص:٦ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اَطہر کے بارے میں جو لکھا ہے، نہ تو وہ عقیدے کا جزء ہے، نہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(مذکورہ بالا موقف کے حامل- ناقل) فقہاء کا استدلال قیاس کے ذریعہ ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو قرب بیتُ اللہ، عرش وکرسی کو حاصل ہے، وہ قربِ اتصال تو ہے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیت سے پاک ہے، بلکہ قربِ معنوی اور حکمی ہے، اور یہ قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ حاصل ہے، انہیں مخلوقات میں سے بیتُ اللہ، عرش اور کرسی بھی ہے۔ بہر حال یہ ایک قیاسی حکم ہے، اگر کسی کا دل اس پر مطمئن نہیں، تو اس کا ماننا لازم نہیں۔

واللہ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم کراچی۔ ۱۳۸۶/۴/۲۹ھ۔ (فتوی نمبر ۱۷/۹۹)

(امداد المفتیین جامع، جلد ا، ص ۳۸۲، کتاب الایمان والعقائد، باب العقائد، فصل فیما یتعلق بالرسول و اصحابہ، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018) [1]

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کو ایک عالم نے قبرِ نبوی کے عرش سے افضل نہ ہونے کے دلائل لکھے تھے، جس کا حضرت نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا:

(الف) جن مقدمات پر آپ نے اپنے مقصود کو مبنی فرمایا ہے، خود ان میں سے بعض میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

(ب) مسائلِ ظنیہ، جو مجتہد سے منقول نہ ہوں، ان میں غیر مجتہدین اہلِ حق کے اتباع کو جائز سمجھتا ہوں، خصوص احتمالِ نقیض کے ساتھ۔

والسّرُّ فی ذٰلک انہٗ لایستلزم انتفاء الاجتهاد المطلق، انتفاء مطلق الاجتهاد.

(ج) عقائدِ غیر قطعیہ میں، دلیلِ غیر قطعی سے تمسک کو جائز سمجھتا ہوں۔

(د) ایسے امور میں کسی ایک شق کو کسی محقق، محق کی تقلید سے یا اپنے شرح صدر سے ظناً ترجیح دینے کو جائز سمجھتا ہوں، **مالم یظهر الغلط**۔

---

[1] مندرجہ بالا مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے رسالہ ''خیر بقاع الارض کی تحقیق'' میں ذکر کردی ہے، جس میں یہ بھی واضح کردیا ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، جو مخصوص قرب حاصل ہے، اور وہ بیت اللہ، عرش اور کرسی وغیرہ تمام مخلوقات سے زیادہ ہے، وہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اس کے واسطے سے آپ کے جسمِ اطہر کو تو حاصل ہے، لیکن جو قطعۂ زمین نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے متصل ہے، وہ اس سے الگ چیز ہے، لہٰذا مذکورہ قیاس بھی محلِ نظر ہے، اس لیے بھی اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتوے کی مذکورہ عبارت میں، خود تصریح فرمادی ہے کہ نہ تو یہ عقیدے کا جزو ہے، نہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر کسی کا دل اس پر مطمئن نہیں، تو اس کا ماننا لازم نہیں۔

اعتدال اور تفقہ اسی کو کہا جاتا ہے، جو بہت بڑی نعمت اور اللہ کی طرف سے موفق بالخیر کی نشانی ہے۔ محمد رضوان۔

(ھ) ایسے امور میں جزماً کسی کی تضلیل یا تجہیل کو ناجائز سمجھتا ہوں۔

(و) ایسے امور میں باوجود وضوحِ حق کے، اپنے غیر معصوم متبوع کے قول پر جمود کو ناجائز سمجھتا ہوں، خصوصاً جب وہ متبوع قولاً وفعلاً ایسے جمود سے اپنے اتباع کو منع کر چکا ہو۔ [1]

(ز) ایسے امور میں، باوجود امکانِ جوابِ صحیح کے، قیل وقال کو ناپسند کرتا ہوں، خصوص جب بدلالتِ قرائن، سائل جازم غیر متردد ہو اور مصر ہو، جس سے رجوع کی توقع نہ ہو، اس صورت میں کلام میں امتداد لا طائل ہو کر ایک مستقل مشغلہ بن کر وقت کو ضائع کرنا ہے۔ [2]

اب اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ جن امور کا آپ نے نمونہ پیش کیا ہے، اس کی کوئی جانب قطعی نہیں، ان میں یہ سب احکامِ سبعہ جاری ہوں گے۔

چنانچہ خود اس نمونہ کا بطلان اگر قطعی ہوتا، تو ہم لوگوں سے زیادہ علم وعمل والے اس پر نکیر کیوں نہ کرتے اور مثالِ مفروض میں ممکن ہے کہ حکم کے کسی شرط کا انتفاء، مانع لزومِ محذور ہو، اور اس تقریر سے سب محذورات کا جواب ہو گیا۔

مگر احتیاطاً بعض امور کی تصریح بھی کیے دیتا ہوں۔

میں اپنے قول سے، فعل سے اعلان کر چکا ہوں اور اگر اس اعلان کا کسی کو علم نہ ہو، اب اعلان کرتا ہوں کہ:

"کوئی صاحب محض میری کسی تحقیق واتباع کی بنا پر ایسے امور میں کسی جانب پر

---

[1] ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے زیرِ بحث مسئلہ میں وضوحِ حق کے بعد غیر معصوم متبوع کے قول پر جمود کو ناجائز قرار دیا، اور اس طرح کے جمود سے اپنے متبعین کو منع فرمایا، لیکن آج ان مشائخ واکابر کی طرف اپنی نسبت کرنے والے بعض حضرات، اسی جمود کی دعوت دیتے ہیں، جس سے خود یہ حضرات منع فرما چکے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] مگر آج کچھ لوگوں نے اس قسم کے مسائل میں ہی قیل وقال کو مستقل مشغلہ بنا کر وقت کو ضائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

اعتقاداً یا عملاً جمود نہ فرماویں، جب حق واضح ہو جاوے، اس کو قبول فرمالیں‘‘ [1]
اس اعلان کے بعد میرے متبعین میں کسی محقق کا نہ ہونا، مضر نہیں ہوسکتا، ان میں اگر کوئی محقق نہیں، تو دوسری جماعتوں میں تو انشاء اللہ تعالیٰ محقق موجود ہوں گے، وہ (دین کی) حفاظت کے لئے کافی ہوں گے۔
ایسی حالت میں، ایسے امور میں، میرے ساتھ کسی کا اختلاف کرنا۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھ کو گراں نہیں، مجھ کو اس کی عادت ہے، مگر خطابِ خاص سے جواب کا مطالبہ طبعًا گراں ہے، البتہ عام عنوان سے اس کی اشاعت ہر طرح گوارا ہے اور ایسے خطاب کی کچھ ضرورت بھی نہیں، جبکہ اظہارِ حق کا جو کہ اصل مقصود ہے، ایک دوسرا طریق بھی ہے جو ابھی مذکور ہوا۔
پس آپ اپنی تحقیقات کو بے تکلف شائع فرماویں، مجھ کو جس امر میں شرح صدر ہو جائے گا، میں اس کو قبول کر کے اپنا رجوع خود شائع کردوں گا، ورنہ سکوت کروں گا، رد نہ کروں گا۔

مالم يخالف قطعيا ولن يكن إن شاء اللّٰه تعالىٰ.

اور اگر کوئی میرے قول سے تمسک کرے، اس کو یہ اعلان دکھلا کر مجوج فرماویں، اگر پھر بھی وہ جمود کرے، تو میں اور آپ دونوں بری ہیں۔
اب اپنے لئے اور آپ کے لئے یہ دعا کر کے ختم کرتا ہوں:

اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

والسلام

(امداد الفتاوی، ج۶،ص ۱۱۵، ۱۱۶، کیا روضہ اطہر کی زمین عرش سے افضل ہے؟ مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: شعبان 1431 ہجری، جولائی 2010 عیسوی)

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ دو سطروں کی عبارت، اصحابِ علم کے لیے نہایت قابلِ توجہ ہے۔ محمد رضوان۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق کا ایک ایک جملہ انتہائی توجہ طلب اور آج کل کے بہت سے فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، جس کو بار بار ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

''بہت علماء نے لکھا ہے کہ جس حصۂ زمین سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک مَس کیے ہوئے ہے، وہ عرش سے افضل ہے، سو یہ ایسی فضیلت ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھے، تو کوئی ملامت نہیں، لیکن اس کی نفی میں بھی بے ادبی کا عنوان اختیار نہ کرے (ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۹ ''الافاضات الیومیة من الافادات القومیة'' ص ۳۰۸، ملفوظ نمبر ۲۴۹، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخ اشاعت: ۱۴۲۵ ہجری)

لیکن آج کل بعض لوگوں کی طرف سے اس قسم کے مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو مسلکِ دیوبند، بلکہ مسلکِ اہل سنت والجماعت سے بھی خارج ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے، جو درست طرزِ عمل نہیں۔

بہر حال کسی فقہی و مجتہد فیہ مسئلہ کو صرف اپنے مخصوص مشائخ واکابر کے خلاف ہونے کی وجہ سے رَد کرنا، اور دلائل کی رُو سے اس کے خلاف قول کے راجح معلوم ہونے کے باوجود اس کو اختیار نہ کرنا، یا دوسرے قول کے ساتھ باطل جیسا سلوک کرنا درست اور معتدل طرزِ عمل نہیں، بلکہ مختلف مفاسد اور فتنوں کا سبب ہے۔

بہر حال گزشتہ تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اجماع منعقد ہونے کے لیے تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے، اکثر فقہائے کرام کا اتفاق کافی نہیں، اسی بناء پر اگر کسی مسئلے میں اکثر فقہاء یا ائمۂ اربعہ ایک طرف ہوں، لیکن بعض یا کسی ایک ایسے فقیہ کا اختلاف ہو کہ اس کے اجتہاد کو سائغ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں اجتہاد کی وسعت وصلاحیت تھی، تو بھی راجح یہ ہے کہ یہ مسئلہ مجتہَد فیہ شمار ہوگا، اگرچہ بعض حضرات محض ائمۂ اربعہ کے اتفاق کو اجماع سے تعبیر کرتے ہیں، بلکہ بعض کو یہ غلط فہمی ہوگئی

ہے کہ جس چیز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو، اگر چہ کسی دوسرے مجتہد مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ، سعید بن جبیر، ابنِ سیرین، سعید بن مسیّب، فقہائے سبعہ اوران کے علاوہ بھی بے شمار، نیز امام محمد، امام ابو یوسف اور امام زفر وغیرہ کا اختلاف ہو، تو وہ مسئلہ اجماعی کہلاتا ہے، مگر دلائل کی رُو سے یہ قول راجح معلوم نہیں ہوا، اور نہ ہی اس پر قابلِ حجت اجماع کا ہونا ثابت ہوا۔

پھر یہ بات بھی ممکن ہے کہ کسی مسئلے میں فقہاء کا اختلاف بھی منقول نہ ہو اور وہ مسئلہ اجماعی بھی نہ ہو، اس طرح سے کہ دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ سے کسی وجہ سے تعرض ہی نہ کیا ہو۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مسئلہ پر کسی کی طرف سے اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہو، لیکن اس کا مستند طریقہ پر ثبوت نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] قد اختلف علماء الاصول فی انعقاد الاجماع مع ندرة المخالف ، فالجماهير من جميع الطوائف على أنه لا ينعقد الاجماع مع مخالفة الواحد، لأن المجمعين حينئذ ليسوا كل الأمة ، والعصمة فی الاجماع انما يثبت لكل الأمة لالبعضهم (فوائد فی علوم الفقه ،تاليف: الشيخ حبيب احمد الكيرانوى ، افاده : الشيخ اشرف على التهانوى، ص ۳۰۰ "تحقيق فی حجية الاجماع مع ندرة المخالف" مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، الطبعة الثالثة: ۱۴۱۴ هـ)

والظاهر أن مراد المصنف بالإجماع هاهنا هو إجماع أئمتنا الثلاثة الذين وقع الخلاف بين أعظمهم وبين صاحبيه فيما ذكر آنفا من مسألة الاستهلاك، لا إجماع الأمة الذى هو من الأدلة؛ لأن هذا الإجماع إنما يتحقق باتفاق جميع المجتهدين الموجودين فی عصر من أمة محمد -صلى الله عليه وسلم -على حكم شرعی وهو غير ثابت فيما نحن فيه(فتح القدير، ج۹،ص ۳۶۳، كتاب الغصب)

ومراد المصنف بالإجماع فی قوله ولهذا يستأتى حولا بالإجماع إنما هو إجماع المجتهدين دون إجماع المشايخ، وانتفاء أحد الإجماعين لا يستلزم انتفاء الآخر؛ ألا يرى أن المشايخ كثيرا ما يختلفون فی رواية المسألة عن المجتهدين، فبعضهم يروی اجتماع المجتهدين فيها وبعضهم يروی اختلافهم فيها(فتح القدير، ج۱۰،ص ۲۹۵، كتاب الديات)

لو قضى بشهادة الابن لأبيه أو بالعكس ففيه خلاف بين الصحابة ثم وقع الإجماع على بطلانه فينفذ قضاؤه عند أبی يوسف بناء على أن الإجماع المتأخر لا يرفع الخلاف السابق عنده.وعند محمد لا ينفذ بناء على أنه يرفعه عنده فلم يكن قضاء فی فصل مجتهد فيه(رد المحتار ، ج۴،ص ۴۹۳، كتاب الوقف)

(والمختار) أنه (ليس) إجماع الأكثر (إجماعا) أصلا فلا يكون حجة ظنية ولا قطعية لأنه ليس بكتاب ولا سنة ولا إجماع ولا قياس ولا من الأدلة المعتبرة عند الأمة (تيسير التحرير،لمحمد أمين بن محمود البخاری المعروف بأمير بادشاه الحنفی، ج۳،ص ۲۳۸، الباب الرابع فی الإجماع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ تعالیٰ افراط وتفریط سے محفوظ رکھ کر اعتدال پر قائم رہنے اور مجتہد فیہا مسائل میں ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور بے جا تشدد وتعصب سے نجات عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا اتفق الأكثرون وخالف واحد فلا يكون قول غيره إجماعا ولا حجة هذا هو المشهور ومذهب الجمهور(البحر المحيط ، للزركشى، ج٣، ص ٥٢٢، كتاب الاجماع، الفصل الثانى)

وإذا ثبت اشتراط قول جميع المجتهدين فى الاجماع قال صاحب الكتاب فلو خالف واحد لم يكن قول غيره اجماعا لأن قوله سبيل المؤمنين يتناول الكل وليسوا دون الواحد كل المؤمنين هذا مذهب الجمهور. (الابهاج فى شرح المنهاج، لتقى الدين السبكى، ج٢، ص٣٨٧، الكتاب الثالث فى الاجماع، الباب الثالث فى شرائطه،المسألة الأولى: لابد فيه من قول كل عالمى ذلك الفن)

أهل السنة لم يقل أحد منهم إن إجماع الأئمة الأربعة حجة معصومة، ولا قال: إن الحق منحصر فيها وإن ما خرج عنها باطل، بل إذا قال: من ليس من أتباع الأئمة كسفيان الثورى والأوزاعى والليث بن سعد ومن قبلهم ومن بعدهم من المجتهدين قولا يخالف قول الأئمة الأربعة ، رد ما تنازعوا فيه إلى الله ورسوله ، وكان القول الراجح هو القول الذى قام عليه الدليل (منهاج السنة النبوية، لابن تيمية، ج٣، ص ٤١٢، الفصل الثانى)

المجتهدون الآخرون أيضاً بذلوا جهدهم مثل بذلك الأئمة الأربعة وإنكار هذا مكابرة وسوء أدب بل الحق أنه انما منع من تقليد غيرهم لأنه لم تبق رواية مذهبهم محفوظة حتى لو وجد رواية صحيحة من مجتهد آخر يجوز العمل بها(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت،ج٢،ص ٤٣٩، خاتمة: الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه،مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ:1423هـ .2002ء)

وفى بعض الأحيان نجد بعض العلماء يُعَبِّر بالإجماع كإجماع، ويُعَبِّر بالاتفاق لاتفاق الأئمة الأربعة، يعنى: إذا قال: واتفق العلماء، المراد: الأئمة الأربعة، وهذا ليس بإجماع؛ لأن الأئمة الأربعة إذا اتفقوا فليس بإجماع، فقد يتفقون على أمر مجمع عليه، وقد يتفقون على أمر يخالفهم غيرهم، كالإمام داود الظاهرى رحمه الله (شرح زاد المستقنع للشنقيطى، ج٢٠٢، ص ١٩، كتاب البيع، باب الشركة "معنى كلمة (لو) فى مصطلحات المتون")

(فصل نمبر 2)

امورِ انتظامیہ وسیاسیہ میں اختلاف وتفرّد کا حکم

اب تک جو تفصیل ذکر کی گئی، وہ مسائلِ شرعیہ وفقہیہ میں اجماع واختلاف اور تفرّد یا شذوذ کے اعتبار سے کی گئی۔

اور اگر مسائلِ شرعیہ وفقہیہ کے بجائے امورِ انتظامیہ وسیاسیہ کا معاملہ ہو، تو اس میں جائز امور کے اندر اولی الامر اور حکمران کی اطاعت اور ان کی جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہوتا ہے، اور ان سے اختلاف کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں بلکہ وہ شذوذ میں داخل ہے، احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے، جس کی ذیل میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُّدْرِكَنِيْ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَفِيْهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ، وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: نَعَمْ، قَوْمٌ مِنْ

جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَمَا تَرٰى إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ (صحيح مسلم ،رقم الحديث ۱۸۴۷ "۵۱"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر)

ترجمہ: دوسرے لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں شر (وفتنہ) کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا، اس ڈر کی وجہ سے کہ وہ شر (وفتنہ کہیں) مجھے نہ پہنچ جائے (ایک مرتبہ) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر (وفتنہ کے زمانہ) میں (مبتلا) تھے، اللہ نے ہمارے پاس یہ خیر (یعنی نبوت ورسالت) بھیج دی، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد کوئی خیر بھی ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! اور اس خیر میں کچھ کدورت ہوگی، میں نے عرض کیا کہ کیسی کدورت ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سنت کے علاوہ کو سنت سمجھیں گے اور میری ہدایت کے علاوہ کو ہدایت جان لیں گے، اور آپ ان کو پہچان لیں گے اور ان سے نفرت کریں گے، میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر جہنم کی طرف بلایا جائے گا، جس نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا وہ اسے جہنم میں ڈلوادیں گے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لئے ان کی صفت بیان فرمادیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسی قوم ہوگی جو ہمارے

رنگ جیسی ہوگی اور ہماری زبان میں ہی گفتگو کرے گی، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر یہ مجھے ملے تو میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت کو اور ان کے امام (یعنی حکمران) کو لازم کرلینا، میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی نہ تو کوئی جماعت ہو، اور نہ ہی کوئی امام (وحکمران) ہو (تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں (اور دھڑوں) سے علیٰحدہ ہوجانا، اگرچہ آپ کو موت آنے تک درخت کی جڑوں کو کاٹنا پڑے، اور آپ اسی حالت پر ہوں (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرور وفتنوں کے زمانہ میں جب اختلاف وانتشار ہو، تو مسلمانوں کی جماعت اور حاکم وحکمرانوں کے ساتھ شامل ہونے میں عافیت ہوگی، اور حکمران کے ساتھ شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اطاعت کرنا اور اس کے خلاف خروج نہ کرنا اور بغاوت اختیار نہ کرنا، خواہ وہ حکومت گناہ گاروں اور فاسقوں کی کیوں نہ ہو، کیونکہ حکومت وحکمران کا وجود کئی فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

البتہ جب کوئی حکمران اور جماعت نہ ہو، اس وقت الگ تھلگ ہونے کا حکم ہوگا۔ [1]

---

[1] وقوله وأنت على ذلك أى العض وهو كناية عن لزوم جماعة المسلمين وطاعة سلاطينهم ولو عصوا (فتح البارى لابن حجر، ج١٣، ص٣٦، كتاب الفتن، قوله باب كيف الأمر إذا لم تكن جماعة كان تامة)

تلزم جماعة المسلمين وإمامهم) بكسر الهمزة أى أميرهم ولو جار (ارشاد السارى، ج٦، ص٥٦، تحت رقم الحديث ٣٦٠٦، باب علامات النبوة فى الإسلام)

(قلت :فما تأمرنى) أى :أن أفعل به فيهم (إن أدركنى ذلك؟) أى ذلك الزمان (قال " :تلزم جماعة المسلمين ") أى :طريقتهم وحضور جمعتهم وجماعتهم (وإمامهم) أى :ورعاية إمامهم ومتابعتهم ومساعدتهم، (قلت :فإن لم يكن لهم جماعة) أى :متفقة (ولا إمام؟) أى :أمير يجتمعون عليه، وهو يحتمل فقدهما أو فقد أحدهما (قال " :فاعتزل تلك الفرق كلها ") ، أى :الفرق الضالة الواقعة على خلاف الجادة من طريق أهل السنة والجماعة، (ولو أن تعض بأصل شجرة) أى: ولو كان الاعتزال بالعض، وأن :مصدرية، وتعض :منصوب فى النسخ المصححة والأصول المعتمدة، وقيل :إن مخففة من المثقلة .قال التوربشتى رحمه الله :أى :تمسك بما يصبرك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ : نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ : إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ، تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری بات سنے پھر آگے پہنچا دے کیونکہ بہت سے فقہ (یعنی دین اور اس کی سمجھ) کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا ، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا ، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا ، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتقوى به على اعتزالك، ولو بما لا يكاد يصح أن يكون متمسكا .قال الطيبى -رحمه الله :هذا شرط يعقب به الكلام تتميما ومبالغة، أى :اعتزل الناس اعتزالا لا غاية بعده، ولو قنعت فيه بعض أصل الشجر افعل فإنه خير لك، (حتى يدركك الموت وأنت على ذلك) أى :على ما ذكرت من الاعتزال أو العض أو الخير (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٣٣٨٢، كتاب الفتن)

[1] رقم الحديث ٣٠٥٦، ابواب المناسك، باب الخطبة، يوم النحر، السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ١٨٧، باب ما يجب على الرعية من النصح لولاتها.

قال الالبانى: حديث صحيح ورجاله موثقون (ظلال الجنة فى تخريج السنة لابنِ ابى عاصم)

وقال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

ساتھ دینا کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکمران اور اس کی جماعت کے ساتھ وابستگی، ان اعمال میں سے ہے، جن میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، اور اس طرح کی احادیث دیگر کئی سندوں سے مروی ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ فَحَمَلَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ الْفِقْهِ فِيْهِ غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ الْفِقْهِ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ صَدْرُ مُسْلِمٍ، إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَمُنَاصَحَةُ أُوْلِي الْأَمْرِ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۳۳۵۰)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری اس بات کو سنے، پھر اس کو حاصل کرے، کیونکہ بہت سے فقہ (یعنی دین اور اس کی سمجھ) کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے، اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (مسند احمد)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ وَجْهَ امْرِءٍ سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَمَلَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأَمْرِ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۲۹۷، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری اس بات کو سنے، پھر اس کو حاصل کرے، کیونکہ بہت سے فقہ (یعنی دین اور اس کی سمجھ) کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے، اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے

---

[1] قال الحاكم: قد احتج مسلم فى المسند الصحيح بحديث سماك بن حرب، عن النعمان بن بشير أنه قال: لقد رأيت نبينا صلى الله عليه وسلم يوما يملأ بطنه من الدقل ."وعن سماك، عن النعمان، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا، الحديث .وحاتم بن أبى صغيرة وعبد الله بن بكر السهمى متفق على إخراجهما .وقد روى، عن الشعبى، ومجاهد، عن النعمان بن بشير، عن النبى صلى الله عليه وسلم.
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم.

مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا (حاکم)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثُ خِصَالٍ لَا یَغِلُّ عَلَیْھِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ وَالنَّصِیْحَةُ لِوُلَاةِ الْأَمْرِ وَلُزُوْمُ الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ دَعْوَتَھُمْ تُحِیْطُ مِنْ وَّرَائِھِمْ (السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ١٠٨٧، باب ما يجب على الرعية من النصح لولاتها) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (السنۃ لابنِ ابی عاصم)

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال الالبانی: إسناده صحيح ورجاله كلهم ثقات (ظلال الجنة فی تخريج السنة لابنِ ابی عاصم)

[2] عن عبد الرحمن بن أبان عن أبيه قال خرج زيد بن ثابت من عند مروان فقيل له ما بعث إليك إلا ليسألك عن شىء فقال :سألنى عن أشياء سمعتها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :سمعت رسول الله يقول" :نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل "كذا "فقه ليس بفقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه ثلاث خصال لا يغل عليهن قلب مسلم إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر ولزوم الجماعة فإن دعوتهم تحيط من وراء هم (السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ٩٤)
قال الالبانی: إسناده صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين غير عمر بن سليمان وهو العدوی القرشی وعبد الرحمن بن أبان وهو ابن عثمان وهما ثقتان (ظلال الجنة فی تخريج السنة لابنِ ابی عاصم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَۃٌ لَا یَغِلُّ عَلَیْہِنَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ، إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ وَالنَّصِیْحَۃُ لِوُلَاۃِ الْأَمْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِہِمْ فَإِنَّ دَعْوَتَہُمْ تُحِیْطُ مِنْ وَّرَائِہِمْ (السنۃ لابن ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۸۶، باب ما یجب علی الرعیۃ من النصح لولاتہا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیرخواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (السنۃ لابنِ ابی عاصم)

مذکورہ احادیث سے مسلمان حکمران اور اس کی جماعت کے ساتھ وابستگی کی فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔

عرفجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: سَیَکُوْنُ بَعْدِیْ ہَنَاتٌ وَہَنَاتٌ، فَمَنْ رَأَیْتُمُوْہُ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ، أَوْ یُرِیْدُ أَنْ یُفَرِّقَ بَیْنَ أُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُہُمْ جَمِیْعٌ، فَاقْتُلُوْہُ کَائِنًا مَّنْ کَانَ، فَإِنَّ یَدَ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ، وَإِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ

---

[1] قال الالبانی: إسنادہ جید (ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ لابنِ ابی عاصم)

یَرْتَکِضُ (صحیح ابنِ حبان ،رقم الحدیث ۴۵۷۷،کتاب السیر، باب طاعۃ الائمۃ، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۳۴۶۹) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد عنقریب فتنے اور فساد ظاہر ہوں گے، پس جس کو تم دیکھو کہ وہ جماعت میں تفریق ڈال رہا ہے، یا امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے، دراں حالیکہ وہ مجتمع ہیں، تو تم اُس کو قتل کردو، وہ شخص کوئی بھی ہو، کیونکہ اللہ کا ہاتھ (یعنی مدد) جماعت کے ساتھ (یعنی متحد ہونے میں) ہے، اور شیطان اُس کے ساتھ ہوتا ہے، جو جماعت سے علیٰحدگی اختیار کرے، اُس کو شیطان ایڑھ لگاتا (یعنی ٹھوکر مارتا) ہے

(ابنِ حبان)

اس حدیث سے مسلمان حکمران اور اس کی جماعت سے کٹنے، اور اس کے خلاف خروج کرنے کی برائی معلوم ہوئی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ آمُرُکُمْ: بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، وَالْجَمَاعَۃِ، وَالْھِجْرَۃِ، وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ . فَمَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْإِسْلَامِ مِنْ رَأْسِہٖ . وَمَنْ دَعَا دَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ جُثَاءُ جَھَنَّمَ. قَالَ رَجُلٌ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰی؟ قَالَ : نَعَمْ. وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰی، وَلٰکِنْ تَسَمَّوْا

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسنادہ صحیح (حاشیۃ صحیح ابنِ حبان)

بِاسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ سَمَّاكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٩١٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں (حکمران کی) بات سننے اور اطاعت کرنے کا (جس میں جائز قوانین کی پابندی کرنا بھی داخل ہے) جماعتِ مسلمین (یعنی مسلمانوں کی جماعت) سے وابستہ رہنے کا، ہجرت کا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا، پھر جو شخص جماعتِ مسلمین سے ایک بالشت کے برابر بھی نکلتا ہے تو وہ اپنے سر میں سے اسلام کی رسی نکال دیتا ہے اور جو شخص زمانہ جاہلیت کی پکار لگائے وہ جہنم کا گھانس پھونس ہے، ایک آدمی نے پوچھا کہ اے رسول اللہ اگر چہ وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اگر چہ وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اے اللہ کے بندو! تم لوگوں کو (برے ناموں کے بجائے) ان ناموں سے پکارا کرو جو اللہ نے رکھا ہے یعنی مسلمین اور مؤمنین (مسند احمد)

اس حدیث میں اطاعت سے مراد مسلمان حکمران اور اہلِ حل وعقد اور اولی الامر کی اطاعت ہے، اور اس کی جماعت کے ساتھ وابستگی مراد ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَعَصٰى إِمَامَهُ، وَمَاتَ عَاصِيًا، وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ، وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا، قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣٩٤٣)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کے متعلق کچھ نہ پوچھو، ایک تو وہ آدمی جو (مسلمانوں کی) جماعت سے تفریق (وعلٰیحدگی اختیار) کرے، اپنے امام (یعنی حکمران) کی نافرمانی کرے اور اسی حال میں فوت ہو جائے، اور دوسرے وہ باندی یا غلام جو اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جائے اور اسی بھگوڑے پن کے زمانے میں مر جائے اور تیسرے وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو (یعنی اس کے پاس موجود نہ ہو) مگر وہ اس کی تمام دنیوی ضرورت میں اس کی کفایت (وکفالت) کرتا ہو اور وہ اس کے پیچھے (دورِ جاہلیت کی طرح) اپنی جسمانی نمائش کرنے لگے ان (کی حالتِ بد) کے متعلق کچھ نہ پوچھو (مسند احمد)

اس حدیث سے حکمران کی نافرمانی اور مسلمانوں کی جماعت میں تفریق ڈالنے والے کی مذمت معلوم ہوئی، اور چونکہ حکمران کی نافرمانی عام طور پر تفریق کا باعث بنتی ہے، اس لئے حکمران کی نافرمانی کے ساتھ تفریق کی بُرائی کا ذکر کیا گیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَخَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، فَمَاتَ فَمِيْتَتُهُ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى أُمَّتِىْ بِسَيْفِهٖ، يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا، لَا يَتَحَاشٰى مُؤْمِنًا لِإِيْمَانِهٖ، وَلَا يَفِىْ لِذِىْ عَهْدٍ بِعَهْدِهٖ، فَلَيْسَ مِنْ أُمَّتِىْ، وَمَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ، يَغْضَبُ لِلْعَصَبِيَّةِ، أَوْ يُقَاتِلُ لِلْعَصَبِيَّةِ، أَوْ يَدْعُوْ إِلَى

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

الْعَصَبِيَّةِ، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (مسند أحمد،رقم الحديث ٨٠٦١،مسلم رقم الحديث ١٨٤٨"٥٣") [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور (حکمران کی) اطاعت سے نکل گیا اور اسی حال میں مَر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی، اور جو شخص میری امت پر اپنی تلوار کے ساتھ خروج کرے، اس (امت) کے نیک و بد کو مارے، مومن سے اُس کے ایمان کی وجہ سے حیاء نہ کرے، اور عہد والے (غیر مسلم) سے اپنا عہد پورا نہ کرے، تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے، اور جو شخص کسی گمراہ جھنڈے کے نیچے لڑتا ہے، کسی (خاندانی، زبانی، یا دوسرے) تعصب کی وجہ سے غصہ کرتا ہے، یا تعصب کی وجہ سے (کسی سے قتل و) قتال کرتا ہے، یا تعصب کی طرف بُلاتا ہے، تو اس کا قتل ہونا بھی جاہلیت کے مرنے کی طرح ہے (مسند احمد)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل وقوم اور قبیلہ وعلاقہ پرستی کی وجہ سے حکمران سے اختلاف اور قتال کرنا سخت گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحيح مسلم،رقم الحديث ١٨٥١"٥٨"كتاب

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

[2] عن جندب بن عبد الله البجلي، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من قتل تحت راية عمية، يدعو عصبية، أو ينصر عصبية، فقتلة جاهلية (مسلم،رقم الحديث ١٨٥٠"٥٧"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر)

الامارة،باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے حکمران کی اطاعت سے ہاتھ نکال لیا، تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مَرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (مسلم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

مَنْ نَكَثَ صَفْقَتَهُ فَلَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَهُوَ مُفَارِقٌ لِلْجَمَاعَةِ فَمَوْتُهُ مِيْتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (السنة لابنِ ابی عاصم ،رقم الحديث ١٠٨١ ،باب فی ذكر السمع والطاعة) [1]

ترجمہ: جس نے اپنی (حکمران کی) بیعت کو توڑ دیا، تو اس کے لئے (بروزِ قیامت نجات کی) حجت (ودلیل) نہیں، اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے جماعت (یعنی امت) میں فرقت ڈالی ہوئی تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (ابنِ ابی عاصم)

معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت سے خروج، اگرچہ وہ ظالم اور گناہ گار کیوں نہ ہو، آپس میں مفارقت اور خون ریزی کا باعث ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت کی بڑی تاکید ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے حکمران کی بیعت یعنی اس کے انتخاب میں کوتاہی کی اور

---

[1] قال الالبانی: حديث صحيح ورجال إسناده ثقات غير أبی جعفر الرازی ففيه ضعف من قبل حفظه لكنه لم يتفرد بمتنه وإن خولف فی إسناده عن ابن عجلان كما أشار إليه المصنف فی الإسناد الذی علقه بعده .لكن للحديث عن نافع أصل أصيل فقد رواه زيد بن محمد عن نافع قال :جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان زمن يزيد بن معاوية فقال اطرحوا لأبی عبد الرحمن وسادة فقال :إنی لم آتک لأجلس أتيتک لأحدثک حديثا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم يقوله ,سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم يقول" :من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية ."أخرجه مسلم ثم رواه من طريق بكير بن الأشج عن نافع به نحوه(ظلال الجنة فی تخريج السنة لابنِ ابی عاصم)

اسی حال میں فوت ہوگیا، تو وہ بری موت ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: آمُرُكُمْ بِثَلَاثٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ: آمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَتَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا، وَلَا تَتَفَرَّقُوْا، وَتُطِيْعُوْا لِمَنْ وَّلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ

(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۵۶۰، كتاب السير، باب طاعة الأئمة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو تین چیزوں کا حکم دیتا ہوں، اور تین چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تمہیں (ان تین چیزوں کا) حکم کرتا ہوں (ایک تو) تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ (دوسرے) اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید) کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور تم تفرقہ بازی نہ کرو (تیسرے) ان حضرات کی اطاعت کرو جن کو اللہ نے تمہارے معاملہ

---

[1] (وعنه قال: سمعت رسول الله يقول: من خلع يدا من طاعة) أي خرج عنها بالخروج على الإمام وعدم الانقياد له في غير معصية بأي وجه كان، أطلق خلع اليد وأراد به لازمه وهو إبطال المبايعة بالخروج عن الطاعة مجازا مرسلا، قال العاقولي: يكنى بخلع اليد عن نكث العهد لأن المعاهد يضع يده في يد من عاهد غالبا (لقي الله يوم القيامة ولا حجة له) أي لا حجة له يومئذ فيما فعله من نبذ الطاعة ولا عذر له فيه (ومن مات وليس في عنقه بيعة) أي للإمام بالسمع والدخول في طاعته والجملة في محل الحال من فاعل مات قيد له .(مات ميتة جاهلية) هي صفة ميتة أي مات على الضلالة كما يموت أهل الجاهلية عليها من جهة أنهم كانوا لا يدخلون تحت طاعة أمير ويرون ذلك عيبا بل كان ضعيفهم نهبا لقويهم (رواه مسلم) في المغازي من صحيحه منفردا به عن باقي الستة.(وفي رواية له) أي لمسلم عن ابن عمر مرفوعا (ومن مات وهو مفارق للجماعة) وهو شامل لعدم المبايعة والدخول في الطاعة ابتداء وللخروج عنها بعد الدخول فيها، والمراد بالجماعة الإمام وجيش الإسلام، ويجوز أن يراد به مفارقة الجماعة في الصلوات كالروافض فإنه لبدعتهم لا يرون الدخول تحت طاعة أئمة الحق والانقياد لهم إلا اضطرارا وتقية (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵،۷ ۱۲،۱۲۸، تحت رقم الحديث ۳۶۶۵، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابن حبان)

کا حکمران بنایا ہے، اور تمہیں (ان تین چیزوں سے) منع کرتا ہوں (ایک تو) قیل وقال (یعنی فضول کی چہ میگوئیوں) سے (دوسرے) کثرتِ سوال سے، اور (تیسرے) اضاعتِ مال سے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولی الامر اور حکمرانوں کی اطاعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے، جس میں حکومت کے جائز قوانین کی پابندی کرنا بھی داخل ہے، مگر یہ کہ ان کا کوئی حکم یا قانون گناہ پر مشتمل ہو، تو اس میں اطاعت درست نہیں۔ [1]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأٰى مِنْ أَمِيْرِهٖ شَيْئًا فَكَرِهَهٗ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهٗ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ، إِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح بخاری) [2]

---

[1] (أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئا) في عبادته فهذه واحدة خلافا لقول النووي ثنتان (و) الثانية (أن تعتصموا بحبل الله جميعا) أي القرآن يرشدك إلى ذلك خبر القرآن حبل الله المتين والحديث يفسر بعضه بعضا فمن فسره بعهد الله أو اتباع كتابه كأنه غفل عن ذلك ولا عطر بعد عروس والاعتصام به التمسك بآياته والمحافظة على العمل بها (ولا تفرقوا) بحذف إحدى التاء ين وهذا نفي عطف على تعتصموا أي لا تختلفوا في ذلك الاعتصام كما اختلف أهل الكتاب أو هو نهي عن أن يكون ما قبله من الخبر بمعنى الأمر يعني اعتصموا ولا تفرقوا وكذا اللام في قوله ولا تشركوا (و) الثالثة (أن تناصحوا من ولاه الله أمركم) أي من جعله والي أمركم وهم الإمام ونوابه والمراد بمناصحتهم ترك مخالفتهم والدعاء عليهم والدعاء لهم ومعاونتهم على الحق والتلطف في إعلامهم بما غفلوا عنه من الحق والخلق ولم يؤكد هنا بقوله ولا تخالفوا إشعارا بأن مخالفتهم جائزة إذا أمروا بمعصية (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ١٩٠٨)

[2] رقم الحديث ٧١٤٣، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، مسلم، رقم الحديث ١٨٤٩ "٥٥"، شرح السنة للبغوي، رقم الحديث ٢٤٥٨.

قال البغوي: هذا حديث متفق على صحته (شرح السنة، رقم الحديث ٢٤٥٨، باب الصبر على ما يكره من الأمير ولزوم الجماعة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر (وحاکم اور حکمران) سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا، پھر وہ فوت ہوگیا، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيْرِهٖ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۷۰۵۳، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سترون بعدی أمورا تنکرونها، مسلم، رقم الحدیث ۱۸۴۹"۵۶")

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر (وحکمران) سے کوئی ناگوار چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص بادشاہ (وحکمران کی اطاعت کرنے اور کہنا ماننے) سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی (بُری) موت مرا (بخاری، مسلم)

پہلی روایت میں جماعت سے باہر نکلنے اور دوسری روایت میں حکمران سے نکلنے کی بُرائی بیان کی گئی، دونوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں، اس لئے کہ حکمران کی وجہ سے مختلف گروہ بندیوں اور بے راہ روی سے حفاظت ہوتی ہے، اس لئے حکمران کی اطاعت کو جماعت کے ساتھ شامل ہونے کا درجہ دیا گیا۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَهُوَ مَرِيْضٌ، قُلْنَا: أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، حَدِّثْ بِحَدِيْثٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهٖ، سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (صحيح بخارى، رقم الحديث ٧٠٥٥، ٧٠٥٦، كتاب الفتن، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: سترون بعدى أمورا تنكرونها)

ترجمہ: ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ آپ کو تن درست کرے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، جس سے اللہ نے آپ کو خاص نفع عطا فرمایا ہو، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جن چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے بیعت کی وہ یہ تھے کہ ہم (حاکم وحکمران کی) بات سننے اور اطاعت کرنے (اور کہنا ماننے) کی پابندی کریں گے اپنی خوشی اور ناخوشی میں، تنگی اور آسانی میں اور ہم پر (دوسرے حکمرانوں یا لوگوں کو) ترجیح دیئے جانے میں، اور اس بات پر کہ ہم حکام سے جھگڑا نہ کریں گے، سوائے اس کے کہ ہم واضح طور پر کفر دیکھیں، جس کی تمہارے پاس (اس کے کفر ہونے پر) اللہ کی طرف سے کوئی برھان (یعنی مضبوط دلیل) موجود ہو (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت بہر حال واجب ہے، جب تک گناہ کا کام نہ ہو، اور گناہ کے کام میں اطاعت جائز نہیں، اور اگر مسلمان حکمران میں واضح کفر نظر آئے، جس میں کوئی تاویل ممکن نہ ہو، تو پھر اس کو حکومت سے ہٹانے پر اقدام کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے لئے بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے مقصود حاصل ہو جائے، اور قتل وغارت گری نہ پھیلے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : یا عُبَادَۃُ قُلْتُ: لَبَّیْکَ قَالَ اِسْمَعْ وَأَطِعْ فِیْ عُسْرِکَ وَیُسْرِکَ وَمَکْرَہِکَ، وَأَثَرَۃٍ عَلَیْکَ، وَإِنْ أَکَلُوْا مَالَکَ، وَضَرَبُوْا ظَهْرَکَ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ مَعْصِیَۃً لِلّٰہِ بَوَّاحًا (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۴۵۶۲، کتاب السیر، باب طاعۃ الائمۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبادہ! میں نے عرض کیا کہ لبیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حکمران کی بات) سنو اور اطاعت کرو (یعنی کہنا مانو) مشکل میں اور آسانی میں اور ناپسندیدہ حالت میں، اور آپ پر (حکمرانی اور متعلقہ حقوق کے معاملہ میں) کسی کو ترجیح دیئے جانے میں، اگرچہ وہ (حکمران) تمہارا مال کھائیں، اور تمہاری پیٹھ پر ماریں، مگر یہ کہ وہ اللہ کی کھلی معصیت (ونافرمانی اور گناہ) ہو (اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا) (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے، اور اگر ان کی طرف سے اللہ کی ایسی نافرمانی وگناہ کا کام سامنے آئے، جس کے گناہ ہونے میں کوئی تاویل وشک نہ ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے گناہ ہونے پر فقہائے کرام متفق ہوں، تو پھر اس طرح کے گناہ کے کام میں حکمران کی اطاعت نہیں ہوگی، جس کی بعض روایات میں تصریح آئی ہے۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ حسن (حاشیۃ ابنِ حبان)

[2] عن عبادۃ بن الصامت، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذلک قال: " ما لم یأمروک بإثم بواحا " (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۷۳۷)

قال شعیب الارنؤوط:

حدیث صحیح، وھذا إسناد حسن من أجل ابن ثوبان (حاشیۃ مسند احمد)

وقال الالبانی:

والحدیث أخرجہ أحمد 5/321 ثنا الولید بہ وزاد": وإن رأیت أن لک ما لم یأمروک بإثم بواحا." وقال ثنا الولید بن مسلم حدثنی الأوزاعی عن عمیر بن ھانیء بہ دون قولہ : "ما لم یأمروک بإثم بواحا." وھذا إسناد صحیح علی شرط الشیخین (ظلال الجنۃ، تحت رقم الحدیث ۱۰۲۸)

اور ایسی صورت میں اس گناہ پرنکیر کی جائے گی، اگر زبان سے قدرت ہو، تو زبان سے نکیر کی جائے گی، ورنہ دل سے اس کو گناہ سمجھا جائے گا، لیکن ان کے خلاف خروج پھر بھی درست نہ ہوگا۔ ؎

؎ قوله :وأثرة علينا أى :يستأثر علينا، فيفضل غيركم نفسه عليكم، وقوله :بواحا أى :جهارا، يقال :باح بالسر، وأباحه :إذا جهر به، وقوله :عندكم من الله فيه برهان أى :آية أو سنة لا تحتمل التأويل (شرح السنة للبغوى، ج١٠ ص٤٧، تحت رقم الحديث ٢٤٥٧، كتاب الامارة والقضاء،باب الصبر على ما يكره من الأمير ولزوم الجماعة)

قال ابن الملك :إلا إذا أمرك بإثم فلا تطعه، لكن لا تقاتل، بل فر منه (مرقاة المفاتيح ، ج٨، ص٣٣٨٣، كتاب الفتن)

قوله :(فليكره ما يأتى من معصية الله، ولا ينزعن يدا من طاعة) فيه دليل على أن من كره بقلبه ما يفعله السلطان من المعاصى كفاه ذلك ولا يجب عليه زيادة عليه .وفى الصحيح :فمن رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبقلبه، فإن لم يستطع فبلسانه ويمكن حمل حديث الباب وما ورد فى معناه على عدم القدرة على التغيير باليد واللسان، ويمكن أن يجعل مختصا بالأمراء إذا فعلوا منكرا لما فى الأحاديث الصحيحة من تحريم معصيتهم ومنابذتهم، فكفى فى الإنكار عليهم مجرد الكراهة بالقلب، لأن فى إنكار المنكر عليه باليد واللسان تظهرا بالعصيان، وربما كان ذلك وسيلة إلى المنابذة بالسيف(نيل الأوطار للشوكانى، ج٧،ص٢٠٦، ٢٠٧،كتاب حد شارب الخمر، باب الصبر على جور الأئمة وترك قتالهم والكف عن إقامة السيف)

ومعنى الحديث لا تنا زعوا ولاة الأمور فى ولايتهم ولا تعترضوا عليهم إلا أن تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الإسلام فإذا رأيتم ذلك فأنكروه عليهم وقولوا بالحق حيث ما كنتم وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام بإجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين وقد تظاهرت الأحاديث بمعنى ما ذكرته وأجمع أهل السنة أنه لا ينعزل السلطان بالفسق وأما الوجه المذكور فى كتب الفقه لبعض أصحابنا أنه ينعزل وحكى عن المعتزلة أيضا فغلط من قائله مخالف للإجماع قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة فى عزله أكثر منها فى بقائه قال القاضى عياض أجمع العلماء على أن الإمامة لا تنعقد لكافر وعلى أنه لو طرأ عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترك إقامة الصلوات والدعاء إليها قال وكذلك عند جمهورهم البدعة قال وقال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لأنه متأول قال القاضى فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع أو بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب إمام عادل إن أمكنهم ذلك فإن لم يقع ذلك إلا لطائفة وجب عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب فى المبتدع إلا إذا ظنوا القدرة عليه فإن تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم عن أرضه إلى غيرها ويفر بدينه قال ولا تنعقد لفاسق ابتداء فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه إلا أن تترتب عليه فتنة وحرب وقال جماهير أهل السنة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زمانۂ جاہلیت میں امیر وحاکم اور حکمرانوں کی اطاعت نہیں کی جاتی تھی، اور ذرا ذرا سی خلافِ طبیعت باتوں پر اس کے خلاف بغاوت ہوتی تھی، نیز حکمرانوں کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل وغارت گری کا سلسلہ قائم تھا، اور ہر شخص آزادانہ زندگی گزارتا اور من مانی کیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے مختلف گروہوں اور قبیلوں کے درمیان تقابل وتصادم اور قتل وقتال کا طویل اور دیرینہ سلسلہ جاری تھا۔

شریعتِ اسلام نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا، اور حکمرانوں کی ناگوار باتوں پر صبر کرنے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا، اور اس کی خلاف ورزی کرنے اور اس کے خلاف خروج کرنے پر سخت وعید سنائی، اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اس سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی ہے، اور اتحاد واتفاق متاثر ہوتا اور قتل وغارت گری پھیلتی ہے، جس میں بہت سے فتنے ہیں، اوران فتنوں کے مقابلہ میں ظالم وگناہ گار حکمران کی حکمرانی کو برداشت کرنا ہلکی چیز اور بہتر ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلک بل يجب وعظه وتخويفه للأحاديث الواردة فى ذلک قال القاضى وقد ادعى أبو بكر بن مجاهد فى هذا الإجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسن وبن الزبير وأهل المدينة على بنى أمية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الأول على الحجاج مع بن الأشعث وتأول هذا القائل قوله أن لا ننازع الأمر أهله فى أئمة العدل وحجة الجمهور أن قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل لما غير من الشرع وظاهر من الكفر قال القاضى وقيل إن هذا الخلاف كان أولا ثم حصل الإجماع على منع الخروج عليهم والله أعلم(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۱۲ ص۲۱۹، كتاب الإمارة،باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية وتحريمها فى المعصية)

ل (وعن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من رأى من أميره شيئا) أى أمرا أو فعلا (يكرهه) أى شرعا أو طبعا (فليصبر) أى ولا يخرج عليه (فإنه) أى الشأن (ليس أحد يفارق الجماعة) أى المنتظمة بنصب الإمامة (شبرا) أى قدرا يسيرا (فيموت) بالنصب على جوانب النفى، وفى نسخة بالرفع عطفا على (يفارق) أى فيموت على ذلک من غير توبة (إلا مات) استثناء مفرغ من أعم الأحوال (ميتة) بكسر الميم للهيئة والحالة وهى منصوبة على المصدرية (جاهلية) أى منسوبة إلى الجاهل فى الدين، قال الطيبى :الميتة والقتلة بالكسر الحالة التى يكون عليها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے حوالہ جات

اب اس سلسلہ میں چند علماء وفقہاء کے حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإنسان من الموت أو القتل، والمعنى أن من خرج عن طاعة الإمام وفارق جماعة الإسلام وشذ عنهم وخالف إجماعهم ومات على ذلك فمات على هيئة كان يموت عليها أهل الجاهلية ;لأنهم ما كانوا يرجعون إلى طاعة أمير فلا يتبعون هدى إمام بل كانوا مستنكفين عنها مستبدين فی الأمور لا يجتمعون فی شیء ولا يتفقون على رأی(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص٢٣٩٤، كتاب الامارة و القضاء)

(وعن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول قال :من كره من أميره شيئا) دنيويا كان كاستئثار عليه وظلم له أو دينيا كأن فسق بعد عدالته فلا ينعزل الإمام الأعظم بفسقه، نعم إن كفر انعزل بكفره كما تقدم من حديث إلا أن تروا كفرا بواحا فمن رأى ما لا ينعزل به الإمام مما يكرهه (فليصبر) أی بعدم الخروج على الأمير، أما الإنكار عليه بمراتبه إذا لم يؤد إلى شق العصا والخروج عليه، فمطلوب الحديث أفضل الشهداء حمزة ورجل قال كلمة حق عند سلطان جائر فقتله (فإنه) الضمير فيه للشأن والجملة بعد تفسير وذلك تعليل للأمر بالصبر على ما يكرهه (من خرج من السلطان) أی من طاعته (شبرا) كناية عن القلة أی وإن كان الخروج يسيرا كأن بعد عنها لو كانت محسوسة قدر شبر (مات ميتة) بكسر الميم (جاهلية) فإنهم كما تقدم شأنهم عدم الائتمار للأمير بل ضعيفهم نهب للكبير (متفق عليه) أخرجه البخاری فی الأحكام ومسلم فی المغازی(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٥، ص١٣٦، تحت رقم الحديث ١٠٦٧٢، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

وقال عبدالله بن زيد :قال النبی (صلى الله عليه وسلم) : (اصبروا حتى تلقون على الحوض)فيه: ابن مسعود، قال النبی (صلى الله عليه وسلم) : (إنكم سترون بعدی أثرة، وأمورا تنكرونها) ، قالوا: فما تأمرنا يا رسول الله؟ قال :(أدوا إليهم حقهم، وسلوا الله حقكم)وفيه :ابن عباس، قال النبی (صلى الله عليه وسلم) : (من كره من أميره شيئا، فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية)وفيه :عبادة، بايعنا النبی (صلى الله عليه وسلم) على السمع والطاعة فی منشطنا ومكرهنا، وعسرنا ويسرنا، وأثرة علينا، وأن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان وفيه :أسيد بن حضير، أن رجلا أتى النبی (صلى الله عليه وسلم) فقال :يا رسول الله استعملت فلانا، ولم تستعملنی، قال :(إنكم سترون بعدی أثرة، فاصبروا حتى تلقونی) . قال المؤلف :فی هذه الأحاديث حجة فی ترك الخروج على أئمة الجور، ولزوم السمع والطاعة لهم والفقهاء مجمعون على أن الإمام المتغلب طاعته لازمة، ما أقام الجمعات والجهاد، وأن طاعته خير من الخروج عليه؛ لما فی ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء ، ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) لأصحابه :(سترون بعدی أثرة وأمورا تنكروها) فوصف أنهم سيكون عليهم أمراء يأخذون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ قرطبی کا حوالہ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ ''صحیح مسلم'' کی شرح ''المفهم'' میں فرماتے ہیں:

وقوله : تلزم جماعة المسلمين وإمامهم ؛ يعنى :أنه متى اجتمع المسلمون على إمام فلا يُخرج عليه وإنْ جَارَ ؛ كما تقدّم ، وكما قال فى الرواية الأخرى فاسمع ، وأطع وعلى هذا :فتُشهد مع أئمة الْجَوُر الصلوات ، والجماعات ، والجهاد ، والحج ، وتُجُتَنَبُ معاصيهم ، ولا يطاعون فيها(المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم للقرطبی، ج۱۲ ص۱۰۴،كتاب الأمارة والبيعة،باب يصبر على أذاهم وتؤدّى حقوقهم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ کا یہ ارشاد کہ ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان کسی امام (وحکمران) پر مجتمع ہوں، تو اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منهم الحقوق ويستأثرون بها، ويؤثرون بها من لا تجب له الأثرة، ولا يعدلون فيها، وأمرهم بالصبر عليهم والتزام طاعتهم على ما فيهم من الجور، وذكر على بن معبد، عن على بن أبى طالب أنه قال : لابد من إمامة برة أو فاجرة .قيل له :البرة لابد منها،فما بال الفاجرة؟ قال :تقام بها الحدود، وتأمن بها السبل، ويقسم بها الفىء، ويجاهد بها العدو .ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) فى حديث ابن عباس :(من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية) . وفى حديث عبادة :(بايعنا رسول الله على السمع والطاعة) إلى قوله :(وألا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا) فدل هذا كله على ترك الخروج على الأئمة، وألا يشق عصا المسلمين، وألا يتسبب إلى سفك الدماء وهتك الحريم، إلا أن يكفر الإمام ويظهر خلاف دعوة الإسلام، فلا طاعة لمخلوق عليه، وقد تقدم فى كتاب الجهاد، وكتاب الأحكام هذا .قال الخطابى :(بواحا) يريد ظاهرا باديا، ومنه قوله :باح بالشىء يبوح به بوحا وبئوحا، إذا أذاعه وأظهره ومن رواه (براحا) فالبراح بالشىء مثل البواح أو قريب منه، وأصل البراح الأرض القفر التى لا أنيس ولا بناء فيها، وقال غيره :البراح :البيان، يقال: برح الخفاء أى ظهر(شرح صحيح البخارى۔ لابن بطال،ج۱۰ ص۷ الٰى ۹، كتاب الفتن،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها)

کے خلاف خروج نہ کیا جائے، اگرچہ وہ ظالم ہو، جیسا کہ پہلے گزر چکا، اور دوسری روایت میں ہے کہ ”تم سنو اور اطاعت کرو“ اس بناء پر ظالم حکمرانوں کے ساتھ نماز میں اور جماعت میں اور جہاد میں اور حج میں شریک ہوا جائے گا، البتہ ان کے گناہوں سے اجتناب کیا جائے گا، اور گناہوں میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی (المفهم)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکمران اور اس کی جماعت سے خروج تفرّد وشذوذ کا حکم رکھنے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

علامہ ابنِ حجر کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

قال بن بطال في الحديث حجة في ترك الخروج على السلطان ولو جار وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغيره مما يساعده ولم يستثنوا من ذلك إلا إذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما في الحديث (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج١٣، ص٧، كتاب الفتن، قوله باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها)

ترجمہ: علامہ ابنِ بطال نے فرمایا کہ اس حدیث میں حکمران کے خلاف خروج نہ کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ ظالم ہو، اور فقہاء کا اجماع ہے کہ جو حکمران غلبہ حاصل کرلے، اس کی اطاعت واجب ہے، اور اس کے ساتھ شامل ہوکر جہاد بھی واجب ہے، اور اس کی اطاعت کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں خون ریزی اور فتنوں سے حفاظت پائی جاتی ہے، اور

ان حضرات کی دلیل یہ حدیث اور اس کے علاوہ دوسری وہ احادیث ہیں، جو اس مضمون کی تائید کرتی ہیں، اور انہوں نے اس (اطاعت) سے صرف اسی صورت کو مستثنیٰ کیا ہے، جب حکمران کی طرف سے صریح کفر واقع ہو، تو پھر اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں ہوگی، بلکہ جو شخص قادر ہو، اس کو اس کے خلاف جہاد واجب ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے (فتح الباری)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

والذی یظهر حمل روایة الکفر علی ما إذا کانت المنازعة فی الولایة فلا ینازعه بما یقدح فی الولایة إلا إذا ارتکب الکفر.

وحمل روایة المعصیة علی ما إذا کانت المنازعة فیما عدا الولایة فإذا لم یقدح فی الولایة نازعه فی المعصیة بأن ینکر علیه برفق ویتوصل إلی تثبیت الحق له بغیر عنف ومحل ذلک إذا کان قادرا والله أعلم.

ونقل بن التین عن الداودی قال الذی علیه العلماء فی أمراء الجور أنه إن قدر علی خلعه بغیر فتنة ولا ظلم وجب وإلا فالواجب الصبر وعن بعضهم لا یجوز عقد الولایة لفاسق ابتداء فإن أحدث جورا بعد أن کان عدلا فاختلفوا فی جواز الخروج علیه والصحیح المنع إلا أن یکفر فیجب الخروج علیه (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱۳، ص ۸، کتاب الفتن، قوله باب قول النبی صلی الله علیه وسلم سترون بعدی أمورا تنکرونها)

ترجمہ: اور بظاہر کفر کی روایت کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا، جبکہ اختلاف حکومت میں ہو، تو حکمران سے اس کی حکومت سلب کرنے میں منازعت نہیں کی

جائے گی (یعنی اس کی حکومت کے خاتمہ کی جدوجہد نہیں کی جائے گی) سوائے اس صورت کے جبکہ وہ صریح کفر کا ارتکاب کرے۔

اور معصیت وگناہ کی روایت کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا، جبکہ منازعت حکومت کے علاوہ میں ہو، پس جب حکومت کے اُمور میں گناہ مُخِل نہیں (یعنی گناہ کی وجہ سے حکومت کے ختم کرنے کی جدوجہد نہیں کی جائے گی) تو گناہ کے سلسلہ میں منازعت کی جائے گی، اور وہ اس طرح کہ نرمی کے ساتھ اس پر نکیر کی جائے گی، اور اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے سختی کیے بغیر کوئی طریقۂ کار اختیار کیا جائے گا، لیکن یہ اس وقت ہے، جبکہ اس کی قدرت ہو، واللہ اعلم۔

اور ابنِ تین نے داودی سے نقل کیا ہے کہ اہلِ علم حضرات کا ظالم حکمرانوں کے سلسلہ میں یہ قول ہے کہ اگر اس کو فتنہ اور ظلم کے لازم آئے بغیر علیٰحدہ کرنے کی قدرت ہو، تو ایسا کرنا واجب ہے، ورنہ صبر کرنا واجب ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فاسق کی حکومت کا انعقاد ابتداءً جائز نہیں، پھر اگر بعد میں فِسق پیدا ہوجائے، جبکہ وہ پہلے فاسق نہیں تھا، تو اس کے خلاف خروج کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج ممنوع ہے، مگر یہ کہ صریح کفر کا ارتکاب کرے، تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے (فتح الباری)

یہ بات ظاہر ہے کہ عام حالات میں بزورِ طاقت فاسق حکمران کو علیٰحدہ کرنے میں سخت فتنہ اور خونریزی لازم آتی ہے، اس لیے جن حضرات نے اس علت پر نظر کی، انہوں نے علی الاطلاق منع فرمادیا۔

''مرقاةُ المفاتیح شرح مشکاةُ المصابیح'' کا حوالہ

مشکاۃ کی شرح مرقاۃ میں ہے:

فيه جواز كون الأمير فاسقا جائرا، وأنه لا ينعزل بالفسق والجور، وأنه تجب طاعته ما لم يأمر بمعصية، وخروج جماعة من السلف على الجورة كان قبل استقرار الإجماع على حرمة الخروج على الجائر

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳، ص۸۶۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

ترجمہ: اس حدیث سے فاسق اور ظالم حکمران کا جائز ہونا معلوم ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران فسق وفجور اور ظلم وجور کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا، اور اس کی اطاعت بھی واجب ہوتی ہے، تا آنکہ وہ گناہ کا حکم نہ کرے، اور بعض سلف کی جماعت کا ظالم وفاسق حکمرانوں کے خلاف خروج اس وقت تھا، جب تک کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کے حرام ہونے پر اجماع منعقد نہیں ہوا تھا (مرقاۃ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ظالم و فاسق حکمرانوں کے خلاف خروج کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، اور جنہوں نے خروج کیا، وہ اجماع سے پہلے کی بات ہے، یا پھر اجماع کے بعد اجماع کی خلاف ورزی کی وجہ سے ان کا خروج ناجائز ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خروج صرف حکمرانوں کی تبلیغ ونصیحت کے لیے ہو، نہ کہ بزورِ طاقت اس کو حکومت سے عملاً الگ کرنے کے لیے۔ واللہ اعلم۔

''دليلُ الفالحين'' کا حوالہ

ریاض الصالحین کی شرح ''دليلُ الفالحين'' میں ہے:

(ومن مات وهو مفارق للجماعة) وهو شامل لعدم المبايعة والدخول فى الطاعة ابتداء وللخروج عنها بعد الدخول فيها، والمراد بالجماعة الإمام وجيش الإسلام (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵، ۱۲۸، تحت رقم الحديث ۴۶۶۵، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

ترجمہ: حدیث کا یہ مضمون کہ "جو شخص مرگیا، اور وہ جماعت میں تفریق ڈالنے والا تھا" یہ شروع سے حکمران کی بیعت نہ کرنے اور اطاعت میں داخل نہ ہونے کو بھی شامل ہے، اور بیعت کرنے کے بعد اس کے خلاف خروج کرنے کو بھی شامل ہے، اور (احادیث میں مذکور) جماعت سے مراد (مسلمان) حکمران اور اس کا لشکر ہے (دلیل الفالحین)

اس سے معلوم ہوا کہ متعدد احادیث میں جماعت سے خروج سے حکمران اور اس کی جماعت مراد ہے، جس سے خروج شذوذ میں داخل ہے۔

امام نووی کا حوالہ

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

أجمع العلماء على وجوبها فى غير معصية وعلى تحريمها فى المعصية نقل الإجماع على هذا القاضى عياض وآخرون (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۱۲ ص۲۲۲، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية وتحريمها فى المعصية)

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حاکم کی اطاعت واجب ہے، جب تک گناہ کا کام نہ ہو، البتہ گناہ کے کام میں اطاعت حرام ہے، قاضی عیاض اور دیگر حضرات نے اس پر اجماع نقل کیا ہے (نووی)

علامہ انور شاہ کشمیری کا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

قوله: (من فارق الجماعة شبرا) ... إلخ، قد احتج به الأصوليون على حجية الإجماع. وفيه نظر، فإن تلك الأحاديث وردت فى

إطاعة الأمير، فالجماعة فيه، هى الجماعة مع الأمير، كما فى لفظ آخر عند المصنف :تلزم جماعة المسلمين وإمامهم (فيض البارى على صحيح البخارى، ج٦،ص ٤٥٩، كتاب الفتن،باب قول النبى -صلى الله عليه وسلم :-سترون بعدى أمورا تنكرونها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”جس نے جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدگی اختیار کی، الخ“ اس حدیث کے ذریعہ سے اصولیین نے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل پکڑی ہے، لیکن اس میں نظر ہے، کیونکہ یہ احادیث امیر کی اطاعت کے سلسلہ میں وارِد ہوئی ہیں، پس اس میں جماعت سے مراد امیر وحکمران کے ساتھ والی جماعت ہے، جیسا کہ مصنف میں دوسری روایت کے اندر الفاظ ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت اوران کے امام کولازم پکڑلو (فیض الباری)

موجودہ زمانہ میں حکمران اوراس کی جماعت سے مراد، حزبِ اقتدار والی جماعت اور منتخب حکومت کی طرف سے مختلف وزارتوں وغیرہ کے عہدوں پر مقرر کردہ افراد ہیں، خواہ وہ وزیر اعظم ہو یا وزیرِ تجارت یا وزیرِ زراعت، ہر وزیر اور حکمران اپنے عہدے وذمہ داری کے شعبہ سے متعلق درجہ بدرجہ اولی الامر میں داخل ہے، اور جائز امور میں تمام شعبوں کے اندران کے نافذ وجاری کردہ قوانین اور متعلقہ حکمرانوں کی طرف سے جاری جائز ہدایات بھی داخل ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ایک اور مقام پر مسلمانوں کی جماعت کولازم پکڑنے کی حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

وقد احتج الأصوليون من مثله على كون الإجماع حجة.

قلت: وفيه نظر، فإن تلك الأحاديث إنما وردت فى سياق التحريض على إطاعة أولى الأمر، لئلا تثير الفتن عند انقلاب الحكومة، فأوصى باتباع السواد الأعظم لهذا، ولم يرد فى إجماع

الأمة .ولعلهم تمسكوا بحاصلها، سواء وردت فى هذا أو ذاك . فإن اللزوم مع الجماعة مطلوب فى كل حال، وفى كل شىء، فيصلح للاستدلال.

ثم اعلم أن الحديث يدل على أن العبرة بمعظم جماعة المسلمين، فلو بايعه رجل واحد، أو اثنان، أو ثلاثة، فإنه لا يكون إماما ما لم يبايعه معظمهم، أو أهل الحل والعقد (فيض البارى على صحيح البخارى، ج۴، ص ۴۵۵، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام)

ترجمہ: اور اصولیین نے اس جیسی احادیث سے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل پکڑی ہے، لیکن میرے نزدیک اس میں نظر ہے، کیونکہ یہ احادیث اولی الامر کی اطاعت پر ابھارنے کے سیاق کے سلسلہ میں وارِد ہوئی ہیں، تاکہ انقلابِ حکومت کے وقت فتنے نہ پھوٹ پڑیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے سوادِ اعظم کی اتباع کی وصیت فرمائی، اور یہ حدیث اجماعِ امت کے سلسلہ میں وارِد نہیں ہوئی، اور غالباً فقہائے کرام نے اس کے نتیجہ سے دلیل پکڑی ہے، خواہ وہ حدیث اس سلسلہ میں وارِد ہوئی ہو، یا کسی دوسرے سلسلہ میں وارِد ہوئی ہو، پس جماعت کے ساتھ لزوم ہر حال میں اور ہر چیز میں مطلوب ہے، لہٰذا یہ احادیث (اجماع کی حجیت پر) استدلال کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ اس حدیث سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ (حکمران وامیر کے انتخاب میں) اصل اعتبار مسلمانوں کی بڑی جماعت کا ہے، پس اگر ایک یا دو یا تین افراد کسی سے بیعت کرلیں، تو وہ اس کی وجہ سے امام (وحکمران) نہیں بن جائے گا، جب تک کہ اس سے اہل حل وعقد بیعت نہ کرلیں (فیض الباری)

آج کل حکمرانوں کے انتخاب کے لیے بھی بڑی جماعت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کا طریقہ اکثریت کا اعتبار کرنا طے ہے، جس کو جمہوریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح ''فیض الباری'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

أنهم صرحوا أن المباح في نفسه قد يصير حراما من حكم الأمير من جهة أن الله أمر بطاعتهم، فقال :(أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم) فحينئذ لو رأى الأمير أن يمنع الناس عن أكل شيء لمصلحة بدت له، يجب عليهم أن لا يأكلوه، ويحرم عليهم. إلا أن تلك الحرمة تقتصر على مدة إمارته فقط، ولا يتجاوزها، فهي حرمة مؤقتة .ومن هذا الباب تحريم التمباك، فإنه قد نهى عنه بعض السلاطين، فاحفظه (فيض البارى على صحيح البخارى، ج ۲،ص ۴۰۲، كتاب الاذان،باب ما جاء فى الثوم النى والبصل والكراث)

ترجمہ: فقہائے کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ امیر (وحکمران) کے حکم سے مباح چیز بھی حرام ہوجاتی ہے، اس حیثیت سے کہ اللہ نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ ''تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو اس کے رسول کی، اور اپنوں میں سے اولی الامر کی''، پس اس صورت میں اگر امیر (وحکمران) لوگوں کو کسی ایسی مصلحت سے جو اس کے سامنے ظاہر ہوگئی، کسی چیز کے کھانے سے منع کرے، تو لوگوں پر واجب ہوگا کہ اس چیز کو نہ کھائیں، اور وہ چیز ان پر حرام ہوجائے گی، لیکن یہ حرمت صرف اس کی مدتِ حکومت تک محدود رہے گی (یا جب تک یہ قانون موجود ہو) اس سے آگے نہیں بڑھے گی، پس یہ حرمتِ موقتہ ہے، اور اسی باب سے تمباکو کا حرام ہونا بھی ہے، کیونکہ اس کو بعض

حکمرانوں نے منع کردیا ہے، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے (فیض الباری)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت واجب ہے، اس میں جائز قوانین کی پابندی بھی داخل ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حوالہ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا جماعتی نظم اور ان کی شیرازہ بندی اسلام میں وہ مقصدِ اعظم ہے کہ اس کے لئے غیر متشرع امرائے جور کی اطاعت پر بھی شریعتِ غراء نے مسلمانوں کو اس لئے مجبور کیا ہے کہ تفرقہ اور اختلالِ نظم کی صورت میں جو قومی بربادی اور انفرادی معاصی کے ہزاروں دروازے کھلتے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ مضر ہیں کہ کسی امیر غیر متشرع کی اطاعت قبول کرلی جائے

(جواہر الفقہ، ج ۵ ص ۴۵۳، مضمون ''مسلمانوں کے قائدین اور جائز امور میں ان کی اطاعت'' طبع جدید: 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے جائز کاموں اور قوانین کی اطاعت سے خروج گناہ اور شذوذ میں داخل ہو کر مذموم ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی کا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ''**التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم**'' نامی رسالہ میں اس موضوع کی تحقیق فرمائی ہے، اس رسالہ کے حوالہ سے امورِ شرعیہ کا حکم اس سے پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے۔

پھر اس کے بعد علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ امورِ انتظامیہ میں اختلاف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رہی شقِ ثانی یعنی جبکہ امورِ انتظامیہ میں اختلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی امام ہو، اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی اطاعت کر چکی ہو، تو امام کا اتباع اور اس جماعت کی موافقت واجب ہے، ان سے امورِ انتظامیہ میں الگ ہونا اور اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ [1]

البتہ اگر وہ احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی کریں، تو ایسے کاموں میں ان کی موافقت نہ کی جائے ''لانه لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق '' بلکہ خیر خواہی کے ساتھ ایسے امور میں بقدرِ استطاعت ان کی مخالفت کی جاوے، لیکن اس طور پر ان کی مخالفت نہ کی جاوے کہ امام کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ منتشر کیا جاوے۔

ہاں اگر امام اور اس کی جماعت سے کفرِ صریح کا صدور ہو، تو پھر اس کا مقابلہ کرنا اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنا بھی جائز ہے، بلکہ بقدرِ استطاعت واجب ہے۔

اور اگر مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو، تو فقہاء وعابدین ومسلمین صالحین کے مشورہ سے کسی کا امام مقرر کرنا واجب ہے، اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز نہیں ہے، بلکہ جماعتِ علماء صالحین وجمہور مسلمین جس شخص پر اتفاق کریں، اسی کو امام بنانا واجب ہے، کیونکہ امامت اشراف واعیان وجماعت مسلمین کی بیعت کر لینے سے ثابت ہوتی ہے، ایک دو شخص کی بیعت سے کوئی امام نہیں بن سکتا، لہٰذا اس معاملہ میں اہلِ حل وعقد کی جماعت کے اکثر افراد کا اتفاق معتبر ہے، شخصِ واحد کی

---

[1] آج اکثر مسلمانوں کو مسلمان حکمران کی امورِ انتظامیہ میں اتباع کے وجوب کی اہمیت اور اس پر عمل کرنے کا نہ تو عوام کو احساس ہے، اور نہ ہی علماء کو، اور قدم قدم پر قانون شکنی کا گناہ عام ہے، جو انتہائی قابلِ اصلاح صورتِ حال ہے۔
اور مسلمان معاشرہ کے علاوہ یورپ وغیرہ کے غیر مسلم معاشرہ میں جائز قوانین کی پاسداری کا بڑا اہتمام ہے، جس کے مفید اثرات سے پورا معاشرہ مستفید ہو رہا ہے، دراصل ان لوگوں نے ان قوانین کی پاسداری کے اصول اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہی اخذ کیے ہیں، اور ''چراغ تلے اندھیر'' کا مصداق بن کر مسلمان خود ان چیزوں سے محروم ہیں۔ محمد رضوان۔

رائے معتبر نہیں، بلکہ شخصِ واحد کو جماعت سے اختلاف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر جماعت علماء و جمہور مسلمین کسی شخصِ واحد کی رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں، تو اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز ہوگا، کیونکہ وہ شخص جماعتِ مسلمین کا وکیل ہے، اس کی رائے گویا سب کی رائے ہوگی۔ [1]

اسی طرح اگر خلیفہ سابق اپنے بعد کے لیے کسی خاص شخص کو خلیفہ بنا جاوے، تو اس صورت میں بھی اس کی رائے کا اتباع جائز بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ جس کو نامزد کیا گیا ہے نا اہل نہ ہو۔ [2]

پس اگر مشورہ وغیرہ سے کسی ایک امام پر اتفاق ہوگیا، تب تو اس کے احکام وہی ہیں، جو شقِ اول کے احکام ہیں کہ پھر امام اور جماعتِ مسلمین کی مخالفت امورِ انتظامیہ میں کسی کو جائز نہیں ''بتفصیله الذی ذکرناه آنفا'' اور اگر مشورہ سے کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہوا، بلکہ اختلاف پیدا ہوگیا، تو ان سب جماعتوں سے الگ ہوجانا چاہیے، اس صورت میں کسی جماعت کا اتباع واجب نہیں، عزلت بہتر ہے (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، کتاب المتفرقات ''رسالة التدقيق الاقوم في تحقيق السواد الاعظم'' مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

مذکورہ تمام تصریحات کے بعد ہم اب ان موجودہ دور میں جمود وخمود کا ذہن رکھنے والے اُن

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مسلمین کی رائے سے حکمرانوں کا انتخاب کیا جانا شرعی اصولوں کے خلاف نہیں، جمہور مسلمین کی طرف سے پہلے ایک جماعت رکنِ اسمبلی کی شکل میں انتخاب کرتی ہے، اور پھر وہ اسمبلی کی جماعت وزیر اعظم کی شکل میں حکمران کا انتخاب کرتی ہے، اور پھر وزیر اعظم وغیرہ اپنے ذیلی وزراء کا انتخاب کرتا ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت یا بہت بڑی تعداد، حکمرانوں کے انتخاب سے دلچسپی نہیں رکھتی، اور ووٹ وغیرہ ڈالنے سے دور رہتی ہے، جو کہ قابلِ اصلاح طرزِ عمل ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسری تالیف ''سیاست وحکومت'' میں ذکر کردی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] غالباً یہ اس صورت میں ہے، جبکہ جمہور مسلمین یا اہل حل وعقد جماعت کی طرف سے امیر یا حکمران کو خود سے اپنا خلیفہ نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

حضرات کا طرزِ عمل بھی ملاحظہ فرمائیں، جو فقہی واجتہادی مسئلہ اور اجماع کی قید وشرط کو نظر انداز کر کے اور کبھی جمہور کے موقف کو نظر انداز کر کے اپنی جماعت اور مخصوص مشائخ کے ساتھ وابستہ رہنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور تحقیق کے نتیجہ میں کسی کے اس سے مختلف رائے رکھنے کو، تفرّد کا عنوان قائم کر کے مذموم قرار دیتے ہیں، خواہ دوسرے کی رائے دلائل کے لحاظ سے مضبوط اور جمہور کے مطابق کیوں نہ ہو، اور اجماع کے خلاف بھی نہ ہو۔

اور اس کے برعکس انتظامی وسیاسی امور میں نہ تو خود حکومتی قوانین کی پابندی کرتے، اور نہ دوسروں کو اس کی تلقین کرتے، اور کفرِ بوّاح کے صدور بلکہ بعض اوقات معصیتِ صریحہ کے ارتکاب وصدور کے بغیر مسلمان حکمران کے خلاف خروج واحتجاج پر کمر بستہ نظر آتے ہیں، یا تحریراً وتقریراً دوسروں کو اس پر ابھارتے اور جوش دلاتے ہیں، جبکہ شرعاً یہ طرزِ عمل شذوذ اور تفرّدِ مذموم میں داخل ہے۔

افسوس صد افسوس کہ ان حضرات نے اپنی کم علمی کے باعث دونوں مقامات پر شرعی تقاضوں کے برعکس طرزِ عمل اپنایا۔

جہاں تفرّد مذموم نہ تھا، وہاں بے جا تفرّد کا الزام لگایا، اور جہاں تفرّد مذموم تھا، وہاں ٹھنڈے پیٹوں اس کو گوارا کیا۔ والی اللہ المشتکی۔

اسی لیے موجودہ دور کے اکثر علماء کو عوام کی حیثیت حاصل ہے، اور حقیقی علماء کی تعداد بہت کم ہے، بلکہ موجودہ زمانہ میں علماء کے عنوان سے بڑی تعداد پیشہ ور افراد کی ہے، اور ان میں مخلص جذبہ رکھنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، احادیث میں بھی قربِ قیامت میں اس طرح کی حالت کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا کچھ ذکر، اس سے پہلے فصل میں گزر چکا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 3)

تفقہ فی الدین کی عبادت اور اس سلسلہ کا جاری رہنا

اس کے بعد عرض ہے کہ تفقہ فی الدین اور اجتہادی صلاحیت، اللہ کی طرف سے عظیم نعمت و عبادت ہے، جس کے احادیث میں فضائل آئے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں وقتاً فوقتاً اور پے در پے فقہاء وعلماء اور مجتہدین کی آمد کی خبر دی ہے، اور بعض اوقات پہلے حضرات کے مقابلہ میں بعد کے حضرات میں زیادہ تفقہ ہونے کی نشاندہی فرمائی ہے، اور اجتہاد پر عظیم اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، یہاں تک کہ اجتہادی خطاء کی صورت میں بھی ایک اجر کا وعدہ فرمایا ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اجتہاد بنفسہٖ عبادت ہے، اور عبادت میں ہر مومن بندہ کو آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

لہٰذا جس کو اللہ اس نعمت سے نوازے، اور وہ اپنی فقہی واجتہادی صلاحیت کو دین کے لیے خرچ کرے، وہ اس عبادت کی وجہ سے قابلِ مبارک باد ہے، نہ یہ کہ وہ قابلِ ملامت ہے۔

ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۲۹۱، کتاب الملاحم، باب ما يذكر فی قرن المائة) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابی داؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایسے مجدد مبعوث فرمائے گا کہ جو اس امت کے دین کی تجدید کریں گے (ابوداؤد)

محدثین نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں ہر صدی میں مجدد سے شخصِ واحد مراد نہیں، بلکہ ایک جماعت مراد ہے، جس کے افراد ہر علاقہ میں شرعی علوم کے مختلف فنون یا کسی مخصوص فن میں تحریری یا تقریری طور پر حسبِ موقع وضرورت دین کی تجدید کریں گے، اور علمی وعوامی دنیا میں وقت کے ساتھ داخل ہونے والی غیر متعلقہ چیزوں کی نشاندہی اور وقتی طور پر پیدا ہونے والے گرد وغبار اور فضلات یا جھاڑ جھنکار کا صفایا کر کے دین کو اصلی حالت میں ظاہر ونمایاں کریں گے، اور حالاتِ حاضرہ کے مطابق دینِ متین کے اصول وقواعد سے احکام کا استنباط واستخراج بھی کریں گے، اسی وجہ سے اس میں ہر دور کے فقہاء ومجتہدین بھی شامل ہیں۔

اور مذکورہ حدیث سے اجتہاد وتفقہ کے سلسلہ کا ہر صدی میں جاری رہنا معلوم ہوتا ہے، اور بعض حضرات کی طرف سے مطلقاً اجتہاد کے باب کے مسدود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس سے دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کے پیشِ نظر اتفاق مشکل ہے۔ [1]

---

[1] (إن الله عز وجل يبعث لهذه الأمة ") أي: أمة الإجابة، ويحتمل أمة الدعوة (على رأس كل مائة سنة) : أي: انتهائه أو ابتدائه إذا قل العلم والسنة وكثر الجهل والبدعة (من يجدد) : مفعول يبعث (لها) أي: لهذه الأمة (دينها) أي: يبين السنة من البدعة ويكثر العلم ويعز أهله ويقمع البدعة ويكسر أهلها . قال صاحب جامع الأصول: وقد تكلم العلماء في تأويله، وكل واحد أشار إلى العالم الذي هو في مذهبه، وحمل الحديث عليه، والأولى الحمل على العموم فإن لفظة "من "تقع على الواحد والجمع، ولا يختص أيضا بالفقهاء فإن انتفاع الأمة بهم، وإن كان كثيرا فانتفاعهم بأولي الأمر وأصحاب الحديث والقراء والوعاظ والزهاد أيضا كثير، إذ حفظ الدين وقوانين السياسة وبث العدل وظيفة أولي الأمر، وكذا القراء وأصحاب الحديث ينفعون بضبط التنزيل والأحاديث التي هي أصول الشرع وأدلته، والوعاظ ينفعون بالوعظ والحث على لزوم التقوى لكن المبعوث بشرط أن يكون مشارا إليه في كل فن من هذه الفنون. نقله السيد، وأغرب ابن حجر وحمل المجددين محصورين على الفقهاء الشافعية،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وختمهم بشيخه الشيخ زكريا مع أنه غير معروف بتجديد فن من العلوم الشرعية، وشيخ مشايخنا السيوطي هو الذى أحيا علم التفسير المأثور فى الدر المنثور، وجمع جميع الأحاديث المتفرقة فى جامعه المشهور، وما ترك فنا إلا وله فيه متن أو شرح مسطور، بل وله زيادات ومخترعات يستحق أن يكون هو المجدد فى القرآن المذكور كما ادعاه وهو فى دعواه مقبول ومشكور، هذا والأظهر عندى والله أعلم، المراد بمن يجدد ليس شخصا واحدا، بل المراد به جماعة يجدد كل أحد فى بلد فى فن أو فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الأمور التقريرية أو التحريرية(مرقاة المفاتيح، ج ١ ص ٣٢٢، كتاب العلم)

(إن الله تعالى يبعث لهذه الأمة) أى يقيض لها (على رأس كل مئة سنة) من الهجرة أو غيرها على ما سبق تقريره والمراد الرأس تقريبا (من) أى رجلا أو أكثر (يجدد لها دينها) أى يبين السنة من البدعة ويكثر العلم وينصر أهله ويكسر أهل البدعة ويذلهم قالوا: ولا يكون إلا عالما بالعلوم الدينية الظاهرة والباطنة .قال ابن كثير: قد ادعى كل قوم فى إمامهم أنه المراد بهذا الحديث والظاهر أنه يعم جملة من العلماء من كل طائفة وكل صنف من مفسر ومحدث وفقيه ونحوى ولغوى وغيرهم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٨٤٥)

الفائدة التاسعة والعشرون: [المفتون] الذين نصبوا أنفسهم للفتوى أربعة أقسام :
أحدهم : العالم بكتاب اللّٰه وسنة رسوله وأقوال الصحابة، فهو المجتهد فى أحكام النوازل، يقصد فيها موافقة الأدلة الشرعية حيث كانت، ولا ينافى اجتهاده تقليدُهُ لغيره أحيانًا، فلا تجد أحدًا من الأئمة إلا وهو مقلد من هو أعلم منه فى بعض الأحكام، وقد قال الشافعى [رحمه اللّٰه ورضى عنه]فى موضع] من الحج: " قلته تقليدًا لعطاء "، فهذا النوع هم الذين يسوغ لهم الإفتاء ويسوغ استفتاؤهم ويتأدى بهم فرض الاجتهاد، وهم الذين قال [فيهم] النبى –صلى اللّٰه عليه وسلم–: " إن اللّٰه يبعث لهذه الأمة على رأس كل مئة سنة من يجدد لها دينها "وهم غرس اللّٰه الذين لا يزال يغرسهم فى دينه وهم الذين قال فيهم على بن أبى طالب [كرم اللّٰه وجهه] : لن تخلو الأرض من قائم للّٰه بحُجّته (اعلام الموقعين، ج٦، ص ١٦٢، ١٦٣،فصل لا يفتى ولا يحكم إلا بما يكون عالما بالحق فيه، أقسام المفتين أربعة)

الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٩٢٩، ج ١٩ ص ٣٩٥) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علم تو بس علم حاصل کرنے سے آتا ہے، اور فقہ، فقہ حاصل کرنے سے آتا ہے، اور جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو دین میں فقہ وسمجھ عطا فرما دیتا ہے، اور بس اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے علماء ہی خشیت رکھتے ہیں (طبرانی)

معلوم ہوا کہ فقہ، عظیم نعمتِ الٰہی ہے، اور جس طرح علم کا حصول، علم حاصل کرنے سے آتا ہے، اسی طرح فقہ بھی تفقہ حاصل کرنے سے آتا ہے، یعنی جب تک کوئی فقہ حاصل نہیں کرے گا، اور اس کی مشق نہیں کرے گا، اس وقت تک اسے تفقہ حاصل نہیں ہوگا۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص فقیہ نہ ہو، تو اسے فقہ کے علم کو حاصل کرنے اور اس میں ترقی کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، جس کی برکت سے اسے فقہ واجتہاد میں ملکہ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی عادتاً اس کے بغیر فقیہ ومجتہد نہیں بنتا، پس جو شخص کُلی اجتہاد کے درجہ پر نہ پہنچا ہو، اسے جزوی نوعیت کے اجتہاد سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔

اور مذکورہ حدیث میں اللہ کی طرف سے تفقہ کی جس نعمت کے عطاء کیے جانے پر خیر کا وعدہ فرمایا گیا ہے، یہ بھی کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ موجودہ زمانے اور آئندہ زمانوں کے لیے بھی ہے، جس کا طریقہ بھی فقہ کا علم حاصل کرنے کی شکل میں بتلایا گیا ہے، پس موجودہ

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه رجل لم يسم، وعتبة بن أبي حكيم وثقه أبو حاتم، وأبو زرعة، وابن حبان، وضعفه جماعة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٣٧، باب العلم بالتعلم)

وقال الالباني: قلت: وفي "التقريب " :"وهو صدوق يخطىء كثيرا ."وقال المناوي: " رواه ابن أبي عاصم أيضا قال ابن حجر في "المختصر :"إسناده حسن لأن فيه مبهما اعتضد بمجيئه من وجه آخر ."(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٤٢)

دور میں فقہاء کے وجود کا انکار کرنا درست نہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۷۱، کتاب العلم، باب: من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کا تفقہ عطا فرماتا ہے، اور میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں، اور اللہ عطاء فرماتا ہے، اور یہ امت اللہ کے حکم پر برابر قائم رہے گی، ان کو مخالفت کرنے والے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) نہ آجائے (بخاری)

اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے، اسے فقہ کی نعمت حاصل ہوجاتی ہے۔

پس "تفقہ فی الدین" اللہ کی طرف سے عظیم نعمت ورحمت ہے، اور اس نعمت کے حاملین قربِ قیامت تک باقی رہیں گے، جن کو مخالفت کرنے والے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

اور مذکورہ حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتی ہے، اور اس نعمت کے وسیع مفہوم میں فقہ کی نعمت بھی داخل ہے، وہ بھی اللہ کا عطیہ ہے، اور جو نعمت نبی کی طرف سے حاصل ہو، تو وہ نبی کی طرف سے اللہ کی نعمت کی تقسیم ہوتی ہے، اس میں نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات سے حاصل شدہ فقہ کی نعمت بھی ہے۔

اور مذکورہ حدیث سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ امت اللہ کے اصل حکم پر قیامت تک قائم رہے گی، جس کی مخالفت کرنے والے، اس کو کوضرر ونقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی موت یا قیامت آ جائے۔

بعض دوسری احادیث اور روایات میں اس مضمون کی مزید کچھ تفصیل وتشریح آئی ہے، اور امت کے بجائے ایک جماعت کے حق پر قائم رہنے کی تصریح آئی ہے، اور اس جماعت میں فقہاء ومجتہدین بھی داخل ہیں، لہٰذا وہ ہر دور میں موجود رہیں گے، کبھی کم اور کبھی زیادہ، کسی جگہ تھوڑے اور کسی جگہ زیادہ اور کسی زمانہ وعلاقہ میں اونچی شان وصفات کے حامل، اور دوسرے کسی زمانہ وعلاقہ میں ان سے نیچی شان اور کم صفات کے حامل، جن کے کاموں اور خدمات کی اصل ناپ وتول اور حد بندی اللہ ہی کے علم میں ہوگی، اگرچہ لوگ ان کے متعلق کتنے ہی خلافِ واقعہ تخمینے اور اندازے کیوں نہ قائم کرتے رہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ قَائِمَةً بِأَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ (صحيح مسلم، رقم الحديث ١٠٣٧ "١٧٤" كتاب الامارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر مسلسل قائم رہے گی، اس جماعت کو رُسوا کرنے یا اس

جماعت کی مخالفت کرنے والے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے، اور وہ اسی طرح لوگوں پر غالب ہوں گے (مسلم)

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے حق پر قائم رہنے کا ذکر فرمایا ہے، اور اس جماعت کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ اس جماعت کی مخالفت یا اس کو رسوا کرنے کی کوشش کرنے والا اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اور اہلِ حق کی یہ جماعت دوسرے لوگوں پر اپنے مستحکم دلائل اور اللہ کی عطا کردہ قوتِ خاص کے ذریعہ سے غالب رہے گی۔

جس سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ ہر دور اور ہر زمانہ کے مجتہدین اور فقہاء وعلمائے حق کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے والوں سے نہ تو اس جماعت کو نقصان ہو گا، اور نہ ہی یہ جماعت ختم ہو گی، بلکہ تا قیامت قائم رہے گی، جس میں ہر دور کے تقاضوں اور ضرورت وحالات کے مطابق مجددین فقہاء وعلمائے حق سب داخل ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی چوتھی حدیث

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ لَا يُبَالُونَ مَنْ خَالَفَهُمْ أَوْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦٨٨١) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر مسلسل قائم رہے گی، یہ جماعت ان لوگوں کی پرواہ نہیں کرے گی، جو ان کی مخالفت کریں گے، یا ان کو رسوا کریں گے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم آ پہنچے (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف كسابقه (حاشية مسند احمد)

مذکورہ حدیث میں امتِ محمدیہ کی حق پر قائم رہنے والی جماعت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کا حکم آنے تک یہ جماعت اپنی مخالفت کرنے والوں یا اپنے آپ کو رسوا کرنے والوں کی پرواہ نہیں کریں گے، اور اس میں اہلِ حق فقہاء ومجتہدین بھی داخل ہیں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۹۲۰ "۱۷۰" کتاب الامارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، رسوا کرنے والے اس جماعت کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا، اور وہ اسی طرح سے (حق پر قائم) ہوں گے (مسلم)

مذکورہ حدیث میں امتِ محمدیہ کی حق پر قائم رہنے والی جماعت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اس جماعت کو رسوا کرنے والے ضرر ونقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اللہ کا حکم یعنی قیامت آنے تک وہ جماعت برابر حق پر قائم رہے گی۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ (صحيح بخارى، رقم الحديث ۷۳۱۱، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبى صلى الله عليه

وسلم: لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق يقاتلون وهم أهل العلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت برابر حق پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے گا، اور وہ (اللہ کی قوتِ خاص یا دلائلِ خاص کے ذریعہ دوسرے لوگوں پر) غالب ہوں گے (بخاری)

مذکورہ حدیث میں اس جماعت کے تا قیامت غالب رہنے کا ذکر ہے، اور غلبہ جس طرح بعض اوقات ظاہری ومادی قوت سے ہوتا ہے، اسی طرح معنوی وغیر حسی یعنی علمی وفقہی دلائل وبراہین کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔

قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ خِذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٦١، كتاب العلم، ذكر إثبات النصرة لأصحاب الحديث إلى قيام الساعة)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت کی ہمیشہ (اللہ کی طرف سے) نصرت کی جاتی رہے گی، ان کو وہ لوگ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، جو ان کو رسوا کرنا چاہیں گے، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے (ابن حبان)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ اس جماعت کی اللہ کی طرف سے نصرت و مدد کی جاتی رہے گی، اور اس کو رُسوا کرنے والے اس جماعت کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور مدد ونصرت

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين ما عدا صحأبيه قرة بن إياس رضى الله عنه فلم يرويا له (حاشية صحيح ابن حبان)

جس طرح ضرورت پڑنے پر ظاہری ومادی اور حسی وسائل سے کی جائے گی، اسی طرح ہر دور کے اعتبار سے براہین ودلائل کے ذریعہ سے بھی کی جاتی رہے گی کہ اس جماعت کی طرف سے پیش کردہ دلائل وبراہین دوسروں پر غالب رہیں گے۔

قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت معاویہ بن قرہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَزَالُ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي مَنْصُوْرِيْنَ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ (موارد الظمآن، رقم الحديث ١٨٥١، كتاب الفتن، باب لا تزال طائفة من هذه الأمة على الحق منصورة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگوں کی ہمیشہ (اللہ کی طرف سے) نصرت کی جاتی رہے گی، ان کو رسوا کرنے والے ضرر نہیں پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے (موارد الظمآن)

مذکورہ روایت میں جماعت کے بجائے کچھ لوگوں کا ذکر ہے، اور چند لوگوں پر جماعت کا بھی اطلاق کیا جاتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس جماعت کی تعداد کا زیادہ ہونا ضروری نہیں، اور ممکن ہے کہ رسمی علماء وفقہاء کے مقابلہ میں حقیقی علماء وفقہاء کی تعداد بہت کم ہو، اور ان کی مخالفت کرنے والے عوام اور رسمی علماء کی تعداد زیادہ ہو، اسی لیے علماء وفقہائے حق کی اس جماعت کے تھوڑے افراد ہونے کی وجہ سے نہ تو گھبرانا چاہیے، اور نہ ہی اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے حقانی دلائل وبراہین کے پیشِ نظر اپنے حق موقف کو ترک کرنا چاہیے، کیونکہ ان کو رسوا کرنے اور طعنہ دینے والے ہرگز نقصان نہیں پہنچاسکیں گے۔

---

[1] قال حسين سليم أسد الدّاراني: إسناده حسن من أجل محمد بن عصام بن يزيد، وقد فصلنا القول فيه، وفي أبيه عند الحديث المتقدم برقم (1844) (حاشية موارد الظمآن)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَوَّامَةً عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۷، ابواب السنة، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ عز وجل کے حکم پر قائم رہے گی، جس کو اس کی مخالفت والا ضرر نہیں پہنچا سکے گا (ابنِ ماجہ)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ اس جماعت کی مخالفت کرنے والے اس کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، جیسا کہ اس سے پہلی احادیث میں بھی گزرا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۸۳۸۹، كتاب الفتن والملاحم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی (حاکم)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، هشام بن عمار قد توبع (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه "وقد رواه ثوبان، وعمران بن حصين، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.
و قال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

مذکورہ روایات بھی گزشتہ روایات کی تائید کرتی ہیں۔

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ قربِ قیامت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، جو کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ سے وابستہ ہوگی۔

محدثین نے فرمایا کہ اس جماعت کا کسی ایک جگہ جمع ہونا یا دین کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ مختص ہونا ضروری نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس جماعت کے افراد دین کے مختلف ومتفرق شعبوں سے منسلک ہوں، مثلاً بعض فقہاء ومجتہدین ہوں، بعض محدثین ہوں، بعض بہادر ومقاتلین ہوں، بعض مبلغین ہوں وغیرہ وغیرہ، اور اس جماعت میں ہر صدی کے مجددین بھی داخل ہیں، اور قیامت سے قبل اس جماعت کے نمایاں حضرات میں حضرت مہدی علیہ الرحمہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہوں گے۔

پھر اگر اہلِ حق کی اس جماعت کے تمام افراد کسی چیز پر متفق ہوجائیں، تو وہ اجماع کہلاتا ہے، جو کہ شرعاً حجت ہے۔ [1]

---

[1] المراد بقوله صلى الله عليه وسلم حتى يأتى أمر الله من الريح التى تأتى فتأخذ روح كل مؤمن ومؤمنة وأن المراد برواية من روى حتى تقوم الساعة أى تقرب الساعة وهو خروج الريح وأما هذه الطائفة فقال البخارى هم أهل العلم وقال أحمد بن حنبل إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدرى من هم قال القاضى عياض إنما أراد أحمد أهل السنة والجماعة ومن يعتقد مذهب أهل الحديث قلت ويحتمل أن هذه الطائفة مفرقة بين أنواع المؤمنين منهم شجعان مقاتلون ومنهم فقهاء ومنهم محدثون ومنهم زهاد وآمرون بالمعروف وناهون عن المنكر ومنهم أهل أنواع أخرى من الخير ولا يلزم أن يكونوا مجتمعين بل قد يكونون متفرقين فى أقطار الأرض وفى هذا الحديث معجزة ظاهرة فإن هذا الوصف ما زال بحمد الله تعالى من زمن النبى صلى الله عليه وسلم إلى الآن ولا يزال حتى يأتى أمر الله المذكور فى الحديث وفيه دليل لكون الإجماع حجة وهو أصح ما استدل به له من الحديث وأما حديث لا تجتمع أمتى على ضلالة فضعيف(شرح النووى علىٰ مسلم، ج١٣ ص٦٦، ٦٧، كتاب الامارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم)

قال النووى فيه أن الإجماع حجة ثم قال يجوز أن تكون الطائفة جماعة متعددة من أنواع المؤمنين ما بين شجاع وبصير بالحرب وفقيه ومحدث ومفسر وقائم بالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وزاهد وعابد ولا يلزم أن يكونوا مجتمعين فى بلد واحد بل يجوز اجتماعهم فى قطر واحد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر مذکورہ بعض احادیث میں تو اس جماعت کے لیے ”الـنـاس“ کے الفاظ استعمال ہوئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وافتـراقهم فى أقطار الأرض ويجوز أن يجتمعوا فى البلد الواحد وأن يكونوا فى بعض منه دون بعض ويـجـوز إخـلاء الأرض كـلهـا مـن بـعـضهم أولا فأولا إلى أن لا يبقى إلا فرقة واحدة ببلد واحد فإذا انقرضوا جاء أمر الله انتهى ملخصا مع زيادة فيه ونظير ما نبه عليه ما حمل عليه بعض الأئمة حديث إن الـلـه يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها أنه لا يلزم أن يكون فى رأس كل مـائة سـنة واحـد فـقـط بـل يـكـون الأمـر فيـه كما ذكر فى الطائفة وهو متجه فإن اجتماع الصفات الـمحتاج إلى تجديدها لا ينحصر فى نوع من أنواع الخير ولا يلزم أن جميع خصال الخير كلها فى شـخـص واحـد (فتـح البـارى لابن حجر، ج١٣، ص ٢٩٥، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، قوله باب لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق)

فإن قلت: من هؤلاء الطائفة؟ قلت: قال البخارى: هم أهل العلم .وقال الإمام أحمد: إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدرى من هم .وقال القاضى عياض: إنـما أراد الإمام أحمد أهل السنة والجماعة. وقال النووى: يـحتمل أن تكون هذه الطائفة مفرقة من أنواع المؤمنين، فمنهم مقاتلون ومنهم فقهاء ومنهم محدثون ومنهم زهاد إلى غيره ذلك.

بيان استنبطاط الأحكام: الأول: فيه دلالة على حجية الإجماع، لأن مفهومة أن الحق لا يعدو الأمة، وحديث: لا تـجتمع أمتى على الضلالة، ضعيف .الثانى: استـدل به البعض على امتناع خلو العصر عن المجتهد .الثالث: فيـه فـضل العلماء على سائر الناس .الرابع: فيـه فـضل الفقه فى الدين على سـائـر الـعلوم، وإنما ثبت فضله لأنه يقود إلى خشية الله تعالى والتزام طاعته .الخامس: فيه إخباره، عـليه الصلاة السلام، بالمغيبات .وقـد وقـع مـا أخبر به، ولله الحمد، فلم تزل هذه الطائفة من زمنه وهـلـم جـرا، ولا تزول حتى يأتى أمر الله تعالى (عمدة القارى، ج٢، ص ٥٢، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين)

قوله: (ظـاهرين) من ظهرت أى: عـلوت، والواو فى قوله: (وهـم ظـاهـرون) للحال، واحتجت به الـحـنابلة على أنه لا يجوز خلو الزمان عن المجتهد .قوله: (حتـى يأتيهم أمر الله) قال النووى: هو الريح الذى يأتى فيأخذ روح كل مؤمن ومؤمنة، ويروى: حتى تقوم الساعة أى: تقرب الساعة، وهو خـروج الريح، ويروى: لا تـزال طـائـفة من أمتى، وهو فى مسلم كذلك، قال البخارى: وأما هذه الـطـائـفة فهـم أهل العلم، وقال أحمد بن حنبل: إن لـم يـكـونوا أهل الحديث فلا أدرى من هم قال القـاضى: إنـمـا أراد أحـمـد أهـل السـنة والـجماعة، ومن يعتقد مذهب أهل الحق .وقـال النووى: يـحـتـمـل أن هـذه الـطـائفة مفرقة من أنواع المؤمنين، فمنهم شجعان مقاتلون، ومنهم فقهاء، ومنهم مـحـدثـون، ومنهم زهاد، ومنهم آمرون بالمعروف وناهون عن المنكر، ومنهم أنواع إخرى من أهل الخير، ولا يلزم أن يكونوا مجتمعين بل قد يكونوا متفرقين فى أقطار الأرض .قال: وفيه دليل لكون الإجـمـاع حجة، وهو أصح ما يستدل به من الحديث .وأما حديث: (لا تـجتمع أمتى على ضلالة) فـضـعيف (عـمدة القارى، ج١٦، ص ١٦٤، كتاب بدء الخلق، باب بلا ترجمة قبل باب فى فضائل أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم)

ہیں، جس سے چند لوگ مراد ہیں، اور اکثر احادیث میں اس جماعت کے لیے''طائفة'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور جماعت کے لیے زیادہ افراد کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ دو یا اس سے زیادہ افراد کو بھی جماعت کہا جاتا ہے۔ ١

اور احادیث میں جو''طائفة'' کے الفاظ، بطور نکرہ کے استعمال ہوئے ہیں، اس کی وجہ بعض حضرات نے''تقلیل'' بیان کی ہے کہ اس جماعت کے افراد زیادہ کثرت سے نہیں ہوں گے، بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں، ان کی تعداد کم ہوگی، جبکہ بعض حضرات نے''طائفة'' کے الفاظ بطور نکرہ استعمال ہونے کی وجہ''تعظیم'' بیان کی ہے، یعنی یہ جماعت انتہائی قابلِ تعظیم ہوگی، خواہ اس کی تعداد زیادہ ہو یا تھوڑی، واللہ اعلم۔ ٢

نیز مذکورہ احادیث سے بعض فقہائے کرام مثلاً حنابلہ نے ہر زمانہ کے مجتہد سے خالی نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، یعنی ان کے نزدیک ہر زمانہ میں مجتہدین کا ہونا ضروری ہے، اور کسی زمانہ کے مجتہد سے خالی ہونا جائز یا ممکن نہیں۔

---

١ قوله(لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين)الطائفة : الجماعة ، وهم العصابة في الحديث الآخر ، وهم الذين قال الله تعالى في حقهم : وممن خلقنا أمة يهدون بالحق وبه يعدلون والطائفة في الأصل هي : القطعة من الشيء .يقال : طائفة من كذا ؛ أي : قطعة منه .وهي من الناس : الجماعة .قال مجاهد : هم من الواحد إلى الألف .وكذلك قال النخعي .وقال عطاء : أقله رجلان فصاعدا . وقال الزهري : ثلاثة فصاعدا .والطائفة هي الفرقة التي يمكن أن تكون حلقة ، وكأنها الجماعة الحافة حول الشيء ، أقلها ثلاثة أو أربعة (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، للقرطبي، ج ١٢، ص ٦١، كتاب الجهاد، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين)

قوله :(طائفة من أمتي) أي جماعة منهم، قال الفيومي :الطائفة :الفرقة من الناس، والطائفة :القطعة من الشيء ، والطائفة من الناس الجماعة، وأقلها ثلاثة، وربما أطلقت على الواحد والاثنين . انتهى(مشارق الأنوار الوهاجة ومطالع الأسرار البهاجة في شرح سنن الإمام ابن ماجه،لمحمد بن علي بن آدم بن موسى، ج ١،ص ١١٩، كتاب المقدمة ،باب اتباع سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم)

٢ قوله: (لا تزال طائفة) الطائفة الجماعة من الناس والتنكير للتقليل أو التعظيم لعظم قدرهم ووفور فضلهم ويحتمل التكثير أيضا فإنهم وإن قلوا فهم الكثيرون فإن الواحد لا يساويه الألف بل هم الناس كلهم (حاشية السندي على سنن ابن ماجه، ج ١، ص ٧، كتاب المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم)

لیکن دیگر حضرات کے نزدیک ہر زمانہ میں مجتہدین کا ہونا ضروری نہیں، جس طرح ہر علاقہ میں مجتہدین کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی زمانہ یا علاقہ میں مجتہدین کے بجائے، صرف علماء یا عام مومنین کی اہلِ حق جماعت موجود ہو۔

لیکن مذکورہ اختلاف عملاً موجود ہونے نہ ہونے کے متعلق ہے، جہاں تک ہر زمانہ میں مجتہدین کے ممکن وجائز ہونے کا تعلق ہے، اس میں مذکورہ حضرات کا اختلاف نہیں، اگرچہ موجودہ دور کے بعض حضرات نے صدیوں سے مطلقاً اجتہاد کا دروازہ مسدود ہونے کا دعویٰ کردیا ہے، مگر یہ قول دلائل وحقائق کی رو سے زیادہ قوت کا حامل معلوم نہیں ہوسکا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] قوله :(ظاهرين) من ظهرت أى :علوت، والواو فى قوله :(وهم ظاهرون) للحال، واحتجت بـه الحنابلة على أنه لا يجوز خلو الزمان عن المجتهد (عمدة القارى، ج١٦، ص ١٦٤، كتاب بدء الخلق، باب بلا ترجمة قبل باب فى فضائل أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم)

لا تـزال طـائـفة مـن أمتـى ظـاهـرين على الحق قال البخارى هم أهل العلم أى المجتهدون فلا يخلو الزمان من مجتهد حتى تأتى أشراط الساعة الكبرى والطائفة تطلق لغة على الواحد فصاعدا.

لا تـزال طـائـفة من أمتى قائمة بأمر الله قال النووى يحتمل أن هذه الطائفة مفرقة فى المؤمنين فمنهم قـائـم بـالجهاد ومنهم قائم بالعلم ومنهم قائم بالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ومنهم قائم بأنواع أخـرى مـن الـخيـر نـاوأهـم بهـمـز بـعد الواو أى عاداهم(الديباج على صحيح مسلم،لجلال الدين السيـوطـى، ج٤،ص ٥١١،٥١٢،كتـاب الأمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم)

هـذه الأحـاديـث شاملة للعلماء أيضا حتى قيل :الـمـراد بهـم علماء الحديث(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٦،ص ٢٤٦٢، كتاب الجهاد)

(لا تـزال طـائـفة من أمتى على الحق منصورة)، وفيه بشارة للمؤمنين، وأن الحق لا يذهب ويضيع بل لابـد أن يبـقـى إلى أن تقوم الساعة، ولا بد أن تبقى طائفة من هذه الأمة على الحق منصورة، كما فى اللفظ الآخر :(لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتى أمر الله)

وهـذه بشـارة لـلـمـؤمـنين، وأن الحق لا يضيع، ولا تزال طائفة على الحق منصورة وهم أهل السنة والـجـمـاعة، وهـم أهـل الحق، وهم الصحابة والتابعون والأئمة ومن بعدهم وفى مقدمتهم العلماء، وكـل مـن عـمـل بـالسـنة والتـزمهـا فهو منهم منهم المزارع والنجار والتاجر وأصحاب المهن مثل الجزار قد يكون من أهل السنة ومن أهل الحق وهو جزار أو صانع أو حداد أو خراز أو تاجر.

هذه الطائفة تقل وتكثر، وقد تكون متفرقة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ "**رسالة التدقيق الاقوم في تحقيق السواد الاعظم**" میں مذکورہ حدیث لکھنے کے بعد، اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طائفة من الشیء قطعہ شی کا ہوتا ہے، جو قلت پر دلالت کرتا ہے، پس حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد ہے کہ طائفہ قلیلہ خواہ رجل واحد ہی کیوں نہ ہو، حق پر ہوسکتا ہے، اور اس کے مخالف تمام دنیا بھی ہو، تو اس کا قول باطل ہوگا

(امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۷۵، کتاب المتفرقات، رسالہ "التدقيق الاقوام في تحقيق السواد الاعظم" مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع اول 1421 ہجری)

بہر حال مذکورہ احادیث سے تا قیامت ایک جماعت کا حق پر قائم رہنا معلوم ہوتا ہے، اور اس جماعت کے افراد کا زیادہ ہونا ضروری نہیں، چند افراد بھی ہوسکتے ہیں، اور اس جماعت میں ہر دور وزمانہ کے فقہاء و مجتہدین بھی داخل ہیں، اور ان احادیث سے ہر دور میں فقہاء ومجتہدین کے نہ ہونے کی نفی اور ممکن ہونے کا ثبوت ہوتا ہے، بلکہ بعض حضرات کے بقول موجود ہونے کے ضروری ہونے کا ثبوت ہوتا ہے، پھر ناممکن ہونے کا دعویٰ کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا فيه بشارة بأنه لا يزال الحق باق حتى يأتي أمر الله، وأمر الله هو الريح الطيبة التي تقبض أرواح المؤمنين والمؤمنات في آخر الزمان قبيل قيام الساعة (شرح سنن ابن ماجة، لعبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن الراجحي، ج ١، ص ٤، كتاب المقدمة، ما جاء في الطائفة المنصورة)

مِنَّا حَدِيْثًا، فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٣٦٦٠، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اس شخص کی مدد فرمائے، جو مجھ سے کسی حدیث کو سنے، پھر اس کو محفوظ کرلے، یہاں تک کہ اس کو کسی دوسرے تک پہنچادے، پس بہت سے فقہ کے حاملین ایسے ہوتے ہیں کہ جن تک وہ فقہ کی بات پہنچاتے ہیں، وہ ان پہنچانے والوں سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں، اور بعض فقہ کے حاملین فقیہ نہیں ہوتے (سنن ابی داؤد)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ، تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٠٥٦، ابواب المناسک، باب الخطبة، يوم النحر) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری بات سنے پھر آگے پہنچادے کیونکہ بہت سے فقہ کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داؤد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية سنن ابنِ ماجه)

بات ایسے شخص تک پہنچادیتے ہیں جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے، تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (ابن ماجہ)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا، ثُمَّ بَلَّغَھَا عَنِّیْ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرِ فَقِیْہٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ إِلٰی مَنْ ھُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٢٣٦، ابواب السنة، باب من بلغ علما) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس بندہ کی مدد فرمائے، جو میری کسی بات کو سنے، پھر اس کو محفوظ کرلے، پھر اس کو میری طرف سے (کسی دوسرے تک) پہنچادے، پس بہت سے فقہ کے حاملین فقیہ نہیں ہوتے، اور بہت سے وہ لوگ جن تک دوسرے کی طرف فقہ کی بات پہنچتی ہے، وہ پہنچانے والوں کے مقابلہ میں زیادہ فقیہ ہوتے ہیں (ابن ماجہ)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] عن عبد الله بن مسعود، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها؛ فإنه رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے فقیہ بھی بہت ہوں گے کہ ان کو بعض جہات سے اپنے سے پہلے یا بڑے حضرات کے مقابلہ میں زیادہ تفقہ کی نعمت حاصل ہوگی، اور یہ سلسلہ ہر زمانہ میں جاری رہے گا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد کے زمانہ کے فقیہ کو خواہ وہ دوسرے کے مقابلہ میں کم عمر ہو، اپنے سے پہلے زمانہ یا بڑی عمر کے فقیہ کی رائے کے مقابلہ میں کسی فقہی مسئلہ کے اندر ترجیح حاصل ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ دعویٰ کرنا درست نہیں کہ بعد کے یا کم عمر فقیہ کو اپنے سے پہلے یا زیادہ عمر کے فقیہ کی بہرحال تقلید واتباع لازم ہے، اور اس کو خود سے اجتہاد کرنا جائز نہیں، جس کی تردید آگے بھی آتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے حوالہ جات

اب اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے اقوال وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذكر ذاكر أن الاجتهاد قد انقطع من مائتي سنة وهذا كلام من لا علم له بطبقات العلماء ولا وقف على تراجمهم......فبهذا نص بأن الزمان إلى حين عصره ما خلى عن مجتهد (تقرير الاستناد فى تفسير الاجتهاد، لجلال الدين السيوطي، ص ٦٣، فصل الاجتهاد لم ينقطع)

ترجمہ: کسی ذکر کرنے والے نے یہ ذکر کیا کہ اجتہاد دوسو سال سے ختم ہو چکا ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منه، ثلاث لا يغل عليهن قلب رجل مسلم :إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر، ولزوم جماعة المسلمين؛ فإن دعوتهم تحيط من ورائهم "قال أبو عمر :وروى هذا الحديث أيضا عن النبي صلى الله عليه وسلم أبو بكرة (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، رقم الحديث ١٩١)

اور یہ ایسے شخص کی بات ہے، جس کو علماء کے طبقات کا علم نہیں، اور نہ ان کے تراجم سے واقفیت حاصل ہے (پھر مختلف زمانوں کے مجتہدین کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں) پس اس تصریح سے یہ معلوم ہو چکا کہ ہمارے دور تک کوئی بھی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں گزرا (تقریر الاستناد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ اجتہاد فلاں صدی میں ختم ہو چکا ہے، اور اب اس کا وجود نہیں رہا، یہ راجح قول نہیں، بلکہ حسبِ ضرورت وحسبِ حیثیت ہر زمانہ اور ہر دور وعلاقہ میں اجتہاد کا ممکن باب مفتوح ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والاجتهاد ليس هو أمرا واحدا لا يقبل التجزى والانقسام بل قد يكون الرجل مجتهدا فى فن أو باب أو مسألة دون فن وباب ومسألة وكل أحد فاجتهاده بحسب وسعه (مجموع الفتاوىٰ، ج ۲۰ ص ۲۱۲، اصول الفقه "التمذهب"، الاجتهاد يقبل التجزئ)

ترجمہ: اور اجتہاد امرِ واحد نہیں کہ وہ تجزی اور تقسیم کو قبول نہ کرتا ہو، بلکہ کبھی آدمی ایک فن یا ایک باب یا ایک مسئلہ میں مجتہد ہوتا ہے، دوسرے فن یا دوسرے باب یا دوسرے مسئلہ میں مجتہد نہیں ہوتا، اور ہر ایک کا اجتہاد اس کی حسبِ وسعت ہوا کرتا ہے (مجموع الفتاویٰ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اجتہاد ایک نوعیت کا نہیں، اور اسی وجہ سے تمام مجتہدین بھی ایک نوعیت کے نہیں، ان کے بھی درجات ہیں، کوئی بڑا مجتہد ہے، کوئی چھوٹا، کوئی کلی مجتہد ہے، کوئی جزوی مجتہد، لہٰذا اگر کسی میں کلی اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، تو اس کے جزوی مجتہد

ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور جزوی مجتہد بھی، مجتہد ہی ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی مجتہد کی ایک قسم ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں ایک طبقہ جزوی مجتہد کو، مجتہد کا نام دینے کے لیے تیار نہیں، لیکن اولاً تو کسی کا مجتہد ہونا دوسرے کے تسلیم ہونے پر موقوف ہے، اور نہ ہی کسی کو مجتہد ہونے کا باقاعدہ لقب اور نام ملنا ضروری ہے، بلکہ اصل مقصد اللہ کے دین اور اس کے احکام میں غور وفکر کے لیے اصولِ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنا ہے، جو بھی یہ عمل کرے گا، وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے عنداللہ مجتہد ہوگا۔

’’اعلامُ الموقعین‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ قیم نے’’اعلامُ الموقعین‘‘میں فرمایا کہ:

’’جن لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا دعویٰ کیا، ان کا اس میں بھی اختلاف ہوا کہ اجتہاد کا دروازہ کب بند ہوا؟ اس میں ان کے بہت زیادہ اقوال ہیں، جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، ان کے نزدیک زمین اللہ کی حجت سے خالی ہے، اور ان کے بیان کردہ زمانہ کے بعد کسی کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ میں غور کر کے رائے قائم کرنے اور احکام کو لینے اور فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے، جب تک کہ اس کا قول اپنے قابلِ اتباع اور قابلِ تقلید بزرگوں کے اقوال کے مطابق نہ ہو، لیکن اس طرح کے اقوال فساد اور بطلان اور تناقض کی حدود کو پہنچ گئے ہیں، اور اللہ کے دین پر بغیر علم کے حکم لگادیا گیا ہے، حالانکہ احادیث کے مطابق اس امت کی ایک جماعت تاقیامت حق پر قائم رہے گی، اور ہر صدی کے سِرے پر مجدِدِین کی بھی آمد ہوتی رہے گی، اس طرح کی احادیث ان اقوال کی تردید کرتی ہیں، اور ان اقوال کے فساد کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ جب تمہارے

کہنے کے مطابق کسی کو بعد میں اجتہاد کا حق نہیں، تو پھر جن پر تم نے اجتہاد کا دروازہ بند کیا، صرف ان کی تقلید کا اور دوسرے حضرات کی تقلید نہ کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دیا، اور تم نے انسان پر اس بات کو کیسے حرام قرار دے دیا کہ وہ اس چیز کو اختیار کرے، جس کی طرف اس کا اجتہاد اس کو پہنچائے، جو اس کی نظر میں کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ کے موافق ہو"۔ لے

لے واختلفوا متى انسد باب الاجتهاد على أقوال كثيرة ما أنزل الله بها من سلطان، وعند هؤلاء أن الأرض قد خلت من قائم لله بحجة، ولم يبق فيها من يتكلم بالعلم، ولم يحل لأحد بعد أن ينظر فى كتاب الله ولا سنة رسوله لأخذ الأحكام منهما، ولا يقضى ويفتى بما فيهما حتى يعرضه على قول مقلده ومتبوعه، فإن وافقه حكم به وأفتى به، وإلا رده ولم يقبله .وهذه أقوال كما ترى– قد بلغت من الفساد والبطلان والتناقض ، والقول على الله بلا علم، وإبطال حججه، والزهد فى كتابه وسنة رسوله، وتلقى الأحكام منهما، مبلغها، ويأبى الله إلا أن يتم نوره ويصدق قول رسوله: " إنه لن تخلو الأرض من قائم لله بحجة "ولن تزال طائفة من أمته على محض الحق الذى بعثه به ، وأنه لا يزال يبعث على رأس كل مئة سنة لهذه الأمة من يجدد لها دينها .

ويكفى فى فساد هذه الأقوال أن يقال لأربابها: فإذا لم يكن لأحد أن يختار بعد من ذكرتم فمن أين وقع لكم اختيار تقليدهم دون غيرهم؟ وكيف حرمتم على الرجل أن يختار ما يؤديه إليه اجتهاده من القول الموافق لكتاب الله وسنة رسوله، وأبحتم لأنفسكم اختيار قول من قلدتموه، وأوجبتم على الأمة تقليده، وحرمتم تقليد من سواه، [ورجحتموه على تقليد من سواه] ؟ فما الذى سوغ لكم هذا الاختيار الذى لا دليل عليه من كتاب ولا سنة ولا إجماع ولا قياس ولا قول صاحب، وحرم اختيار ما [دل] عليه الدليل من الكتاب والسنة وأقوال الصحابة؟ ويقال لكم: فإذا كان لا يجوز الاختيار بعد المئتين عندك ولا عند غيرك فمن أين ساغ لك وأنت لم تولد إلا بعد المئتين بنحو ستين سنة أن تختار قول مالك دون من هو أفضل منه من الصحابة والتابعين أو من هو مثله من فقهاء الأمصار أو ممن جاء بعده؟ وموجب هذا القول أن أشهب وابن الماجشون ومطرف بن عبد الله وأصبغ بن الفرج وسحنون بن سعيد وأحمد بن المعذل ومن فى طبقتهم من الفقهاء كان لهم أن يختاروا إلى انسلاخ ذى الحجة من سنة مئتين، فلما استهل هلال المحرم من سنة إحدى ومئتين وغابت الشمس من تلك الليلة حرم عليهم فى الوقت بلا مهلة ما كان مطلقا لهم من الاختيار؟

ويقال للآخرين: أليس من المصائب وعجائب الدنيا تجويزكم الاختيار والاجتهاد والقول فى دين الله بالرأى والقياس لمن ذكرتم من أئمتكم، ثم لا تجيزون الاختيار والاجتهاد لحفاظ الإسلام وأعلم الأمة بكتاب الله وسنة رسوله وأقوال الصحابة وفتاواهم كأحمد بن حنبل والشافعى وإسحاق بن راهويه ومحمد بن إسماعيل البخارى وداود بن على ونظرائهم على سعة علمهم بالسنن ووقوفهم على الصحيح منها والسقيم وتحريهم فى معرفة أقوال الصحابة والتابعين ودقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ امیر حاج حنفی کا حوالہ

شمس الدین ابنِ امیر حاج حنفی (المتوفیٰ: 879ہجری) علامہ ابنِ ہمام کی ''التحریر'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

(ودخل) فی المستفتی (المجتهد فی البعض) من المسائل الاجتهادية (بالنسبة إلى) المجتهد (المطلق) نعم حيث قلنا بتجزؤ الاجتهاد فقد يكون الشخص مفتيا بالنسبة إلى أمر مستفتيا بالنسبة إلى آخر (التقرير والتحبير، ج٦ ص ٢٧٦، المقالة الثالثة فى الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والافتاء)

ترجمہ: فتویٰ طلب کرنے والے میں بعض مسائلِ اجتہادیہ کا مجتہد بھی داخل ہے، مجتہدِ مطلق کے مقابلہ میں، اس طور پر کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد متجزی ہوسکتا ہے، پس اس بناء پر ایک شخص کسی معاملہ میں مفتی (ومجتہد) ہوسکتا ہے، اور دوسرے معاملہ میں مستفتی (اور مقلد) ہوسکتا ہے (التقریر والتحبیر)

معلوم ہوا کہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص ایک جہت سے مستفتی ومقلد ہو، اور دوسری جہت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نظرهم ولطف استخراجهم للدلائل ومن قال منهم بالقياس فقياسه من أقرب القياس إلى الصواب، وأبعده عن الفساد، وأقربه إلى النصوص، مع شدة ورعهم وما منحهم الله من محبة المؤمنين لهم وتعظيم المسلمين علمائهم وعامتهم لهم، فإن احتج كل فريق منهم بترجيح متبوعه بوجه من وجوه التراجيح من تقدم زمان أو زهد أو ورع أو لقاء شيوخ وأئمة لم يلقهم من بعده أو كثرة أتباع لم يكونوا لغيره أمكن الفريق الآخر أن يبدوا لمتبوعهم من الترجيح بذلك أو غيره ما هو مثل هذا أو فوقه، وأمكن غير هؤلاء كلهم أن يقولوا لهم جميعا: نفوذ قولكم هذا إن لم تأنفوا من التناقض يوجب عليكم أن تتركوا قول متبوعكم لقول من هو أقدم منه من الصحابة والتابعين وأعلم وأورع وأزهد وأكثر أتباعا وأجل، فأين أتباع ابن عباس وابن مسعود وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل بل أتباع عمر وعلى من أتباع الأئمة المتأخرين فى الكثرة والجلالة؟ (اعلام الموقعين عن رب العالمين، لابن القيم، ج٤ ص ٣٢ الیٰ ٣٤، التقليد والاتباع، إيجاب المقلدين تقليد أئمتهم وتحريم تقليد غيرهم)

سے مفتی و مجتہد ہو، نہ اس میں کوئی اعتراض ہے، اور نہ شبہ، اگرچہ بعض کم علم حضرات کو اس پر اطمینان نہ ہو، لیکن ظاہر ہے کہ دین کے احکام ان کی رائے یا ذوق یا اطمینان پر تو موقوف نہیں۔

امیر بادشاہ حنفی کا حوالہ

محمد امین بن محمود المعروف بامیر بادشاہ حنفی (المتوفی:972ھجری) علامہ ابنِ ہمام کی ''التحریر'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیجوز أن یکون شخص مجتهد فی بعض المسائل دون بعض (وهو الحق) أی القول بالتجزؤ هو الحق کما سبق وجهه ، وأنه علیه الأکثر (تیسیر التحریر لامیر بادشاہ، ج۴ص ۲۴۶،المقالۃ الثالثۃ فی الاجتهاد وما یتبعه من التقلید والإفتاء)

ترجمہ: پس یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص بعض مسائل میں مجتہد ہو، اور بعض میں مجتہد نہ ہو، یہی حق ہے، یعنی اجتہاد میں تجزی ہونے کا قول حق ہے، جیسا کہ اس کی وجہ گزر چکی ہے، اور اکثر حضرات کا یہی قول ہے (تیسیر التحریر)

مطلب یہ ہے کہ اکثر اور جمہور حضرات، اجتہاد میں تجزی ہونے کے قائل ہیں، اور یہی قول دلائل کے اعتبار سے برحق ہے، لہٰذا جو شخص بعض مسائل میں اجتہاد کرے، وہ بھی مجتہد ہے، اس کو مجتہد تسلیم نہ کرنا، دراصل جمہور کے راجح اور حق قول کی مخالفت ہے۔

''شرح مسلم الثبوت'' کا حوالہ

''مسلم الثبوت'' کی شرح ''فواتح الرحموت'' میں ہے کہ:

(والمفتی المجتهد من حیث یجیب السائل) فهو أخص منه (والمستفتی یقابله) أی السائل من المجتهد من حیث هو سائل

(وقد يجتمعان) في شخص واحد بناء (على التجزى) في الاجتهاد فيكون في بعض المسائل مجتهدا مفتيا وفي بعضها مستفتيا (لتعدد الجهات) (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج٢، ص ٤٣٢، خاتمة: الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه، فصل التقليد العمل بقول الغير من غير حجة، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ: 1423هـ. 2002ء)

رجمہ: اور مفتی مجتہد اس حیثیت سے کہ وہ سائل کو جواب دیتا ہے، پس وہ سائل کے مقابلہ میں خاص ہے، اور مستفتی اس کے مقابلہ میں ہے، یعنی مجتہد سے سوال کرنے والا، اس حیثیت سے کہ وہ سوال کرنے والا ہے، اور کبھی یہ دونوں صفات ایک شخص میں جمع ہو جاتی ہیں، اس بنا پر کہ اجتہاد میں تجزی ہو سکتی ہے، پس یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص بعض مسائل میں مجتہد اور مفتی ہو، اور بعض مسائل میں مستفتی ہو، جہات کے متعدد ہونے کی وجہ سے (فواتح الرحموت)

معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اجتہاد میں تجزی جائز ہے، لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص بعض مسائل میں مجتہد ہونے کی وجہ سے مفتی ہو، اور بعض مسائل میں مجتہد نہ ہونے کی وجہ سے مستفتی ہو، اس حیثیت سے یہ دونوں صفات ایک شخص میں جہات کے متعدد ہونے کی وجہ سے جمع ہو سکتی ہیں، پس اگر ایک شخص بعض مسائل میں دوسرے مجتہدین کا مقلد ہو، تو وہ کسی دوسرے مسئلہ یا بعض دوسرے مسائل میں اجتہاد کر کے، دوسرے مجتہد کی تقلید سے بری ہو سکتا ہے، اور جمہور کے نزدیک ایسا ممکن و جائز ہے، علامہ ابنِ عابدین شامی اور دیگر حضرات نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے، جیسا کہ اگلی فصل میں ذکر آتا ہے۔

''شرح مسلم الثبوت'' میں ہی ہے کہ:

(مسئلة: يجوز خلو الزمان عن المجتهد شرعا خلافا للحنابلة

والأستاذ) فانهم لا يجوزونه شرعا وان جاز عقلا (والنزاع) انما هو (فيما قبل أشراط الساعة) من خروج الدجال ويأجوج ومأجوج ودابة الأرض وطلوع الشمس من المغرب فالخلو بعد ظهور أشراط الساعة مجمع عليه، وأما عيسى عليه السلام فهو وان كان يدخل فى الدين المحمدى لكن التحقيق أنه يفتى بالهام الٰهى لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ،أن حكم الحادثة فى الدين المحمدى كذا فيحكم به لا عن اجتهاد .

(و) النزاع (فى المجتهد مطلقا) سواء كان مجتهدا فى المذهب أو مجتهدا بالمذهب وهو المراد إذا أطلق لخلو الزمان عن المجتهد المطلق قطعا كما صرح به الإمام الغزالى والقفال والرافعى وفى الخلاصة ليس أحد من أهل الاجتهاد فى زماننا ولان اللازم من دلائل الفريقين ثبوت المجتهد مطلقا أو انتفاؤه كذا فى الحاشية .

(لنا) قوله صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم (إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد لكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالم اتتخذ الناس رؤساء جهالا فأفتوا بغير علم فضلوا واضلوا) رواه البخارى وهذا يدل على عدم بقاء عالم فى الأرض فى زمان (أقول فيه ما فيه) لان غاية ما يلزم منه خلو الزمان عن العالم والنزاع انما وقع فى خلوه قبل وقوع أشراط الساعة فما لزم غير المدعى وما هو مدعى غير لازم (فتأمل)

ثم انه استدل بما صرح به الإمام حجة الإسلام قد سره والرافعى

والقفال بأنه وقع فی زماننا هذا الخلو وفیه ما فیه لان وقوع الخلو ممنوع وما ذکر مجرد دعوی والإمام حجة الإسلام وان کان من جملة الأولیاء لا یصلح حجة فی الاجتهادات ثم إن من الناس من حکم بوجوب الخلو من بعد العلامة النسفی واختتم الاجتهاد به وعنوا الاجتهاد فی المذهب .

وأما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالأئمة الأربعة حتی أوجبوا تقلید واحد من هؤلاء علی الأمة ،وهذا کله هوس من هوساتهم لم یأتوا بدلیل ولا یعبأ بکلامهم وإنما هم من الذین حکم الحدیث أنهم أفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا، ولم یفهموا أن هذا اخبار بالغیب فی خمس لا یعلمهن إلا الله تعالی (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، الجزء الثانی، صفحة ۴۳۱،خاتمة : الاجتهاد بذل الطاقة من الفقهیة ،مطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الاولیٰ: 1423ھ۔ 2002ء)

ترجمہ: مسئلہ: زمانے کا شرعاً مجتہد سے خالی ہونا جائز ہے، حنابلہ اور استاذ (ابواسحاق) کے نزدیک شرعاً جائز نہیں، اگر چہ عقلاً جائز ہے۔ [1]

اور یہ اختلاف قیامت کی بڑی علامات یعنی دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ

---

[1] معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا مشہور اختلاف کسی زمانہ کے مجتہد سے خالی ہونے کے جائز یا ممکن ہونے نہ ہونے میں ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر زمانہ میں مجتہد کے ہونے میں ان میں سے کسی کو اختلاف نہیں، برخلاف آج کے بعض حضرات کے کہ وہ صدیوں سے اجتہاد کے دروازہ کے عملاً مسدود ہونے کے قائل ہیں، جبکہ یہ قول اس سلسلہ میں مشہور اقوال کے مقابلہ میں انتہائی کمزور ہے، اگر چہ بعض بڑے بڑے بزرگوں کا قول ہو۔

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ قوت کا مدار دلائل پر ہے، کسی کے بزرگ یا بڑی شخصیت ہونے پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے جلیل القدر فقہاء کے مقابلہ میں ان کے تلامذہ اور ان سے چھوٹے درجہ کے فقہاء کی رائے کو ترجیح حاصل ہے، اور اس طرح کے مسائل کی تعداد کم نہیں ہے، مگر بایں ہمہ ان فقہائے کرام کا احترام اپنی جگہ برقرار ہے۔ محمد رضوان۔

الارض کے خروج اور مغرب سے طلوعِ شمس سے پہلے زمانہ کے متعلق ہے، پس مذکورہ علاماتِ قیامت کے ظہور کے بعد زمانہ کے مجتہد سے خالی ہونے پر دونوں کا اجماع ہے، جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے، تو وہ اگرچہ دینِ محمدی میں داخل ہوں گے، لیکن ان کے متعلق تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ اللہ کے الہام سے فتویٰ دیں گے کہ دینِ محمدی کے پیش آمدہ واقعہ میں یہ حکم ہے، ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے باطل نہیں آئے گا، اور وہ اپنے اجتہاد سے حکم بیان نہیں کریں گے۔

اور مذکورہ اختلاف مجتہدِ مطلق کے متعلق ہے، خواہ وہ مجتہد فی المذہب ہو یا مجتہد بالمذہب ہو، اور جب اس کو مطلق بولا جاتا ہے، تو یہی مراد ہوا کرتا ہے، کیونکہ مجتہدِ مطلق سے زمانہ کا خالی ہونا مشاہد ہے، جیسا کہ اس کی امام غزالی، قفال اور رافعی نے تصریح فرمائی ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں اہلِ اجتہاد میں سے کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا، اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فریقین کی طرف سے پیش کردہ دلائل سے یا مجتہدِ مطلق کا ثبوت پایا جاتا ہے، یا اس کی نفی پائی جاتی ہے، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ [1]

ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ’’بے شک اللہ علم کو پوری طرح

---

[1] مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اختلاف مجتہدِ مطلق کے متعلق تھا کہ اس سے زمانہ کا خالی ہونا جائز ہے یا نہیں، لیکن بعض حضرات نے پہلے تو مجتہدِ مطلق کے صدیوں سے ختم ہونے کو اجماعی مسئلہ بنا دیا، جبکہ یہ اختلافی ہے، اور اختلافی بھی ہر زمانہ میں مجتہدِ مطلق کے ضروری ہونے نہ ہونے میں ہے، ممکن ہونے میں نہیں۔
پھر اس کے بعد مزید ترقی کر کے اجتہادِ مقید اور جزوی اجتہاد کے بھی ختم ہونے کا دعویٰ کر دیا، جو کہ کسی کا بھی قول نہیں تھا، ہاں البتہ اگر کسی نے اپنے زمانہ یا علاقہ میں مجتہد کا مشاہدہ نہ کیا ہو، تو یہ اس کا معاملہ ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے زمانہ وعلاقہ میں بھی یہی صورتِ حال ہو، یا دوسروں کے مشاہدہ میں بھی ایسا ہی ہو۔
جہاں تک موجودہ زمانہ میں اجتہاد کی صلاحیتوں کے کمزور ہو جانے کا تعلق ہے، تو اس سے انکار نہیں، لیکن اس سے اجتہاد کا بالکلیہ فقدان، انکتام وانعدام تو لازم نہیں آتا، البتہ تقلیل ثابت ہوتی ہے، جو تکثیر کے مقابلہ میں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور کے علماء جتنے بھی ہیں، ان میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے کم ہیں، اور اس سے اختلاف نہیں۔ محمد رضوان۔

اپنے بندوں سے قبض نہیں کرے گا، لیکن علم کو علماء کے قبض کرنے سے قبض کرے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہ جائے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، جو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، اور وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس کو بخاری نے روایت کیا'' یہ حدیث زمین میں کسی زمانہ کے اندر عالم کے باقی نہ رہنے پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس دلیل میں شبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ کسی مخصوص زمانہ کا عالم سے خالی ہونا لازم آتا ہے (مگر تمام زمانوں اور علاقوں میں تو خالی ہونے کا لزوم اس سے ثابت نہیں ہوتا) اور اختلاف صرف علاماتِ قیامت کے وقوع سے قبل خالی ہونے کے بارے میں ہے، پس اس سے جو چیز لازم آرہی ہے، وہ مدعیٰ کے علاوہ ہے، اور جو مدعیٰ ہے، وہ لازم نہیں آرہا، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اور رافعی اور قفال کی اس بات سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں یہ خالی ہونا پایا گیا ہے، تو یہ دلیل بھی شبہ سے خالی نہیں، کیونکہ خالی ہونے کا وقوع ممنوع ہے، اور انہوں نے جو ذکر کیا ہے، وہ محض ایک دعویٰ ہے، اور امام حجۃ الاسلام اگرچہ اولیاء میں سے ہیں، لیکن وہ اجتہادات کے بارے میں حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، پھر بعض لوگ وہ ہیں، جنہوں نے مجتہد سے خالی ہونے کے وجوب کا حکم علامہ نسفی کے بعد لگایا ہے، اور ان پر اجتہاد کو ختم قرار دیا ہے، اور انہوں نے اجتہاد فی المذہب کا عنوان قائم کیا ہے۔

جہاں تک اجتہادِ مطلق کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا، یہاں تک کہ انہوں نے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کو امت پر واجب قرار دے دیا، اور یہ تمام باتیں ان کی خوش فہمیوں پر مبنی ہیں، جس کی انہوں نے کوئی معتبر دلیل پیش نہیں کی، اس لیے ان کے کلام کو قابلِ

اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا، انہوں نے تو اس حدیث سے حکم لگایا ہے کہ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پھر وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، مگر ان لوگوں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ یہ غیب کی پانچ چیزوں کی خبر دینا ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں (فواتح الرحموت)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اجتہاد بلکہ اجتہادِ مطلق کے ختم ہونے کا دعویٰ بھی راجح نہیں، جس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں، البتہ ایسے مجتہدین کہ جن کی اتباع کرنے والے افراد کی کثرت اور قرنہا قرن تک تسلسل ائمہ اربعہ کی اقتداء کے درجہ تک پہنچ جائے، یہ بات مشکل ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، بہرحال اجتہادِ مطلق کے ضروری اور ممکن رہنے کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، جس میں کسی بھی ایک جہت کو ترجیح دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

اور جزوی اجتہاد کے مشروع وجاری رہنے میں تو اختلاف ہی نہیں، پھر موجودہ دور کے بعض علماء کا ہر طرح کے اجتہاد کے دروازہ کے بند ہونے کا دعویٰ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا حوالہ

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ ''شرح مسلم الثبوت'' کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والحاصل ان من ادعى بانه قد انقطعت مرتبة الاجتهاد المطلق المستقل بالائمة الاربعة انقطاعا لايمكن عوده فقد غلط وخبط، فان الاجتهاد رحمة من الله سبحانه، ورحمة الله لاتقتصر على زمان دون زمان، ولا على بشر دون بشر، ومن ادعى انقطاعها فى نفس الامر مع امكان وجودها فى كل زمان، فان اراد انه لم يوجد بعد الاربعة مجتهد اتفق الجمهور على اجتهاده وسلموا استقلاله

کاتفاقهم علی اجتهادهم ، فهو مسلم، والا فقد وجد بعدهم ایضا ارباب الاجتهاد المستقل، کابی ثور البغدادی ، وداؤد الظاهری، ومحمد بن اسماعیل البخاری، وغیرهم علی ما لایخفی علی من طالع کتب الطبقات (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر، ص۱۶، مقدمة، الفصل الاول، مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی)

ترجمہ: اورخلاصہ اس کا یہ ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مطلق ومستقل اجتہاد کا درجہ ائمۂ اربعہ پراس طرح منقطع ہو چکا ہے کہ جس کا عود کرنا ممکن نہیں، تواس نے غلطی کی اورخبط کیا، کیونکہ اجتہاد، اللہ سبحانہٗ کی رحمت ہے، اوراللہ کی رحمت کسی زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہوتی، اور نہ کسی فردِ بشر کے ساتھ مختص ہوتی، اور جو شخص اجتہادِ مطلق کے نفس الامر میں منقطع ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، باوجودیکہ اس کے وجود کا ہرزمانہ میں امکان پایا جاتا ہے، تو اگراس کی مراد یہ ہو کہ ائمۂ اربعہ کے بعد ایسا مجتہد نہیں پایا گیا، جس کے اجتہاد پر جمہور نے اتفاق کیا ہو، اوراس کے مجتہدِ مستقل ہونے کواس طرح تسلیم کیا ہو، جس طرح ائمۂ اربعہ کے اجتہاد پر اتفاق ہے، تو یہ بات مسلم ہے، ورنہ ائمۂ اربعہ کے بعد بھی اجتہادِ مستقل کے ارباب پائے گئے ہیں، جیسا کہ ابوثور بغدادی اور داؤد ظاہری اور محمد بن اسماعیل بخاری اوران کے علاوہ جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں، جس نے کتبِ طبقات کا مطالعہ کیا ہو (النافع الکبیر)

البتہ جس نے کتبِ طبقات اورفقہائے کرام کے حالات کا مطالعہ نہ کیا ہو، اس سے یہ حقیقت مخفی رہ سکتی ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی کے حوالہ سے بھی گزرا۔

نیز ایک مقام پرعلامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(واعلم) انه قد کثر فی هذه الامة المجتهدون ولهم جماعة مقلدون کلهم قد صرفوا اوقاتهم فی اجراء انهار الشریعة وبذلوا

جهدهم فی تحقیق الطریقة القویمة بل لا یخلو مائة من المئة من المجددین یهتدی بهم طائفة من المقلدین بل ولاعصر من الاعصار عن جماعة المجتهدین فی اقطار الارضین وان کانوا فی الظاهر من المقلدین وهذا من کمال فضل الله سبحانه علی العباد یجب شکره فی کل وقت علی العباد بهم یهتدون ویرزقون ویمطرون ویرشدون (الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة ، صفحة ۵،٦، مقدمة)

ترجمہ: اور یہ بات جان لیجئے کہ اس امت میں مجتہدین کثرت کے ساتھ ہیں، جن کی تقلید کرنے والے لوگوں کی جماعت بھی ہے، انہوں نے اپنے اوقات کو شریعت کی نہروں کے جاری کرنے میں خرچ کیا، اور انہوں نے اپنی کوشش کو مضبوط راستہ کی تحقیق میں خرچ کیا، بلکہ کسی بھی صدی میں سے کوئی بھی صدی مجددین سے خالی نہیں ہوتی، جن کے ذریعہ سے، ان کے مقلدین کی جماعت کو ہدایت دی جاتی ہے، بلکہ زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی زمین کے اقطار میں مجتہدین کی جماعت سے خالی نہیں ہوتا، اگرچہ وہ ظاہر میں مقلدین ہوتے ہیں۔ [1]

اور یہ اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں پر کمالِ فضل ہے، جس کا بندوں پر ہر وقت شکر واجب ہے، جو ان کی رشد وہدایت اور رزق اور بارش کا سبب بنتے ہیں (الفوائد البہیۃ)

مزید فرماتے ہیں:

ولا یزال هذا الانتظام الی ان یظهر المجتهد المطلق آخر ائمة الحق الامام المهتدی محمد ابن عبدالله المهدی وینزل عیسیٰ علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام فیبطل فی زمنهما الاتباع والتقلید ویظهر حکمهما بطریق الاخذ من الکتاب والسنة

---

[1] یعنی بظاہر کسی نہ کسی مجتہد کی طرف ان کا انتساب ہوتا ہے، اس لیے وہ مجتہدِ منتسب ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ مجتہد ہوتے ہیں۔ محمد رضوان۔

والاستنباط من مشكاة النبوة على الرأى السديد. نص عليه جماعة المحققين ومؤيد الدين المتين فى دفاترهم واسفارهم كابن حجر العسقلانى والجلال الدين السيوطى ومحمد بن عبدالرسول البرزنجى وعلى القارى والشيخ محى الدين بن عربى. واما قول بعض المجهولين والمتعصبين ان عيسى والمهدى يقلدان الامام ابا حنيفة ولايخالفانه فى شيئ من طريقه فهو من الاقوال السخيفة ، نص عليه ارباب الشريعة والحقيقة بل هو رجم بالغيب بلاشک ولاريب (الفوائد البهية فى تراجم الحنفية ، صفحة ٦، مقدمة)

ترجمہ: اور یہ (مجتہدین کی آمد کا) انتظام برابر جاری رہے گا، یہاں تک کہ مجتہدِ مطلق ائمۂ حق کا خاتم وآخر امامِ مہتدی محمد بن عبداللہ مہدی ظاہر ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نزول ہوگا، پس ان کے زمانہ میں اتباع اور تقلید باطل ہوجائے گی، اور ان کا حکم کتاب وسنت سے اخذ کرنے اور مشکاۃِ نبوت سے درست رائے کے مطابق استنباط کرنے کے طریقے پر ظاہر ہوجائے گا، محققین کی ایک جماعت اور دینِ متین کے مؤیدین نے اپنے دفاتر اور مضامین میں اس کی تصریح فرمائی ہے، جیسا کہ ابنِ حجر عسقلانی، اور جلال الدین سیوطی، اور محمد بن عبدالرسول برزنجی، ملا علی قاری، اور شیخ محی الدین ابنِ عربی وغیرہ نے۔

رہا بعض مجہولین اور متعصبین کا یہ کہنا کہ عیسیٰ اور مہدی دونوں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہوں گے، اور یہ دونوں کسی چیز میں ان کی مخالفت نہیں کریں گے، پس یہ بے بنیاد اقوال میں سے ہے، جس کی اربابِ شریعت وحقیقت نے تصریح کی ہے، بلکہ یہ بلاشک وشبہ رجما بالغیب میں سے ہے (الفوائد البہیۃ)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کے ختم ہو جانے کا دعویٰ راجح نہیں، اور جو دلائل اجتہاد کے مشروع ہونے کے ہیں، وہی دلائل اجتہاد کے جاری رہنے کے بھی ہیں، کیونکہ وہ منسوخ نہیں ہوئے۔

اور ہمارے یہاں جو بعض دینی مدارس میں بعض بزرگوں کے اقوال پڑھائے اور سنائے جاتے ہیں، جن سے یہ تاثر ظاہر ہوتا ہے کہ کلی اور جزوی اجتہاد کا باب مطلقاً بند ہو گیا، اس لیے اب کسی کو اپنے اجتہاد کی روشنی میں رائے قائم کرنا جائز نہیں، اور اسے ہر حال میں سابق فقہاء وعلماء کی تقلید ضروری ہے، شرعی وفقہی مضبوط دلائل سے ان باتوں کی تصدیق نہیں ہوتی، اگرچہ بعض علماء کو اس بات سے حیرانگی ضرور ہوگی، کیونکہ ان کے علم کا دائرہ چند بزرگوں کے اقوال تک محدود ہے، لیکن ہمیں خود ان حضرات پر حیرانگی ہے، جنہوں نے مطلقاً اجتہاد کے سدِ باب کا دعویٰ کر رکھا ہے۔

اجتہاد کے مشروع وجاری رہنے اور اس کے متعلقہ پہلوؤں پر مدلل ومفصل کلام ہم نے اپنی دوسری تالیف ''فقہ واجتہاد'' میں کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ''النافع الکبیر'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

واعلم انه ليس تفاوت المصنفات فى الدرجات الا بحسب تفاوت درجات مؤلفيها، او تفاوت ما فيها، لابحسب التأخر الزماني والتقدم الزماني، فليس ان تصنيف كل متأخر ادنى من تصنيف المتقدم ، بل قد يكون تصنيف المتأخر اعلى درجة من تصنيف المتقدم بحسب تفوقه عليه فى الصفات الجلية ، كما لايخفى على من نظر بعين البصيرة ، ولذا قال الدماميني فى ''شرح التسهيل'': قال المبرد: ليس لقدم العهد يفضل القائل ، ولا لحداثته يهضم المصيب ولكن يعطى كل ما يستحق ، وكثير من الناس من تحرى هذه البلية الشنعاء ، فتراهم اذا سمعوا شيئا من

النكت الحسنة غير معزو الى معين استحسنوه، بناء على انه للمتقدمين، فاذا علموا انه لبعض ابناء عصرهم، نكصوا على الاعقاب واستقبحوه، او ادعوا ان صدور ذلك عن عصرى مستبعد، وما الحامل لذلك الا حسد ذميم ، انتهى.

ويعجبنى فى هذا قول خير الدين الرملى استاذ صاحب "الدرالمختار":

قل لمن يرى المعاصر شيئا ويرى للاوائل التقديما

ان ذاك القديم كان حديثا وسيبقى هذا الحديث قديما

(النافع الكبير شرح الجامع الصغير"، صفحة ۳۰، ۳۱،مقدمة،الفصل الاول،مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ تصنیفات (وتالیفات) کا درجات میں تفاوت ان کے مؤلفین کے درجات کے تفاوت کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا پھر ان تصنیفات میں مذکور باتوں کے تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے، زمانہ کے مؤخر اور زمانہ کے مقدم ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا، پس ہر بعد کی تصنیف اپنے سے پہلے کی تصنیف کے مقابلہ میں کمزور نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات بعد کی تصنیف کا درجہ اپنے سے پہلی تصنیف سے زیادہ ہوتا ہے، جتنی بھی وہ عمدہ صفات میں بلند ہوتی ہے، اسی قدر اس کا درجہ بلند ہوتا ہے، جیسا کہ بصیرت کی نظر سے دیکھنے والے پر یہ بات مخفی نہیں، اور اسی وجہ سے (محمد بن ابوبکر مالکی) دمامینی نے "تسہیل کی شرح" میں مبرد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زمانہ کے مقدم ہونے کی وجہ سے کسی کی بات کو (یا ناقص چیز کو) افضل قرار نہیں دیا جا سکتا، اور نہ بعد کی ہونے کی وجہ سے درست بات کہنے والے میں نقص پیدا کیا جا سکتا، بلکہ ہر ایک کو اس کا استحقاق حاصل ہے،

اور بہت سے لوگ اس قوی ترین بلا میں گرفتار ہیں کہ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کوئی عمدہ بات سنتے ہیں، جس کی کسی معین شخص کی طرف نسبت نہیں ہوتی، تو وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ متقدمین کی بات ہے، پھر جب انہیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تو ان کے اہلِ عصر کی بات ہے، تو وہ ایڑیوں کے بل پھر جاتے ہیں، اور اس کو برا سمجھتے ہیں، یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس بات کا ہمارے معاصر سے صادر ہونا مستبعد ہے، اور ان کو اس بات پر ابھارنے والا صرف براحسد ہی ہوتا ہے۔

اور مجھے اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار کے استاذ خیر الدین رملی کے یہ اشعار پسند آئے:

قل لمن یری المعاصر شیئا ویری للاوائل التقدیما

ان ذاک القدیم کان حدیثا وسیبقی ھذا الحدیث قدیما

یعنی ایسے افراد بہت کم ہیں، جو اپنے معاصر کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور وہ اس کے مقابلہ میں پہلے لوگوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، حالانکہ وہ قدیم بھی پہلے جدید تھا، اور یہ جدید آئندہ چل کر قدیم ہوجائے گا (النافع الکبیر)

علامہ مرتضٰی زبیدی کا حوالہ

علامہ مرتضٰی زبیدی (المتوفٰی :1205 ہجری) نے ''تاج العروس'' میں ''مبرد'' کے مذکورہ قول کی عمدہ تشریح کی ہے۔

اور مزید تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''والمراد من ذلک کله النظر بعین الإنصاف من المعاصرین وغیرھم، فإن الإخلاص والإنصاف ھو المقصود من العلم''۔

ترجمہ: اور ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ معاصرین اور غیر معاصرین میں،

بنظرِ انصاف غور کرنا چاہئے، کیونکہ علم سے مقصود اخلاص اور انصاف ہے (تاج العروس) ؎

؎ (ولكنى أقول كما قال) الإمام (أبو العباس) محمد بن يزيد ابن عبد الأكبر الثمالى الأزدى البصرى الإمام فى النحو واللغة وفنون الأدب ولقبه (المبرد) بفتح الراء المشدد عند الأكثر، وبعضهم يكسر، وروى عنه أنه كان يقول برد الله من بردنى، أخذ عن أبى عثمان المازنى وأبى حاتم السجستانى وطبقتهما، وعنه نفطويه وأصحابه، وكان هو وثعلب خاتمة تاريخ الأدباء، ولد سنة 210وتوفى سنة 286ببغداد (فى) كتابه المشهور الجامع وهو (الكامل) وقد جعله ابن رشيق فى العمدة من أركان الأدب التى لا يستغنى عنها من يعانى الأدب، وله غيره من التصانيف الفائقة، كالمقتضب والروضة وغيرهما (وهو القائل المحق) وهذه جملة اعتراضية جىء بها فى مدح المبرد بين القول ومقوله وهو (ليس لقدم العهد) أى تقدمه، والعهد :الزمان (يفضل) أى يزيد ويكمل (الفائل) بالفاء، وضبطه القرافى وغيره بالقاف كالأول، وهو غلط، فال رأيه كباع فهو فائله، أى فاسده وضعيفه (ولا لحدثانه) هو كحرمان أى القرب، والضمير إلى العهد (يهتضم) مبنيا للمجهول، أى يظلم وينتقص من هضمه حقه إذا نقصه (المصيب) ضد المخطء (ولكن) الإنصاف والحق أن (يعطى كل) من فائل الرأى ومصيبه (ما يستحق) أى ما يستوجبه من القبول والرد، ومثل هذا الكلام فى خطبة التسهيل ما نصه، وإذا كانت العلوم منحا إلهية ومواهب اختصاصية، فغير مستبعد أن يدخر لبعض المتأخرين ما عسر على كثير من المتقدمين، والمعنى أن تقدم الزمان وتأخره ليست له فضيلة فى نفسه، لأن الأزمان كلها متساوية، وإنما المعتبر الرجال الموجودون فى تلك الأزمان، فالمصيب فى رأيه ونقله ونقده لا يضره تأخر زمانه الذى أظهره الله فيه، والمخطء الفاسد الرأى الفاسد الفهم لا ينفعه تقدم زمانه، وإنما المعاصرة كما قيل حجاب، والتقليد المحض وبال على صاحبه وعذاب، أنشدنا شيخنا الأديب عبد الله بن سلامة المؤذن:

(قل لمن لا يرى المعاصر شيئا ...ويرى للأوائل التقديما)

(إن ذاك القديم كان حديثا ...وسيسمى هذا الحديث قديما)

وأنشدنى أيضا لابن رشيق:

(أولع الناس بامتداح القديم ...وبذم الجديد غير الذميم)

(ليس إلا لأنهم حسدوا الحى ...ورقوا على العظام الرميم)

وأنشدنى أيضا:

(ترى الفتى ينكر فضل الفتى ...خبثا ولؤما فإذا ما ذهب)

(لج به الحرص على نكتة ...يكتبها عنه بماء الذهب)

والمراد من ذلک كله النظر بعين الإنصاف من المعاصرين وغيرهم، فإن الإخلاص والإنصاف هو المقصود من العلم، وإنما أورد المصنف هذا القول معزوا لأبى العباس لأن بركة العلم عزوه إلى قائله(تاج العروس من جواهر القاموس، ج ١، ص ٩٣، مقدمة، المقصد العاشر فى أسانيدنا المتصلة إلى المؤلف)

مذکورہ عبارات کو اگر تحاسد وتباغض کی پٹی اُتار کر ملاحظہ کیا جائے، تو بہت سے شبہات کے جوابات واضح ہوجاتے ہیں، اور معاملہ صاف ہوجاتا ہے۔

’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ

’’البحرُ الرائق‘‘ میں ہے:

ویجوز للشاب الفتوی إذا کان حافظا للروایات واقفا علی الدرایات محافظا علی الطاعات مجانبا للشهوات والشبهات، والعالم کبیر وإن کان صغیرا، والجاهل صغیر وإن کان کبیرا

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۶، ص ۲۹۲، کتاب القضاء)

ترجمہ: اور جوان کے لیے فتویٰ دینا جائز ہے، جبکہ وہ روایات کا حافظ ہو، درایات پر واقف ہو، طاعات کی حفاظت کرنے والا ہو، شہوات اور شبہات سے اجتناب کرنے والا ہو، اور عالم بڑا ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ وہ چھوٹا ہو، اور جاہل چھوٹا ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ وہ بڑا ہو (البحر)

’’مجمعُ الانہر‘‘ کا حوالہ

’’مجمعُ الانہر‘‘ میں بھی وہی تفصیل مذکور ہے، جو البحر الرائق کے حوالہ سے گزری۔ [1]

معلوم ہوا کہ فتویٰ کا اہل ہونے کے لیے اس کے اندر صفات کا پایا جانا ضروری ہے، مخصوص عمر کا ہونا شرط نہیں، وہ صفات اگر جوان کے اندر موجود ہیں، تو وہ عالم، کبیر ہے، اور جس معمر بزرگ میں وہ صفات نہ ہوں، تو وہ صغیر ہے۔

---

[1] ویجوز للشاب الفتوی إذا کان حافظا للروایات واثقا علی الدرایات محافظا علی الطاعات مجانبا للشهوات، والعالم کبیر وإن کان صغیرا، والجاهل صغیر وإن کان کبیرا (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۲، ص ۱۵۵، کتاب القضاء)

پس آج کل ہمارے بعض علمی ماحول میں نوجوان اہلِ علم کو، جس میں علم وفقہ کی صفات ہوں، اس کی رائے کو جو یہ کہہ کر رَد کر دیا جاتا ہے کہ یہ تحقیق یا رائے اکابر یا بزرگوں کے خلاف ہے، اس لیے قابلِ قبول نہیں۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ طرزِ عمل درست نہیں، اور نوجوان یا اصاغر میں سے ہونے کی وجہ سے کسی کی فقہی رائے کو رَد کرنا درست نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہ واجتہاد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم نعمت وعبات ہے، اور یہ سلسلہ حضرت مہدی علیہ الرحمۃ وحضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تک جاری رہے گا، اور کلی وجزوی مجتہد علیٰ اختلاف الاقوال ہر دور میں آتے رہے ہیں، اور آتے رہیں گے، جن میں آئندہ دور کے بعض حضرات میں اپنے سے پہلے کے بعض حضرات سے صفات زیادہ بھی ہوسکتی ہیں، خواہ وہ جزوی نوعیت کی ہوں، اور اللہ کی ان لوگوں کے لیے نصرت ومدد برابر جاری رہے گی، ان کو رسوا کرنے کے لیے کوشاں، ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

پس جس کو اللہ اس نعمت سے وعبادت نوازے، اس سے تحاسد وتباغض کرنا اور اس پر نکیر کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس طرح کی نکیر سے اس جماعت پر فرق پڑتا، بلکہ اللہ اس جماعت کی مدد فرماتا رہے گا، اور یہ سلسلہ ملامت ومخالفت کرنے والوں کے باوجود جاری رہے گا۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اجتہاد کی عبادت کرنے والے کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنا، اور اس کو اس عبادت سے روکنے کی کوشش کرنا، شریعت کی نظر میں جرم ہے، جبکہ وہ اجتہاد شرعی اصولوں کے مطابق یعنی کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاسِ شرعی کے موافق ہو۔

وَاللہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

(فصل نمبر 4)

مجتہد وفقیہ کے اجتہاد پر اجر وثواب

مجتہد وفقیہ جس میں اجتہاد وتفقہ کی کلی یا جزوی صفت پائی جاتی ہو، اور وہ اپنی اجتہادی اور فقہی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے، کسی مسئلہ کی تحقیق کرے، تو اسے بہرحال اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، خواہ وہ عنداللہ مصیب ہو یا مخطی، کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد سے اس پہلو تک رسائی کی جدوجہد کرتا ہے، جو اس کی نظر میں عنداللہ صواب ہو۔

البتہ احادیث کی رُو سے مجتہدِ مصیب کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور مجتہدِ مخطی کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ اس امتِ محمدیہ کے لیے ہے، جو اس امت کے تمام زمانوں اور علاقوں کے لیے ہے، کسی ایک زمانہ یا علاقہ کے ساتھ خاص نہیں۔

اور اجتہادی خطاء کی صورت میں بھی ایک اجر وثواب حاصل ہونا، یہ اجتہاد کے عمل اور اس کی وجہ سے مجتہد پر اللہ کا خاص فضل وانعام ہونے کی دلیل ہے، پھر کسی کلی یا جزوی مجتہد کے اجتہاد کرنے پر بعض حضرات کا طعن اور ملامت کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔

آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

سورہ احزاب کی آیت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (سورة الاحزاب، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اور نہیں ہے تم پر کوئی حرج، ان چیزوں میں جن میں تم سے خطاء ہوجائے، لیکن جو (خطاء) عمداً تمہارے دل کریں (سورہ احزاب)

اس سے معلوم ہوا کہ جو خطاء جان بوجھ کر نہ ہو، اس پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں، اس میں مجتہد کی اجتہادی خطا بھی داخل ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٧٣٥٢، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد سے کام لے اور صحیح ہو، تو اس کے لئے دو اجر ہیں، اور اگر کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد سے کام لے اور غلط ہو، تو اس کو ایک ثواب ملے گا (بخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (سنن النسائى، رقم الحديث ٥٣٨١، كتاب آداب القضاة، باب الإصابة فى الحكم، صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٠٦٠) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير ابن أبى السرى، وهو محمد بن المتوكل، فمن رواة أبى داود، وقد تابعه عليه هنا محمد بن يحيى الذهلى، وهو ثقة من رجال البخارى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم فیصلہ کرے، اور اجتہاد کر کے درست فیصلہ کرے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور اگر اجتہاد کر کے خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے (نسائی، ابنِ حبان)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو اجتہاد پر بہر حال اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔

پھر اگر اجتہاد عنداللہ صواب ہو، تو دو اجر اور خطاء ہو، تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔

اور اگرچہ مذکورہ احادیث میں قاضی کے اجتہاد کا ذکر ہے، لیکن چونکہ ایک یا دو اجر کا حکم اجتہاد کے نتیجہ میں مصیب اور مخطی ہونے پر معلق کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اجر وثواب کی بنیاد اجتہاد کرنا ہے، اور آگے آتا ہے کہ اس پر اجر وثواب کی وجہ اجتہاد کا عبادت ہونا ہے۔

پھر جس طرح قاضی کے لیے اجتہاد کرنے کا مذکورہ حکم اور اس پر اجر وثواب کا حاصل ہونا، جس طرح پہلے زمانوں کے لیے تھا، اسی طرح موجودہ زمانہ کے لیے بھی ہے، اور آئندہ زمانہ کے لیے بھی ہے، اسی طرح غیر قاضی مجتہد کا بھی معاملہ ہے۔

کیونکہ نہ تو مذکورہ احادیث میں کسی زمانہ کی قید لگائی گئی، اور نہ ہی یہ احادیث منسوخ ہوئیں، جس سے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کا سلسلہ بھی اجر وثواب کے ساتھ جاری ہے۔

مگر افسوس کہ بعض علماء چند بزرگوں کے اقوال ملاحظہ کر کے نص میں بے جا اور بے تکی تاویلات کے درپے ہوتے ہیں، حالانکہ نصوص کی حیثیت، بزرگوں کے اقوال سے زیادہ اہم ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث میں یہ مضمون مروی ہے کہ اگر اجتہاد کر کے درست فیصلہ کیا جائے، تو دس اجر حاصل ہوتے ہیں، اور اگر اجتہاد کر کے فیصلہ میں خطاء کی جائے، تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

اوراس کے مقابلہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی احادیث میں اجتہادی صواب پر دو اجر حاصل ہونے کا ذکر ملتا ہے، لہٰذا اس ضعیف حدیث کے مقابلہ میں بظاہران صحیح احادیث کو ہی ترجیح حاصل ہوگی۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: فَرَجُلٌ قَضٰى فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَرَجُلٌ قَضٰى فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَرَجُلٌ قَضٰى فَجَارَ فَفِي النَّارِ (المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ٣٦١٦، ج٤ص٦٣، باب السين) [2]

---

[1] حدثنا هاشم، قال: حدثنا الفرج، عن ربيعة بن يزيد، عن عقبة بن عامر، عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله غير أنه قال: " فإن اجتهدت فأصبت القضاء، فلک عشرة أجور، وإن اجتهدت فأخطأت، فلک أجر واحد "(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٧٨٢٥)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لضعف الفرج :وهو ابن فضالة .هاشم :هو ابن القاسم أبو النضر.
وأخرجه ابن عبد الحكم فى "فتوح مصر "ص228، والدارقطني 4/203من طرق عن الفرج بن فضالة، به -وفيه أن الذى أمره النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالقضاء هو عقبة بن عامر.
وأخرجه الطبراني فى "الصغير "(131) ، وفى "الأوسط "(1606) ، من طريق عمر بن محمد بن الحسن، عن أبيه، عن حفص بن سليمان، عن كثير بن شِنْظير، عن أبى العالية الرياحى، عن عقبة بن عامر .وإسناده ضعيف، حفص بن سليمان متروک الحديث.وانظر ما قبله (حاشية مسند احمد)

[2] قال الهيثمي: قلت :روى له أبو داود " :القضاة ثلاثة :قاض فى الجنة وقاضيان فى النار " فقط.رواه الطبرانى فى الأوسط، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تحت رقم الحديث ٧٠٠٥)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فیصلہ کرنے والے تین قسم کے ہیں، ایک وہ شخص کہ جس نے اجتہاد کر کے فیصلہ کیا، پھر اس نے درست فیصلہ کیا، تو اس کو جنت حاصل ہوگی، اور دوسرا وہ شخص جس نے اجتہاد کر کے فیصلہ کیا، پھر اس نے خطاء کی، تو اس کو جنت حاصل ہوگی، اور تیسرا وہ شخص جس نے ناانصافی سے فیصلہ کیا، وہ جہنم میں جائے گا (طبرانی)

جنت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد مصیب اور مجتہد مخطی، دونوں اجر وثواب اور جنت کے مستحق ہیں، جس کی اس سے پہلے احادیث میں تفصیل بیان کر دی گئی ہے کہ مصیب دوہرا اجر پا کر اور مخطی ایک اجر پا کر جنت کے انعام کا مستحق ہے۔

بعض روایات میں ظلم و ناانصافی یا خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے والے کو جہنمی اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے کو جنتی قرار دیا گیا ہے۔ [1]

بریدہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ، فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى

---

[1] حدثنا على بن سعيد الرازى قال: نا أبو بكر الأعين قال: نا سعيد بن محمد بن العلاء السهمى قال: نا محمد بن مسلم الطائفى قال: نا عمرو بن دينار، عن ابن عمر قال: أراده عثمان على القضاء فأبى، وقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: القضاة ثلاثة، واحد ناج، واثنان فى النار: من قضى بالجور أو بالهوى هلك، ومن قضى بالحق نجا.

لم يرو هذا الحديث عن عمرو بن دينار إلا محمد بن مسلم "(المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ۳۸۲۸)

لِلنَّاسِ عَلٰی جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۳۵۷۳، کتاب الأقضية، باب فی القاضی يخطئ) ¹

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فیصلہ کرنے والے تین قسم کے ہیں، ایک جنت میں ہے، اور دو جہنم میں ہیں، پس جو جنت میں ہے، وہ ایسا آدمی ہے، جس نے حق کو پہچانا، پھر اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور دوسرا آدمی وہ ہے، جس نے حق کو پہچانا، اس کے باوجود اس نے فیصلہ کرنے میں ظلم و ناانصافی سے کام لیا، تو وہ جہنم میں ہے، اور تیسرا آدمی وہ ہے، جس نے جہل و کم علمی کی بنیاد پر لوگوں کے لیے فیصلہ کیا، تو وہ بھی جہنم میں ہے (ابوداود)

مطلب یہ ہے کہ جس نے دلائل کی روشنی میں اپنے علم کے مطابق حق سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کیا، خواہ وہ عنداللہ صواب ہو، یا خطاء، تو اس پر جنت کا اجر و ثواب ہے۔

اسی وجہ سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جنت کا انعام پانے والے کے لیے اپنے علم کے مطابق حق کا فیصلہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ ²

اور جو حق کو پہچان کر غلط فیصلہ کرے، یا اس کو حق و باطل کی پہچان ہی نہ ہو، بلکہ وہ جاہل ہو، تو ان دونوں کے فیصلہ پر جنت کا اجر و ثواب نہیں، بلکہ جہنم کی وعید ہے، ایک صورت میں جان بوجھ کر ظلم و ناانصافی کرنے کی وجہ سے، اور دوسری صورت میں جہالت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی وجہ سے۔

---

¹ قال شعيب الارنؤوط:
حديث صحيح بطرقه وشواهده (حاشية سنن ابی داود)

² حدثنا محمد بن أبی زرعة، ثنا هشام بن عمار، نا محمد بن مسروق الكندی، ثنا محمد بن عبيد الله العرزمی، عن الحكم بن عتيبة، ويونس بن خباب، عن ابن بريدة، عن أبيه، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: القضاة ثلاثة، اثنان فی النار وواحد فی الجنة، رجل قعد للناس فقضى بينهم، ولا علم له بالقضاء، فأهلك حقوقهم، ورجل علم فجار وهو يعلم، ورجل علم فقضى بعلمه بالحق فهذا فی الجنة (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ۶۷۵۷)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہادی خطاء پر ایک اجر اس صورت میں ہے، جبکہ اجتہاد کرنے والے میں اس کی صلاحیت ہو، کلی اجتہاد ہو تو اس کی صلاحیت، اور جزوی اجتہاد ہو تو اس کی صلاحیت، اور وہ اس صلاحیت کو استعمال کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث میں بھی کسی خاص زمانہ کے قاضی و مجتہد کے لیے حکم بیان نہیں کیا گیا، بلکہ یہ حکم اپنی حدود و قیود کے ساتھ ہر زمانہ کے قاضی و مجتہد کو شامل ہے۔

اور یہ احادیث محکم ہیں، اگرچہ بعض بزرگوں کے اقوال سے اس کے خلاف لازم آتا ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو جہالت کے ساتھ فیصلہ کرے، وہ اہلِ جہنم میں سے ہوگا، اور جو ظلم و ناانصافی والا فیصلہ کرے، وہ بھی اہلِ جہنم میں سے ہوگا، اور جو صاحبِ علم ہوگا، اور وہ حق یا عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا، تو وہ جہنم سے محفوظ رہے گا۔

---

[1] قوله صلى الله عليه وسلم (إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر) قال العلماء أجمع المسلمون على أن هذا الحديث فى) حاكم عالم أهل للحكم فإن أصاب فله أجران أجر باجتهاده وأجر بإصابته وإن أخطأ فله أجر باجتهاده وفى الحديث محذوف تقديره إذا أراد الحاكم فاجتهد قالوا فأما من ليس بأهل للحكم فلا يحل له الحكم فإن حكم فلا أجر له بل هو آثم ولا ينفذ حكمه سواء وافق الحق أم لا لأن إصابته اتفاقه ليست صادرة عن أصل شرعى فهو عاص فى جميع أحكامه سواء وافق الصواب أم لا وهى مردودة كلها ولا يعذر فى شء من ذلك وقد جاء فى الحديث فى السنن القضاة ثلاثة قاض فى الجنة واثنان فى النار قاض عرف الحق فقضى به فهو فى الجنة وقاض عرف الحق فقضى بخلافه فهو فى النار وقاض قضى على جهل فهو فى النار وقد اختلف العلماء فى أن كل مجتهد مصيب أم المصيب واحد وهو من وافق الحكم الذى عند الله تعالى والآخر مخطء لا إثم عليه لعذره والأصح عند الشافعى وأصحابه أن المصيب واحد (شرح النووى على مسلم، ج۱۲، ص ۱۴، كتاب الاقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

لیکن اس حدیث کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

تاہم جہالت کے ساتھ فیصلہ کرنے سے مراد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے میں حق وباطل کا علم نہ ہو، اور نہ ہی دوسرے صاحبِ علم سے تحقیق ومشورہ کرے، وہ گناہ گار ہے، اور اس مضمون کی تائید اس سے پہلے ذکر کردہ حدیث سے ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے حوالہ جات

اب اس سلسلہ میں چند فقہاء وعلماء کے حوالہ جات وعبارات ملاحظہ فرمائیں۔

خطیب بغدادی کا حوالہ

خطیب بغدادی ''الفقيه والمتفقه'' میں فرماتے ہیں:

واحتج من قال :إن الحق في واحد ,وإليه يذهب :بقول الله

---

[1] أخبرنا الحسن بن سفيان، قال: حدثنا أمية بن بسطام، قال: حدثنا معتمر بن سليمان، قال: سمعت عبد الملك بن أبي جميلة، يحدث عن عبد الله بن وهب أن عثمان بن عفان، قال لابن عمر: اذهب فكن قاضيا .قال: أوتعفيني يا أمير المؤمنين . قال: اذهب فاقض بين الناس .قال: تعفيني يا أمير المؤمنين .قال: عزمت عليك إلا ذهبت فقضيت .قال: لا تعجل، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " من عاذ بالله فقد عاذ معاذا "قال: نعم .قال: فإني أعوذ بالله أن أكون قاضيا .قال: وما يمنعك وقد كان أبوك يقضي قال: لأني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " من كان قاضيا، فقضى بالجهل كان من أهل النار، ومن كان قاضيا، فقضى بالجور كان من أهل النار، ومن كان قاضيا عالما يقضي بحق أو بعدل، سأل التفلت كفافا "فما أرجو منه بعد ذا؟(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٠٥٦)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف .عبد الملك بن أبي جميلة: لم يوثقه غير المؤلف 7/103، ولم يرو عنه غير معتمر بن سليمان، وقال حاتم: مجهول، وباقي رجاله ثقات .وعبد الله بن وهب: كذا وقع في الأصل "التقاسيم" 2/238 "وهب "بالواو، وقال في آخره: ابن وهب هذا: هو عبد الله بن وهب بن زمعة بن الأسود القرشي من المدينة، روى عنه الزهريز قلت: هو ثقة، روى له الترمذي وابن ماجه(حاشية صحيح ابنِ حبان)

سبحانه وتعالى :(وداود وسليمان إذ يحكمان فى الحرث) إلى قوله :(ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما)فأخبر :أن سليمان هو المصيب وحمده على إصابته ,وأثنى على داود فى اجتهاده ,ولم يذمه على خطئه ,وهذا نص فى إبطال قول من قال :إذا أخطأ المجتهد يجب أن يكون مذموما ,ويدل عليه أيضا قول النبى صلى الله عليه وسلم المشهور :إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران ,وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر ,وقد سقنا هذا الحديث بإسناده فيما تقدم ,وفيه دليل على أن المجتهد بين الإصابة والخطأ (الفقيه و المتفقه،للخطيب البغدادى، ج۲،ص۱۱۷،باب الكلام فى أقوال المجتهدين ,وهل الحق فى واحد أو كل مجتهد مصيب)

ترجمہ: اور جن حضرات نے حق ایک مجتہد کے ساتھ ہونے کا قول کیا ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے (سورہ انبیاء میں مذکور) اس قول سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ **"وداؤد وسليمان إذ يحكمان فى الحرث "** إلیٰ قولہ **"ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما "** مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصیب ہونے کی خبر دی ہے، اور سلیمان علیہ السلام نے اپنے مصیب ہونے پر اللہ کی حمد بھی بیان کی، اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے اجتہاد کی تعریف فرمائی، لیکن ان کی اجتہادی خطاء کی مذمت بیان نہیں فرمائی، جس میں اس شخص کے قول کے باطل ہونے کی تصریح پائی جاتی ہے، جو یہ کہتا ہے کہ مجتہد جب خطاء کرے، تو وہ قابلِ مذمت ہوتا ہے، اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مشہور حدیث بھی ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے، پھر وہ درست فیصلہ کرے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور جب اجتہاد کرے، پھر فیصلہ میں

خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اور ہم نے یہ حدیث ماقبل میں سند کے ساتھ نقل کردی ہے، جس میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ مجتہد اصابت اور خطاء کے درمیان ہوتا ہے (الفقیہ والمتفقہ)

معلوم ہوا کہ مجتہد مصیب بھی ہوسکتا ہے، اور مخطی بھی، لیکن وہ دونوں صورتوں میں اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ حجر کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ ''صحیح بخاری'' کی شرح ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

المجتهد معفو عنه فيما أخطأ فيه إذا بذل فيه وسعه وله مع ذلك أجر فإن أصاب فله أجران (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۳۰۹، کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، قوله باب ما جاء فی المتأولین)

ترجمہ: مجتہد جب اپنی وسعت کے مطابق اجتہاد کرے، اس کے باوجود اس سے خطاء سرزَد ہوجائے، تو اس کی خطاء معاف ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، پھر اگر وہ درست اجتہاد کرے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں (فتح الباری)

علامہ بدرالدین عینی کا حوالہ

علامہ عینی رحمہ اللہ ''صحیح بخاری'' کی شرح ''عمدۃُ القاری'' میں فرماتے ہیں:

المجتهد إذا أصاب فله أجران، وإذا أخطأ فله أجر (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج ۴، ص ۲۰۹، کتاب الصلاة، باب التعاون فی بناء المسجد)

ترجمہ: مجتہد جب درست اجتہاد کرے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور جب اجتہاد میں خطاء کرے، تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے (عمدۃُ القاری)

علامہ ابنِ رجب کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب رحمہ اللہ ''صحیح بخاری'' کی شرح ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

المجتهد سواء أصاب أو أخطأ فإنه غير ملوم على اجتهاده، بل إن أصاب كان له أجران، وإن أخطأ فخطؤه موضوع عنه، وله أجر على اجتهاده (فتح البارى شرح صحيح البخارى، لابن رجب، ج۸، ص ۴۱۰، ابواب صلاة الخوف، باب صلاة الطالب والمطلوب راكبا وايماء او قائما)

ترجمہ: مجتہد خواہ مصیب ہو یا مخطی، وہ اجتہاد کرنے پر قابلِ ملامت نہیں ہوتا، بلکہ اگر وہ مصیب ہو، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور اگر مخطی ہو، تو اس کی خطاء اس سے درگزر ہوتی ہے، اور اس کو اپنے اجتہاد پر ایک اجر بھی حاصل ہوتا ہے (فتح البارى)

ابنِ ملک کا حوالہ

ابنِ ملک ''شرح مصابيح السنة'' میں فرماتے ہیں:

إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب "؛ أى :وقع اجتهاده موافقا لحكم الله". فله أجران "أجر الإصابة، وأجر الاجتهاد.

"وإذا حكم فاجتهد فاخطأ فله أجر واحد "وهو أجر الاجتهاد، وإنما يؤجر المجتهد المخطء على اجتهاده فى طلب الحق؛ لأن اجتهاده عبادة، وليس عليه مع خطئه إثم.

وهذا فى جامع لشرائط الاجتهاد المذكورة فى الأصول، وأما غيره فغير معذور الخطأ، بل يخاف عليه أعظم الإثم (شرح المصابيح لابن المَلَک، ج۴، ص ۲۷۴، كتاب الامارة والقضاء، باب العمل فى القضاء والخوف منه)

ترجمہ: جب حاکم کوئی فیصلہ کرے، پھر اجتہاد کر کے درست فیصلہ کرے، یعنی اس کا اجتہاد اللہ کے حکم کے موافق واقع ہو جائے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک اصابت کا اجر اور دوسرے اجتہاد کا اجر۔

اور جب وہ فیصلہ کرے، پھر اجتہاد کرے، اور اس سے خطاء ہو جائے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، جو کہ اجتہاد کرنے والا اجر ہوتا ہے، اور مجتہدِ مخطی کو اس کے حق کی طلب میں اجتہاد کرنے پر اس لیے اجر وثواب دیا جاتا ہے کہ اس کا اجتہاد عبادت ہے، اور اس کی خطاء کے باوجود گناہ نہیں۔

اور یہ اس شخص کے حق میں ہے، جو اصولوں میں مذکور اجتہاد کی شرائط کا جامع ہو (اگر کلی مجتہد ہے، تو اجتہاد کی کلی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے، اور جزوی مجتہد ہے، تو جزوی اجتہاد کی شرائط کا پایا جانا کافی ہے) اور جو شخص مجتہد نہ ہو، تو وہ خطاء میں معذور نہیں کہلاتا، بلکہ اس پر عظیم ترین گناہ کا خوف ہے (شرح مصابیح السنة)

قاضی ابنِ عربی کا حوالہ

قاضی ابنِ عربی رحمہ اللہ ''مؤطا امام مالک'' کی شرح ''المسالک'' میں فرماتے ہیں:

هـذا الحديث يدل على أن المجتهد المخطىء الذى له الأجر، هو مـن كـان عـالـمـا بالأصول والأدلة، دون الجاهل الذى لا اجتهاد له (المسالِک فی شرح مُوَطَّأ مالک، للقاضی محمد بن عبد الله العربی، ج٦، ص ٢٤٢، کتاب الأقضية والأحكام، الفصل الثانی فی آداب القضاء ومجلسه)

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مجتہد مخطی کو بھی اجر حاصل ہوتا ہے، جبکہ وہ اصول اور دلائل کا علم رکھتا ہو، نہ کہ وہ جاہل، جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہی نہ ہو (المسالک)

علامہ ابنِ حزم اندلسی کا حوالہ

علامہ ابنِ حزم اندلسی فرماتے ہیں:

الاجتهاد انما هو انفاد الجهد فی طلب الحکم فی الدين فی القرآن والسنة والاجماع حيث أمر الله تعالی بأخذ احکامة لا من غير هذه الوجوه فمن أصاب فی ذلک فله أجران ومن أخطأ فله أجر واحد ولا أثم عليه (النبذة الكافية فی أحكام أصول الدين ،لا بن حزم الأندلسی،ص ۷۴،فصل فی التقليد)

ترجمہ: اجتہاد، دین کے حکم کی طلب میں جدوجہد کرنے کا نام ہے، قرآن وسنت اوراجماع میں اس طرزِ عمل کے مطابق، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو لینے کا حکم فرمایا ہے، ان طورطریقوں کے علاوہ دوسرے طریقوں سے نہیں، پس جو اس میں مصیب ہوگا، تو اس کو دو اجر حاصل ہوں گے، اور جو مخطی ہوگا، اس کو ایک اجر حاصل ہوگا، اور اس پر گناہ نہیں ہوگا (النبذة الكافية)

شیخ محمد بن علی اثیوبی کا حوالہ

شیخ محمد بن علی اثیوبی ''سنن النسائی'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

المجتهد لا يعاتب فيما اجتهد فيه، وإن لم يصب ,لأنه مكلف ببذل وسعه فيما يعلم، فإن أصاب فله أجران، وإن أخطأ فله أجر (شرح سنن النسائی المسمی ذخيرة العقبی فی شرح المجتبی،لمحمد بن علی بن آدم الإثيوبی الوَلَّوِی،ج۵،ص ۳۰۰، كتاب الطهارة،باب فيمن لم يجد الماء ولا الصعيد)

ترجمہ: مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عتاب نہیں ہوتا، اگرچہ وہ مصیب نہ ہو، کیونکہ وہ

اپنے علم کے مطابق اپنی وسعت کو خرچ کرنے کا مکلّف ہے، پھر اگر وہ مصیب ہو، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور اگر مخطی ہو، تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے (ذخیرۃ العقبیٰ)

شیخ محمد بن صالح عثیمین کا حوالہ

عرب کے مشہور عالمِ دین شیخ محمد بن صالح عثیمین فرماتے ہیں:

یلزم المجتهد أن يبذل جهده في معرفة الحق، ثم يحكم بما ظهر له فإن أصاب فله أجران: أجر على اجتهاده، وأجر على إصابة الحق؛ لأن في إصابة الحق إظهاراً له وعملاً به، وإن أخطأ فله أجر واحد، والخطأ مغفور له؛ لقوله صلّى الله عليه وسلّم: إذا حكم الحاكم فاجتهد، ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد، ثم أخطأ فله أجر.

وإن لم يظهر له الحكم وجب عليه التوقف، وجاز التقليد حينئذٍ للضرورة (الأصول من علم الأصول، لمحمد بن صالح بن محمد العثيمين، ص ٨٦، الإجتهاد، ما يلزم المجتهد)

ترجمہ: مجتہد پر لازم ہے کہ وہ حق کی معرفت میں اپنی جدوجہد کو خرچ کرے، پھر وہ حکم لگائے، جو اس کی نظر میں راجح ہو، پھر اگر وہ مصیب ہو تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک اجر اس کے اجتہاد کرنے پر حاصل ہوتا ہے، اور ایک اجر اصابتِ حق پر حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اصابتِ حق میں حق کا اظہار اور اس پر عمل پایا جاتا ہے، اور اگر وہ خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اور خطاء بھی معاف ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جب حاکم فیصلہ

کرے، اور اجتہاد کر کے درست فیصلہ کرے، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں،
اور جب اجتہاد کر کے خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔
اور اگر اس کے سامنے کوئی حکم ظاہر نہ ہو، تو اس پر توقف کرنا واجب ہے، اور ایسی
صورت میں ضرورت کی وجہ سے اس کو تقلید کرنا جائز ہے (الاصول من علم الاصول)

خلاصہ یہ کہ مجتہد کو اجتہاد کرنے کے بعد فیصلہ کرنے پر بہر حال اجر حاصل ہوتا ہے، کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد اور کوشش میں صواب کو حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، پھر اگر اس کا اجتہاد درست ہو، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، ایک تو اجتہاد کا اجر حاصل ہوتا ہے، اور دوسرے اجتہاد کے درست ہونے کا اجر حاصل ہوتا ہے، ورنہ اجتہاد کے لیے اپنی جدو جہد صرف کرنے پر ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔[1]

اور یہ حکم جس طرح پہلے زمانہ کے مجتہدین کو شامل ہے، اسی طرح بعد کے زمانوں کے مجتہدین کو بھی شامل ہے، اور موجودہ زمانہ کے مجتہدین کو بھی شامل ہے، کیونکہ احادیث میں کسی زمانہ کی قید کے ساتھ مخصوص عمل پر اجر وثواب نہیں بتلایا گیا ہے، اور محدثین وعلماء نے بھی احادیث کی تشریح وتوضیح میں کسی زمانہ یا علاقہ کی تخصیص نہیں کی۔

پس جب مجتہد وفقیہ کا اصلی منصب اجتہاد کرنا ہے، اور وہ اپنے اجتہاد کے مطابق رائے کا مکلّف ہے، اور اس پر عنداللہ وہ ماجور ہے، تو اس پر اسے مطعون کرنا اور اس پر تفرّد وغیرہ کا الزام عائد کرنا جائز نہیں، اس طرح کا الزام عائد کرنے والے لوگ خود ہی گناہ گار ہیں، اور فقیہ ومجتہد بہر حال مصیب ہو یا مخطی دونوں صورتوں میں اجر وثواب کا مستحق ہے، اسی لیے

---

[1] (فمن أصابه فله اجران) أجر الاجتهاد وأجر الاصابة ولا وجه لهذا الاجر إلا الرحمة الالهية لان اصابته ليست بفعل مقدور انما المقدور له بذل الجهد فان اتفق تأدى نظره إلى مقدمات مناسبة له أصابه لكن النص دل على أن له أجرين فيجب القبول (ومن أخطأه فله أجر) واحد (لامتثاله أمر الاجتهاد ببذل الوسع) ولا أجر بمقابلة الخطأ فان الخطأ وان لم يكن مؤاخذا به إلا انه لا يوجب الأجر عليها (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت لعبد الحيى محمد بن نظام الدين اللكنوى، ج۲، ص۴۱۷، خاتمة : الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ: 1423ھ۔ 2002ء)

احادیث میں قیامت تک ایک جماعت کے حق پر قائم رہنے اور ملامت کرنے والوں کی طرف سے اس جماعت کو ضرر نہ پہنچا سکنے کا ذکر آیا ہے، جس کا مطلب یہ گزر چکا ہے کہ اس جماعت کے ساتھ دلائل و براہین اور ان کے متبعین کی شکل میں اللہ کی مدد و نصرت ہوگی، اور اس جماعت کے افراد میں فقہاء و مجتہدین بھی شامل ہیں، ان پر زبانِ طعن دراز کرنے اور ان سے تحاسد و تباغض کرنے والے خود ہی ایک ایک کر کے فنا ہوتے رہیں گے، جن کا ذکرِ خیر نہ ہوگا، اور اللہ کی مدد و نصرت یافتہ جماعت کا اللہ کی طرف سے ذکرِ خیر ہوتا رہے گا، جیسا کہ ہر دور کے فقہاء و مجتہدین کا ہوتا ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہوتا رہے گا۔

اور جن لوگوں میں کلی یا جزوی اجتہاد کی صفات و شرائط نہیں پائی جاتیں، یا وہ کتابُ اللہ، سنتِ رسولُ اللہ، اجماع امت اور قیاسِ صحیح کے اصولوں کے مطابق اجتہاد نہیں کرتے، وہ ہماری بحث سے خارج ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت رکھنے اور اصولوں کے مطابق اجتہاد کرنے والوں پر الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔

”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى“

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ.

(فصل نمبر 5)

مسائلِ شرعیہ وانتظامیہ میں اجتماعیت اور مشورہ کا حکم

آج کل بعض حضرات کی طرف سے مسائلِ شرعیہ وفقہیہ میں اجتماعی غور وفکر پر زور دیا جاتا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ علم خود سے کسی فقہی مسئلہ میں غور وفکر کر کے اپنی رائے قائم کرے، تو اس کو اہمیت نہیں دی جاتی، اور اس کو تفرّد وغیرہ کا عنوان دیا جاتا ہے، تا آنکہ وہ دوسروں سے مشاورت نہ کر لے، بلکہ دوسرے مشاہیر معتدبہ تعداد میں اس سے اتفاق نہ کر لیں۔
اسی طرح تحقیقی واجتہادی مسائل میں اجتماعی طور پر غور وفکر کر کے اتفاقِ رائے سے حکم بیان کرنے اور نتیجہ اخذ کرنے پر بھی بعض اوقات بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔
ہمیں فقہی اعتبار سے یہ موقف درست معلوم نہیں ہو سکا، کیونکہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے صاحبِ علم کو، خواہ وہ خاص کسی جزئی مسئلہ میں ہی مجتہدانہ صلاحیت رکھتا ہو، اپنے اجتہاد کی روشنی میں رائے قائم کرنا جائز بلکہ جس طرف رجحان ہو، اس میں خیانت کے بغیر اس کا حکمت سے اظہار کرنا، اس کی ذمہ داری ہے، اور اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے اہلِ علم حضرات کی طرف سے اجتماعیت قائم کئے بغیر اپنے اپنے طور پر اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کرنے اور اس کے نتیجہ میں اپنی رائے قائم کرنے کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے، کلی یا جزوی مجتہد کو دوسرے کا پابند کرنا، خواہ وہ دوسرا مجتہد ہی کیوں نہ ہو، یہ فقہائے کرام کی تصریح اور تعامل کے خلاف ہے، اور ہر مسئلہ میں اجتماعیت کا پیدا کرنا ممکن بھی نہیں۔
اسی طرح دوسرے حضرات کی رائے کا اس کے مطابق ہونا بھی ضروری نہیں، پھر دوسروں کی رائے سے استفادہ تحریراً وتقریراً یا ان کی تحریرات ملاحظہ کر کے مختلف طریقوں سے ممکن ہے، سب کے لئے اجتماعی مجلس قائم کرنا اور پھر ہم آہنگی پیدا کرنے کا طریقہ نہ تو ضروری ہے

اور نہ ہی عام طور پر عملاً متوقع ہے۔ [1]

فقہاء و عابدین سے مشورہ کرنے کی حدیث

امام طبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: نَا شَبَابٌ الْعُصْفُرِيُّ قَالَ: نَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانُ أَمْرٍ وَلَا نَهْيٍ، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ، وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ

(المعجم الأوسط، رقم الحديث ١٦١٨، دارالحرمين، القاهرة) [2]

ترجمہ: ہم سے احمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے شباب عصفری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے نوح بن قیس نے ولید بن صالح کی سند سے روایت کیا، انہوں نے محمد بن حنفیہ سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش

---

[1] ذكر الحنفية، والمالكية، والشافعية، والحنابلة أنه لا يقلد المجتهد مجتهدا غيره، لأن القدرة على الاجتهاد تمنع من التقليد.

ومن علم أدلة القبلة لا يجوز له أن يقلد غيره مطلقا، وأما غير المجتهد فعليه أن يقلد المجتهد، لقوله تعالى :(فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون)

وإذا كان هناك أكثر من مجتهد فالمقلد له أن يختار أحدهم، والأولى أن يختار من يثق به أكثر من غيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤ص ٧٢، ٧٣، مادة "استقبال")

أما إن أخبره عن اجتهاد فلا يقلده؛ لأن المجتهد لا يقلد مجتهدا آخر(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحيلی، ج ا ص ٦٧٥، الباب الثانی، الفصل الثانی)

المجتهد لا يقلد مجتهدا آخر(مجمع الانهر، ج ا ص ٨٣، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

[2] قال الطبرانی:لم يرو هذا الحديث عن الوليد بن صالحٍ إلا نوح.

وقال الهيثمی:

رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله موثقون من أهل الصحيح (مجمع الزوائد، ج ا ص ١٧٨، تحت رقم الحديث ٨٣٤، باب فی الإجماع)

آ جائے کہ جس کے بارے میں شریعت کا کوئی مثبت و منفی حکم نہ ہو (یعنی ہمیں اس کا حکم معلوم کرنا دشوار ہو جائے) تو آپ ہمیں ایسے موقعہ پر کیا حکم دیتے ہیں؟ (کہ ہم اس موقع پر کیا کریں؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ تم فقہاء اور عابدین سے اس سلسلہ میں مشورہ کرو اور (دوسروں کی رائے لیے بغیر) تنہا اپنی رائے سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہ کرو

(طبرانی)

اس روایت میں ولید بن صالح پر بعض حضرات نے مجہول ہونے کا حکم لگایا ہے، لیکن ابنِ حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، اور امام بخاری نے تاریخِ کبیر میں اور ابنِ ابی حاتم نے جرح و تعدیل میں ان کا ذکر بغیر جرح کے کیا ہے، اس لیے مذکورہ روایت کی سند کو علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

ابنِ عبدالبر قرطبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے کہ جس کے بارے میں قرآن کا بھی حکم نازل نہ ہوا ہو، اور نہ آپ کی سنت سے کوئی حکم اس کے بارے میں ثابت ہو، تو آپ ہمیں ایسے موقعہ پر کیا حکم دیتے ہیں؟ (کہ ہم اس موقعہ پر کیا کریں؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ تم مومنوں کے علماء کو یا فقہاء کو جمع کرو، اور باہمی مشورہ کرو، اور تنہا اپنی رائے سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہ کرو۔ [1]

---

[1] حدثنا عبد الوارث بن سفيان، ثنا قاسم بن أصبغ، ثنا محمد بن عبد السلام الخشنى، ثنا إبراهيم بن أبى الفياض البرقى الشيخ الصالح قال: حدثنا سليمان بن بذيع الإسكندرانى، ثنا مالک بن أنس، عن يحيى بن سعيد الأنصارى، عن سعيد بن المسيب، عن على بن أبى طالب كرم الله وجهه قال:قلت: يا رسول الله، الأمر ينزل بنا لم ينزل فيه قرآن ولم تمض فيه منک سنة قال: اجمعوا له العالمين أو قال: العابدين من المؤمنين فاجعلوه شورى بينكم ولا تقضوا فيه برأى واحد (جامع بيان العلم و فضله، لابن عبدالبر قرطبى، رقم الحديث ١٦١١)

علامہ ابنِ عبدالبر قرطبی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کی سند پر کلام کیا ہے۔ [1]
خطیب بغدادی نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ [2]
مذکورہ حدیث کی سند پر عرب کے مشہور عالم ناصر الدین البانی صاحب نے کلام کیا ہے، اور انہوں نے اس حدیث کو ضعیف و منکر قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] وحدثنا خلف بن القاسم، وعلى بن إبراهيم قالا: نا الحسن بن رشيق، ثنا موسى بن الحسن بن موسى الكوفى قال: نا إبراهيم بن أبى الفياض البرقى قال: أنا سليمان بن بزيع، عن مالك بن أنس، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب، عن على بن أبى طالب رضى الله عنه قال: قلت: يا رسول الله، الأمر ينزل بنا بعدك لم ينزل به القرآن ولم نسمع منک فيه شيئا، قال: اجمعوا له العابدين من المؤمنين واجعلوه شورى بينكم ولا تقضوا فيه برأى واحد قال أبو عمر: هذا حديث لا يعرف من حديث مالك إلا بهذا الإسناد، ولا أصل له فى حديث مالک عندهم والله أعلم ولا فى حديث غيره، وإبراهيم البرقى، وسليمان بن بزيع ليسا بالقويين ولا ممن يحتج بهما ولا يعول عليهما (جامع بيان العلم و فضله، لابن عبدالبر قرطبى، رقم الحديث ١٦١٢)

[2] أنا أبو القاسم على بن محمد بن عيسى بن موسى البزاز ، وأبو الحسين على بن محمد بن عبد الله بن بشران المعدل قالا : أنا أبو الحسن ، على بن محمد بن أحمد المصرى ، نا محمد بن الربيع بن بلال هو العامرى نا إبراهيم بن أبى الفياض ، نا سليمان بن بزيع ، عن مالک بن أنس ، عن يحيى بن سعيد ، عن سعيد بن المسيب ، عن على بن أبى طالب ، قال : قلت : يا رسول الله : الأمر ينزل بنا بعدک لم ينزل فيه قرآن ولم يسمع منک فيه شىء ؟ قال : اجمعوا له العابدين من أمتى ، واجعلوه شورى بينكم ولا تقضوه برأى واحد (الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادى، رقم الحديث ٥١٢)
أنا الحسن بن على الجوهرى ، أنا عبد العزيز بن جعفر بن محمد الحزقى ، نا محمد بن محمد الباغندى ، قال : حدثنى إبراهيم بن أبى الفياض المصرى ، نا سليمان بن بزيع ، عن مالک بن أنس ، عن يحيى بن سعيد ، عن سعيد بن المسيب ، عن على بن أبى طالب ، قال : قلت يا رسول الله الأمر ينزل بنا بعدک لم ينزل به قرآن ، ولم نسمع منک فيه شيئا ، قال : اجمعوا العابدين من المؤمنين ، فاجعلوها شورى بينكم ولا تقضوه برأى واحد (الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادى، رقم الحديث ١١٤٩)

[3] (اجمعوا له العالمين – أو قال: العابدين – من المؤمنين، اجعلوه شورى بينكم، ولا تقضوا فيه برأى واحد) .ضعيف منكر.
أخرجه ابن عبد البر فى "الجامع (59 /2) "من طريق إبراهيم ابن أبى الفياض البرقى قال: حدثنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علاوہ ازیں انہوں نے مذکورہ حدیث کی سند پر کلام کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی اجتہاد پر بھی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

سليمان بن بزيع الإسكندراني قال: حدثنا مالك بن أنس عن يحيى بن سعيد الأنصاري عن سعيد بن المسيب عن على بن أبي طالب قال: قلت: يا رسول الله! الأمر ينزل بنا؛ لم ينزل فيه قرآن، ولم تمض منك فيه سنة؟ قال ...فذكره .وقال: "هذا حديث لا يعرف من حديث مالك بهذا الإسناد، ولا أصل له في حديث مالك عندهم ولا في حديث غيره .وإبراهيم البرقي وسليمان بن بزيع ليسا بالقويين، ولا ممن يحتج به، ولا يعول عليه."

قلت: وسليمان بن بزيع؛ قال أبو سعيد بن يونس: "منكر الحديث"؛ كما في "الميزان."

وساق له في "اللسان "هذا الحديث من طريق ابن عبد البر، ونقل كلامه، ثم قال: "قلت: وقال الدارقطني في "غرائب مالك :"لا يصح؛ تفرد به إبراهيم بن أبي الفياض عن سليمان، ومن دون مالك ضعيف .وساقه الخطيب في كتاب "الرواة عن مالك "من طريق إبراهيم عن سليمان وقال: لا يثبت عن مالك."

قلت: وإبراهيم بن أبي الفياض؛ قال أبو سعيد بن يونس: "روى عن أشهب مناكير، توفي سنة (245)." ومن طريقه: أخرجه الخطيب في "الفقيه والمتفقه (391 /2) "أيضا.

قلت: وفي قول ابن عبد البر المتقدم:" ولا في حديث غيره - "يعني: مالكا – نظر! فقد تقدم نحوه من حديث غيره مختصرا بإسناد معضل، فانظر الحديث (رقم 882) : "لا تعجلوا بالبلية قبل نزولها ". ...

بل رواه بتمامه نحو حديث الترجمة: الطبراني في "المعجم الأوسط"(جـ 2ص172/ 1618) من طريق أخرى بسند رجاله ثقات عن الوليد بن صالح عن محمد ابن الحنيفة عن على قال: قلت: يا رسول الله! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان: أمر ولا نهي؛ فما تأمرنا؟ قال: "تشاورون الفقهاء والعابدين، ولا تمضوا فيه رأي خاصة ."وقال الطبراني: "لم يرو هذا الحديث عن الوليد بن صالح إلا نوح."

قلت: الوليد مجهول؛ لم يرو عنه سوى نوح بن قيس.

ومع ذلك؛ ذكره ابن حبان في "الثقات "(491 /5و 551 /7) !

وهو مما يستدرك على الحافظ ابن حجر؛ فإنه لم يورده في "لسان الميزان "خلافا لعادته الغالبة! ولما أورده الهيثمي في "مجمع الزوائد"؛ قال : (179 /1)

"رواه الطبراني في "الأوسط"، ورجاله موثقون من أهل (الصحيح) !"

قلت: وفيه نظر من وجهين:

الأول: أن الوليد بن صالح؛ توهم الهيثمي أنه الوليد بن صالح النخاس الضبي أبو محمد الجزري، وهو ثقة من رجال الشيخين! وليس به؛ وإنما هو الوليد ابن صالح الذي روى عنه نوح بن قيس؛ كما ذكر ذلك ابن حبان نفسه في "الثقات "كما تقدم؛ وكذلك فعل قبله الإمام البخاري في "التاريخ"، وابن أبي حاتم في "الجرح."

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

کلام کیا ہے، اورانہوں نے چند غیر مجتہدین کے اتفاق کے مقابلہ میں ایک مجتہد کے اجتہاد کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والآخر: أنه مجهول لا يعرف؛ كما تقدم .وتوثيق ابن حبان إياه مما لا يعتد به فى مثل الوليد بن صالح هذا.

وقد اغتر بكلام الهيثمى هذا: الدكتور عبد المجيد السوسوه الشرفى فى كتابه "الاجتهاد الجماعى فى التشريع الإسلامى "(ص 50) ؛ فإنه نقله وسكت عليه! ولا غرابة فى ذلك؛ فإنه يبدو من تخريجه لأحاديث الكتاب أنه لا معرفة عنده بعلم الحديث ونقد الأسانيد، كما هى السمة الغالبة على جماهير الكتاب الإسلاميين الذين يكتبون فى الأحكام الشرعية.

ومما يؤيد ذلك: أمور كثيرة لا مجال للبحث فيها الآن؛ فأكتفى بمثالين فقط:

الأول: أن هذا الحديث الذى عزاه للطبرانى – نقلا عن الهيثمى بالجزء والصفحة –؛ ذكره بلفظ حديث الترجمة، وهو مخالف للفظ الحافظ الطبرانى كما تقدم.

والآخر: أنه أورد حديث:

"عليكم بالسواد الأعظم ."وقال أيضا (ص 95) :"قال الهيثمى: "رواه الطبرانى، ورجاله ثقات، مجمع الزوائد، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة !"" (5/ 219)

قلت: إنما قال الهيثمى - (5/ 217-218)وقد ساقه موقوفا عقب حديث سأذكره قريبا –:

"رواه عبد الله بن أحمد، والبزار، والطبرانى، ورجالهم ثقات."

قلت: والسياق لعبد الله بن أحمد (4/ 278،375) .

وفى سنده يحيى بن عبد ربه مولى بنى هاشم؛ وهو متهم، وكذا وقع فى "المسند :"(عبد ربه) ! والصواب (عبد ويه) ، كما جزم به الحافظ فى "التعجيل"، وله فيه ترجمة مبسطة .وقال الذهبى فى "الميزان :"

"قال يحيى بن معين: ليس بشىء .وقال مرة: كذاب."

قلت: ومنه يتبين لنا خطأ الهيثمى من جهة، وخطأ الدكتور عبد المجيد الشرفى عليه من جهة أخرى.

أما الأول: ففى عزوه الحديث للبزار؛ فإنه ليس فيه هذه الجملة: "عليكم بالسواد الأعظم "ولا ما بعدها؛ على ما يأتى؛ فإن لفظ الحديث من رواية المولى المذكور: "من لم يشكر القليل؛ لم يشكر الكثير " ...الحديث، وفيه: "والتحدث بنعمة الله شكر، وتركها كفر، والجماعة رحمة، والفرقة عذاب ."قال: فقال أبو أمامة الباهلى: عليكم بالسواد الأعظم .قال: فقال رجل: ما السواد الأعظم؟ فنادى أبو أمامة: هذه الآية التى فى سورة النور (فإن تولوا فإنما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم) .

فهذه الزيادة كلها ليست عند البزار، ولا أظنها كذلك عند الطبرانى؛ فإن (مسند النعمان بن بشير) لم يطبع منه بعد!

وإذ قد عزاه للبزار – وهو عنده بهذا الاختصار "البحر الزخار- (8/ 226/ 3282) "؛ فقد كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جواصولِ شرع کے مطابق ہو، زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأولى أن يعزوه للإمام أحمد أيضا؛ فإنه رواه في "المسند "في المكانين المشار إليهما عند ابنه عبد الله!

ومن المفارقات العجيبة، والموافقات الغريبة: أن الحافظ المنذرى في "الترغيب (2/ 56) "وافق الهيثمى في عزو الحديث لعبد الله بن أحمد دون أبيه، لكنه في الوقت نفسه فارقه في متنه؛ فإنه ساقه بلفظ أحمد دون ابنه!!

هذا ما يتعلق بخطأ الهيثمي.

وأما ما يتعلق بخطأ الدكتور عبد المجيد عليه؛ فهو من ناحيتين:

الأولى: أنه عزا الحديث إليه مرفوعا، وهو عنده موقوف كما رأيت.

والأخرى: أنه عزاه للطبراني، وهو عنده معزو لعبد الله بن أحمد، والبزار أيضا، وقد عرفت ما في ذلك من الخطأ!

على أن هذا الموقوف قد روى مرفوعا من غير هذه الطريق بأسانيد واهية، تراها مخرجة في "ظلال الجنة "تحت رقم . (1) (80)(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۴۸۵۴)

[1] وخطؤه هذا يجرني إلى الكشف عن بعض أخطائه في الفقه الذي عنون له: " الاجتهاد الجماعي في التشريع الإسلامي "كما تقدم، وقد استعان فيه بالنقل عن بعض العلماء والكتاب والدكاترة المعاصرين الذين سبقوه بالدندنة حول هذا الموضوع، مثل الشيخ عبد الوهاب خلاف، والدكتور يوسف القرضاوى، والزحيلي، وأمثالهم، وقد كنت قديما قرأت لبعضهم بعض المقالات في هذا المجال، والذي يهمني الآن – بمناسبة حديث الترجمة – الأمور التالية:

أولا: عرف الدكتور الشرفي الاجتهاد الجماعي في الكتاب بقوله (ص 46) : "استفراغ أغلب الفقهاء الجهد لتحصيل ظن بحكم شرعي بطريق الاستنباط، واتفاقهم جميعا أو أغلبهم على الحكم بعد التشاور!"

وعزاه لجمع من الأصوليين المتأخرين، ونقل عن السبكي: أن الفقيه عندهم هو المجتهد، والفقه هو الاجتهاد (ص 45) !

فأقول: هذا شيء جميل ومهم لو كان ممكنا تحقيقه، وأما وقد جاء بقيدين – أحدهما أبعد عن الإمكان من الآخر –؛ فإن قوله: " أغلب الفقهاء !"كيف يمكن اليوم معرفتهم مع تفريقهم في البلاد الإسلامية الشاسعة؟! ثم كيف يمكن جمعهم في مكان واحد حتى يتشاوروا في الحكم؟!

على أن قوله: " واتفاقهم جميعا "؛ فهذا أبعد عن التحقيق من الذي قبله، خاصة في هذا الزمن الذي قل فيه المجتهدون اجتهادا فرديا مع توفر شروط الاجتهاد؛ التي تكلم عنها كلاما جيدا الدكتور الشرفي (ص 63-70) ! ولعله لذلك أتبعه بقوله معطوفا عليه: " أو أغلبهم !"فهذا الاجتهاد الجماعي أشبه ما يكون بالاجتهاد الفردي المجمع عليه في تعريف علماء الأصول، وأصعب تحقيقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی روایت میں بھی اسی طرح کا مضمون

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثانيا: لو أمكن تحقيق مثل هذا الاجتهاد؛ لكان – في زعمي – البحث فيه سابقا لأوانه، وذلك لعدم وجود خليفة للمسلمين يأخذ بحكمهم إذا اتفقوا، وهذا – مع الأسف الشديد – شرط مفقود فى زمننا هذا!

ثالثا: لماذا الاهتمام ببذل الجهود لتحقيق "الاجتهاد الجماعى"، والاهتمام البالغ بالدعوة إليه؛ مع أنه فرع يبنى على الكتاب والسنة؛ لأنهما الأصلان فى الشريعة الإسلامية اتفاقا؟! ومن المعلوم أن القرآن الكريم تفسره السنة ، والسنة قد دخل فيها ما ليس منها من الأحاديث المنكرة والواهية، مما هو معلوم أيضا عند العلماء كافة! وقد نقل الدكتور نفسه – تحت الشرط الثالث من شروط صحة الاجتهاد: (معرفة السنة) (ص 65) – عن الشوكانى أنه قال: "والحق الذى لا شك فيه ولا شبهة أن المجتهد لا بد أن يكون عالما بما اشتملت عليه المسانيد والمستخرجات، والكتب التى التزم مصنفوها الصحة ...وأن يكون له تمييز بين الصحيح منها والحسن والضعيف، ولو بالبحث فى كتب الجرح والتعديل وكتب العلل؛ ومجاميع السنة التى صنفها أهل الفن؛ كالأمهات الستة، وما يلحق بها."

قلت: فلماذا لا يهتم هؤلاء العلماء والكتاب بالدعوة إلى إقامة مؤتمر يجتمع فيه ما أمكن من المحدثين المعروفين بتخصصهم فى علم الحديث الشريف، وقدرتهم على تمييز صحيحه من ضعيفه؛ لأن هؤلاء – وإن اختلفوا فى بعض الأحاديث، كما هو الشأن فى (الاجتهاد الجماعى) –؛ فلا شك أنهم سيتفقون على أكثر الأحاديث تصحيحا أو تضعيفا؟! وهذا شرط أساسى للاجتهاد، فيمكن – والحالة هذه – أن يؤخذ برأى الأكثر؛ لأنه – بلا شك، كما قال الدكتور نفسه فى غير ما موضع من بحثه – أن رأى الاثنين خير من رأى الواحد أو أقوى منه.

وأنا أستغرب جدا ألا أرى أحدا من هؤلاء الباحثين والكاتبين يشير – أدنى إشارة على الأقل – إلى هذا الأصل المجمع عليه بين المسلمين، وانشغالهم بالفرع عن الأصل! وهذا إن دل على شيء – كما يقولون اليوم –؛ فإنما يدل على إهمال جماهير الكتاب فى العصر الحاضر – حول المسائل الشرعية قديمها وحديثها – الاهتمام فى استدلالهم بالسنة بما صح منها دون ما ضعف، فأحسنهم حالا هو الذى يذكر الحديث ويخرجه بأن يقول: رواه فلان وفلان، دون أن يبين مرتبته من الصحة! والسبب واضح؛ وهو أنهم (لا يعلمون) ، ولكن هذا ليس عذرا لهم؛ لأن بإمكانهم أن يستعينوا بأهل الاختصاص من المعروفين بتخصصهم فى علم الحديث، والعارفين بصحيحه وضعيفه، سواء كانوا من الأئمة السابقين كالإمام أحمد والبخارى ومسلم ونحوهم، أو من الحفاظ اللاحقين كالحافظ الزيلعي والذهبى والعراقى والعسقلانى وأمثالهم.

كما ذكر الدكتور الباحث؛ فى الذين يقترح حضورهم فى مؤتمر (الاجتهاد الجماعى) ، فقد ذكر (ص 74) :"بأنه لا يشترط فى كل فرد منهم أن يكون عالما بالشرع، فيكون منهم الاقتصادى والعسكرى والسياسى والاجتماعى ونحوه ... فهذه المجموعة يتشاورون مع بعضهم؛ كل فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وارد ہوا ہے، جس میں ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے، جس کے متعلق نہ تو قرآن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدود اختصاصه ومجاله، ثم يصدرون حكما يعتمدونه!"

قلت: فأولى بهؤلاء الكتاب والباحثين في العصر الحاضر أن يلتزموا ما هو أهم من حضور الاقتصادي والسياسي في المؤتمر المنشود، ألا وهو استحضارهم لأهل الاختصاص في الحديث، والاعتماد عليهم في تصحيحهم وتضعيفهم، وليس الإعراض عن ثمرة علم الحديث بالاكتفاء بما أشرت إليه آنفا من تخريجهم للحديث دون بيان المرتبة! وقد أشار الدكتور عبد المجيد (ص 65) إلى شيء من هذا بقوله: "ويلزم المجتهد أن يكون على علم بمصطلح الحديث ورجاله، ولا يجب أن يكون في درجة أهل الفن — فن الحديث — أنفسهم، وإنما يكفيه أن يعتمد على ما انتهى إليه أهل هذا الفن!"

فأنت ترى أنه أعرض عن ذكر حضورهم مع ذكرهم من الاقتصاديين وغيرهم، فجعلهم دونهم في شرطية الحضور، مع أنهم هم العمدة قبل كل ما أشرنا إليهم؛ وغيرهم ممن ذكرهم معهم؛ فإن في حضورهم ما يكشف عن علل بعض الأحاديث التي لا يعرفها — أو على الأقل: لا ينتبه لها — إلا المختصون في الحديث.

ولا أذهب بالقراء بعيدا؛ فهذا هم المثال بين أيديهم؛ لقد استدل الدكتور الشرفي بحديث الترجمة؛ وحديث:" السواد الأعظم"، وهما واهيان كما تقدم.

قد يقال: إنه اعتمد على الهيثمي في تخريجه.

لكن خفي على الدكتور أن ذلك لا يعني أن كلا من الحديثين صحيح، على أخطاء وقعت له وللدكتور سبق بيانها.

ومثله كثير ممن يتوهم من مثل هذا التخريج تصحيح الحديث؛ وليس كذلك، كما بينته في غير ما موضع من كتبي، فانظر مثلا مقدمة "صحيح الترغيب والترهيب "من المجلد الأول؛ وقد سبق أن طبع مرتين، وهو تحت الطبع مجددا، مع إضافات كثيرة وفوائد غزيرة مع بقية المجلدات، وسيكون ذلك بين القراء قريبا، إن شاء الله .

على أن الدكتور غفل عن دلالة قوله في الحديث: "لا تقضوا فيه برأي واحد "؛ أنه منكر لمخالفته للإجماع العملي الذي سار عليه العلماء والقضاة من الإفتاء والقضاء برأي العالم الواحد في القرون الأولى المشهود لها بالخيرية! والآثار في ذلك كثيرة شهيرة،ذكر الكثير الطيب منها الإمام ابن قيم الجوزية في شرحه لكتاب عمر إلى القاضي شريح في كتابه العظيم "إعلام الموقعين عن رب العالمين."

بل أن الحديث هذا يبطل الاجتهاد الجماعي من حيث لا يدري الدكتور ولا يشعر، مع أنه اشترط في غير ما موضع أن يكون أعضاء (الاجتهاد الجماعي) الذين لهم حق الترجيح مجتهدين،ولو اجتهادا جزئيا على الأقل! انظر (ص 106،107،127) .

على أنني أرى أن هذا الشرط — مع كونه شرطا أساسيا للاجتهاد— يستلزم معرفة السنة، وتمييز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں حکم نازل ہوا ہو، اور نہ سنت میں کوئی حکم آیا ہو، تو اس میں عابدین کی شوریٰ قائم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صحيحها من ضعيفها كما قدمنا، والتفقه فيها؛ ولكن أكثر هؤلاء الدكاترة والكتاب – مع الأسف – لا عناية عندهم بشيء من هذا.

وأضرب على ذلك مثلا في مسألة اتفق الأئمة الأربعة وغيرهم على تحريمها، ألا وهي الغناء وآلات الطرب، يحضرني الآن منهم ثلاثة من المشهورين في العصر الحاضر بأنهم من العلماء:

أولهم: الشيخ محمد أبو زهرة؛ حيث قال: "إذا لم يكن في الغناء ما يثير الغريزة الجنسية؛ فإننا لا نجد موجبا لتحريمه!"

وثانيهم: الشيخ محمد الغزالي – وقد توفي قبل شهور غفر الله له –؛ فإنه جرى على منوال أبي زهرة هذا، بل وتوسع في ذلك كثيرا، واستدل بأحاديث ضعيفة، وضعف الأحاديث الصحيحة في التحريم وغيره مما اتفق العلماء على صحتها، وبعضها في "الصحيحين"؛ حتى إنه لم يخجل أن يصرح بأنه يستمع لأغاني أم كلثوم وفيروز، لكن بنية حسنة!!!

ثالثهم: الشيخ يوسف القرضاوي؛ الذي لم يتورع بأن يحكم على حديث البخاري في تحريم آلات الطرب بأنه موضوع؛ تقليدا منه لابن حزم، مع اتفاق علماء الحديث قديما وحديثا على تصحيحه، والرد على ابن حزم بأدلة قوية لا مرد لها ، هذا مع أنه يردد كثيرا في بحثه في الاجتهاد الجماعي: أن رأي الاثنين أقوى من رأي الواحد، فما باله خالف هذا، وأعرض عن الحجج الصحيحة، وتبنى تحليل ما حرم الله على لسان رسول الله – صلى الله عليه وسلم –؟!

لذلك أقول: إن تحمس هؤلاء للاجتهاد الجماعي – وهم لا يحسنون الاجتهاد الفردي – سابق لأوانه، وسيكون شره أكثر من خيره!!

ولذلك؛ فإني أنصح هؤلاء بأن يتمرسوا على الاجتهاد الفردي؛ تمهيدا لما يدعون إليه من الاجتهاد الجماعي، علما بأن الأول أسهل من الآخر بكثير؛ فإنهم سيجدون فيه ما قيل في المسألة، وما استدل لكل قول فيها، بخلاف الاجتهاد الجماعي؛ فإنه يصرحون بأن مجاله ما حدث من المسائل التي لم يتكلم فيها العلماء السابقون؛ وذلك بدراسة الكتاب والسنة – على ما وصفنا – وأقوال السلف؛ فإنها نبراس يستضيء به من أراد فهم الكتاب والسنة على الوجه الصحيح .ولهذا قال الإمام محمد بن الحسن – رحمه الله –: "من كان عالما بالكتاب والسنن، وبقول أصحاب رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، وبما استحسن فقهاء المسلمين؛ وسعه أن يجتهد رأيه فيما ابتلي به، ويقضي به ويمضيه في صلاته وصيامه وحجه، وجميع ما أمر به ونهى عنه، فإذا اجتهد ونظر وقاس على ما أشبه ولم يأل، وسعه العمل بذلك، وإن أخطأ الذي ينبغي أن يقول به "؛ كما في "إعلام الموقعين. (1/ 75) "

ونحوه قول الإمام الشافعي: "ولا يكون لأحد أن يقيس حتى يكون عالما بما مضى قبل من السنن وأقاويل السلف، وإجماع الناس واختلافهم ."نقله الدكتور عبد المجيد (ص 72) عن الشافعي في "الرسالة."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کر کے فیصلہ کیا جائے۔ [1]

جس کی سند کو محدثین واہلِ علم حضرات نے ضعیف اور بعض نے نا قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد صرح الدكتور تحت عنوان: (شرط عضو الاجتهاد الجماعى) (ص 73) ؛ واستنكر الرأى الذى ذهب القائل به إلى عدم اشتراط شروط الاجتهاد فى أعضاء الاجتهاد الجماعى؛ فقال: "إذ كيف يجتهد وينظر فى الأدلة ويستنبط الأحكام من ليس مجتهدا؟! !"قال: "وقد أشار الشيخ عبد الوهاب خلاف إلى هذا؛ فقال: ولا يسوغ الاجتهاد بالرأى لجماعة؛ إلا إذا توفرت فى كل فرد من أفرادها شرائط الاجتهاد ومؤهلاته."(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۴۸۵۴)

[1] حدثنا محمد بن على المروزى، ثنا أبو الدرداء عبد العزيز بن المنيب، ثنا إسحاق بن عبد الله بن كيسان، حدثنى أبى، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما، قال: لما أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة خيبر نزل عليه (إذا جاء نصر الله والفتح) إلى آخر القصة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يا على بن أبى طالب، يا فاطمة جاء نصر الله والفتح ، (ورأيت الناس يدخلون فى دين الله أفواجا فسبح بحمد ربک واستغفره إنه كان توابا) على أنه يكون بعدى فى المؤمنين الجهاد قال :علام نجاهد المؤمنين الذين يقولون آمنا؟ قال :على الإحداث فى الدين إذا ما عملوا بالرأى ولا رأى فى الدين، إنما الدين من الرب أمره ونهيه قال على :يا رسول الله أرأيت إن عرض لنا أمر لم ينزل فيه قرآن ولم يخصص فيه سنة منک، قال :تجعلونه شورى بين العابدين من المؤمنين ولا تقضونه برأى خاصة، فلو كنت مستخلفا أحدا لم يكن أحق به منک لقدمک فى الإسلام، وقرابتک من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصهرک وعندک سيدة نساء المؤمنين، وقبل ذلک ما كان من بلاء أبى طالب، إياى ونزل القرآن وأنا حريص على أن أرعى له فى ولده(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۲۰۴۲)

[2] قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه عبد الله بن كيسان، قال البخارى :منكر الحديث(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۸۳۳، باب فى الإجماع)

و قال الالبانى:

(يا على بن أبى طالب! يا فاطمة! }جاء نصر الله والفتح، "ورأيت الناس يدخلون فى دين الله أفواجا , فسبح بحمد ربک واستغفره , إنه كان توابا {، على أنه يكون بعدى فى المؤمنين الجهاد.

قال على: علام نجاهد المؤمنين الذين يقولون آمنا؟ قال: على الإحداث فى الدين إذا ما عملوا بالرأى ولا رأى فى الدين، إنما الدين من الرب أمره ونهيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایات کی سند کو اگر معتبر قرار دیا جائے، تو اس سے ایسے مسائل میں مشورہ کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے، جن میں قرآن وسنت سے حکم معلوم نہ ہوا ہو، اور مذکورہ روایات میں اگرچہ قیاس کا ذکر نہیں، لیکن چونکہ قیاس قرآن وسنت کے تابع اور ان ہی دونوں میں مذکور کسی حکم سے ماخوذ ہوتا ہے، اس لیے وہ بھی اس میں داخل ہوگا، اور اجماع بھی ایک مستقل دلیل ہے، جس کا حجت ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے، اس لیے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال علی: یا رسول الله! أرأیت إن عرض لنا أمر لم ینزل فیه قرآن ولم یمض فیه سنة منک؟ قال: تجعلونه شوری بین العابدین من المؤمنین ولا تقضونه برأی خاصة، فلو کنت مستخلفا أحدا لم یکن أحق به منک لقدمک فی الإسلام، وقرابتک من رسول الله صلی الله علیه وسلم، وصهرک وعندک سیدة نساء المؤمنین، وقبل ذلک ما کان من بلاء أبی طالب، إیای ونزل القرآن وأنا حریص علی أن أرعی له فی ولده) .

موضوع.

آثار الوضع علیه لائحة .أخرجه الطبرانی فی "المعجم الکبیر " - (11/371 372/12041) ، ومن طریقه الضیاء المقدسی فی "الأحادیث المختارة "(65/61/ 2 - 1) عن إسحاق بن عبد الله بن کیسان: حدثنی أبی عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لما أقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم من غزوة خیبر،، نزل علیه: (إذا جاء نصر الله والفتح)إلی آخر القصة قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ... فذکره.

قلت: وهذا إسناد ضعیف جدا؛ آفته (إسحاق بن عبد الله بن کیسان) ، وسبق الکلام علیه وعلی أبیه تحت الحدیث الذی قبله .وذکر ثمة تعقب الصدر الیاسوفی الضیاء المقدسی لإخراجه إیاه فی "المختارة "بقوله: "هو من روایة إسحاق عن أبیه، وفیهما الضعف الشدید."

وأن الحافظ ابن حجر حکم علیه بالوضع، وذلک فی أخر ترجمة أبیه (عبد الله ابن کیسان) ، فقال: "وقد ذکرت فی ترجمة ابنه (یعنی: فی "اللسان ") حدیثا موضوعا رواه عن أبیه عن عکرمة عنه ."وقال الهیثمی فی "المجمع : (180 /1) " "رواه الطبرانی فی "الکبیر "وفیه عبد الله بن کیسان: قال البخاری: منکر الحدیث ."کذا وقع فیه (عبد الله ...) .. فیحتمل أن یکون سقط من قلمه، أو قلم ناسخه (إسحاق) ؛ لأن هذا هو المعروف أن البخاری قال فیه: " منکر الحدیت "، ویحتمل أنه لم یسقط، وإنما عنی أباه (عبد الله بن کیسان) ، اعتمادا منه علی "المیزان "، وهذا علی "کامل ابن عدی (233 /4) "؛ فقد رواه عن البخاری فی ترجمة (عبد الله) هذا .ولکنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل کے پیشِ نظر اگر مذکورہ حدیث میں مشورہ کا محل امورِ انتظامیہ وسیاسیہ کے بجائے، مسائلِ شرعیہ وفقہیہ کو قرار دیا جائے، تو ہمارے نزدیک جو مطلب ہوگا، اس کی مزید تفصیل آگے ''امدادالاحکام'' کے حوالہ سے آتی ہے۔

اب مجتہد کے اجتہاد وتقلید کرنے اور فقہی امور میں مشورہ سے متعلق فقہائے کرام واہلِ علم حضرات کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

ابوبکر جصاص کا حوالہ

ابوبکر جصاص ''شرح مختصر الطحاوی'' میں فرماتے ہیں:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أخشى أن يكون وهما؛ فإن الحافظ المزى ومن تبعه – فيما علمت – لم يذكروه إلا فى ترجمة ابنه (إسحاق).

وعلى كل حال، فإعلاله بالابن أولى لاتفاق الحفاظ على تضعيفه، بخلاف أبيه؛ فقد وثقه بعضهم؛ وإن كان الراجح أنه ضعيف – كما تقدم – .والله سبحانه وتعالى أعلم.

هذا؛ وجملة (الشورى)، قد رواها إبراهيم بن أبى الفياض البرقى: حدثنا سليمان بن بزيع الإسكندرانى: ثنا مالك بن أنس عن يحيى بن سعيد الأنصارى عن سعيد بن المسيب عن على بن أبى طالب قال: قلت: يا رسول الله! الأمرينزل بنا لم ينزل فيه قرآن، ولم تمض فيه منك سنة؟ قال: "اجمعوا له العالمين – أو قال: العابدين – من المؤمنين؛ فاجعلوه شورى بينكم، ولا تقضوا فيه برأى واحد ." أخرجه ابن عبد البر فى "جامع العلم "(1612-1611 /853- 852 /2) وقال: "لا يعرف من حديث مالك إلا بهذا الإسناد، ولا أصل له فى حديث مالك ولا فى فى حديث غيره، وإبراهيم البرقى، وسليمان بن بزيع: ليسا بالقويين، ولا ممن يحتج بهما، ولا يعول عليهما ."

قلت: ونقله الحافظ فى "اللسان "فى ترجمة (سليمان بن بزيع)، وقال: "قال أبو سعيد بن يونس: منكر الحديث " ثم نقل عن الدارقطنى أنه قال فى حديثه هذا: "لا يصح؛ تفود به إبراهيم بن أبى الفياض عن سليمان، ومن دون مالك ضعيف .وساقه الخطيب فى "كتاب الرواة عن مالك "من طريق إبراهيم عن سليمان، وقال: لا يثبت عن مالك ." والمحفوظ فى هذا الباب ما جاء فى كتاب عمر رضى الله عنه إلى شريح القاضى: ... "فإن لم يكن فى كتاب الله، ولا فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ فاقض بما قضى به الصالحون ." ... أخرجه النسائى (306 /2)، والدارمى (1/60) وغيرهما بسند صحيح (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۲۸۱۴)

مسألة :(مشورة القاضی للفقهاء عند الإشکال).

قال أبو جعفر :(فإن أشكل عليه :شاور رهطًا من أهل الفقه، ثم نظر إلى أحسن أقاويلهم، وأشبهها بالحق، فقضى به)

وذلک لقول الله تعالی :(وشاورهم فی الأمر).

وقال :(وأمرهم شوری بینهم).

وقال :(فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه).

مسألة :قال أبو جعفر :(وإن رأی خلاف فی رأیهم أحسن وأشبه بالحق :قضی به.

قال أحمد :هذا علی شریطة أن یکون القاضی من أهل الاجتهاد، وعالمًا بطریق القیاس ووجوهه، فیکون کواحد منهم، یجوز له أن یخالف علیهم إذا رأی ذلک.

فأما إن کان غیر عالم بالفقه، وطرق الاجتهاد والقیاس :فغیر جائز له مخالفتهم جمیعًا، بل علیه أن یجتهد حینئذ فی تقلید أوثقهم فی نفسه، وأعلمهم عنده (شرح مختصر الطحاوی، ج۸، ص ۲۴، ۲۵، کتاب أدب القاضی)

ترجمہ: مسئلہ، مشکل پیش آنے کے وقت قاضی کا فقہاء سے مشورہ کرنے کا حکم:

ابوجعفر (طحاوی) نے فرمایا کہ اگر قاضی کو کسی مسئلہ وقضیہ میں مشکل پیش آ جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اہلِ فقہ حضرات کی جماعت سے مشورہ کرے، پھر ان میں سے اس قول میں غور وفکر کرے، جو اس کے نزدیک احسن ہو، اور حق کے زیادہ مشابہ ہو، تو اس کے مطابق فیصلہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وشاورهم فی الأمر ''نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وأمرهم شوری بینهم ''اور اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے کہ ”فبشر عبادالذين يستمعون القول فيتبعون أحسنهٗ“۔ [1]

مسئلہ: اور ابوجعفر طحاوی نے فرمایا کہ اگر قاضی ان اہلِ فقہ حضرات کے اقوال میں باہم اختلاف پائے (جن سے اس نے مشورہ کیا ہے) تو اس قول کے مطابق فیصلہ کرے، جو (اس کے نزدیک) احسن ہو اور حق کے زیادہ قریب ہو۔

احمد نے فرمایا کہ یہ اس شرط پر محمول ہے کہ جب قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہو، اور قیاس کے طریقہ اور اس کی وجوہات کو جانتا ہو، تو قاضی اہلِ اجتہاد کی طرح کا ایک فرد ہوگا، جس کے لیے اپنی رائے کی روشنی میں اہلِ اجتہاد سے اختلاف کرنا جائز ہوگا۔

لیکن اگر وہ قاضی فقہ کا عالم نہ ہو، اور اجتہاد اور قیاس کے طریقوں سے واقف نہ ہو، تو اس کو تمام اہلِ اجتہاد کی مخالفت جائز نہیں ہے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے نزدیک ان میں سے زیادہ ثقہ ومستند اور زیادہ صاحبِ علم کی تقلید کرنے میں اجتہاد کرے (شرح مختصر الطحاوی)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ قاضی کو مشورہ کا حکم مشکل پیش آنے کے وقت ہے، لیکن مشورہ کے بعد وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں، جبکہ وہ اہلِ اجتہاد میں سے ہو، اور اگر اہلِ اجتہاد میں سے نہ ہو، تو اسے مشورہ کے بعد زیادہ ثقہ وافقہ کی تقلید کا حکم ہے، لیکن آگے آتا ہے کہ اس کو اس صورت میں کسی کی بھی تقلید کر لینا جائز ہے، کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید کا جائز ہونا راجح وواضح ہے۔ [2]

---

[1] مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اولاً تو قاضی کو مشورہ کا حکم اس وقت ہے، جب اس کو حکم معلوم کرنا مشکل ہوگیا ہو، دوسرے مشورہ کے بعد بھی وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں، بلکہ اپنی نظر میں احسن اور حق کے زیادہ قریب قول پر عمل کرنے کا حکم ہے، جبکہ اس میں غور وفکر کر کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہو، اسی کو اہلِ اجتہاد سے تعبیر کیا گیا۔

[2] الجمهور على جواز تقليد المفضول مع وجود الفاضل (تيسير التحرير، لأمير بادشاه، ج ۱، ص ۸، المقدمة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال امام ابوبکر جصاص کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ قاضی کو کسی مسئلہ وقضیہ میں مشکل پیش آنے کی صورت میں ہی مشورہ کا حکم ہے، لیکن مشورہ کے بعد بھی وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں، جبکہ وہ اجتہادی شان رکھتا ہو، اور اگر اجتہادی شان کا حامل نہ ہو، تو پھر وہ مجتہد کی رائے کا پابند ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

اور جو صورتیں مجتہد ہونے نہ ہونے اور اشکال پیش آنے نہ آنے کی قاضی کو پیش آ سکتی ہیں، وہی غیر قاضی مثلاً عالم کو بھی پیش آ سکتی ہیں، اس کا حکم بھی قاضی والا ہی ہوگا۔ **کما لا یخفیٰ۔**

اور مذکورہ عبارت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ ہر دور کے قاضی ومفتی کے لیے ہے، آج کے دور کے قاضی ومفتی کے لیے بھی، اور آئندہ کے قاضی ومفتی کے لیے بھی۔

برخلاف ان حضرات کے جو ہر قسم کے اجتہاد کے سد باب کے مدعی ہیں کہ ان کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(مسئلة *يجوز تقليد المفضول) من أهل الاجتهاد (مع وجود الافضل منهم (فى العلم عند الأكثر و) روى (عن) الإمام (أحمد وكثير) ممن بعده (المنع) عنه (بل يجب) على المقلد (النظر فى الارجح) أى فى إن أيهم أرجح فيحصل الأرجح (ثم) يجب (اتباعه لنا أوّلا كما أقول عموم) قوله تعالى (فاسئلوا أهل الذكر) إن كنتم لا تعلمون عام للمفضول والأفضل (و) لنا (ثانيا القطع فى عصر الصاحبة بإفتاء كل صحابى مفضول فكان) هذا (اجماعا) منهم على الجواز وعرف ذلك بالتواتر والتجربة والتكرار(ومن ثمة قال الإمام لو لا اجماع الصحابة لكان مذهب الخصم اولى) فان الاصابة فى الافضل أرجح (واعترض فى التحرير بانه يتوقف) هذا الاستدلال (على كونه) أى الافتاء من المفضول (عند مخالفة الكل) ذلك المفتي وإلا فإنما يستفتيه لكون رأيه بعينه هو رأى الافضل (أقول) لا يتوقف على مخالفة الكل بل) انما (يتوقف على عدم التوقف على الموافقة) وهذا ظاهر جدا فانه قد علم بالتجربة إن المستفتين كانوا يستفتون من المفضول ولا يتوقفون على علم الموافقة أصلا فعلم أنه يجوز عند الصحابة افتاء المفضول مع وجود الفاضل وكذا استفتاؤه (ولو سلم التوقف على المخالفة (فعلى مخالفة الافضل فقط) لا على مخالفة الكل (كإفتاء ابن مسعود فى المفوضة مع مخالفة) أمير المؤمنين (على) كرم الله وجهه وإفتاء زيد بن ثابت وأمير المؤمنين على مع مخالفة سيد الصحابة وأفضلهم أمير المؤمنين أبى بكر الصدى قرضى الله تعالى عنهم (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج٢،ص ٤٣٦، خاتمة: الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه، فصل التقليد:العمل بقول الغير من غير حجة،مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ:1423هـ.2002ء)

مذکورہ حکم اس دور کے قاضی ومفتیان کے لیے تھا، جب اجتہاد مشروع و جاری تھا، ان کی نظر میں مسدود و منسوخ ہو جانے کے بعد کے زمانہ کے لیے نہیں۔

شمسُ الائمۃ سرخسی کا حوالہ

شمس الائمۃ سرخسی نے مذکورہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اگر قاضی کو کسی فیصلہ کا نتیجہ اخذ کرنے میں دشواری پیش آئے، تو وہ اس سلسلہ میں چند اہلِ فقہ سے مشاورت کرلے۔

اور اگر قاضی اہلِ اجتہاد میں سے نہ ہو، تو پھر اس پر فقہاء سے مشورہ کرلینا لازم ہے، کیونکہ قاضی کو فیصلہ کرنے کے لیے حکم کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور وہ خود سے حکم کا ادراک کرنے سے عاجز ہو چکا ہے، اس لیے اس کو چاہئے کہ وہ اس حکم کا علم رکھنے والوں کی طرف رجوع کرے۔

پھر اگر تمام اہلِ فقہ کی رائے، اس (قاضی) کی رائے کے موافق ہو، تو وہ اس پر عمل کرے گا، کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت اجماع کی ہوگی۔

اور اگر اہلِ فقہ کی رائے مختلف ہو، اور قاضی خود اہلِ اجتہاد میں سے ہو، تو اسے اپنے اجتہاد کی روشنی میں زیادہ صواب وحق رائے کی اتباع کرنی چاہئے۔

اور اگر اہلِ اجتہاد میں سے نہ ہو، تو ایسی صورت میں جو اس کے نزدیک زیادہ افقہ اور اورع ہو، اس کے قول کی اتباع کرنی چاہیے۔ [1]

---

[1] فإن أشكل عليه شاور رهطا من أهل الفقه فيه، وكذلك إن لم يكن من أهل الاجتهاد فعليه أن يشاور الفقهاء ؛ لأنه يحتاج إلى معرفة الحكم ليقضى به، وقد عجز عن إدراكه بنفسه فليرجع إلى من يعرف ذلك كما إذا احتاج معرفة قيمة شيء .

فإن اختلفوا فيه نظر إلى أحسن أقاويلهم وأشبهها بالحق فأخذ به كما بينا عند اختلاف الصحابة - رضوان الله عليهم -إلا أن هنا إن رأى خلاف رأيهم فإن استحسن وأشبه الحق قضى بذلك؛ لأن إجماعهم لا ينعقد بدون رأيه وهو واحد منهم، ولأن رأيه أقوى فى حقه من رأى غيره فلو قضى برأيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی میں اگر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، اور اسے کسی واقعہ کا حکم معلوم نہ ہو، تو اسے فقہاء سے مشورہ کرنا واجب ہے، کیونکہ ایسی صورت میں عامی شخص کی طرح پیش آمدہ واقعہ میں اہلِ فقہ سے استفتاء کرنا واجب ہوا کرتا ہے، اور مذکورہ صورت میں مشورہ درحقیقت ایک استفتاء ہے، جس کو مشورہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا، تاکہ خود غور کر کے فیصلہ کا اختیار موجود رہے۔ اور افقہ واورع کے فتوے کی اتباع ایک قول کی رُو سے ہے، جس کے پیشِ نظر مفضول کی تقلید جائز نہیں، جبکہ دوسرے قول کی رُو سے مفضول کی تقلید جائز ہونے کی وجہ سے، افقہ و اورع کے فتوے کی اتباع واجب نہیں، اور دلائل کے لحاظ سے یہی قول راجح ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور اگر قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہو، لیکن اس کو کسی مسئلہ کا نتیجہ اخذ کرنے میں اشکال پیش آئے، تو اس کو مشورہ کر لینا سنت ہے۔

اور اگر قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہو، اور اسے اجتہاد کے بعد کسی مسئلہ کا نتیجہ اخذ کرنے میں اشکال پیش نہ آئے، تو وہ مذکورہ بحث سے خارج ہے۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام نے مجتہد پر اس کے اجتہاد کے لازم ہونے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان قاضيا بما هو الصواب عنده .وإذا قضى برأى غيره كان قاضيا بما عنده أنه خطأ وقضاؤه بما عنده أنه هو الصواب أولى.

وإن لم يكن من أهل اجتهاد الرأى ليختار بعض الأقاويل نظر إلى أفقههم عنده وأورعهم فقضى بفتواه فهذا اجتهاد مثله ولا يعجل بالحكم إذا لم يبن له الأمر حتى يتفكر فيه ويشاور أهل الفقه؛ لأنه مأمور بالقضاء بالحق ولا يستدرك ذلك إلا بالتأمل والمشورة .وقال -صلى الله عليه وسلم - التأني من الله والعجلة من الشيطان والأصل فى الباب حديث الشعبى -رضى الله عنه -قال كانت القضية ترفع إلى عمر -رضى الله عنه -وربما يتأمل فى ذلك شهرا ويستشير أصحابه واليوم يفصل فى المجلس ما به قضية وحديث ابن مسعود -رضى الله عنه -فى المفوضة معروف فإنه ردهم شهرا، ثم قال أقول فيه برأيي فإن يك صوابا فمن الله ورسوله، وإن يك خطأ فمنى ومن الشيطان الحديث فعرفنا أنه ينبغى للقاضى أن يتأنى ويشاور عند اشتباه الأمر(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج١٦،ص٨٤،كتاب أدب القاضى)

آگے آتا ہے۔

مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جب مجتہد کو اپنی رائے میں اشکال نہ ہو، تو اس کو دوسروں سے مشورہ کرنا ضروری نہیں، مشورہ کرنا تب ہی ضروری ہے، جب اس کو اشکال ہو، اور کسی رائے پر شرح صدر نہ ہو، اور شرح صدر نہ ہونے کی صورت میں بھی مشورہ کے بعد وہ دوسروں کی رائے و مشورہ کا پابند نہیں۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

''المحیط البرھانی''میں ہے:

إذا اشتبه إليه شيء يشاورهم وإذا أشكل عليه شيء سألهم (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٨، ص ٢٣، كتاب القضاء ،الفصل السابع)

ترجمہ: جب قاضی پر کوئی بات مشتبہ ہو جائے، تو وہ دوسروں سے مشورہ کرے، اور جب اس کو کوئی مشکل پیش آ جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے (المحیط)

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کو مشورہ کرنے اور دوسرے سے سوال کرنے کا حکم اس وقت ہے، جب اس پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے، یا مشکل پیش آ جائے۔

المحیط البرہانی میں ہی مذکورہ مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مذکور ہے کہ:

اگر قاضی کو کسی قضیہ کے حکم میں اشکال پیش آئے، اور اس کے شہر میں اہلِ فقہ لوگ موجود ہوں، تو ان سے مشورہ کرے، کیونکہ مشورہ کرنا سنت ہے۔ [1]

پھر مشورہ کے بعد اگر مشورہ دینے والے اہلِ فقہ اور خود اس کی رائے کسی چیز پر متفق ہو جائے، اور کسی کی رائے اس مسئلہ میں دوسرے سے مختلف نہ ہو، تو اسی کے

[1] اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کو مشورہ کرنا اسی صورت میں سنت ہے، جبکہ قاضی کو کسی قضیہ و مسئلہ میں اشکال پیش آئے، لیکن مشورہ کا کوئی خاص طریقہ نہیں، اور نہ ہی مشورہ کیے جانے والے افراد کی تعداد متعین ہے۔ محمد رضوان۔

مطابق فیصلہ کرے گا، کیونکہ ایسی صورت میں اس کی حیثیت ایک اجماع کی ہوجائے گی، جو دلائلِ شرعیہ میں سے ہے۔ [1]

اور اگر اس مسئلہ میں مشورہ کیے جانے والے اہلِ فقہ کی طرف سے اختلاف سامنے آئے، اور قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہو، تو اس صورت میں دوسروں کی رائے پر غور وفکر کے بعد اس قول کو اختیار کرے گا، جو اس کے نزدیک اور اس کے اجتہاد کی رُو سے حق کے زیادہ قریب ہو، اور اس میں عمر کے بڑا چھوٹا ہونے کا اعتبار نہیں، اور نہ ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مشورہ دینے والوں کی کثرتِ تعداد کا اعتبار ہے، بعض اوقات ایک کی رائے میں صواب ہوتا ہے، مگر زیادہ لوگوں کی رائے میں صواب نہیں ہوتا۔ [2]

اور اگر مذکورہ صورت میں قاضی کے اجتہاد سے کوئی چیز متعین نہ ہو، اور یہ واقعہ اہلِ فقہ میں اختلافی رہے، اور قاضی کو اس میں اشکال باقی رہے، تو پھر شہر سے باہر اہلِ فقہ سے تحریری طور پر مشورہ کرے، کیونکہ شرعی مسائل میں تحریری طور پر مشورہ کرنا قدیمی سنت ہے۔

پھر اس کے بعد تحریری طور پر مشورہ طلب کیے گئے اہلِ فقہ کی طرف سے اتفاقی رائے آئے، اور قاضی کی رائے بھی غور وفکر کے بعد ان کی رائے کے موافق ہوجائے، جبکہ قاضی اہلِ رائے واجتہاد میں سے ہو، تو پھر اسی کے مطابق فیصلہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جب مشورہ اور رائے دینے والے تمام اہلِ فقہ اور خود مشورہ طلب کرنے والے قاضی کی رائے کسی ایک چیز پر متفق ومجتمع ہو، تو قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا، کیونکہ اس کی رائے دوسروں کے مطابق ہے، اور اختلاف نہیں، یہ ایک طرح سے وقتی اجماع کی صورت ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اگر اہلِ اجتہاد میں سے ہو، خواہ اس خاص مسئلہ میں ہی جزوی مجتہد ہو، تو مشورہ کے بعد اختلافی آراء سامنے آنے کی صورت میں وہ اپنے اجتہاد سے جس رائے کو حق وصواب سمجھے گا، اس کے اختیار کرنے کا مکلّف ہوگا، خواہ وہ رائے بڑی عمر کے افراد یعنی اکابر کے مقابلہ میں چھوٹی عمر کے افراد یعنی اصاغر یا صغیر کی ہو، اور خواہ اس رائے کے حاملین تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ محمد رضوان۔

کرے گا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ ۱؎

اور اگر اختلاف سامنے آئے، تو پھر قاضی ان اقوال میں غور وفکر کر کے، اس طور پر فیصلہ کرے گا، جو اس کو حق کے زیادہ قریب معلوم ہوگا۔ ۲؎

اور اگر مذکورہ صورت میں قاضی اہلِ اجتہاد واہلِ رائے میں سے نہ ہو، اور اہلِ فقہ کے درمیان اختلاف قائم ہو، تو ایسی صورت میں قاضی اس کے قول کو اختیار کرے گا، جو اس کے نزدیک زیادہ افقہ واورَع ہو۔ ۳؎

اور اگر قاضی نے اہلِ فقہ سے مشورہ کیا، اور مشورہ کیے جانے والے تمام اہلِ فقہ کی رائے قاضی کی رائے کے خلاف ہوئی، اور قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہے، تو قاضی کو اپنی رائے کو ترک کر کے، دوسروں کی رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ دوسرے اس کے نزدیک خطاء پر ہیں، اور خطاء میں اتباع نہیں کی جاتی۔ ۴؎

اور جب قاضی کو کسی مسئلہ میں اشکال پیش آئے، تو ایک شخص سے مشورہ کر لینا بھی کافی ہے، لیکن چند اہلِ فقہ سے مشورہ کر لینا زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، پھر اگر

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے شہر کے اہلِ فقہ سے مشورہ کرنے کے بعد خود کو شرح صدر نہ ہو، اور اشکال باقی رہے، اور اپنے شہر کے حضرات میں، اپنے علمی ماحول یا علمی مرکز کے افراد بھی داخل ہیں، بلکہ اپنے تلامذہ بھی داخل ہیں، جبکہ وہ اہلِ فقہ ہوں، جیسا کہ چھوٹی عمر کا ذکر صراحتاً پیچھے گزرا، تو پھر شہر سے باہر کے اہلِ فقہ سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہوگی، جن سے تحریری طور پر مشورہ طلب کیا جائے گا، اور موجودہ دور کے ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلی فون، ای میل، نیٹ وغیرہ کو بھی واسطہ بنایا جاسکتا ہے، پھر اگر دوسرے اہلِ فقہ اور خود قاضی کی رائے متفق ہو، تو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ محمد رضوان۔

۲؎ اس صورت میں بھی قاضی کو اپنے اجتہاد کی رُو سے حق وصواب کے زیادہ قریب رائے کا مکلّف قرار دیا گیا ہے، دوسرے کی رائے کا پابند نہیں کیا گیا، خواہ دوسرا افقہ واورع کیوں نہ ہو۔ محمد رضوان۔

۳؎ یہ صورت قاضی کے غیر مجتہد ہونے کی ہے، اور افقہ واورع کے قول کو اختیار کرنا ایک قول پر مبنی ہے، جیسا کہ گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔ محمد رضوان۔

۴؎ اس سے واضح اور صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر دوسرے تمام اہلِ فقہ کی رائے قاضی کی اپنی رائے کے خلاف ہو، اور قاضی خود اہلِ اجتہاد میں سے ہو، تو وہ دوسروں کی رائے کا ہرگز پابند نہیں، خواہ وہ تعداد میں کتنے زیادہ ہوں، بلکہ اپنی رائے کا پابند ہے۔ محمد رضوان۔

دوسرے کی رائے قاضی کی رائے کے خلاف ہو، تو قاضی کو اپنی رائے کا ترک کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ شخص جس سے قاضی نے مشورہ کیا، وہ قاضی سے زیادہ افضل و افقہ ہو، جس کی وجہ پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ [1]

---

[1] وإذا كان في البلد قوم من أهل الفقه شاورهم في ذلك؛ لأن القاضي لا يكون أفطن في نفسه من رسول الله عليه السلام، ورسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بالمشاورة، قال الله تعالى: (وشاورهم)وقال عليه السلام :من العزم أن تستشير ذا رأى ثم تطيعه ، وقال عليه السلام : المستشير يصيب أو قال :كاد أن يصيب .وشاور رسول الله صلى الله عليه وسلم أبا بكر، وعمر رضى الله عنهما في شيء ، فسكتا مهابة منه فقال عليه السلام :قولا فإني فيما لم يوح إلي مثلكما .
ولأن بالمشاورة تجتمع الآراء ، وظهور الحق عند اجتماع الآراء أبين، ولهذا قيل :في المشاورة تلقيح العقول، فإذا شاورهم، واتفق رأيه ورأيهم على شيء ، حكم به؛ لأنه لما اتفق رأيه ورأيهم صار ذلك كالإجماع، والإجماع من جملة الحجج.

وإن وقع الاختلاف بين هؤلاء الذين شاورهم، نظر إلى أقرب الأقاويل عنده من الحق، وأمضى على ذلك باجتهاده، إذا كان من أهل الاجتهاد، ولا يعتبر في ذلك كبر السن، ألا ترى أن عمر رضى الله عنه كان شاور ابن عباس رضى الله عنهما، وكان يقول له :غص يا غواص ، وكان يأخذ بقوله وعمر كان أكبر سنا منه.

وكذلك لا يعتبر كثرة العدد، فالواحد قد يوفق للصواب ما لا يوفق الجماعة، ولأجل ذلك قبلنا شهادة الواحد على رؤية الهلال، إذا كانت السماء متغيمة، وينبغي أن يكون ههنا قول أبي حنيفة رحمه الله، أما على قول محمد رحمه الله يعتبر كثرة العدد على ما مر قبل هذا.

وإن لم يقع اجتهاده على شيء ، وبقيت الحادثة مختلفة ومشكلة عليه، كتب إلى فقهاء غير المصر الذي هو فيه، فالمشاورة بالكتاب سنة قديمة في الحوادث الشرعية.

وروى عن ابن مسعود وأبي موسى الأشعري رضى الله عنهما أنهما كانا يكتبان إلى عمر رضى الله عنه يستشيرانه، وعمر كان يكتب إلى ابن مسعود رضى الله عنه يستشيره، وكان ابن سماعة يكتب إلى محمد رحمه الله، وهذا لأن المشورة من الغائب بالكتاب بمنزلة المشورة من الحاضر بالخطاب.

فإن اتفق الذين كتب إليهم القاضي على شيء ورأى القاضي يوافق رأيهم، وهو من أهل الرأى والاجتهاد، مضى ذلك برأيه.

وإن اختلفوا أيضا فيما بينهم نظر إلى أقرب الأقوال عنده من الحق، إذا كان من أهل الاجتهاد.

وإن لم يكن القاضي من أهل الاجتهاد في هذه الصورة، وقد وقع الاختلاف بين أهل الفقه، أخذ بقول من هو أفقه وأورع عنده كذا هنا، لأنه بمنزلة العامي والعامي إذا استفتى في حادثة، وقد وقع الاختلاف فيما بين الفقهاء ، أخذ بقول من هو أفقه عنده، كذا هنا.

وإن كان القاضي شاور قوما من أهل الفقه، فاتفقوا على شيء ، ورأى القاضي بخلاف رأيهم، لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت کی آخری شق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب قاضی اوراس پر قیاس کرتے ہوئے فقیہ عالم کوکسی مسئلہ میں اشکال پیش آئے، تواسے اہلِ فقہ میں سے صرف ایک شخص سے مشورہ کرلینا کافی ہے، خواہ وہ ایک اس کے پاس ہو یا دور ہو، اوراس سے چھوٹا ہو یا بڑا، اوراس سے فقہ وغیرہ میں افضل ہو یا مفضول، لیکن ایک سے زیادہ افراد سے مشورہ کرلینا زیادہ بہتر ہے، ضروری نہیں۔

پھر اگر دوسرے کی رائے سے اس کو اتفاق نہ ہو، تو یہ اپنی رائے کا مکلّف ہے، اوراسے اپنی رائے ترک کرکے دوسرے کی رائے اختیار کرنا جائز نہیں، خواہ دوسرا اس سے افضل وافقہ کیوں نہ ہو۔

بندہ کے خیال میں اگر موجودہ علماء مذکورہ عبارت پر غور فرمالیں، اوراس کو خالی الذہن ہوکر یکسوئی سے ملاحظہ کرلیں، تو بہت سے اشکالات دور ہوسکتے ہیں، اوردوسرے کی تحقیق واجتہاد پر زبانِ طعن دراز کرنے سے نجات حاصل ہوسکتی ہے، اورکئی موجودہ روایتی اقوال کی اصلاح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ينبغي للقاضي أن يترک رأی نفسه، ويقضي برأيهم، لأن عنده أن هؤلاء على الخطأ، ولا متابعة في الخطأ.

فإن قيل :إذا كان لا يأخذ برأيهم فأی فائدة في المشورة.

قلنا :احتمال انضمام رأی غيره إلى رأيه فيقوى بذلک رأيه إلى هذا أشار عبيدة السلماني حين قال علي :اتفق رأی ورأی عمر في أمهات الأولاد، أن لا يبعن، ثم رأيت بعد ذلک أن يبعن فقال عمر رضي الله عنه :رأيک مع رأی عمر خير من رأيک وحده .أشار إلى أن عند اجتماع الرأيين يحدث زيادة قوة.

وإن شاور القاضي رجلا واحدا كفى، ولكن مشاورة الفقهاء أحوط، فإن شاور ذلک الرجل إلى شيء ، ورأى القاضي بخلاف رأيه، فالقاضي لا يترک رأی نفسه، لما قلنا، فإن اهتم القاضي رأيه لما إن ذلک الرجل أفضل وافقه عنده، لم يذكر هذه المسألة ههنا.

وذكر في كتاب الحدود وقال: لو قضى برأی ذلک الرجل أرجو أن يكون في سعة من ذلک وإن لم يتهم القاضي رأيه، لا ينبغي له أن يترک رأی نفسه، وقضى برأی غيره لما قلنا، ولو ترک رأی نفسه وقضى برأی غيره، هل ينفذ قضاؤه؟ سيأتي الكلام فيه بعد هذا إن شاء الله تعالى (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٨،ص ١٢، ١٣،كتاب القضاء ، الفصل الثالث :في ترتيب الدلائل للعمل بها)

کا سامان ہو سکتا ہے۔

’’الفتاویٰ الھندیة‘‘ کا حوالہ

’’الفتاویٰ الھندیة‘‘ میں بھی ’’المحیط‘‘ کے حوالہ سے یہی تفصیل مذکور ہے۔ [1]

’’بدائعُ الصنائع‘‘ کا حوالہ

’’بدائع الصنائع‘‘ میں ہے:

وأما فيما لا نص فيه يخالفه، ولا إجماع النقول، لا يخلو (إما) أن كان القاضي من أهل الاجتهاد.(وإما)أن لم يكن من أهل الاجتهاد.

---

[1] وإذا كان فى البلد قوم من أهل الفقه شاورهم فى ذلك فإذا شاورهم واتفق رأيه ورأيهم على شىء حكم به، وإن وقع الاختلاف بين هؤلاء الذين شاورهم نظر إلى أقرب الأقاويل عنده من الحق، ومضى على ذلك باجتهاده إذا كان من أهل الاجتهاد، ولا يعتبر فى ذلك كبر السن، وكذلك لا يعتبر كثرة العدد فالواحد قد يوفق للصواب ما لا توفق له الجماعة وينبغى أن يقول :هذا قول أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -أما على قول محمد -رحمه الله تعالى -فتعتبر كثرة العدد.

وإن لم يقع اجتهاد على شىء وبقيت الحادثة مختلفة ومشكلة عليه كتب إلى فقهاء غير المصر الذى هو فيه، والمشاورة بالكتاب سنة قديمة فى الحوادث الشرعية .

فإن اتفق الذين كتب إليهم القاضى على شىء -ورأى القاضى يوافق رأيهم -، وهو من أهل الرأى، والاجتهاد أمضى ذلك برأيه.

وإن اختلفوا أيضا فيما بينهم نظر إلى أقرب الأقوال عنده من الحق إذا كان من أهل الاجتهاد.

وإن لم يكن القاضى من أهل الاجتهاد فى هذه الصورة، وقد وقع الاختلاف بين أهل الفقه أخذ بقول من هو أفقه وأورع عنده.

وإن كان القاضى شاور قوما من أهل الفقه فاتفقوا على شىء ، ورأى القاضى بخلاف رأيهم لا ينبغى للقاضى أن يترك رأى نفسه ويقضى برأيهم.

وإن شاور القاضى رجلا واحدا كفى، ولكن مشاورة الفقهاء أحوط.

وإن أشار ذلك الرجل إلى شىء ورأى القاضى بخلاف رأيه فالقاضى لا يترك رأى نفسه فإن اهتم القاضى برأيه لما أن ذلك الرجل أفضل وأفقه عنده لم يذكر هذه المسألة هنا، وذكر فى كتاب الحدود وقال :لو قضى برأى ذلك الرجل أرجو أن يكون فى سعة من ذلك، وإن لم يهتم القاضى برأيه لا ينبغى له أن يترك رأى نفسه ويقضى برأى غيره كذا فى المحيط(الفتاوى الهندية، ج٣،ص٣١٤،كتاب أدب القاضى ،الباب الثالث فى ترتيب الدلائل للعمل بها)

فإن كان من أهل الاجتهاد، وأفضى رأيه إلى شيء يجب عليه العمل به.

وإن خالف رأى غيره ممن هو من أهل الاجتهاد والرأى، ولا يجوز له أن يتبع رأى غيره؛ لأن ما أدى إليه اجتهاده هو الحق عند الله -عز وجل -ظاهرا، فكان غيره باطلا ظاهرا،؛ لأن الحق فى المجتهدات واحد، والمجتهد يخطء ويصيب -عند أهل السنة والجماعة -فى العقليات والشرعيات جميعا.

ولو أفضى رأيه إلى شيء .وهناك مجتهد آخر -أفقه منه -له رأى آخر، فأراد أن يعمل برأيه، من غير النظر فيه، وترجح رأيه بكونه أفقه منه، هل يسعه ذلك؟ ذكر فى كتاب الحدود، أن عند أبى حنيفة يسعه ذلك، وعندهما لا يسعه إلا أن يعمل برأى نفسه، وذكر فى بعض الروايات هذا الاختلاف على العكس، فقال :على قول أبى حنيفة :لا يسعه، وعلى قولهما :يسعه، وهذا يرجع إلى أن كون أحد المجتهدين أفقه، من غير النظر فى رأيه، هل يصلح مرجحا؟ من قال :يصلح مرجحا، قال :يسعه، ومن قال لا يصلح، قال :لايسعه.

(وجه) قول من لا يرى الترجيح بكونه أفقه، أن الترجيح يكون بالدليل، وكونه أفقه ليس من جنس الدليل، فلا يقع به الترجيح، وهذا لا يصلح دليل الحكم بنفسه.

(وجه) قول من يرى به الترجيح، أن هذا من جنس الدليل؛ لأن كونه أفقه، يدل على أن اجتهاده إقرار إلى الصواب، فكان من

جنس الدليل فيصلح للترجيح، إن لم يصلح دليل الحكم بنفسه، وأبدا يكون الترجيح بما لا يصلح دليل الحكم بنفسه.......

وإن أشكل عليه حكم الحادثة استعمل رأيه فی ذلک وعمل به، والأفضل أن يشاور أهل الفقه فی ذلک، فإن اختلفوا فی حكم الحادثة -نظر فی ذلک، فأخذ بما يؤدی إلى الحق ظاهرا، وإن اتفقوا على رأی يخالف رأيه -عمل برأی نفسه أيضا؛ لأن المجتهد مأمور بالعمل بما يؤدی إليه اجتهاده، فحرم عليه تقليد غيره، لكن لا ينبغی أن يعجل بالقضاء ، ما لم يقض حق التأمل والاجتهاد، وينكشف له وجه الحق، فإذا ظهر له الحق باجتهاده، قضى بما يؤدی إليه اجتهاده، ولا يكونن خائفا فی اجتهاده، بعد ما بذل مجهوده لإصابة الحق، فلا يقولن :إنی أری، وإنی أخاف؛ لأن الخوف والشک والظن، يمنع من إصابة الحق، ويمنع من الاجتهاد، فينبغی أن يكون جريئا جسورا على الاجتهاد، بعد أن لم يقصر فی طلب الحق (بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۷، ص۴، ۵، كتاب آداب القاضی، فصل فی بيان شرائط جواز القضاء)

ترجمہ: اور جس مسئلہ میں کوئی نص اس مسئلہ وقضیہ کی مخالفت میں نہیں پائی جاتی، اور نہ ہی اس میں اجماع منقول ہے، تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہوگا، یا اہلِ اجتہاد میں سے نہیں ہوگا۔ [1]

---

[1] مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسئلہ کی قرآن وسنت کی نصوص میں صراحت ہے یا اس پر اجماع ہے، تو اسی کے مطابق عمل ہوگا، ورنہ تو پھر دو صورتیں ہوں گی یا وہ قاضی ومبتلیٰ بہ شخص اہلِ اجتہاد میں سے ہوگا، خواہ اس جزئی مسئلہ میں ہی مجتہد کیوں نہ ہو، یا پھر اہلِ اجتہاد میں سے نہیں ہوگا، اور یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر زمانہ کو شامل ہے، موجودہ زمانہ کو بھی شامل ہے، اور آئندہ زمانہ کو بھی شامل ہے، اور کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ محمد رضوان۔

پس اگر قاضی اہلِ اجتہاد میں سے ہو، اور اس کی رائے کسی چیز کی طرف پہنچ جاوے، تو اس کو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا، اگرچہ اس کے علاوہ دوسرے اہلِ اجتہاد و اہلِ رائے کی رائے اس کے خلاف کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں اس کو دوسرے کی رائے کی اتباع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ جس چیز کی طرف اسے اس کے اجتہاد نے پہنچایا، وہ بظاہر عنداللہ حق ہے، اور اس کے علاوہ بظاہر باطل ہے۔

کیونکہ اجتہادی امور میں حق ایک ہوتا ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عقلیات اور شرعیات میں، مجتہد مخطی اور مصیب دونوں ہوتا ہے۔ [1]

اور اگر اس کی رائے کسی چیز کی طرف پہنچ جائے، لیکن وہاں پر دوسرا مجتہد اس سے افقہ ہو، اور اس کی رائے اس کے خلاف ہو، پھر یہ غور وفکر کیے بغیر اس کی رائے پر عمل کرنا چاہے، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

تو کتاب الحدود میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ ان کے نزدیک اپنی رائے پر عمل کرنا ہی ضروری ہے، اور بعض روایات میں یہ اختلاف اس کے برعکس مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

اور دراصل یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ کیا مجتہدین میں سے کسی ایک کا افقہ ہونا، جبکہ اس کی رائے میں نظر نہ کی جائے، کیا ترجیح کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، جس نے کہا کہ ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے نزدیک جائز ہے، اور جس نے کہا کہ ترجیح کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کے نزدیک جائز نہیں۔

---

[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلِ اجتہاد میں سے ہونے کی صورت میں، جو اس کی اپنی رائے ہو، اس کی اتباع واجب ہے، اور دوسرے اہلِ اجتہاد کی رائے اس کے خلاف ہو، تو دوسروں کی رائے کی اتباع جائز نہیں، کیونکہ اس کے نزدیک دوسرے کی رائے خطاء پر ہے، پس آج کے دور میں بعض علماء کا اپنی رائے ترک کر کے دوسرے حضرات کی رائے یا اپنے مشورہ کا پابند قرار دلوانے پر اصرار سراسر ناجائز ہے۔ محمد رضوان۔

جو شخص افقہ کے ترجیح بننے کی صلاحیت رکھنے کا قائل نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ ترجیح دلیل کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، اور افقہ ہونا، دلیل کی جنس سے تعلق نہیں رکھتا، لہٰذا اس کے ذریعہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی، اس لیے افقہ ہونا بذاتِ خود حکم کی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور جو شخص افقہ کے ترجیح بننے کی صلاحیت رکھنے کا قائل ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ افقہ ہونا دلیل کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ اس کا افقہ ہونا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا اجتہاد صواب کی طرف زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا یہ دلیل کی جنس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے، اگرچہ بذاتِ خود حکم کی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور ہمیشہ ترجیح اسی چیز کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے، جو بذاتِ خود حکم کی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا......۔

کیونکہ مجتہد کو اس پر عمل کرنے کا حکم ہے، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچائے، اور اس پر دوسرے کی تقلید حرام ہے، لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ فیصلہ کرنے میں جلد بازی کرے، جب تک کہ غور وفکر اور اجتہاد کا حق ادا نہ کرلے، اور اس کے لیے حق کی صورت منکشف نہ ہوجائے، اس وقت تک فیصلہ نہ کرے، پس جب اپنے اجتہاد سے حق ظاہر ہوجائے، تو اس کا فیصلہ کرے، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچ جائے، اور اپنے اجتہاد میں خوف زدہ ہرگز نہ ہو، جب کہ وہ اپنی کوشش کو حق تلاش کرنے کے لیے خرچ کرچکا ہو، تو یہ ہرگز نہ کہے کہ میری رائے یہ ہے، اور مجھے خوف ہے، کیونکہ خوف اور شک اور ظن حق تک پہنچنے کے لیے مانع ہے، اور اجتہاد کے لیے بھی مانع ہے، پس ضروری ہے کہ وہ اجتہاد پر باہمت اور حوصلہ مند ہو، بعد اس کے کہ حق کے طلب کرنے میں کوتاہی نہ کی ہو (بدائع الصنائع)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جب خود کوئی شخص اہلِ اجتہاد میں سے خواہ کلی اور مطلق مجتہد ہو یا خاص اس مبحوث فیہ مسئلہ میں مجتہد ہو، اور اس سے افقہ وافضل کی رائے اس کے برخلاف ہو،

اورغور وفکر کرنے سے اس کی کوئی رائے قائم ہوجائے، تو اسی پر عمل کا حکم ہوگا، اور اگر غور وفکر کیے بغیر اس کی کوئی رائے قائم ہوجائے، لیکن اس سے افقہ وافضل شخص کی رائے اس کے برخلاف ہو، تو اس کو اپنی رائے پر عمل کرنے نہ کرنے کے دونوں قول ہیں۔

اور آگے آتا ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہونے نہ ہونے کے متعلق دونوں قول ہیں، اور متعدد حضرات کے نزدیک بظاہر راجح قول جائز ہونے کا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے افقہ ہونے کو ترجیح کا سبب نہیں سمجھا۔

ممکن ہے کہ یہ دونوں اقوال مندرجہ بالا دلیل واختلاف پر ہی مبنی ہوں۔

’’الدرُّ المختار‘‘ اور ’’ردُّالمحتار‘‘ کا حوالہ

’’الدرُّ المختار‘‘ اور ’’ردُّالمحتار‘‘ میں بھی مذکورہ مسئلہ کے بارے میں اجمالاً یہی حکم مذکور ہے۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے ردالمحتار میں ایک شق کے متعلق یہ تفصیل بھی بیان فرمائی ہے کہ:

> اگر قاضی نے کسی ایسے شخص سے مشورہ کیا، جو اس سے زیادہ افقہ وافضل ہے، اور اس کی رائے قاضی کے خلاف ہے، اور قاضی اپنی رائے کو اس کے مقابلہ میں زیادہ اہم نہیں سمجھتا، تو ایسی صورت میں قاضی کو اپنی رائے ترک کرکے، اس کی رائے کی طرف عدول کرنا جائز ہے، اور اگر وہ اپنی رائے کو زیادہ اہم سمجھتا ہو، تو پھر اپنی رائے ترک کرکے، اس دوسرے کی رائے کی طرف عدول کرنا جائز نہیں، کیونکہ مجتہد کو دوسرے کی تقلید کرنا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی یا عالم نے اپنے سے زیادہ افقہ وافضل سے مشورہ کیا، یا فتویٰ طلب کیا، لیکن وہ فقہی لحاظ سے اپنی رائے اہم سمجھتا ہے، بوجہ اس کے کہ وہ بھی مجتہد ہے، خواہ اس مسئلہ میں وہ جزئی مجتہد ہی ہو، تو اسے اپنی رائے ترک کرکے، افقہ وافضل کی رائے کی طرف عدول کرنا جائز نہیں۔

اور اگر اپنی رائے کو اہم نہیں سمجھتا، تو پھر افضل وافقہ کی رائے کی طرف عدول کرنا جائز ہے۔ محمد رضوان۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے یہ بھی فرمایا کہ اگر قاضی مجتہد نہ ہو، اور اس کے سامنے فقہاء کی آراء مختلف ہوں، تو علامہ ابنِ ہمام کی تصریح کے مطابق جس کے افقہ واورع ہونے کی طرف دل مائل ہو، اس کے قول کو اختیار کرنا واجب نہیں، کیونکہ غیر مجتہد کے قلب کا میلان اور عدمِ میلان برابر ہے، اس پر تو مطلقاً کسی بھی مجتہد کی تقلید واجب ہے، لہٰذا جب وہ دل کے میلان کے بغیر بھی کسی مجتہد کی تقلید کرلے گا، تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائے گا، خواہ وہ مجتہد مصیب ہو یا مخطی ہو۔ [1]

---

[1] (وإذا اختلف مفتيان) في جواب حادثة (أخذ بقول أفقههما بعد أن يكون أورعهما) سراجية وفي الملتقط وإذا أشكل عليه أمر ولا رأى له فيه شاور العلماء ونظر أحسن أقاويلهم وقضى بما رآه صوابا لا بغيره إلا أن يكون غيره أقوى في الفقه ووجوه الاجتهاد فيجوز ترك رأيه برأيه ثم قال وإن لم يكن مجتهدا فعليه تقليدهم واتباع رأيهم فإذا قضى بخلافه لا ينفذ حكمه(الدر المختار)

(قوله :وإذا أشكل إلخ) قال في الهندية وإن لم يقع اجتهاد على شيء ، وبقيت الحادثة مختلفة ومشكلة كتب إلى فقهاء غير مصره فالمشاورة بالكتاب سنة قديمة في الحوادث الشرعية، فإن اتفق رأيهم على شيء ورأيه يوافقهم وهو من أهل الرأي والاجتهاد أمضى ذلك برأيه، وإن اختلفوا نظر إلى أقرب الأقوال عنده من الحق إن كان من أهل الاجتهاد وإلا أخذ بقول من هو أفقه وأورع عنده اهـ ط.

(قوله :وقضى بما رآه صوابا) أي بما حدث له من الرأي والاجتهاد بعد مشاورتهم، فلا ينافي قوله ولا رأي له فيه تأمل.

(قوله :إلا أن يكون غيره) أي إلا أن يكون الشخص الذي أفتاه أقوى منه، فيجوز له أن يعدل عن رأي نفسه إلى رأي ذلك المفتي لكن هذا إذا اتهم رأي نفسه .

ففي الهندية عن المحيط وإن شاور القاضي رجلا واحدا كفى، فإن رأى بخلاف رأيه وذلك الرجل أفضل وأفقه عنده لم يذكر هذه المسألة هنا وقال في كتاب الحدود لو قضى برأي ذلك الرجل أن يكون في سعة وإن لم يتهم القاضي رأيه لا ينبغي أن يترك رأي نفسه ويقضي برأي غيره اهـ، أي لأن المجتهد لا يقلد غيره.

(قوله :واتباع رأيهم) أي إن اتفقوا على شيء وإلا أخذ بقول الأفقه والأورع عنده كما مر.

قال في الفتح :وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه قلبه جاز؛ لأن ذلك الميل وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل أصاب ذلك المجتهد أو أخطأ اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج،۵،ص ۳٦۲، كتاب القضاء)

''ردالمحتار'' میں دوسرے مقام پر اور اسی طرح ''البحر الرائق'' میں بھی غیر مجتہد کے دل کے میلان وعدمِ میلان کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔

اور افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید کا جواز بیان کیا گیا ہے، اور اس کو حنفیہ، مالکیہ اور اکثر حنابلہ وشافعیہ کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ مذہبِ معین کا التزام کرنے سے اس کے لازم ہونے نہ ہونے میں اصحّ قول لازم نہ ہونے کا ہے، اور عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا کہ اپنے مذہب کے صواب اور محتمل الخطاء ہونے کے عقیدہ رکھنے کا وجوب دراصل مفضول کی تقلید کے عدمِ جواز اور مذہبِ معین کا التزام واجب ہونے کے قول پر مبنی ہے، اور یہ عامی شخص میں متحقق نہیں ہوتا، البتہ مجتہد کے حق میں متحقق ہوتا ہے کہ مجتہد اپنی رائے کو اجتہادی صواب سمجھ کر اختیار کرتا ہے، اس لیے اس کو اس عقیدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] مطلب يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل.

ثم اعلم أنه ذكر في التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية .وفي رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز .ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا .كأبي حنيفة والشافعي، فقيل يلزمه، وقيل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامي لا مذهب له.

إذا علمت ذلك ظهر لك أن ما ذكر عن النسفي من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبني على أنه لا يجوز تقليد المفضول وأنه يلزمه التزام مذهبه وأن ذلك لا يتأتى في العامي.

وقد رأيت في آخر فتاوى ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلك فإنه سئل عن عبارة النسفي المذكورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعية كذلك، ثم قال إن ذلك مبني على الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره.

والأصح أنه يتخير في تقليد أي شاء ولو مفضولا وإن اعتقده كذلك، وحينئذ فلا يمكن أن يقطع أو يظن أنه على الصواب، بل على المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال في شرح الهداية :إن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولى، وعلى هذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما .وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص۴۸و ۴۹، تحت المقدمة،مطلب يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ

’’البحرُ الرائق‘‘ میں ہے کہ:

اصولیین کی رائے اس بات پر قائم ہو چکی ہے کہ مفتی مجتہد ہی ہوتا ہے، اور جو شخص مجتہد نہ ہو، مگر وہ مجتہد کے اقوال کو یاد کر لے، تو وہ درحقیقت مفتی نہیں، بلکہ جب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله يكتب جواب أبي حنيفة) هذا بناء على ما قالوا إنه يجب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ ومذهب غيره بخلاف ذلك، وهذا مبنى على أنه لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، والحق جوازه، وهذا الاعتقاد إنما هو فى حق المجتهد لا فى حق التابع المقلد، فإن المقلد ينجو بتقليد واحد منهم فى الفروع ولا يجب عليه الترجيح اهـ .ط ومثله فى خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد، والتلفيق للأستاذ عبد الغنى النابلسى قدس الله سره(رد المحتار على الدر المختار، ج،٦،ص ٤٢١،كتاب الحظر والإباحة،فصل فى البيع)

(قوله :وجب أن يقول إلخ) هذا مبنى على قول بعض الأصوليين لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الفاضل، وبنى على ذلك وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ، وأن مذهب غيره خطأ يحتمل الصواب؛ فإذا سئل عن حكم لا يجيب إلا بما هو صواب عنده، فلا يجوز أن يجيب بمذهب الغير وقدمنا فى ديباجة الكتاب تمام الكلام على ذلك(رد المحتار على الدر المختار، ج،٣،ص ٥٠٨،كتاب الطلاق،باب العدة)

فلو كان حافظا للأقاويل المختلفة للمجتهدين ولا يعرف الحجة ولا قدرة له على الاجتهاد للترجيح لا يقطع بقول منها يفتى به بل يحكيها للمستفتى فيختار المستفتى ما يقع فى قلبه أنه الأصوب.

ذكره فى بعض الجوامع، وعندى لا يجب عليه حكاية كلها بل يكفيه أن يحكى قولا منها فإن المقلد له أن يقلد أى مجتهد شاء ، فإذا ذكر أحدها فقلده حصل المقصود نعم لا يقطع عليه فيقول جواب مسألتك كذا، بل يقول قال أبو حنيفة حكم هذا كذا نعم لو حكى الكل فالأخذ بما يقع فى قلبه أنه أصوب أولى، وإلا فالعامى لا عبرة بما يقع فى قلبه من صواب الحكم وخطئه، وعلى هذا إذا استفتى فقيهين أعنى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى بأن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما، وعندى أنه لو أخذ بقول الذى لا يميل إليه قلبه جاز؛ لأن ذلك الميل وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد، وقد فعل أصاب ذلك المجتهد أو أخطأ (البحر الرائق، ج٦، ص ٢٨٩، كتاب القضاء)

مسألة :للعامى أن يقلد فى الفروع أى المجتهدين شاء ، ولا يلزمه أن يجتهد فى أعيان المجتهدين فى قول القاضى وأبى الخطاب وجماعة من الفقهاء وذكر القاضى وأبو الخطاب أنه ظاهر كلام أحمد كما ذكر القاضى أن العامى يتخير بين المفتين ولا يلزمه الاجتهاد (المستدرك على مجموع فتاوى شيخ الإسلام،لا بن تيمية، ج٢،ص ٢٥٥،الاجتهاد والتقليد،هل يخير المقلد فى المجتهدين؟)

اس سے سوال کیا جائے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کا قول حکایت کے طور پر ذکر کرے، مثلاً یہ کہ امام ابوحنیفہ کا قول یا امام ابوحنیفہ کا فرمانا یہ ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کسی شخص کو مجتہدین کے مختلف اقوال یاد ہوں، اور اسے ترجیح کے لیے اجتہاد کی قدرت نہ ہو، تو وہ ان میں سے کسی قول پر یقین ظاہر نہ کرے، بلکہ وہ ان اقوال کو مستفتی کے لیے نقل کردے، جس کے بعد مستفتی کو ان میں سے کسی قول کے لینے کا اختیار ہوگا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے ذمہ تمام اقوال کا نقل کرنا واجب نہیں، بلکہ ان میں سے ایک قول کو نقل کردینا بھی کافی ہے، کیونکہ مقلد کے لیے جائز ہے کہ جس مجتہد کی وہ چاہے تقلید کرے۔ [1]

---

[1] قوله (والمفتي ينبغي أن يكون هكذا) أى موثوقا به فى دينه وعفافه إلى آخره، وأن يكون مجتهدا قال فى الفتح القدير واعلم أن ما ذكر فى القاضى ذكر فى المفتى فلا يفتى إلا المجتهد، وقد استقر رأى الأصوليين على أن المفتى هو المجتهد فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس مفتيا، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد كأبى حنيفة على جهة الحكاية فعرف أن ما يكون فى زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتى ليأخذ به المستفتى، وطريق نقله لذلك عن المجتهد أحد أمرين إما أن يكون له سند فيه، أو يأخذه من كتاب معروف تداولته الأيدى نحو كتب محمد بن الحسن ونحوها من التصانيف المشهورة للمجتهدين؛ لأنه بمنزلة الخبر المتواتر أو المشهور هكذا ذكر الرازى فعلى هذا لو وجد بعض نسخ النوادر فى زماننا لا يحل عزو ما فيها إلى محمد ولا إلى أبى يوسف؛ لأنها لم تشتهر فى عصرنا فى ديارنا، ولم تتداول نعم إذا وجد النقل عن النوادر مثلا فى كتاب مشهور معروف كالهداية والمبسوط كان ذلك تعويلا على ذلك الكتاب، فلو كان حافظا للأقاويل المختلفة للمجتهدين ولا يعرف الحجة ولا قدرة له على الاجتهاد للترجيح لا يقطع بقول منها يفتى به بل يحكيها للمستفتى فيختار المستفتى ما يقع فى قلبه أنه الأصوب.

ذكره فى بعض الجوامع، وعندى لا يجب عليه حكاية كلها بل يكفيه أن يحكى قولا منها فإن المقلد له أن يقلد أى مجتهد شاء ، فإذا ذكر أحدها فقلده حصل المقصود نعم لا يقطع عليه فيقول جواب مسألتك كذا، بل يقول قال أبو حنيفة حكم هذا كذا نعم لو حكى الكل فالأخذ بما يقع فى قلبه أنه أصوب أولى، وإلا فالعامى لا عبرة بما يقع فى قلبه من صواب الحكم وخطئه، وعلى هذا إذا استفتى فقيهين أعنى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى بأن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما، وعندى أنه لو أخذ بقول الذى لا يميل إليه قلبه جاز؛ لأن ذلك الميل وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد، وقد فعل أصاب ذلك المجتهد أو أخطأ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٦، ص ٢٨٩، كتاب القضاء)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مفتی کے لیے اصلاً مجتہد ہونا ہے، لیکن آج اگر کسی مفتی میں اجتہادی صلاحیت ہو، اور وہ اپنی اجتہاد کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے رائے قائم کرے، تو اس کو مفتی سمجھنے میں تأمل کا اظہار کیا جاتا ہے، اور جو ناقلِ محض ہو، اس کو اصل مفتی سمجھا جاتا ہے، جو کہ عکسِ نقیض ہے۔

کیونکہ مفتی کے لیے مجتہد ہونے کی اصل صفت ہر زمانہ کے لیے ہے۔

فقہاء نے صلاحیتوں میں کمزوری کا مشاہدہ کرتے ہوئے تنزلی کے طور پر غیر مجتہد کو ناقل ہونے کی صورت میں فتوے کی اجازت دی، لیکن آج یہ ناقلین اصل منصب پر قابض ہو کر اہلِ منصب کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کھڑے ہو گئے۔

''الفتاویٰ البزازیۃ'' کا حوالہ

''الفتاویٰ البزازیۃ'' میں ہے:

وأجمع الفقهاء أن المفتى يجب أن يكون من أهل الاجتهاد قال الإمام لا يحل لأحد أن يفتى بقولنا حتى يعلم من أين قلنا وفى الملتقط إذا كان صوابه أكثر من خطأه حل له الإفتاء.

وان لم يكن مجتهدا لا يحل له الفتوى إلا بطريق الحكاية فيحكى ما يحفظ من أقوال الفقهاء (الفتاوى البزازية، ج٦، ص٥٣، كتاب أدب القاضى)

ترجمہ: اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مفتی کے لیے واجب ہے کہ وہ اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا ہو، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے، یہاں تک کہ یہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے وہ بات کہی۔ [1]

---

[1] مگر افسوس کہ آج اگر کوئی مفتی اپنے اس فریضہ کو اداء اور پورا کرے، تو اسے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

اور ملتقط میں ہے جب کسی کا صواب اس کی خطاء سے زیادہ ہوجائے، تو اس کو فتویٰ دینا حلال ہے (کیونکہ مجتہد کی یہی شان ہوتی ہے)

اور اگر وہ مجتہد نہ ہو، تو اس کو فتویٰ دینا حلال نہیں، سوائے نقل کے طریقہ پر، وہ ایسی صورت میں فقہاء کے اقوال میں سے جو اسے یاد ہو، اس کو نقل کردے گا (بزازیہ)

مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ مفتی کا اصلی منصب اور صفت مجتہد ہونا ہے، اور یہ صفت ہر زمانہ کے لیے ہے، پس اگر موجودہ زمانہ میں کوئی مفتی مجتہد ہو، تو اصل مفتی کے منصب کا مستحق وہی ہے، اور جس میں یہ اہلیت نہ ہو، وہ ناقلِ محض ہے۔

لیکن حیرت ہے کہ موجودہ زمانہ میں ناقل کو تو اصل مفتی سمجھا جاتا ہے، اور مجتہد کو مفتی تسلیم نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے فتوے کو اہمیت بھی نہیں دی جاتی، اور اس پر طرح طرح کے الزامات وتہامات لگائے جاتے ہیں۔

جس کی وجہ یہ خاص ذہن بنالینا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مجتہد کا پیدا ہونا شجرۂ ممنوعہ یا عنقا ہے، بلکہ آج سے نہیں، صدیوں سے یہی سلسلہ جاری ہے، جس کی ان کے پاس سوائے چند بزرگوں کے ارشادات کے، کوئی دلیل نہیں، اور کسی ایک یا چند ایک کا مشاہدہ وارشاد، وہ بھی مخصوص زمانہ وعلاقہ کا، دوسروں پر حجت نہیں ہوتا۔

’’لسانُ الحکام‘‘ کا حوالہ

’’لسان الحکام‘‘ میں بھی فتاویٰ بزازیہ والی مذکورہ تفصیل مذکور ہے۔ [1]

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی کے لیے بنیادی طور پر مجتہد ہونا شرط ہے، البتہ

---

[1] وأجمع الفقهاء أن المفتي يجب أن يكون من أهل الاجتهاد وقال الإمام أبو حنيفة رحمه الله لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا حتى يعلم من أين قلنا وفي الملتقط إذا كان صوابه أكثر من خطئه حل له الإفتاء وإن لم يكن مجتهدا لا يحل له الفتوى إلا بطريق الحكاية فيحكي ما يحفظه من أقوال الفقهاء(لسان الحكام في معرفة الأحكام،ص۲۱۸،القضايا والأحكام،الفصل الأول في آداب القضاء وما يتعلق به)

بعض متاخرین نے لوگوں کی سہولت کے لیے اجتہاد کو شرطِ صحت کے بجائے، شرطِ اولویت قرار دیا ہے۔

اور متعدد حنفیہ نے قاضی کے لیے بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے، البتہ ایک تو مجتہد مطلق ہوتا ہے، جس کے لیے زیادہ سخت شرائط ہیں، اور دوسرا مقید یا جزوی مجتہد ہوتا ہے، اس کے لیے اتنی سخت شرائط نہیں۔

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ زمانہ کا مجتہد سے خالی ہونا جائز ہے یا نہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں اجتہاد اور مجتہدین کے موجود ہونے کے امکان اور وجود میں کوئی اختلاف نہیں، ورنہ زمانہ کے مجتہدین سے خالی ہونے کے جواز وعدمِ جواز کا اختلاف نہ ہوتا۔ [1]

فقہائے کرام نے ضرورت وحاجت کی وجہ سے غیر مجتہد اور مقلد کے فتویٰ دینے کی گنجائش دی

---

[1] (والاجتهاد شرط الأولوية) لتعذره على أنه يجوز خلو الزمن عنه عند الأكثر نهر فصح توليته العامي ...... (ومثله) فيما ذكر (المفتي) وهو عند الأصوليين المجتهد أما من يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت وفتواه ليس بفتوى بل هو نقل كلام كما بسطه ابن الهمام(الدر المختار)

(قوله :والاجتهاد شرط الأولوية) هو لغة بذل المجهول في تحصيل ذي كلفة وعرفا ذلك من الفقيه في تحصيل حكم شرعي قال في التلويح ومعنى بذل الطاقة أن يحس من نفسه العجز عن المزيد عليه وشروطه الإسلام والعقل والبلوغ وكونه فقيه النفس أي شديد الفهم بالطبع وعلمه باللغة العربية وكونه حاويا لكتاب الله تعالى فيما يتعلق بالأحكام وعالما بالحديث متنا وسندا وناسخا ومنسوخا وبالقياس وهذه الشرائط في المجتهد المطلق الذي يفتي في جميع الأحكام وأما المجتهد في حكم دون حكم فعليه معرفة ما يتعلق بذلك الحكم مثلا كالاجتهاد في حكم متعلق بالصلاة لا يتوقف على معرفة جميع ما يتعلق بالنكاح اهـ ومراد المصنف هنا الاجتهاد بالمعنى الأول نهر.

(قوله :لتعذره) أي لأنه متعذر الوجود في كل زمن، وفي كل بلد فكان شرط الأولوية بمعنى أنه إن وجد فهو الأولى بالتولية فافهم.

(قوله :على أنه) متعلق بمحذوف أي قلنا بالتعذر في كل زمن بناء على أنه إلخ.

(قوله :عند الأكثر) خلافا لما قيل إنه لا يخلو عنه زمن وتمام ذلك في كتب الأصول(رد المحتار على الدر المختار، ج٥، ص ٣٦٥، كتاب القضاء، مطلب في الاجتهاد وشروطه)

ہے، تاہم کچھ شرائط انہوں نے بھی لازم قرار دیں۔ [1]

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مفتی کا اصل منصب مجتہد ہونا ہی ہے، اور جو مجتہد نہ ہو، وہ درحقیقت مفتی نہیں ہوتا، بلکہ ناقلِ فتویٰ ہوتا ہے۔ [2]

مفتی کے لیے مجتہد ہونے کی صفت کو فقہائے کرام نے کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں رکھا۔

موجودہ زمانہ میں اجتہاد کی صلاحیت کم حضرات میں پائے جانے کی وجہ سے اس کی گنجائش دی گئی کہ اگر مفتی مجتہد نہ ہو، لیکن اقوالِ فقہاء سے واقف ہو، تو اس کو ضرورت کے وقت یعنی جب عوام الناس کو کوئی ضرورت پیش آئے، اور وہ استفتاء کریں، فقہائے کرام کے اقوال کو نقل کرنا جائز ہے۔

مگر افسوس کہ موجودہ زمانہ میں مفتی کے منصب پر اکثر ناقلین فائز ہیں، جن میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں، اور انہی کو مفتی سمجھا اور قرار دیا جاتا ہے۔

اور ان کے مقابلہ میں جو مفتی اجتہاد کا اہل ہو، اور حقیقی مفتی وہی ہے، اس پر پہلے قسم کے ناقلین کی طرف سے طرح طرح کے الزامات قائم کیے جاتے ہیں، حالانکہ کسی مفتی پر مجتہد ہونے کی وجہ سے ہرگز الزام قائم نہیں ہوتا، کیونکہ وہی اس کا اصل اہل ہے، اور اگر الزام قائم ہوتا بھی ہے، تو اس کے اصل مستحق غیر مجتہد مفتیانِ کرام ہیں، جن میں حقیقی مفتی کی صفت و شرط نہیں پائی جاتی۔ [3]

---

[1] يشترط في المفتي عند الأئمة الثلاثة أن يكون مجتهدا، وليس هذا عند الحنفية شرط صحة ولكنه شرط أولوية، تسهيلا على الناس.

وصحح ابن القيم أن إفتاء المقلد جائز عند الحاجة وعدم وجود العالم المجتهد ، وقيده ابن حمدان -من الحنابلة -بالضرورة . ونقل الشوكاني اشتراط بعض الأصوليين أن يكون المفتي أهلا للنظر مطلعا على مأخذ ما يفتي به وإلا فلا يجوز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص١٦٥، مادة "تقليد" من يجوز له التقليد)

[2] والذين قالوا :إن المفتي هو المجتهد، أرادوا بيان أن غير المجتهد لا يكون مفتيا حقيقة، وأن المفتي لا يكون إلا مجتهدا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص٢١، مادة "فتوى")

[3] اس موقع پر یہ بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے رسم المفتی وغیرہ میں اور ان کے بعد ہمارے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’تنقیحُ الفتاویٰ الحامدیة‘‘ کا حوالہ

علامہ شامی رحمہ اللہ ’’تنقیحُ الفتاویٰ الحامدیة‘‘ میں ’’جواہر الفتاویٰ‘‘ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لو أن رجلا من أهل الاجتهاد برء من مذهبه فی مسألة أو فی أكثر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متعدد اہلِ علم حضرات نے جو مفتی کے لیے متعدد قیود بیان فرمائی ہیں، ان میں سے بیشتر تو اقوال ہیں، اور ان کے خلاف بھی اقوال پائے جاتے ہیں، دوسرے ان میں سے بہت سی قیود غیر مجتہد اور ناقلِ محض مفتی کے لیے ہیں، مجتہد کے لیے نہیں، جس کی خود ان حضرات نے بھی تصریح فرمائی ہے، پس ان قیود کو اہلِ اجتہاد پر بھی لازم کرنا درست نہیں، جس کی تفصیل بندہ نے دوسری تالیفات میں بیان کردی ہیں۔ محمد رضوان۔

اعلم أن المسألة إذا كانت ذات اختلاف بين أبي حنيفة وصاحبيه فحكمها أن المجتهد فى المذهب يختار من أقوالهم ما هو أقوى دليلا وأقيس تعليلا وأرفق بالناس ولذلك أفتى جماعات من علماء الحنفية على قول محمد رحمه الله فى طهارة الماء المستعمل وعلى قولهما فى أول وقت العصر والعشاء وفي جواز المزارعة وكتبهم مشحونة بذلك لا يحتاج إلى إيراد النقول(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٢٠)

و حاصل ماذكره ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ ان العمل بالمرجوح يحوز فى حالتين: الاولىٰ: حالة الضرورة و رفع الحرج الشديد، والثانية: اذا كان المفتى من اهل الاجتهاد فى المذهب، ولو كان اجتهاده جزئياً، فانه يرجح ما هو مرجوح فى المذهب على اساس قوة دليله عنده، فيصير راجحا حسب رايه.

وهذا معنى قول البيرى فى شرح الاشباه: ”هل يجوز للانسان العمل بالضعيف من الرواية فى حق نفسه؟ نعم اذا كان له رأى“.

وما جاء فى خزانة الروايات ”العالم الذى يعرف معنى النصوص والاخبار، وهو من اهل الدراية، يجوز له ان يعمل عليها، و ان كان مخالفا لمذهبه“ (اصول الافتاء لتقى العثمانى، ص ١٩٩ و ٢٠٠، الاصل الحادى عشر، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشي، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ١٤٣٢ هـ، جولائى ٢٠١١ء)

أما اذا كان هناك اختلاف بين اختيار أبى حنيفة ، واختيار صاحبيه، فان كان المفتى من أهل الاجتهاد ، يتخير، وان لم يكن من أهل الاجتهاد ، يأخذ بقول الامام أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ (اصول الافتاء لتقى العثمانى، ص ١٦٧ ،الأصل الثالث، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشى، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ١٤٣٢ هـ، جولائى ٢٠١١ء)

منها باجتهاد لما وضح له من دليل الكتاب أو السنة أو غيرهما من الحجج لم يكن ملوما ولا مذموما بل كان مأجورا محمودا وهو في سعة منه وهكذا أفعال الأئمة المتقدمين(العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ج۲، ص۳۲۸، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك)

ترجمہ: اگر اہلِ اجتہاد میں سے کوئی شخص اجتہاد کے ذریعہ، ایک مسئلہ میں یا ایک سے زیادہ مسائل میں کتاب یا سنت وغیرہ کے دلائل میں سے کسی دلیل سے واضح ہونے کے بعد (کسی کی اتباع وتقلید سے) بریٔ ہو جائے، تو نہ تو وہ قابلِ ملامت ہوگا، نہ قابلِ مذمت، بلکہ وہ اجر وثواب کا مستحق اور تعریف کے قابل ہوگا، کیونکہ اس نے اپنی قدرت میں جو کچھ تھا، اس کو اختیار کیا، اور یہی ائمۂ متقدمین کا طرزِ عمل تھا (تنقیح فتاویٰ حامدیہ)

مذکورہ عبارت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ ہر زمانہ کے اہلِ اجتہاد کو شامل ہے، موجودہ زمانہ کے اہلِ اجتہاد کو بھی، اور آئندہ زمانہ کے اہلِ اجتہاد کو بھی، کیونکہ اجتہاد کا باب بند نہیں ہوا۔

جب فقیہ اپنے اجتہاد کی رُو سے اپنے موقف پر قائم رہنے اور ترکِ تقلید کی وجہ سے قابلِ مذمت نہیں، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے، تو اس کو آج کل جو بعض حضرات کی طرف سے مطعون کیا جاتا ہے، وہ ظاہر ہے کہ کم علمی یا پھر تحاسد وتباغض پر مبنی ہے۔

اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مفتی وقاضی کے لیے اصل صفت مجتہد ہونا ہے، اور یہ صفت ہر دور کے لیے ہے، اور قاضی مجتہد کو اپنی رائے ترک کرکے، دوسرے مجتہد کی رائے قبول کرنا جائز نہیں، تو اس سے غیر قاضی مجتہد کے لیے بھی اپنی رائے ترک کرکے دوسرے کی رائے کو قبول کرنے کا ناجائز ہونا معلوم ہوگیا، پھر اس کو دوسروں سے مشورہ کرنے کا مکلّف قرار دینا، اور پھر دوسروں کے مشورہ کا پابند قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے، ایسا سمجھنا فقہائے کرام کی تصریحات کے خلاف ہے۔

’’البحر الرائق‘‘ کا حوالہ

’’کنز الدقائق‘‘ کی شرح ’’البحر الرائق‘‘ میں ہے:

(فرع) ليس لمجتهد تقليد مجتهد .

(فرع) المنتسبون إلى مذهب إمام إما عوام فتقليدهم مفرع على تقليد الميت فقد مر، وإما مجتهدون فلا يقلدون فإن وافق اجتهاده اجتهادهم فلا بأس وإن خالفه أحيانا (البحر الرائق، ج٦ص ٢٩٠، كتاب القضاء، فصل فى المستفتى)

ترجمہ: (فرع) ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

(فرع) امام کے مذہب کی طرف منتسب حضرات یا تو عوام ہوں گے، جن کی تقلید کا حکم، میّت کی تقلید پر متفرّع ہوتا ہے (کہ اگرچہ بعض حضرات میت کی تقلید کے جواز کے قائل نہیں، لیکن بہت سے حضرات کے نزدیک میت کی تقلید جائز ہے) اور یا اپنے امام کے مذہب کی طرف منتسب حضرات، مجتہد ہوں گے، جو تقلید نہیں کریں گے، پس اگر ان کا اجتہاد امام کے اجتہاد کے موافق ہو گیا، تو کوئی حرج نہیں، اگرچہ امام کی بعض اوقات مخالفت بھی ہو جاتی ہے (اس میں بھی حرج نہیں، کیونکہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کی اتباع کا حکم ہے، خواہ اس کا اجتہاد دوسرے مجتہد کے موافق ہو یا مخالف) (البحر الرائق)

’’عمدۃُ القاری‘‘ کا حوالہ

صحیح بخاری کی شرح ’’عمدۃُ القاری‘‘ میں ہے:

المجتهد لا يجوز له أن يقلد المجتهد (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٨، ص ٢٤٦، كتاب الزكاة)

ترجمہ: مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا جائز نہیں (عمدۃ القاری)

عمدۃ القاری میں ایک اور مقام پر بھی یہی بات مذکور ہے۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ بھی ہر زمانہ اور ہر دور کے مجتہد کے لیے ہے۔

''التقریر و التحبیر'' کا حوالہ

علامہ ابنِ امیر حاج ''التقریر و التحبیر'' میں فرماتے ہیں:

المجتهد لا يقلد مجتهدا فی فتواه (التقرير والتحبير، لابن أمير حاج، ج ۲، ص ۲۳۷، الباب الثالث السنة)

ترجمہ: مجتہد اپنے فتوے میں دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا (التقریر)

امام نووی کا حوالہ

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

المجتهد لا يقلد المجتهد (شرح النووی علیٰ مسلم، ج ۱، ص ۲۱۰، کتاب الایمان)

ترجمہ: مجتہد، دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا (نووی)

''ارشادُ الساری'' کا حوالہ

علامہ قسطلانی بخاری کی شرح ''ارشادُ الساری'' میں فرماتے ہیں:

المجتهد لا يقلد مجتهدا (إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ج ۱۰، ص ۸۲، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل من أبى قبول الفرائض وما نسبوا إلى الردة)

---

[1] لا يجوز للمجتهد أن يقلد المجتهد (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج ۲۴، ص ۸۲، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل من أبى قبول الفرائض وما نسبوا إلى الردة)

ترجمہ: مجتہد، دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا (ارشادالساری)

امام مناوی کا حوالہ

امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المجتهد لا يقلد مجتهدا ولا ينكر عليه (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۶،ص۲۲۷، تحت رقم الحديث ۹۰۴۳،حرف الميم)

ترجمہ: ایک مجتہد، دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا، اور نہ ہی اس کے اس عمل پر نکیر کی جائے گی (فیض القدیر)

امام قرافی کا حوالہ

امام قرافی فرماتے ہیں:

المجتهد لا يجوز له أن يقلد، بل يحصل العلم بتلك المسألة، ويعمل بمقتضى ما حصل له (شرح تنقيح الفصول،للقرافی،ص ۲۸۶،الباب الثانی عشر فی المجمل والمبين،الفصل السادس فی المبين)

ترجمہ: مجتہد کے لیے دوسرے کی تقلید کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اس مسئلہ کا علم حاصل کرے گا، اور اس کا جو نتیجہ حاصل ہوگا، اس کے مطابق عمل کرے گا (شرح تنقیح الفصول)

”الموسوعة الفقهية الكويتية“ کا حوالہ

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے کہ:

ذكر الحنفية، والمالكية، والشافعية، والحنابلة أنه لا يقلد المجتهد مجتهدا غيره، لأن القدرة على الاجتهاد تمنع من التقليد.

ومن علم أدلة القبلة لا يجوز له أن يقلد غيره مطلقا، وأما غير

المجتهد فعليه أن يقلد المجتهد، لقوله تعالى(فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۷۳، مادة "استقبال")

ترجمہ: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرے گا، کیونکہ اجتہاد پر قدرت ہونا تقلید کے لیے مانع ہے۔

اور جو شخص قبلہ کے دلائل کا علم رکھتا ہے، اس کے لیے علی الاطلاق جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی تقلید کرے، اور جہاں تک غیر مجتہد کا تعلق ہے، تو اس پر مجتہد کی تقلید لازم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ:

''تم اہلِ ذکر سے سوال کرو، اگر تمہیں علم نہیں'' (الموسوعۃ)

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ایک اور مقام پر ہے کہ عامی شخص اور جو اس کے قائم مقام ہو، اور وہ اجتہاد پر قادر نہ ہو، اس کو تقلید کرنا جائز ہے۔

اسی طریقہ سے جس میں اجتہاد کی اہلیت ہو، وہ اگر اجتہاد میں مشغول ہو، تو اس سے وہ حکم (یعنی فرضِ منصبی یا ذمہ داری) فوت ہو جائے (جس میں وہ مشغول ہے) اس کے لیے بھی تقلید کرنا جائز ہے، لیکن جس مجتہد کو اجتہاد کا وقت حاصل ہو، اور اجتہاد ممکن ہو، تو امام شافعی وغیرہ نے فرمایا کہ اس کو تقلید کرنا جائز نہیں، بلکہ اس پر اجتہاد کرنا واجب ہے، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کو تقلید کرنا جائز ہے۔

راجح قول کی دلیل یہ ہے کہ اس کے حق میں اجتہاد نص کے برابر ہے، لہٰذا اس پر اجتہاد واجب ہے، اور اس کے ممکن ہونے کے وقت اس سے عدول کرنا جائز نہیں، جیسا کہ نص سے قیاس کی طرف عدول کرنا جائز نہیں، اور جس شخص میں اجتہاد کی اہلیت ہو، پھر اس کا اجتہاد اسے کسی حکم کی معرفت کی طرف پہنچا دے، تو اس کو دوسرے کے فتوے اور تقلید کی بنیاد پر اپنے اجتہاد کو ترک کرنا جائز نہیں۔

صاحبِ مسلم الثبوت نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے، یعنی حنفیہ کا اس پر اجماع ہے، کیونکہ اس کا

علم ہی اس کے حق میں اللہ کا حکم ہے، جس کو وہ کسی کے کہنے سے ترک نہیں کرسکتا۔ [1]

مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مجتہد کو دوسرے کی تقلید حرام ہے، مجتہد گناہ گار ہوگا، اگر تقلید کرے گا (حسن العزیز، جلد ا صفحہ ۲۵۸، ملفوظ نمبر ۴۴۷، مطبوعہ: خواجہ پریس، دہلی)

جو حضرات مجتہد کو خواہ وہ جزوی مجتہد ہو، دوسرے کی تقلید پر مجبور کرتے ہیں، اور دوسروں کی تقلید نہ کرنے پر گناہ کا مرتکب قرار دیتے ہیں، انہیں اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے کہ اصل گناہ گار وہ مجتہد ہے، یا اس طرح کا حکم لگانے والے؟

علامہ ظفر احمد عثمانی کا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] تقدم أن الذى يجوز له التقليد هو العامي ومن على شاكلته من غير القادرين على الاجتهاد. وكذلك من له أهلية الاجتهاد إذا استشعر الفوات لو اشتغل بالاجتهاد فى الأحكام، فله أن يقلد مجتهدا .فأما المجتهد لو أراد التقليد مع سعة الوقت وإمكان الاجتهاد فقد قال الإمام الشافعي وغيره :ليس له أن يقلد بل عليه أن يجتهد .وقيل :يجوز له التقليد.
ودليل القول بأن الاجتهاد يجب عليه أن اجتهاده فى حق نفسه يضاهي النص، فلا يعدل عن الاجتهاد عند إمكانه، كما لا يعدل عن النص إلى القياس . أما إن اجتهد من هو أهل للاجتهاد، فأداه اجتهاده إلى معرفة الحكم، فليس له أن يتركه ويصير إلى العمل أو الإفتاء بقول غيره تقليدا لمن خالفه فى ذلك، قال صاحب مسلم الثبوت " :إجماعا "أى بإجماع أئمة الحنفية، لأن ما علمه هو حكم الله فى حقه فلا يتركه لقول أحد .ولكن لو أن القاضى المجتهد حكم بالتقليد نفذ حكمه عند أبى حنيفة على رواية، ولم ينفذ على الرواية الأخرى، ولا على قول الصاحبين والفتوى على قولهما، وهى الرواية الأخرى عن أبى حنيفة.والذين قالوا بتجزؤ الاجتهاد يجب عندهم على المجتهد المطلق أن يقلد فيما لم يظهر له حكم الشرع فيه، فيكون مجتهدا فى البعض مقلدا فى البعض الآخر، ولكن قيل :إنه ما دام عالما فلا يقلد إلا بشرط أن يتبين له وجه الصحة، بأن يظهره له المجتهد الآخر وأيضا قد يقلد العالم فى الثبوت، كمن قلد البخارى فى تصحيح الحديث، ثم يجتهد فى الدلالة أو القياس أو دفع التعارض بناء على ما ثبت عند غيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص١٦٣، مادة "تقليد"من يجوز له التقليد)

جب انسان خود فقیہ ہو تو مسئلۂ نازلہ میں اس کو اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے، دوسرے فقہاء کی رائے اگر اس کے خلاف ہو، اس پر اس کو عمل جائز نہیں ہے، گو وہ شمار میں کتنے ہی ہوں (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱)

مذکورہ عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں، پھر اس کو غیر مجتہد کی تقلید یا غیر مجتہدین کی موافقت کا مکلّف سمجھنا یا قرار دینا، کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی مزید فرماتے ہیں:

پس کسی مسئلہ میں جس کی دلیل کتاب وسنت واقوالِ فقہاء سے زیادہ قریب ہوگی، وہ حق پر ہوگا، خواہ وہ شخص واحد ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱)

اور دلیل کا کتاب وسنت اور اقوالِ فقہاء سے زیادہ قریب ہونا، فقیہ معلوم کرسکتا ہے۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا اپنے اجتہاد کا مکلّف ہے، اس کو اسی کی پیروی کرنی چاہئے، اور دوسرے مجتہد کے مقلدین کا اُسے ملامت کرنا، یا تفرّد وغیرہ کا الزام دینا جائز نہیں، ایسا کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔

اس موقع پر یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مفتی کسی خاص فقہی مذہب کی طرف منتسب ہونے کے ساتھ مشہور ہو، لیکن کسی مسئلہ میں اس کی رائے اس خاص فقہی مذہب کے خلاف ہو، تو اس کو اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دینا تو جائز ہے، لیکن ایسی صورت میں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب اس کے پاس کوئی مستفتی آئے، یا وہ اپنی رائے دے، تو اسے یہ واضح کردینا چاہیے کہ مثلاً امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے، لیکن میری رائے میں فلاں قول یا فلاں مذہب کا قول راجح ہے۔ [1]

---

[1] ومقتضى هذا التعليل أنه لو أفصح للمستفتي أنه لايفتي في هذه المسئلة بمذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وانما يفتي بقول غيره، ينبغي أن يجوز ذلك، فانه حكى العلامة ابن عابدين عن القفال رحمهما الله تعالىٰ من أئمة الشافعية أنه كان اذا جاء احد يستفتيه عن بيع الصبرة يقول له: "تسئلني عن مذهبي أو عن مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ؟" وكان أحيانا يقول: "لو اجتهدت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

آج کل کے علماء اگر کسی مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کرلیں، تو اس کو اجماعِ شرعی نہ کہیں گے، کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا، جو کہ غیر معتبر ہے، پس چار سو یا تین سو علماء کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا، جبکہ ان کے خلاف بھی علماء کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہو (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۱، ۴۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسئلہ پر مقلدین اتفاق کرلیں، تو وہ اجماع نہیں، اور اس کی وہ حیثیت نہیں، جو مجتہد کی رائے کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا حوالہ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ اپنے مقالہ ''الفتوی الجماعی'' میں فرماتے ہیں کہ:

کسی فقہ اکیڈمی یا ادارہ کے لئے ممکن نہیں کہ وہ پوری دنیا کے فقہاء کو جمع کر سکے، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ دیگر فقہائے کرام کو اپنی آراء کا اظہار کرنے سے روک دیا جائے، جب یہ ممکن نہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اکیڈمی یا ادارہ اپنی قراردادوں کا دوسروں کو پابند بنائے، یا ان قراردادوں کو اجماعِ امت کی حیثیت دے دی جائے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ قراردادیں نہایت مفید ہیں، جدید مسائل کو حل کرنے میں ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اور ان کے مضبوط دلائل و براہین کو مرجعیت حاصل ہوسکتی ہے (فقہی مقالات، ج۶ ص۳۲۰، اجتماعی اجتہاد اور اس کی ضرورت، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعتِ اول 2012ء)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فأدى اجتهادى الى مذهب أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فأقول: مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ كذا، ولكني أقول بمذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ''(اصول الافتاء لتقي العثماني، ص ۲۲۰،الافتاء بمذهب آخر لرجحان دليله، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشي، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱ء)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی ادارہ یا اکیڈمی یا جماعت کے فیصلہ کو اجماع کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اور نہ ہی دوسروں کو اس رائے کا پابند کہا جا سکتا۔

فقہاء وعابدین سے مشورہ کی حدیث پر تحقیقِ انیق

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ **"رسالة التدقيق الاقوم فی تحقيق السواد الاعظم"** میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقہاء وعابدین سے مشورہ کرنے سے متعلق حدیث پر تحقیقِ انیق فرمائی ہے، جس کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:

اگر کوئی حکم کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ میں نہ ملے، تو مشورہ کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہر مجتہد کو جائز ہے (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۸۰، کتاب المتفرقات "رسالة التدقيق الاقوم فی تحقيق السواد الاعظم" مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی اپنے مذکورہ رسالہ میں فرماتے ہیں:

جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت ہے، اور مجمع الزوائد میں مذکور ہے، وہ ہمارے نزدیک ان مسائلِ شرعیہ پر کہ جن کا حکم کتاب وسنت یا اجماعِ امت یا قیاس سے معلوم ہو چکا ہے، محمول نہیں، بلکہ امورِ انتظامیہ اور امور مسکوت عنہا فی الشرع کے متعلق ہے۔ [1]

پس مسائلِ حاضرہ میں اس حدیث سے استدلال کر کے مشورہ کو واجب کہنا اور جماعتِ کثیرہ کے مشورہ پر عمل کو لازم کہنا اس پر موقوف ہے کہ اس بات کو تسلیم کرلیا

---

[1] پیچھے جو قاضی کو مشکل پیش آنے کی صورت میں اہلِ فقہ سے مشورہ کے سنیت ہونے کی تصریحات ذکر کی گئیں، ان میں بھی اس کی تصریح ہے کہ جس مسئلہ وقضیہ کا حکم قرآن وسنت میں منصوص نہ ہو، اور اس پر اجماع بھی نہ ہو، اور قاضی کو اس میں مشکل ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں قاضی کے سامنے اس کا حکم مندرجہ بالا اصولوں سے واضح نہیں، اس لیے اسے مشورہ کی ضرورت ہے، ورنہ واضح ہونے کی صورت میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ محمد رضوان۔

جائے کہ شریعت میں مسائلِ حاضرہ کے احکام موجود نہیں، اس لیے ان میں مشورہ کی ضرورت ہے، اور اس کو ہرگز کوئی تسلیم نہیں کرسکتا، کیونکہ ہر فریق اپنے مسلک کو دلائلِ شرعیہ سے ثابت کررہا ہے۔ [1]

یا یہ مان لیا جاوے کہ مسائلِ حاضرہ کا تعلق امورِ انتظامیہ سے ہے، مسائلِ شرعیہ کی قسم سے نہیں ہے، مگر سائل اس کو بھی تسلیم نہیں کرتا، اگر اس کو تسلیم کرلیا جاوے، تو پھر ان علماء کی غلطی یقیناً تسلیم کرنا پڑے گی، جو ان تحریکات سے علیحدہ رہنے والی جماعت کو فاسق وغیرہ کا خطاب دیتے ہیں، کیونکہ امورِ انتظامیہ جو محلِ مشورہ ہیں، ان میں مشورہ پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے، جبکہ مسلمانوں کا کوئی امام مسلَّم ہو، اور مشورہ کی جانب اس کی رائے کی موافقت سے مؤید ہوچکی ہو، اور اگر امام نہ ہو، تو امورِ انتظامیہ میں بھی کسی کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں۔ [2]

کیونکہ وجوب وفرضیت کا ثبوت دلائلِ شرعیہ سے ہی ہوسکتا ہے، اور دلائلِ شرعیہ کتاب وسنت، اجماعِ امت وقیاس میں منحصر ہیں، مشورہ کو کسی نے دلائلِ شرعیہ سے بیان نہیں کیا، جس سے وجوبِ عمل کو ثابت کیا جاوے، **و سیاتی ذلک مفصلا۔**

پس حدیث مجمع الزوائد کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت کسی کو خلیفہ یا امام بنایا جاوے، یا امورِ حرب درپیش ہوں، یا کسی امر میں نصوص سے جانبِ فعل یا ترک کو ترجیح نہ ہو۔ [3]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کا تعلق مسائلِ شرعیہ سے ہے، خواہ وہ مسائلِ حاضرہ اور جدید مسائل ہوں، یا قدیم اور سابق مسائل ہوں، ان کا حکم دلائلِ شرعیہ سے معلوم کیا جاتا ہے، نہ کہ مشورہ سے، اور دلائلِ شرعیہ، کتاب وسنت، اجماع و قیاس میں منحصر ہیں، فقہائے کرام نے مشورہ کو دلائلِ شرعیہ میں ذکر وشمار نہیں کیا، جیسا کہ آگے صراحتاً آتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ محمد رضوان۔

[3] جیسا کہ فقہائے کرام نے بھی قاضی کو مشکل ہونے کی صورت میں مشورہ کا حکم فرمایا ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ قاضی کے سامنے اس مسئلہ وقضیہ کی کوئی جہت راجح نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب اس کی نظر میں کوئی جانب راجح ہوجائے، تو وہ اسی کا مکلّف ہے، دوسرے کی رائے کا مکلّف نہیں، جیسا کہ تفصیلاً گزرا۔ محمد رضوان۔

اس میں فقہاء وعابدین سے مشورہ کیا جائے، کسی شخصِ واحد کی رائے اس میں نافذ نہ کی جائے۔

اوراس پر چند قرائن ہیں۔

اول تو خوداس میں لفظ ''تشــاور'' اس امر پر دلالت کررہا ہے کہ یہ حکم ایسے امر کے متعلق ہے، جو محل مشورہ ہے، اور محل مشورہ مسائل شرعیہ نہیں، اور ایسے امور محل مشورہ کیونکر ہوسکتے ہیں، جبکہ نص صریح موجود ہے:

اليوم اكملت لكم دينكم.

و ما فرطنا فی الكتاب من شئ.

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دین کے متعلق کوئی بات کتاب میں نہیں چھوڑی، اور یہ ظاہر ہے کہ صراحۃً تمام جزئیات کے احکام قرآن میں نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام صراحۃً ہیں، اور بعض دلالۃً واشارۃً، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی امت) کے علماء ومجتہدین نے سمجھا، اور فقہ میں بیان کیا، جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

لعلمه الذين يستنبطونه منهم.

جس میں علماء کو قیاس کی اجازت دی گئی ہے، الغرض مسائل شرعیہ کے احکام بـأسرهـا ، شریعت میں موجود ہیں، وہ ہرگز محتاج مشورہ نہیں ہیں، اور اگر کسی جگہ مسائلِ شرعیہ میں مشورہ ثابت ہو، تو وہ محض تطییب قلب یا استمداد کے طور پر تھا، ضرورت کے درجہ میں نہ تھا، بلکہ محلِ مشورہ امور دنیوی ہیں یا امور انتظامیہ متعلق امامت وخلافت و جہاد وغیرہ، بشرطیکہ حکم شرعی اس کے متعلق دلائل شرعیہ سے معلوم نہ ہوا ہو، یا وہ امور ہیں، جن سے شریعت میں سکوت ہے، اور قیاس سے کسی جانب کو ترجیح معلوم نہیں ہوتی، نہ ترک کو اور نہ فعل کو، اگر معلوم ہوجائے، تو پھر وہ

بھی محل مشورہ نہیں۔ [1]

قال الحافظ فی الفتح:

وقد اختلف فی متعلق المشاورة فقیل فی کل شیء لیس فیه نص وقیل فی الأمر الدنیوی فقط وقال الداودی إنما کان صلی الله علیه وسلم یشاورهم فی أمر الحرب مما لیس فیه حکم لأن معرفة الحکم إنما تلتمس منه قال ومن زعم انه کان یشاورهم فی الأحکام فقد غفل غفلة عظیمة وأما فی غیر الأحکام فربما رأی غیره أو سمع ما لم یسمعه أو یره کما کان یستصحب الدلیل فی الطریق. اهـ ج ۱۳، ص ۲۸۳.

و قال البخاری رحمه الله فی صحیحه:

وکانت الأئمة بعد النبی صلی الله علیه وسلم یستشیرون الأمناء من أهل العلم فی الأمور المباحة لیأخذوا بأسهلها، فإذا وضح الکتاب أو السنة لم یتعدوه إلی غیره، اقتداء بالنبی صلی الله علیه وسلم ورأی أبو بکر قتال من منع الزکاة، فقال عمر: کیف تقاتل وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

’’أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوا: لا إله إلا الله عصموا منی دمائهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم علی الله‘‘.

فقال أبو بکر: والله لأقاتلن من فرق بین ما جمع رسول الله صلی

---

[1] یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے بھی قاضی کو اہلِ فقہ سے مشورہ کا حکم اسی صورت میں بیان فرمایا ہے، جب شرعی دلائل سے کسی جانب کی ترجیح قاضی کو معلوم نہ ہو، اسے ترجیح معلوم کرنے اور مشکل دور کرنے کی غرض سے مشورہ کی ضرورت ہے، اور اگر وہ خود سے اجتہاد کا اہل نہیں، تو دوسرے سے مشورہ کرنا دراصل استفتاء کرنا ہے، جیسا کہ گزرا۔ محمد رضوان

الله عليه وسلم ثم تابعه بعد عمر فلم يلتفت أبو بكر إلى مشورة إذ كان عنده حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الذين فرقوا بين الصلاة والزكاة وأرادوا تبديل الدين وأحكامه وقال النبى صلى الله عليه وسلم: من بدل دينه فاقتلوه. الخ، فتح البارى ج٣، ص ٢٨٦.

وقال الحافظ فى شرح قوله:

فى الأمور المباحة ليأخذوا بأسهلها أى إذا لم يكن فيها نص بحكم معين وكانت على أصل الإباحة فمراده ما احتمل الفعل والترك احتمالا واحدا وأما ما عرف وجه الحكم فيه فلا. اهـ، ج١٣، ص ٢٨٥.

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسائلِ شرعیہ جبکہ ان کا حکم کتاب وسنت اجماع یا قیاس سے معلوم ہو چکا ہو، محلِ مشورہ ہرگز نہیں (اور اگر ہیں بھی، تو اس وقت تک جب تک مذکورہ دلائل سے حکم معلوم نہ ہوا ہو) ہاں وہ امور جو بوجہ سکوتِ شارع کے بظاہر اباحتِ اصلیہ پر ہوں، اور ان میں فعل اور ترک دونوں کا احتمال مساوی ہو، وہ محلِ مشورہ ہیں، اور اگر ان میں بھی ایک جانب کا حکم دلیل شرعی سے معلوم ہو جائے (خواہ دوسرے سے معلوم کر کے، یا خود اجتہاد کر کے) تو پھر وہ بھی محلِ مشورہ نہیں۔

لہٰذا مجمع الزوائد کی حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ جب علماء میں کسی مسئلہ شرعی میں اختلاف ہو، تو اہلِ مشورہ اور جماعتِ کثیرہ کا قول واجب الاتباع ہے، اور جماعتِ قلیلہ یا شخص واحد کا قول قابلِ ترک ہے، کسی طرح تام نہیں ہوسکتا۔ [1]

---

[1] اور آج کل بعض مقلدین علماء، محقق اور اجتہادی شان رکھنے والے علماء کو اسی کا پابند کرنا چاہتے ہیں، کہ وہ جماعتِ کثیرہ کے قول کی اتباع کریں، یا پھر عوام کو جماعتِ قلیلہ یا شخصِ واحد کے قول کے ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔
محمد رضوان

پھر ہم بطریق تنزل کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عموم پر ہی رکھا جائے، اور مسائلِ شرعیہ کو بھی محل مشورہ مان لیا جائے، پھر بھی مستدل کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ مشورہ کرنا اور مشورہ میں جس طرف کثرتِ رائے ہو، تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، حالانکہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کرسکتا۔

محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مشورہ کا امر آیتِ قرآنیہ:

وشاورهم فی الامر.

و امرهم شوریٰ بینهم.

میں استحباب اور ندب کے لیے ہے، پھر اس حدیث کو استحباب پر کیوں محمول نہ کیا جائے، رہی یہ بات کہ مشورہ میں جس طرف زیادہ جماعت ہو، اس پر عمل کرنا واجب ہے، یہ بھی غلط ہے، بلکہ اگر کسی عالم کا اجتہاد سب کے خلاف ہو، تو اس کو دوسروں کا اتباع جائز نہیں، کیونکہ مشورہ دلائلِ شرعیہ سے مثل اجماع و قیاس کے نہیں ہے، بلکہ محض معین کے درجہ میں ہے۔ [1]

قال الحافظ فی الفتح:

وعد کثیر من الشافعیة المشاورة فی الخصائص واختلفوا فی وجوبها فنقل البیهقی فی المعرفة الاستحباب عن النص وبه جزم أبو نصر الفشیری فی تفسیره وهو المرجح، ج۱۳، ص ۲۸۳.

---

[1] علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی تائید ان تمام عبارات سے ہوتی ہے، جو ہم پیچھے ترجمہ سمیت نقل کر چکے ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ اجتماعی غور و فکر کے وقت اس مجمع یا مجلس کے اکثر افراد کسی ایک پہلو پر متفق ہو جائیں، اور چند افراد یا ایک کا اختلاف ہو، تو اکثریت کے اتفاق سے وہ مسئلہ اجماعی نہیں کہلاتا، بلکہ اگر یہ سب بھی اتفاق کرلیں، تب بھی اجماعی نہیں کہلاتا، کیونکہ اجماع کے لئے اس زمانہ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے، اور اس مجمع یا مجلس میں اس زمانہ کے تمام مجتہدین کا اجتماع ظاہر ہے کہ نہیں ہوا، اور اگر اس مجمع ومجلس کے شرکاء میں اجتہادی شان نہ ہو، تو پھر ان کی رائے کی وہ حیثیت بھی نہ رہے گی، کیونکہ اصل رائے اجتہادی شان رکھنے والے کی معتبر ہوتی ہے، نہ کہ مقلدِ محض کی، جیسا کہ تفصیلاً ذکر کیا جا چکا۔ محمد رضوان۔

و فيه ايضاً:

قال الشافعي إنما يؤمر الحاكم بالمشورة لكون المشير ينبهه على ما يغفل عنه ويدله على مالا يحضره من الدليل لا ليقلد المشير فيما يقوله فإن الله لم يجعل هذا الامر بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم. اهـ، ج۱۳، ص ۲۸۵.

و فيه ايضاً:

عن الشافعي وإذا قاس من له القياس فاختلفوا وسع كلا أن يقول بمبلغ اجتهاده ولم يسعه اتباع غيره فيما أداه إليه اجتهاده. اهـ، ج۱۳، ص ۲۵۲.

اور اگر تھوڑی دیر کے لیے امر مشورہ کو وجوب پر ہی محمول کیا جائے، تو پھر سائل کو یہ بتلانا چاہئے کہ مشورہ کرنا صرف علماء حاضرین سے واجب ہے یا غائبین سے بھی، یقیناً وہ دوسری شق کو ثابت نہیں کرسکتا۔ [1]

اور مسائلِ حاضرہ میں جو مقدس علماء جمہور سے الگ ہیں، ان کی بابت یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ان مسائل میں ان علماء سے بھی مشورہ نہیں کیا، جو ان کے پاس حاضر تھے، ہم کو خوب معلوم ہے کہ انہوں نے ان مسائل میں جو رائے قائم کی ہے، وہ علماء حاضرین کے مشورہ کے بعد قائم کی ہے۔ [2]

---

[1] اور علمائے حاضرین میں وہ بھی داخل ہیں، جو کسی ایک مقام پر جمع ہو کر کام کرتے ہوں، یا ان کی کوئی مجلس قائم ہو، خواہ وہ دو ہوں یا زیادہ۔ محمد رضوان۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض علماء فقہی مسائل میں مشورہ کے سلسلہ میں یہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ علمائے غائبین یا مشاہیر علماء سے مشورہ ضروری ہے، اور جب تک ایسا نہ ہو، اس وقت تک محقق عالم کے موقف کو اہمیت نہیں دیتے، خواہ اُس نے علمائے حاضرین سے مشورہ کیوں نہ کرلیا ہو، یہ درست طرزِ عمل نہیں۔

بندہ محمد رضوان عرض کرتا ہے کہ پیچھے بھی متعدد فقہائے کرام کی تصریحات اس سلسلہ میں گزر چکی ہیں کہ مشورہ علمائے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور دنیا بھر کے علماء کے مشورہ کا وجوب کسی دلیل سے ثابت نہیں، لہٰذا ان کو حدیث مجمع الزوائد سے کسی طرح مخالف نہیں کہا جاسکتا (امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۸۶ تا ۴۸۹،

کتاب المتفرقات "رسالة التدقيق الاقوم فی تحقيق السواد الاعظم" مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبع اول ۱۴۲۱ھ)

پیچھے فقہائے کرام کی اس سلسلہ میں تصریحات گزر چکی ہیں، جن سے علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال جو عالم اجتہادی شان رکھتا ہو، اور اسے دلائلِ شرعیہ وفقہیہ سے اپنی رائے پر شرح صدر ہو، اسے نہ تو دوسروں سے مشورہ کرنا ضروری ہے، اور نہ وہ دوسروں کے مشورہ کا پابند ہے۔

اور اگر وہ شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے مشورہ کی ضرورت سمجھے، تو بھی نہ تو اس پر غائبین سے مشورہ ضروری ہے، اور نہ ہی ایک یا چند سے زیادہ افراد سے مشورہ ضروری ہے، اور مشورہ کے بعد بھی وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں، البتہ اگر وہ مجتہد نہ ہو، تو وہ دوسرے مجتہد سے استفتاء کرے گا، اسی کو مشورہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

فلہٰذا بہر صورت اجتہاد میں دوسرے کی رائے کا پابند سمجھنا یا مشورہ کی پابندی عائد کرنا درست نہیں، غلط فہمی پر مبنی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حاضرین سے بھی کیا جاسکتا ہے، اور ضرورت پڑنے پر تحریر وغیرہ کی شکل میں علمائے غائبین سے بھی، اور بندہ محمد رضوان ضرورت کے وقت اپنے پاس موجود اصحابِ علم سے مشورہ کرتا رہتا ہے، جس کے لیے بندہ نے اپنے ادارہ کی سطح پر ایک فقہی مجلس بھی قائم رکھی ہے، اور بندہ نے تقریباً اپنی تمام تالیفات بالاستیعاب ان کی نظر سے، نظرِ ثانی، ثالث ورابع غیرہ کروا کر ہی ان کی نشان زدہ باتوں پر غور کر کے اشاعت کے لیے ارسال کرنے کا طریقہ رکھا ہے۔

اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً بندہ اپنی تالیفات ورسائل اور مضامین یا مسائل میں علماء کو دعوت دے کر مشاورت کرتا ہے، اور بسا اوقات ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ یا تحریری طور پر بھی علمائے غائبین سے مشاورت کرتا رہتا ہے۔ محمد رضوان۔

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث ذکر کی گئی، اُس کا خلاصہ اور لُبِ لباب یہ نکلا کہ اجتہادی نوعیت کے مسائلِ شرعیہ وفقہیہ میں سے کسی مسئلہ کے اندر اجماع کا ہونا اسی وقت راجح کہلاتا ہے، جبکہ اُس زمانہ کے تمام فقہاء ومجتہدین کا اُس پر اتفاق ہو جائے، اس سے خروج ہی دراصل شذوذ یا مذموم تفرّد میں داخل ہے۔

اور اگر اس مسئلہ میں کسی ایک فقیہ ومجتہد کا بھی اختلاف ہو، خواہ اُس فقیہ ومجتہد کا مسلک وفقہ شائع نہ ہو، البتہ اُس کے اجتہاد کو سائغ قرار دیا گیا ہو، تب بھی جمہور کے نزدیک وہ مسئلہ اجماعی نہیں کہلاتا، البتہ اس کو جمہور کا موقف کہا جائے گا، جس کو بعض حضرات اجماع یا حجت قرار دیتے ہیں، لیکن یہ قول جمہور کا نہیں۔

اور کسی مخصوص اہلِ فقہ یا مشائخ یا مخصوص جماعت کے اتفاق سے کوئی مسئلہ اجماعی نہیں کہلاتا، خواہ اُن کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

اور جمہور یا مخصوص اہلِ فقہ یا مخصوص مشائخ کے قول سے عدول تفرّد نہیں کہلاتا، اور اجتہادی شان رکھنے والے عالمِ دین کو اُسی رائے کی اتباع کرنا واجب ہوتا ہے، جو اُس کے اجتہاد میں راجح ہو، خواہ وہ رائے جمہور یا مخصوص اہلِ فقہ ومخصوص مشائخ کے قول کے موافق ہو، یا اُن کے خلاف ہو، اِلَّا یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو، تو پھر اس کی مخالفت جائز نہیں، بشرطیکہ واقعتاً تمام مجتہدین کا اجماع ہو، اور وہ اجماع معتبر طریقہ پر ثابت ہو۔

اور اُمورِ انتظامیہ وسیاسیہ میں اولی الامر اور حکمران اور اس کی جماعت کی اطاعت لازم ہے، جب تک کہ اس کی اطاعت میں صریح گناہ لازم نہ آئے، مسلم فاسق حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں، اُس کی جائز امور میں اطاعت نہ کرنا، یا اُس کے خلاف خروج کرنا مذموم تفرّد میں داخل ہے۔

اور اجتہادی مسائل میں اجتہاد کا عمل کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسی وجہ سے راجح یہ ہے کہ فی الجملہ اجتہاد کا باب بند نہیں ہوا، بلکہ جاری ہے، اور اس کا سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا، البتہ مجتہدین کے درجات میں فرق ضرور ہوتا ہے، ہر دور میں یکساں قسم کا اجتہاد نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور مجتہد وفقیہ کو اس کے اجتہاد پر اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، اگر وہ عنداللہ مُصیب ہو، تو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور مخطی ہو تو ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔

اور مجتہد کو اجتہادی مسئلہ میں نہ تو کسی دوسرے مجتہد کی اتباع ضروری ہے، اور نہ ہی دوسروں سے مشورہ ضروری ہے، البتہ جہاں اُس کو حکم میں مشکل پیش آئے یا تردد ہو، وہاں دوسرے اہلِ فقہ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے، لیکن مشورہ کے بعد اُسے اہلِ مشورہ کی اتباع پھر بھی لازم نہیں، بلکہ اُس کا رُجحان جس طرف ہو، اُس موقف کو اختیار کرنا درست ہے، خواہ وہ دوسرے اہلِ فقہ کے خلاف ہو، یا موافق ہو، اور دوسرے اہلِ فقہ اس سے اَفقہ واَورَع کیوں نہ ہوں۔

پھر مشورہ کے لئے ایک سے زیادہ اہلِ فقہ حضرات کا ہونا ضروری نہیں، اور نہ ہی علمائے غائبین سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

اور موجودہ دور میں بعض اہلِ علم حضرات نے جو اس سلسلہ میں پائے جانے والے بعض اقوال کے پیشِ نظر مختلف بے اعتدالیاں پیدا کر رکھی ہیں، اور جا بجا اپنی مخصوص جماعت یا مخصوص مشائخ کے قول سے الگ موقف رکھنے والے کو تفرّد کا الزام دیا جانے لگا ہے، شرعی وفقہی دلائل سے اس الزام کا درست نہ ہونا ثابت ہوا، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

فقط

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان 16 / ربیع الآخر / 1438ھ 15 / جنوری / 2017ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

ضمیمہ

اکابر سے علمی اختلاف پر ایک بریلوی عالم کی رائے

علمی و تحقیقی رسائل کی آٹھویں جلد شائع ہونے کے لیے پریس میں جا چکی تھی، اسی دوران بعض حضرات کی طرف سے نشان دہی کرنے پر بریلوی مکتبۂ فکر کے مشہور عالمِ دین، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (سابق شیخ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی) کا اس موضوع پر ''صحیح مسلم'' کی شرح کے ''مقدمہ'' میں مفید کلام نظر سے گزرا، جس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعد کے زمانہ کے کسی صاحبِ علم کو تحقیق کے نتیجہ میں اپنے بڑے، استاد اور بزرگ کی رائے سے دلائلِ شرعیہ کے پیشِ نظر اختلاف ہو جانا مذموم نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم، فقیہ، عابد و زاہد اور مشہور عاشقِ رسول کیوں نہ ہو، اسی سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی صاحب سے ان کے سلسلہ یا کسی دوسرے سلسلے کے کسی چھوٹے یا بعد کے صاحبِ علم کا علمی و فقہی اختلافِ رائے ہو جانا بھی مذموم اور برا نہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے اس کلام کے مفید ہونے کی وجہ سے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو بھی بطور ضمیمہ کے ساتھ میں شامل کر لیا جائے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب ''صحیح مسلم'' کی شرح کے ''مقدمہ'' میں لکھتے ہیں:

''ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تمام ائمۂ شریعت اور علمائے طریقت اور مرجعِ اَنام اساتذہ اور علماء اپنے تمام اعزاز و اکرام کے باوجود بندے اور بشر ہیں، نبی نہیں ہیں اور نہ معصوم ہیں، ان کی رائے میں خطاء واقع ہو سکتی ہے، اور کوئی غیر نبی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو، اور کیسا ہی مشہور عاشقِ رسول کیوں نہ ہو۔ کسی عالم یا فقیہ کے

متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی تحریر معصوم ہے اور اس میں خطاء واقع نہیں ہوسکتی، ''شرک فی الرسالۃ'' کے مترادف ہے اور اس شخص کو امتی کے مقام سے اٹھا کر نبی کے مقام پر کھڑا کرنے کے قائم مقام ہے، **العیاذ باللہ !**

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ فرعون کا کفر اجماعی ہے، لیکن امام محی الدین ابنِ عربی کا اس میں اختلاف ہے، علامہ ابنِ حجر (مکی) نے ''زواجر'' میں لکھا ہے کہ ہر چند کہ ہمیں ان (یعنی ابنِ عربی) کی جلالتِ علم کا اعتراف ہے، اس کے باوجود ان کا یہ قول مردود ہے، کیونکہ عصمت، صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے (ردالمحتار ج۳ ص۴۰۰ مطبوعہ: استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

''ویأبی اللّٰہ العصمۃ لکتاب غیر کتابہ''

''اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا ہر کتاب کی عصمت کا انکار فرماتا ہے''

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقرر نہیں کیا، یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے، یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے جس کے حق میں فرمایا:

'' لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ '' (حٰمٓ السجدۃ: ۴۲)

''اس کتاب میں باطل سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے''

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ وہ انسان کی تصنیفات ہیں، اور خطا اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاری نے اصولِ بزدوی کی شرح میں لکھا ہے کہ بویطی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا میں نے اس کتاب کو

تصنیف کیا ہے، میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا، لیکن اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا " (النسآء: ۸۲)

''اور اگر قرآن، اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا، تو لوگ اس میں ضرور بہت سے اختلاف پاتے''

لہٰذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتابُ اللہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ملے، اس کو چھوڑ دو، کیونکہ میں کتابُ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔

مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی کتاب ''الرسالة'' ان کے سامنے اسّی (80) مرتبہ پڑھی، اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطاء پر مطلع ہوئے، بالآخر امام شافعی نے فرمایا: اب چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۶، مطبوعہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

اس کتاب میں، میں نے بعض مقامات پر چند اکابر علماء کی تحقیق سے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے، اس پر بعض جمود پسند لوگوں نے برا منایا اور یہ کہا گیا کہ کیا یہ ان سے بڑے عالم ہیں؟ کیا اُن اکابر کو اِن دلائل کا علم نہیں تھا؟

علم اور تحقیق کی روشنی میں یہ بہت کمزور بات ہے۔ [1]

آخر اِن اکابر نے بھی تو اپنے متقدمین اور ان اکابرین سے اختلاف کیا ہے، جن کا

---

[1] یہ بات بالکل درست ہے کہ جس بات کو بطورِ دلیل آج کل بہت بڑی حجت اور برہان بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ کسی بعد کے اور چھوٹے کی تحقیق کو یہ کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کیا یہ اپنے سے پہلے عالم یا بزرگ سے بڑے عالم ہیں، وغیرہ وغیرہ، تو یہ بات علم اور تحقیق کی روشنی میں بہت کمزور بات ہے، جس کی آگے سعیدی صاحب نے بڑی عمدہ دلیل بھی پیش کی ہے۔ محمد رضوان۔

علم و فضل سب کے نزدیک مسلّم اور ان سے زیادہ تھا، ان میں ائمہ مجتہدین، تابعین اور صحابۂ کرام سب ہی شامل ہیں۔ تو کیا ان اکابر علماء کا علم ائمۂ مجتہدین اور صحابۂ کرام سے زیادہ تھا، یا ائمۂ مجتہدین اور صحابۂ کرام کو ان کے دلائل کا علم نہیں تھا!

پھر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر دور میں تحقیق کرنے والے علماء کو جمود پسندوں سے واسطہ پڑا ہے، اور وہ ان کے اعتراضات کا نشانہ بنے ہیں۔ [1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بعض مقامات پر علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ کی تحقیقات سے اختلاف کیا، تو ان کو بھی ایسے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے (اور قریبُ الوفات تھے) تو حضرت صہیب روتے ہوئے آئے، اور کہا ''وا أخاہ وا صاحباہ'' حضرت عمر نے فرمایا کہ اے صہیب! تم مجھ پر رو رہے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میت کے بعض گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے، حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فوت ہوگئے، تو میں نے حضرت عائشہ اُمُّ المومنین رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا، حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحم کرے! بخدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میت کے بعض گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کافر کے گھر والوں کے رونے سے اس کے عذاب کو زیادہ کرتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (زمر: ۷)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۳، مطبوعہ: کراچی)

---

[1] اور اب بھی بنتے ہیں، خود علامہ سعیدی صاحب کو بھی اپنے زمانہ میں ان اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا۔ محمد رضوان۔

حضرت عمر کا علم وفضل اور مرتبۂ صحابیت حضرت عائشہ سے بہت زائد تھا، اس کے باوجود حضرت عائشہ نے دلیل کے ساتھ حضرت عمر سے اختلاف کیا۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد، دلیل کے تابع ہے، اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کی رائے کو خطا قرار دے، اور اس کے غلط ہونے پر قسم کھائے، خواہ وہ دوسرا مجتہد اس سے زیادہ مرتبہ کا ہو، اور اس سے زیادہ علم والا ہو، کیونکہ حضرت عمر کا مرتبہ اور علم، حضرت عائشہ سے بڑا اور زیادہ تھا۔

ملا علی قاری، علامہ ابنِ حجر کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ ابنِ حجر کی اس عبارت میں ہمارے زمانے کے بعض شافعی علماء کے خلاف صحیح نقل اور صریح دلیل ہے، یہ تقلید کی پستی سے نہیں نکلے، اور تقیید کی قید سے آزاد نہیں ہوئے، اور میدانِ تحقیق میں وارد نہیں ہوئے، کیونکہ ہم جہاں علامہ ابنِ حجر کی کسی غلط بات کا رَد کرتے ہیں، تو یہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ”تمہارا جیسا شخص شیخ الاسلام مفتی الانام ابنِ حجر پر اعتراض کر رہا ہے، جو ائمۂ اعلام کے نزدیک، علم کے پہاڑوں میں سے ایک بہت بڑا پہاڑ ہے“، حالانکہ علامہ ابنِ حجر خود ہماری تائید میں یہ کہہ رہے ہیں کہ دلائل کے ساتھ اکابر سے اختلاف کرنا اور ان کی رائے کو غلط قرار دینا جائز ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۴ص۱۰۰، ۱۰۱، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان) [1]

---

[1] قال ابن حجر: وفيه أن المجتهد أسير الدليل وأن له لأجل ذلك أن يخطء غيره، وأن يحلف على خطئه وإن كان أجل منه وأوسع علما، إذ عمر كذلك مع عائشة رضى الله عنها اهـ .وفيه دليل صريح ونقل صحيح يصلح للرد على بعض المنتسبين إلى فقه الشافعي من أهل زماننا المعترضين علينا ممن لم يخرج عن حضيض التقليد، ولم يتخلص من قيد التقييد، ولم يبرز في ميدان التحقيق، والتأييد عند اعتراضنا على ابن حجر: إذا وقع له كلام غير سديد ;لأن مثلك لا يجوز له الاعتراض على شيخ الإسلام، مفتي الأنام ابن حجر: الذي هو جبل من جبال العلم عند الأئمة الأعلام(مرقاة المفاتيح ،ج ٣ص ١٢٤٥ ، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت)

(......پھر آگے چل کر لکھتے ہیں......) میں نے جن عصری مسائل میں کوئی رائے قائم کی ہے، اس کی اساس قرآن مجید، مستند احادیث اور اجماع ہے، اور بعض جگہ قیاس سے بھی استدلال کیا ہے، تاہم اگر کسی مسئلہ میں میری رائے کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف ہو، تو اصل حجت کتاب وسنت اور اجماع ہے، میرے رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ [1]

اور جن مواضع میں، میں نے امام اعظم کے قول یا دوسرے علمائے احناف سے اختلاف کیا ہے، اس کی وجہ نظریہ ضرورت ہے، اور ہمارے فقہائے احناف نے ضرورت کی بناء پر دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

یا اس کی وجہ اتباعِ حدیث ہے، مثلاً عید کے بعد چھ روزے رکھنے کو امام اعظم نے مکروہ کہا ہے، اور حدیث میں اس کی فضیلت ہے، اس جگہ ہمارے فقہاء نے حدیث کو مقدم رکھا ہے، علامہ امجد علی نے بھی یہاں حدیث کے مطابق لکھا ہے۔

اسی طرح جن بعض تراجم اور مسائل میں میں نے دوسرے علماء سے اختلاف کیا ہے، ان کی بنیاد قوی دلائل ہیں، تاہم اگر کوئی شخص میرے ذکر کردہ دلائل سے مطمئن نہیں ہے، تو جس قول کی دلیل سے وہ مطمئن ہو، اس پر عمل کرے۔ [2]

فارسی کا ایک مقولہ ہے "نہ کردن یک عیب وکردن صد عیب" (کام کا نہ کرنا تو ایک عیب ہے، اور کام کرنے والے کے کام میں سو عیب نکال لیے جاتے ہیں) یقیناً عصرِ حاضر میں ایسے اجلّہ اور اکابر علماء اہلِ سنت موجود ہیں، جن کا علمی مرتبہ مجھ

---

[1] علامہ سعیدی صاحب کی یہ بات بھی بڑی وزنی ہے، جس میں انہوں نے کسی مسئلہ میں اپنی رائے کا کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف ہونے کی صورت میں اپنی رائے کی کوئی حیثیت نہ ہونے کی صراحت کردی ہے۔
لہٰذا مذکورہ دلائل کی رو سے کسی دوسرے اور بعد کے عالم ومحقق کو علامہ سعیدی صاحب کی رائے سے بھی اختلاف کا ہونا، خود ان کی اپنی تصریح کے مطابق مذموم نہیں، بلکہ درست ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یہاں بھی علامہ سعیدی صاحب نے کھلے دل کے ساتھ اپنے مقابلہ میں دوسرے کے قول کی دلیل سے مطمئن ہونے والے کو اپنے بجائے دوسرے کے قول پر عمل کرنے کی صراحت کردی ہے۔ محمد رضوان۔

سے بہت بڑا ہے، اور مختلف مسائل میں ان کے تفردات ہیں، لیکن چونکہ اپنے مخصوص مشاغل کی وجہ سے وہ اپنے انفرادی نظریات کو ضبطِ تحریر میں نہیں لا سکے۔

یا اگر ان کے نظریات کی اشاعت ہوئی بھی، تو وہ اس قدر کم تھی کہ عام لوگ اس پر مطلع نہ ہو سکے۔

یا ان کی بزرگی اور شہرت کی وجہ سے ان سے صرفِ نظر کر لیا گیا، عربی کا مشہور مقولہ ہے "**من صنف فقد استهدف**" (جس نے کوئی کتاب تصنیف کی، وہ اعتراضات کا نشانہ بن گیا) [1]

(......پھر آگے چل کر لکھتے ہیں......) میں نے اس سے پہلے بھی مختلف جلدوں کے پیش ہائے لفظ میں لکھا ہے، اور اب ایک بار پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ دلائلِ حقہ اور اخلاص پر مبنی ناصحانہ مشوروں کو میں قبول کروں گا، اور خالص علمی اختلاف کا خیر مقدم کروں گا، اور میں عجبِ نفس اور انانیت اور معاندین کے شخصی اور گروہی بغض وعناد اور تعصّبات کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

ایک بحث یہ اٹھائی جاتی ہے کہ اگر مقلد کو اپنے امام کے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے، تو آیا وہ اپنے امام سے اختلاف کر کے اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بھی ہم سب سے پہلے حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عكرمة، أن أهل المدينة سألوا ابن عباس رضى الله عنهما، عن امرأة طافت ثم حاضت، قال لهم: تنفر، قالوا: لا نأخذ

---

[1] واقعی علامہ سعیدی صاحب نے سچ کہا کہ ہر دور میں ایسے بڑے بڑے اصحابِ علم ہوتے ہیں کہ مخصوص مسائل میں ان کی اپنی ذاتی رائے دوسروں سے مختلف ہوتی ہے، لیکن یا تو ان کی رائے کی اشاعت نہیں ہوتی، یا پھر اس رائے کی اشاعت بہت محدود ہوتی ہے، یا پھر ان کی بزرگی اور شہرت کی وجہ سے ان کی انفرادی رائے پر نکتہ چینی نہیں کی جاتی، لیکن جس کی یہ حیثیت نہیں ہوتی، اور وہ کسی تصنیف وتالیف میں اپنی اس قسم کی رائے تحریر کر دیتا ہے، اور اس کی اشاعت غیر معتقد لوگوں تک پہنچ جاتی ہے، تو وہ بے چارہ ہدفِ ملامت بن جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

بقولک وندع قول زید قال: إذا قدمتم المدینة فسلوا، فقدموا المدینة، فسألوا، فکان فیمن سألوا أم سلیم، فذکرت حدیث صفیة (صحیح بخاری، ج ا، ص ۲۳۷، مطبوعہ کراچی)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مدینہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کرلیا ہو، پھر اس کو حیض آ جائے (تو آیا وہ طوافِ وداع کیے بغیر جاسکتی ہے؟) حضرت ابنِ عباس نے فرمایا: جاسکتی ہے، اہلِ مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کے قول کو ترک نہیں کریں گے (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طوافِ وداع کیے بغیر نہیں جاسکتی) حضرت ابنِ عباس نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ، تو اس مسئلہ کی تحقیق کرلینا، جب وہ مدینہ گئے، تو انہوں نے اس کی تحقیق کی، اور حضرت اُمِّ سلیم سے بھی پوچھا، انہوں نے حضرت صفیہ کی (یہ) حدیث بیان کی (کہ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو طوافِ وداع کیے بغیر جانے کی اجازت دی تھی)

جب اہلِ مدینہ کو حضرت صفیہ کی حدیث مل گئی، تو انہوں نے حضرت ابنِ عباس کے پاس جا کر حق کا اعتراف کرلیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"فرجعوا الی ابنِ عباس فقالوا وجدنا الحدیث کما حدثتنا"

پھر اہلِ مدینہ حضرت ابنِ عباس کے پاس گئے، اور کہا جس طرح آپ نے ہمیں حدیث سنائی تھی، ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی (فتح الباری، ج ۳، ص ۵۸۸، طبع لاہور)

اور حضرت زید بن ثابت کو جب یہ حدیث مل گئی، تو انہوں نے بھی رجوع فرمالیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی، امام مسلم اور امام نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال: فرجع إلیه فقال ما أراک إلا قد صدقت لفظ مسلم وللنسائی

کنت عند ابن عباس فقال له زید بن ثابت أنت الذی تفتی وقال فیه فسألها ثم رجع وهو یضحک فقال الحدیث کما حدثتنی.

(فتح الباری، ج۳، ص۵۸۸، طبع: لاہور)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت زید بن ثابت نے رجوع کرلیا، اور حضرت ابنِ عباس سے فرمایا، مجھے یہ یقین ہے کہ آپ نے سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہا، یہ صحیح مسلم کی عبارت ہے، اور سنن نسائی میں یہ عبارت ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابنِ عباس کے پاس بیٹھا تھا، ان سے حضرت زید بن ثابت نے پوچھا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں، حضرت ابنِ عباس نے فرمایا اس انصاری خاتون سے اس کے متعلق حدیث معلوم کرلو، حضرت زید نے ان سے حدیث پوچھی اور ہنستے ہوئے (اپنے قول سے) رجوع کرلیا، اور کہا جس طرح آپ نے بیان کیا تھا، اسی طرح حدیث ہے۔

اس حدیث میں تقلیدِ شخصی کا بھی ثبوت ہے کہ اہلِ مدینہ حضرت زید بن ثابت کے فتویٰ کی تقلید کرتے تھے، اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر امام کے قول کے خلاف دلیل مل جائے، تو حدیث پر عمل کرنا تقلیدِ شخصی کے خلاف نہیں ہے۔ [1]

نیز ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ شوال کے چھ روزوں کو امام اعظم نے مکروہ کہا ہے، لیکن چونکہ حدیثِ صحیح میں ان کی فضیلت کا بیان ہے، اس لیے ہمارے فقہاء نے یہاں اپنے امام کے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کیا ہے، حتیٰ کہ علامہ امجد علی رحمہ اللہ نے بھی شوال کے چھ روزوں کو مستحب لکھا ہے، اور امام اعظم کے قول کی یہ توجیہ ہے کہ ان کو یہ حدیث نہیں پہنچی۔

اسی طرح اور بہت سے مسائل میں ہمارے فقہاء نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی

---

[1] بلکہ یہ ترکِ تقلید کی شکل میں خود اس امام کی اس حیثیت سے تقلید ہے کہ اس نے ایسے موقع پر اپنے قول کے بجائے اس دلیل کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ محمد رضوان۔

رائے سے اختلاف کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہمارے مسلّم عالم ہیں، انہوں نے کئی مسائل میں امام اعظم کے قول کے برخلاف کہا ہے، مثلاً احادیث اور آثار میں بیعِ عینہ کی سخت مذمت ہے، اسی بناء پر امام مالک، امام احمد اور امام اعظم ابوحنیفہ نے بیعِ عینہ کو حرام قرار دیا ہے، اور اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ بیعِ عینہ جائز ہے، اور کارِ ثواب ہے

(فتاویٰ رضویہ، ج ۷، ص ۱۷۲، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

اس کے جواب میں معترضین کہتے ہیں کہ جن مسائل میں اصحابِ ترجیح نے امام اعظم کے قول کے خلاف امام ابو یوسف یا امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے، وہاں اعلیٰ حضرت نے ایسا کیا ہے، اس کے دو جواب ہیں، اول یہ کہ قدوری اور صاحبِ ہدایہ اصحابِ ترجیح ہیں، اور انہوں نے امام اعظم اور امام محمد کے قول کے مطابق بیعِ عینہ کو حرام لکھا ہے (ہدایہ اخیرین، ص ۵۷، ۵۸، مطبوعہ: ملتان)

ثانیاً اصحابِ ترجیح بھی تو امام اعظم کے مقلد ہیں، ان کے لیے اپنے امام سے اختلاف کرنا کس طرح جائز ہو گیا؟ معترضین جواب میں کہتے ہیں کہ انہوں نے دلائل کے ساتھ امام اعظم سے اختلاف کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ پھر آپ نے ہماری بات مان لی کہ اعتبار دلائل کا ہے، شخصیت کا نہیں ہے، معترضین کہتے ہیں کہ تمہارے علم اور اصحابِ ترجیح کے علم، میں بہت فرق ہے، ان کا علم اس پایہ کا تھا کہ وہ امام اعظم اور صاحبین کے اقوال میں محاکمہ کر کے ان میں سے کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے تھے، ہم کہتے ہیں کہ اصحابِ ترجیح کا علم امام اعظم اور صاحبین کے علم کے مقابلہ میں بہت کم ہے، پھر ان کے لیے کیسے جائز ہو گیا کہ وہ امام اعظم اور صاحبین کے اقوال میں محاکمہ کریں؟ نیز جن علماء نے قدوری اور صاحبِ ہدایہ کو اصحابِ ترجیح قرار دیا ہے، وہ بھی تو بعد کے علماء ہیں، ان کے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ

ان متاخرین کو اصحابِ ترجیح قرار دیں، نیز علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت اصحابِ ترجیح نہیں ہیں، اور انہوں نے کئی مسائل میں اصحابِ ترجیح کی ترجیح کے خلاف قول کو اختیار کیا ہے، کتبِ فقہ میں ایسی بہت مثالیں ہیں، علامہ امجد علی رحمہ اللہ نے بھی ہمارے ائمہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے اختلاف کیا ہے۔

(......پھر اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں......) ہم علامہ امجد علی رحمہ اللہ کی اس بات سے متفق ہیں کہ عقیقہ کا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لیے صاف صاف یہ کہنا چاہیے کہ عقیقہ سنت اور مستحب ہے، کیونکہ مستند احادیث سے اس کا ثبوت ہے، اور ہر چند کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے اس کی کراہت اور اباحت منقول ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان ائمہ کے اقوال پر مقدم ہیں، کیونکہ ہم پہلے محمدی ہیں، پھر حنفی یا شافعی ہیں، اور یقیناً علامہ امجد علی نے بھی اس مسئلہ میں ائمۂ احناف کے اقوالِ صریحہ سے عدول اور اختلاف کیا ہے، اور اس اختلاف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ علامہ امجد علی خود کو ائمۂ احناف سے بڑا سمجھتے ہوں۔

جن بعض مسائل میں ہم نے ائمہ احناف کے قول کو اختیار نہیں کیا، ان میں ہمارا حسنِ ظن یہی ہے کہ ان ائمۂ کرام کو وہ احادیث نہیں پہنچیں، مثلاً اگر ہمارے ائمہ کو عقیقہ کے متعلق احادیث مل گئی ہوتیں، تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ عقیقہ نہ کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ ابتدائی دور میں احادیث کی نشر واشاعت کے اتنے ذرائع نہیں تھے، جتنے بعد میں مہیا ہو گئے۔

بہر حال جب علامہ امجد علی اور اعلیٰ حضرت رحمہما اللہ، امام اعظم اور صاحبین سے اختلاف کر سکتے ہیں، اصحابِ ترجیح ان ائمۂ کرام میں محاکمہ کر سکتے ہیں، اور ان سے بھی بعد کے علماء قدوری اور صاحبِ ہدایہ کو اصحابِ ترجیح قرار دے سکتے ہیں،

اوران میں سے کسی کے پاس بھی اس منصب کی کوئی آسمانی سند نہیں ہے، تو پھر ہم دلائلِ قویہ کے ساتھ متقدمین میں سے کسی مسئلہ میں اختلاف کیوں نہیں کر سکتے۔

مذکورالصدر تفصیل اور بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ اصل اعتبار دلیل کا ہوتا ہے، اور یہ کہنا غلط ہے کہ متاخرین کا علم متقدمین کے پائے کا نہیں ہے، اس لیے وہ ان سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

اور جو معترضین یہ کہتے ہیں کہ تمہارا علم فلاں فلاں کے علم سے کم ہے، اس لیے تم ان سے اختلاف نہیں کر سکتے، اور فلاں فلاں کا علم چونکہ زیادہ تھا، اس لیے وہ صحابہ اور مجتہدین سے اختلاف کر سکتے ہیں، ان سے گزارش یہ ہے کہ آپ نے ہمارے اور فلاں فلاں کے علم میں جو محاکمہ کیا ہے، اور فلاں فلاں کے علم اور مجتہدین کے علم کا جو تجزیہ کیا ہے، تو کیا آپ کا علم اتنا وسیع اور محکم ہے کہ آپ ہمارے اور فلاں فلاں کے علم میں محاکمہ اور تجزیہ کر سکیں، اور آپ کو اس تجزیہ اور محاکمہ کی کس نے سند دی ہے، یا آپ کے زعم میں آپ پر وحی نازل ہوئی ہے (شرح صحیح مسلم، جلد اول، ص ۳۷ تا ۴۶، ملخصاً، بلفظہٖ تقدیم، ناشر: فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، الطبع العاشر: صفر ۱۴۲۴ ہجری/ اپریل 2003 عیسوی)

واقعی علامہ سعیدی صاحب نے سچ کہا کہ جو لوگ اس طرح کا محاکمہ کر کے دوسرے پر اعتراض کرتے ہیں، ان کے پاس محاکمہ کرنے کا اتنا وسیع علم اور اختیار نہیں ہوتا، اسی لیے وہ کسی دلیلِ شرعی سے محاکمہ کرنے کے بجائے صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ فلاں کا علم زیادہ تھا۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان